

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

کتاب الصوم

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

باب مایفسد الصوم و مالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

باب قضاء الصوم وكفارته وفديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

فصل فی التسحر والإفطار

(سحری اورافطار کا بیان)

باب المتفرقات

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

كتاب الحج

باب فرضية الحج و شرائطه و أركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

بابٌ فی أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

باب القِران والتمتع

(حجِ قران اور تمتع کا بیان)

باب الحج عن الغیر

(حجِ بدل کا بیان)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

باب زیارة المدینة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

باب المتفرقات

کتاب النکاح

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندارج کرنے کا بیان)

10

فصل فی الشهود فی النكاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

فصل فی النکاح بالکتابة و الهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون سے نکاح کرنے کا بیان)

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

کتاب الصوم

جہاں اٹھارہ گھنٹہ کا دن ہو، وہاں روزہ کی صورت

سوال [۴۷۵۲]: جہاں دن اٹھارہ گھنٹے سے زیادہ بھی کا ہوتا ہے اور رات چھ گھنٹے یا اس سے کم، اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ کیا روزہ دن کے تناسب سے رکھا جائے گا یا کوئی دوسرا حساب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں کے قوی مزاج لوگ اتنے بڑے دن کا عموماً تحمل کرتے ہیں، اس لئے وہاں خود ان کا ہی دن معتبر ہوگا، کسی دوسرے حساب کی ضرورت نہیں، جیسا کہ مجموعۃ الفتاوی: ۱/۲۹۶ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''صوم وصلوۃ وغیرہ کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لئے ہر شہر اور ہر زمانہ میں عام ہیں، لہٰذا اختلافِ اقالیم اور طولِ نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑے گا اور یہ خیال کرنا کہ ''جہاں دن بہت بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ ہلاکت کا باعث ہے'' غلط ہے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی احکام کو عام کر رکھا ہے اسی طرح جہاں روزہ رکھنا طاقتِ بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے، وہاں ابن آدم کا مسکن نہیں بنایا............اھ۔

اور بلغار میں زمانۂ صیف میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروبِ شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے، وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں پڑے یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، اور کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے مرتا نہیں''۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۱/۲۹۶، کتاب الصلوة، سعيد)

'''لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أوبعده بزمان، لايقدر فيه الصائم على أكل مايقيم بنيته، ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛ لأنه يؤدي إلى الهلاک، فإن قلنا بوجوب الصوم، يلزم القول بالتقدير. وهل يقدّر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضاً، أم يقدرلهم بما يسع الأكل والشرب، أم يجب عليهم القضاء فقط=

مطلع میں ۲۴/ گھنٹہ کا فرق ہوتو روزہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۷۵۳]: ہوائی جہاز سے ہوائی کھیل ایجاد ہے، وہاں سے کھلاڑی گیند کھیلتے ہیں تو گیند اِسی جگہ لڑھک کر جاتا ہے، وہاں کے مطلع میں ۲۴/ گھنٹہ کا فرق ہوجاتا ہے۔ اگر ہوائی والے شنبہ کو روزہ رہیں تو کیا قریبی ملک والے کو اُسی دن روزہ رکھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہوجائے تو دن میں روزہ کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/ ۸۸ھ۔

مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے؟

سوال[۴۷۵۴]: شرعاً کتنے فاصلے پر واقع بلاد کا مطلع ایک سمجھا جاتا ہے اور کتنے بُعد میں مطلع بدل جاتا ہے؟ مسئلہ کی پوری شرح فرمائیں۔ جن دوشہروں یا ملکوں کا مطلع ایک ہو اور رُؤیت کی خبر صحیح ہو تو اس رؤیت

= دون الأداء؟ كل محتمل، فليتأمل.

ولا يمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً كالعشاء عند القائل به فيها؛ لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب، وفي الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر كل يوم، هذا ماظهرلي، والله تعالىٰ اعلم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۶، سعيد)

(۱) "وفي القدوري: (إذا كان بين البلدتين تفاوت لايختلف المطالع، لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوت يختلف المطالع) لم يلزم حكم إحدى البلدتين البلدة الأخرى. وذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلواني أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين، يلزمهم حكم أهل هذه البلدة". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يتعلق برؤية الهلال: ۲/۲۶۹، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

کی اطلاع پر دوسرے شہر والے روزہ یا عید منا سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی اگر رُویت کی کہیں سے غلط خبر نشر ہوگئی تو پھر کبھی وہاں کے رؤیت کی خبر کو قبول نہیں کی جائے گی۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں جو غروبِ آفتاب کے اوقات لکھے ہوتے ہیں اس کے کتنے دیر بعد اذانِ مغرب دی جائے؟ منٹ کی وضاحت کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ہزار میل کے بُعد پر مطلع بدل جاتا ہے (۱)۔ اگر رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہوجائے تو روزہ اور عید کا حکم ہوگا ورنہ نہیں (۲)۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں خود ہی اختلاف رہتا ہے۔ آج کل عامۃً طلوع غروب استقراء کا مشاہدہ کرکے جنتریوں کو مرتب نہیں کیا جاتا ہے، زیادہ تر نقل ہی پر اعتماد ہوتا ہے، پھر مرتب کرنے والے اپنے مزاج کے اعتبار سے احتیاط کی بھی رعایت رکھتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ گھڑیوں میں سستی اور تیزی کا

---

(۱) "وقدّر البُعد الذی تختلف فیه المطالع مسیرة شهر، وقد نبه التاج التبریزی علی أن اختلاف المطالع لا یمکن فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً، وأفتی به الوالد، والأوجه أنها تحدیدیة، کما افتی به أیضاً". (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب اختلاف المطالع: ۲/۳۹۳، سعید)

(۲) "ولو صام أهل بلد ثلاثین یوماً، وصام أهل بلد آخر تسعةً وعشرین، فإن صوم أهل ذلک البلد برؤیة الهلال، وثبت ذلک عند قاضیهم أوعدّوا شعبان ثلاثین یوماً، ثم صاموا رمضان، فعلی أهل البلد الآخر قضاء یوم؛ لأنهم أفطروا یوماً من رمضان .... هذا إذا کانت المسافة بین البلدین قریبةً لاتختلف فیها المطالع". (بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"(وقُبل بلادعوی) و بلا لفظ "أشهد" وبلا حکم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لاشهادة (للصوم مع علة کغیم) وغبار (خبرُ عدل) .... (ولو کان العدل (قناً أو أنثی أو محدوداً فی قذف تاب) .... اهـ. (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصابُ الشهادة ولفظ "أشهد") وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد، لکن (لا) تشترط (الدعوی) .... (و) بلاعلة جمعٌ عظیمٌ یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد)". (الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/۳۸۵-۳۸۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، رشیدیه)

فرق ہوتا رہتا ہے، اس لئے کوئی حتمی تعین نہیں کی جاسکتی، بس اتنا ہے کہ غروب متعین ہونے کے بعد از ان کا وقت ہے، نہ یہ کہ ہرجگہ ہر موسم پر گھڑی کا پابند کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر

سوال [۴۷۵۵]: رمضان المبارک کے متعلق کچھ ہدایت فرمائیں، دنیوی تفکرات سے قلب کو یکسوئی حاصل ہونے کا حضرت والا کوئی علاج بتلائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنا نظام الاوقات بنا کر تمام اوقات کو کام میں مشغول رکھیں، کوئی وقت ضائع نہ ہونے دیں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کریں (۲)، فضائلِ رمضان اپنے مکان پر یا مسجد میں سننے یا سنانے کا اہتمام کریں، اس سے رمضان کی عظمت دل میں پختہ ہوکر اعمالِ صالحہ کی رغبت میں اضافہ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ یکسوئی میسر ہوگی،

---

(۱) "وعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إذا أقبل اللیل من ھھنا وأدبر من ھھنا، وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم". متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الأول: ۱/۱۷۵، قدیمی)

"قلت: ومقتضی قولہ: (لابأس بالفطر بقول عدل) أنہ لایجوز إذا لم یصدقہ، ولا بقول المستور مطلقاً .... فلا بدّ حینئذ من التحری، فیجوز؛ لأن ظاھر مذھب أصحابنا جواز الإفطار بالتحری، کما نقلہ فی المعراج عن شمس الأئمۃ السرخسی؛ لأن التحری یفید غلبۃ الظن، وھی کالیقین .... وفی البحر عن البزازیۃ: ولایفطر مالم یغلب علی ظنہ الغروب وإن أذن المؤذن".
(ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ: ۲/۴۰۷، سعید)

(۲) "فأن لایتکلم إلابخیر .... ویلازم التلاوۃ والحدیث والعلم وتدریسہ وسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وإخبار الصالحین وکتابۃ أمور الدین". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۴۵۰ باب الاعتکاف، سعید)

(ومراقی الفلاح، ص: ۷۰۴، ۷۰۵، باب الاعتکاف، قدیمی)

خدا دین ودنیا کی ترقیات سے نوازے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روزہ میں مسواک سنت ہے

سوال[۴۷۵۶]: ماہ رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

درست بلکہ سنت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۱۳۹۰ھ۔

ستائیسویں رات کو شبِ قدر کی تعیین

سوال[۴۷۵۷]: شبِ قدر کو رمضان شریف کے اخیر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو ہی شبِ قدر منانا اور اسی شب کو قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا یا نہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادتیں کرنا، تلاوت قرآن شریف اور خصوصاً حافظوں کا ختم قرآن کرنا اسلاف اور کسی حدیث سے ثابت ہے کیا؟ اور کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شبِ قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، مگر بہت سے علماء نے قرائن سے ستائیس کو ترجیح دی ہے کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب ہے، لیکن اس پر یقین نہیں، اس طرح کہ دوسری راتوں کی نفی کردی جائے، ظنِ غالب کی بنا پر اگر ستائیس کو ختم قرآن پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ

---

(۱) "عن عبد الله بن عامر بن ربيعة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يستاك، وهو صائمٌ". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۲۹، كتاب الصوم، باب السواك للصائم، إمداديه ملتان)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۵۹، كتاب الصوم، باب السواك الرطب واليابس للصائم، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۵۴، كتاب الصوم، باب ما جاء في السواك للصائم، سعيد)

افضل ومستحب ہے، کذا فی البحر الرائق(۱)۔

یقینی طور پراسی رات کوشب قدر کہنا اور دوسری راتوں کی نفی کردینا غلط ہے، ختم کا بھی اس شب میں التزام نہ کیا جائے، عبادت، تلاوت، نماز وغیرہ کے لئے مساجد میں اس رات یا کسی اور رات میں جمع ہونا یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت ومکروہ ہے، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

مغرب پڑھ کر سفر کیا جہاں ابھی غروب نہیں ہوا، تیس روزے پورے کر کے سفر کیا ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے

سوال[۴۷۵۸]: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ پہونچ جائے، مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے۔ کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟ علی ہذا مکہ سے روزہ افطار کر کے یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزہ سے ہیں اور نمازِ عید ادا نہیں کی ہے۔ اب کیا کرے، روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمین وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگرچہ اس کا فریضہ ادا و

(۱) "والجمهور على أن السنة الختم مرةً، فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر". (البحر الرائق: ۲/۱۲۰، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲/۴۶، باب الوتر والنوافل، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۱۸، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، رشيديه)

(۲) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكر أكثر العلماء من أهل الحجاز وقالوا: ذلك كله بدعة".

(مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۴۰۲، فصل في تحية المسجد الخ، قديمي)

مکمل ہو چکا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت

سوال[۴۷۵۹]: زید نے فرض روزے کی نیت کی اور دن کا کچھ حصہ گزر اتھا کہ وہ اتفاقیہ سفر پر روانہ ہوگیا، سفر کافی طویل ہے۔کیا زید اس روزے کو توڑ سکتا ہے؟

حاجی عبدالحیٔ لکھنؤ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر مشقت ہے، پورا کرنا دشوار ہے تو اس کو توڑ سکتا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "هل يكره لها التشبه بالصوم أم لا؟ .... واعترض بأنه يستحب لها الوضوء والقعود في مصلاها وهو تشبه بالصلوة. (قوله: ولو شرعت تطوعاً فيهما): أي في الصلوة والصوم". (ردالمحتار: ۲۹۱/۱، سعيد)

"وقال: يتشبه بالمصلين وجوباً، فيركع ويسجد، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: وقالا: يتشبه بالمصلين): أي احتراماً للوقت .... (قوله: كالصوم): أي في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسک تشبهاً بالصائم لحرمة الشهر .... وكذا المسافر إذا أفطر فاقام". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۵۲/۱، ۲۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۸٦/۱، رشيديه)

(۲) "الأعذار التي تبيح الإفطار منها السفر الذي يبيح الفطر .... فلو سافر نهاراً، لايباح له الفطر في ذلک اليوم. وإن أفطر، لاكفارة عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰٦/۱، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۴۳۱/۲، فصل في العوارض، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۳۸۳/۲، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچی)

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم

سوال[۴۷۲۰]: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجے سے قبل پاک ہوجائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لئے واجب ہوگا، اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضاء رکھے، البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پیئے نہیں: ''یجب الإمساك بقیة الیوم علی من فسد صومه، وعلی حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر''. مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا

سوال[۴۷۲۱]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا (۲)، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا (۳)، لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا نا سمجھی اور کم عقلی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم اهـ، فصل: یجب الإمساک، ص: ۶۷۸، قدیمی)

(۲) ''عن سهل بن معاذ، عن أبیه، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: ''من أعطی لله تعالیٰ، ومنع لله تعالیٰ، وأحب لله تعالیٰ، وأبغض لله تعالیٰ، وأنکح لله تعالیٰ، فقد استکمل إیمانه''. (مسند الإمام أحمد، ۴۶۲/۴، (رقم الحدیث: ۱۵۱۹۰)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) ''عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ''الصِّیام جُنّة فلا یَر فُثُ ولا یَجهل، فإن امرأ قاتَله أو شَاتَمَه فلیقل: إنی صائم'' مرتین ''والذی نفسی بیده! لَخلوف فم الصائم أطیبُ عند الله من ریح المسک، یترک طعامه وشرابه وشهوته من أجلی، الصیام لی وأنا أجزی به، والحسنة بعشر أمثالها''. (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم: ۲۵۴/۱، قدیمی)

باب رؤیۃ الھلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مَطالع کا بیان)

روزہ کا سبب رؤیتِ ہلال ہے یا شہودِ رمضان؟ (اختلافِ مطالع کی تفصیل)

سوال [۴۷۶۲]: رویتِ ہلال رمضان میں سب کا اتفاق ہے اس پر کہ اختلافِ مطالع سے حکمِ صوم مختلف ہوجاتا ہے، بعض نے حدیثِ حضرت کُریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلیل بنایا اور بعض دوسری دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض اسی کو حق اور مطابقِ نصِ قرآنی بتاتے ہیں، کیونکہ قرآن شریف میں ہے: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۱) أي رمضان الخ". اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "جو شخص ماہ رمضان پاوے، یا داخل ہو، اس پر روزہ واجب ہے" اور یہی مذہب حق اور ٹھیک ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اگر مشرق والا ہلالِ رمضان کی خبر دے اہلِ مغرب کو تو اہل مغرب پر روزہ واجب ہوگا یا اس کا عکس۔ یہ مذہب کے خلاف حدیث اور نص قرآنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کبھی یہ صورت واقع ہوگی، ایک ملک میں آج شعبان ہے تو دوسرے ملک میں رمضان جیسے امریکہ میں رات اور یہاں دن، بلکہ لندن اور ہندوستان میں بھی بہت فرق ہے کیونکہ معظم کا خبرِ انتقال یہاں ہندوستان کو دیا ہے۔ ایک جگہ رات کے دس بجے ایک جگہ دن کے دس بجے۔ اور بلغار کی خبر مشہور ہے اور فقہ کی کتاب میں ہے کہ اہل بلغار پر صلوۃ عشاء واجب نہیں ہے، مغرب کے بعد فجر ہوجاتی ہے۔

الغرض جس پر ماہ رمضان حاضر ہوئے پھر اس پر روزہ واجب کس طرح ہوتا ہے؟ کیونکہ وجوبِ صوم کا سبب حاضر ماہ رمضان میں ہونا، یا ماہ رمضان میں پانا ہے اور ہرگاہ مشرق میں رویتِ ہلال ہوا ہے، اہلِ مغرب حاضر ماہِ رمضان نہیں ہے پھر وہاں کی خبر سے روزہ کس طرح واجب ہوگا؟ مثلاً: اگر ایک ملک میں وقتِ ظہر ہوا ہے اور دوسرے ملک میں وقت فجر ہوا ہے، اگر کوئی خبر ظہر کی وہاں سے لاوے تو اس وقت دوسرے ملک کے

(۱) (سورة البقرة: ۱۸۵)

باشندوں پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا یا فجر پڑھنا واجب ہوگا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کے ماخذ قرآنی اور حدیث اور قیاس اور اجماع ہے۔ الغرض رویتِ ہلال کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا دلیل ہے کہ رویتِ ہلال کے مسئلہ کے مطابق شریعتِ غراء اور ملتِ بیضاء ہے؟ دلائل سے مزین فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کہنا کہ علمائے مجتہدین سب کے سب رویتِ ہلال رمضان شریف کے بارے میں متفق ہیں کہ اختلافِ مطالع سے حکم صوم مختلف ہوجاتا ہے، ان کے مذہب سے ناواقفیت پرمبنی ہے۔ ان کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

"نیل المآرب" فقہ حنبلی میں لکھا ہے:

"يجب صوم رمضان برؤية هلاله على جميع الناس، و حكم من لم يره حكم من رآه، ولو اختلفت المطالع، اه". (١)۔ فقہ حنبلی کی دوسری کتاب "الروض المربع" میں اور زیادہ واضح طور پر ہے: "إذا رآه أهل بلد: أي متى ثبتت رؤيته ببلد، لزم الناس كلهم الصوم، لقوله عليه السلام: "صوموا لرؤيته". وهو خطاب للأمة كافةً، فإن رآه جماعة ببلد، ثم سافروا لبلد بعيد، فلم ير الهلال به في الشهر، أفطروا" اهـ(٢). یہ تو حنابلہ کا مذہب ہوا۔

---

(١) "قوله: (وإذا رأى الهلال أهل بَلَدٍ، لزم الناس كلهم الصوم).

لاخلاف في لزوم الصوم على من رآه، وأما من لم يره، فإن كانت المطالع متفقةً، لزمهم الصوم أيضاً، وإن اختلفت المطالع، فالصحيح من المذهب لزوم الصوم أيضاً.

قدمه في الفروع، والفائق، والرعاية، وهو من المفردات. وقال في الفائق: والرؤية ببلد تلزم المكلفين كافةً .... وقال في الرعاية الكبرى: يلزم من لم يره حكم من رآه .... قوله: ويقبل في هلال رمضان قول عدل واحد". (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: ٢٧٣/٣، كتاب الصيام، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المغني، كتاب الصيام: ٥/٣، دارالفكر بيروت)

(٢) (الروض المربع، كتاب الصوم: ١٣٧/١، دارالكتب العلمية بيروت)

فقہ مالکیہ کی "شرح کبیر الدردیر" میں ہے:"عم الصوم سائر البلاد قريباً أو بعيدًا، و لا يراعى فى ذلك مسافة قصر، ولا اتفاق المطالع و لا عدمها، فيجب الصوم على كل منقول إليه (إن نقل) ثبوته (بهما): أى بالعدلين أو بالمستفيضة (عنهما): أى عن العدلين، اهـ"(۱)۔

یہ مالکیہ کا مسلک ہوا۔ اور حنفیہ کا قولِ راجح معلوم ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کرنے میں ائمۂ ثلاثہ متفق ہیں، حنفیہ منفرد نہیں۔ شافعیہ البتہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں(۲)، لیکن ان کے یہاں بھی یہ تفصیل ہے:

"و ثبتت الرؤية فى حق من لم يره: أى ممن مطلعه موافق مطلع محل الرؤية، بأن يكون غروب الشمس والكواكب و طلوعها فى البدلين فى وقت واحد، فإن غرب شيء من ذلك، و طلع في أحد البلدين قبله في الآخر أو بعدُ، لم يجب على من لم يره برؤية البلد الآخر، حتى لو سافر من أحد البلدين فوجدهم صائمين أو مفطرين، لزم الشهر موافقتهم، سواء فى أول الشهر أو اخره. و هذا أمر مرجعه إلى طول البلد و عرضها، سواء قربت المسافة أو بعُدت، و لا نظر إلى مسافة القصر و عدمها، نعم! متى حصلت الرؤية للبلد الشرقى لزم رؤيته فى البلد الغربى، و عليه كما فى مكة المشرفة و مصر المحروسة، فيلزم من رؤيته بمكة لا فى عكسه، اهـ". حاشية شرح اقناع (۳)۔

---

(۱) (الشرح الكبير، بابٌ ذُكر فيه حكم الصيام وما يتعلق به: ۱/ ۵۱۰، دارالفكر بيروت)

(۲) "و أما الشافعية فقالوا: إذا رُؤى الهلال ببلد لزم حكمه البلد القريب لا البعيد، بحسب اختلاف المطالع فى الأصح، و اختلاف المطالع لا يكون فى أقل من أربعة و عشرين فرسخاً". (الفقه الإسلامى و أدلته: ۳/ ۱۶۵۹، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشيديه)

(۳) "ماوجدنا حاشية شرح الإقناع، لكنّ الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلى بيّن تفصيل هذه المسئلة فى مذهب الشافعية حيث قال: "وإذا لم نوجب على البلد الآخر وهو البعيد، فسافر إليه من بلد الرؤية من صام به، فالأصح أنه يوافقهم وجوباً فى الصوم آخراً، وإن كان قد أتم ثلاثين؛ لأنه بالانتقال إلى بلدهم صار واحداً منهم فيلزمه حكمهم .... الخ". (الفقه الإسلامى وأدلته: ۳/ ۱۶۵۹، كتاب الصيام، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشيديه)

تو درحقیقت ائمۂ ثلاثہ ایک طرف ہیں اور شافعیہ ایک طرف۔ شیخ محمد بن عبد الرحمٰن دمشقی شافعی "رحمة الامة فی اختلاف الأئمة" میں لکھتے ہیں:

"واتفقوا على أنه إذا رُئي الهلال في بلد رؤيةً فاشيةً، فإنه يجب على سائر أهل الدنيا، إلا أن أصحاب الشافعي صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البلد البعيد، اهـ "(۱)۔

یہاں تک تو مذاہب معلوم ہوئے، رہا دلائل کا قصہ: سو مقلد عامی کو دلائل کی ضرورت نہیں، نہ دلائل اس کی سمجھ میں آئیں گے اور نہ کچھ نفع ہوگا، بلکہ عجب نہیں کہ قصورِ فہم اور عدمِ علم کی بنا پر کچھ الجھن پیدا ہو، لہذا اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر جو مسائل استخراج کئے ہیں ان پر عمل کر لینا کافی ہے، البتہ اہلِ علم کو اگر تحقیق اور اضافۂ معلومات کا شوق ہو تو ان کے لئے دلائل کا ذخیرہ کتب میں کافی موجود ہے۔ جن شافعیہ نے اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے آیت سے استدلال نہیں کیا، بلکہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا ہے:

میں اولاً آیت کا مطلب لکھتا ہوں، اس کے بعد حدیث کے متعلق عرض کروں گا:

اس میں شک نہیں کہ روزہ کی فرضیت موقوف ہے شہودِ شہرِ رمضان پر: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾، مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیتِ ہلال پر موقوف ہے: "صوموا لرؤيته". الحديث(۲)۔

---

(۱) (رحمة الأمة في اختلاف الأمة، كتاب الصيام، ص: ۹۴، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذكر رمضان، فضرب بيديه، فقال: "الشهر هكذا وهكذا" ثم عقد إبهامه في الثالثة: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فاقدروا له ثلثين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غمي عليكم فأكملوا". (الصحيح للإمام مسلم: ۱/۳۴۷، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال الخ، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا"، قديمي) .... =

اس لئے جمع کی صورت یہ ہے کہ شہودِ شہر کوموقوف کیا جائے رؤیتِ ہلال پر، اب رویتِ ہلال کی دو صورتیں ہیں: یا تو ہر شخص کے حق میں خود اسی کی رؤیت معتبر ہو، کسی دوسرے کی رؤیت کافی نہ ہو، تب تو اندھے ضعیف البصر، مستورات جو کسی بلند مقام سے پہلی شب کو چاند نہ دیکھ سکیں، ابر وغبار ودخان والی جگہ کے رہنے والے یہ سب لوگ صوم سے مستثنیٰ ہوجائیں گے، بعض کچھ وقت کے لئے، بعض مدت العمر کے لئے۔ اس کا بطلان تو بدیہی اور مجمع علیہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کی رؤیت سب کے حق میں معتبر اور کافی ہوجائے (بشرطیکہ شرعی طریق پر قابلِ قبول شہادت حاصل ہوجائے) یہی حق ہے۔ اب جس کو بھی رؤیت کا علم (شرعی شہادت سے) حاصل ہوگیا۔ دیکھنے والے کی طرح اس کے حق میں بھی شہودِ شہر ہوگیا۔

یہ کہنا کہ ''مشرق کی رؤیت سے (باوجود شرعی شہادت پہنچنے کے) مغرب میں شہودِ شہر نہیں ہوا'' غلط ہے، جس طرح نزدیک کی شہادت پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں اسی طرح دور کی شہادت پر بھی جاری ہوتے ہیں، دور ونزدیک کی تفریق حدود وقصاص (جن کو ادنیٰ سے شبہ کی بنا پر ساقط کردینے کا حکم ہے) میں بھی نہیں، بلکہ شریعت میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

پس مذہبِ حنفیہ نصِ قطعی یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے بالکل خلاف نہیں، بلکہ عین موافق ہے۔

التفسیر تبصیر الرحمٰن میں ہے:" ﴿فمن شهد﴾ : أى علم ﴿منكم الشهر﴾ باسكتمال شعبان أو برؤية عدل الهلال ﴿فليصمه﴾ اهـ(۱)۔ صاوی شرح جلالین میں ہے: ﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ إن كان المراد به الأيام، فالمعنى: شهد بعضه، وإن كان المراد به الهلال فالمعنى: علمه، إما أن يكون رآه أو ثبت عنده، اهـ"(۲)۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے امام علامہ شوکانیؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، وہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دیتے ہیں۔ حدیثِ کریب جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، یہ ہے:

= (وجامع الترمذى، أبواب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، سعيد)

(۱) لم اجده

(۲) (حاشية الصاوى على تفسير الجلالين: ۱/۱۱۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"حدثنا موسى بن إسماعيل، نا إسمعيل يعني ابن جعفر، أخبرني محمد بن أبي حرملة، أخبرني كريب رضي الله تعالىٰ عنه: أن أم الفضل ابنة الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، فقال: قدمت الشام فقضيت حاجتها، فاستهل رمضان وأنا بالشام، فرأينا الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة في آخر الشهر، فسألني ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، ثم ذكر الهلال، فقال: "متى رأيتم الهلال"؟ قلت: رأيته ليلة الجمعة. قال: "أنت رأيته"؟ قلت: نعم، و رآه الناس وصاموا وصام معاوية. قال: "لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصومه حتى نكمل الثلاثين أو نراه". فقلت: "أفلا نكتفي برؤية معاوية و صيامه"؟ قال: لا، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(١).

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ: "واعلم أن الحجة إنما هي في المرفوع من رواية بن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، لا في اجتهاده الذي فهم عنه الناس. والمشار إليه بقوله: "هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". وهو قوله: "فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين". والأمر الكائن من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: "لاتصوموا حتى تروا الهلال، و لا تفطروا حتى تروه، فإن غُمّ عليكم فأكملوا العدة ثلثين". و هذا لا يختص بأهل ناحية على جهة الانفراد، بل هو خطاب لكل من يصلح له من المسلمين، فالاستدلال به على لزوم رؤية أهل بلد لغيرهم من أهل البلاد أظهرُ من الاستدلال به على عدم اللزوم؛ لأنه إذا رآه أهل بلد، فقد رآه المسلمون، فيلزم غيرهم ما لزمهم.

ولو سُلّم توجه الإشارة في كلام ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد آخر، فكان عدم اللزوم مقيداً بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البُعد ما يجوز معه اختلاف المطالع، و عدم عمل ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما برؤية أهل الشام مع عدم البُعد الذي يمكن معه الاختلاف عمل بالاجتهاد، و ليس بحجة. و لو سُلّم عدم لزوم التقييد بالعقل، فلا يشك عالم أن الأدلة قاضية بأن أهل الأقطار يعمل بعضهم بخبر بعض و شهادته في

(١) (سنن أبي داؤد: ١/٣٢٦، باب: إذا رؤي الهلال في بلد قبل الآخرين بليلة، إمداديه ملتان)

جميع الأحكام الشرعية، والرؤية من جملتها. و سواء كان بين القطرين من البُعد ما يجوز معه اختلاف المطالع أم لا، فلا يقبل التخصيص إلا بدليل، ولو سلم صلاحية حديث كريب رضى الله تعالىٰ عنه هذا للتخصيص، فينبغي أن يقتصر فيه على محل النص إن كان النص معلوماً، أو على المفهوم منه إن لم يكن معلوماً لوُروده على خلاف القياس.

ولم يأت ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما بلفظ النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا بمعنى لفظه، حتى تنظر في عمومه وخصوصه، إنما جاء نا بصيغةٍ مجملةٍ أشار بها إلى قصةٍ هى عدم عمل أهل المدينة برؤية أهل الشام على تسليم أن ذلك المراد، و لم نفهم منه زيادةً على ذلك، حتى نجعله تخصيصاً لذلك العموم، فينبغي الاقتصار على المفهوم من ذلك الوارد على خلاف القياس، و عدم الإلحاق به، فلا يجب على أهل المدينة العمل برؤية أهل الشام دون غيرهم، و يمكن أن يكون فى ذلك حكمة لا نعقلها، اهـ"(۱)۔

معلوم ہوا کہ حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ شوکانیؒ کے نزدیک بھی قابلِ استدلال نہیں اور حنفیہ جو جوابات دیتے ہیں ان کو، نیز حنفیہ کے نقلی و عقلی استدلالات کو مفصلاً دیکھنا ہوتو "أوجز المسالك شرح موطأ إمام مالك" جلد ثالث دیکھئے (۲)۔

اوقاتِ صلوٰۃ اور بلغار کا تذکرہ سوال میں استطراداً آیا ہے، اصل مقصود، رویت ہلالِ رمضان کا ہے اور استدلال آیت: ﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ اور حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ پس نفسِ مسئلہ اور اس کا استدلال اچھی طرح واضح ہوگیا اور حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بقدرِ ضرورت جواب دیدیا گیا۔ امورِ استطرادیہ کو بھی بالقصد اگر دریافت کرنا ہوتو تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔ صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (نيل الأوطار للشوكانى: ۴/ ۲۶۸، ۲۶۹، باب الهلال إذ رآه أهل بلدة هل يلزم بقية البلاد الصوم، دار النشر والتوزيع مكة المكرمة)

(۲) (أوجز المسالک، باب ماجاء من الروايات والآثار فى رؤية الهلال: ۳/۳-۱۵، إدارہ تاليفات أشرفيه، ملتان)

رؤیتِ ہلال اور کتاب القاضی الی القاضی کی تفصیل

سوال[۴۷۶۳]: ۲۹/ رمضان المبارک/ ۶۹ھ، یوم یکشنبہ کو خیرآباد مطلع پر اَبر محیط تھا، اس لئے چاند نظر نہ آسکا اور اطراف ونواح سے شہادت بھی نہ گزری، البتہ لکھنؤ میں ثبوت رؤیت ہوجانے کی وجہ سے ۱۲/ بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کردیا گیا۔ سیتاپور (جو خیرآباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل دور ہے) کے ذمہ دار حضرات نے فون سے معلوم کر کے رات ہی کو بذریعۂ موٹر دو ثقہ آدمی روانہ کردیئے جو علی الصباح مفتی صاحب فرنگی محلی کی تحریر لے آئے جس کی بنا پر سیتاپور میں عید کا اعلان کردیا گیا۔ خیرآباد میں جہاں کا نظامِ افتاء سیتاپور سے علیحدہ ہے، جب صبح ۶/ بجے خبر ہوئی تو مفتی خیرآباد نے دو آدمی فوراً لکھنؤ روانہ کئے جو چار بجے شام کی ٹرین سے مفتی صاحب فرنگی محل لکھنؤ کا خط لائے جس کے بعد فوراً روزہ توڑنے کا اعلان کردیا گیا۔ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔

یہاں سے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتاپور کے اعلان پر یہاں بھی اعلان کردیا جائے، لیکن یہاں کے مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتاپور کے مفتی صاحب کے نام تھا ناقابلِ عمل سمجھتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا، اس لئے کہ کتبِ فقہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب خط عام نہ ہو، مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لئے قابلِ عمل نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفوس نے نماز بھی پڑھ لی، شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

اس سلسلہ میں حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... کتاب القاضی الی القاضی جب کہ کسی خاص قاضی کے نام ہو دوسرے کے لئے قابلِ عمل اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کردیا گیا ہو جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے: "و كذا بموت المكتوب إليه و خروج من الأهلية"۔ قال الشامي: " إلا إذا عمم بأن قال: إلى فلان قاضي بلد كذا و إلى كل من يصل إليه كتابي هذا من قضاة المسلمين و حكامهم"(۱)۔

یہ عموم صرف اسی شہر کے لئے ہے جہاں کے لئے خط لکھا گیا ہے، یا جس جگہ بھی یہ خط مع ان گواہوں کے پہونچ جائے کافی ہے؟ نیز "و حكامهم" سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ذمہ دار حضرات کو بھی وہی درجہ

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۴۳۸/۵، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

حاصل ہے جو قاضی کو ہے جب عموم کر دیا جائے۔

۲..... سیتا پور کے مفتی صاحب کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے، اب اگر سیتا پور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ ایک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ ''لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس بشہادتِ شاہدین آگئی ہے جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادتِ رویتِ ہلال گزر گئی ہے''۔اب دوسرے مقام کے مفتی کے لئے سیتا پور کے مفتی کی یہ تحریر- جو ثبوتِ رؤیت پر نہیں، بلکہ جس مفتی کے پاس ثبوت رؤیت ہوا ہے اس کی تحریر کی تصدیق ہے- قابلِ عمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

پھر یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا، یا تیسرے کو چوتھے علی ہذا القیاس سلسلہ بسلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے؟ کتب فقہ میں کوئی اس کی نظیر یا جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ اگر یہ صورت جائز ہے تو بحوالۂ کتاب تحریر فرمایا جائے۔

۳..... فتاویٰ شامی میں ہے:''و عن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: إن کان فی مکان لو غدا لأداء الشهادات لا یستطیع أن یبیت فی أهله، صح الإشهاد و الکتابة''(۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر سوال نمبر:۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر سیتا پور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھ سکتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیر آباد یا کوئی دوسرا مقام جو سیتا پور سے اس مقدار مسافت سے کم ہے جس کا عبارتِ مذکورہ بالا میں بیان ہے تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی؟ نیز خود اگر سیتا پور میں شہادت علی الرؤیۃ گزر جائے تو خیر آباد کا مفتی وہاں کے مفتی کے بیان پر کس طرح عمل کرے؟ جب کہ قولِ مفتی بہ مسافتِ مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لئے ضروری ہے، قال فی الدر المختار:''وجوّزهما الثانی إن بحیث لا یعود فی یومه، وعلیه الفتوی''(۲)۔ یہ بھی تحریر فرمایئے کہ شہادت علی القضاء کے لئے تو مسافت شرط نہیں ہے؟

۴..... مفتی خیر آباد نے اعلانِ عید کے بارے میں لکھنؤ کے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا۔ یہ فعل شرعاً صحیح تھا یا غلط؟ اور بغیر اس کے محض سیتا پور کی عید کا حال معلوم کر کے اعلان عید کر دینا (جب کہ یہاں کا نظامِ افتاء

---

(۱) (ردالمحتار: ۵/۴۳۷، باب کتاب القاضی إلی القاضی، مطلب فی دفتر البیاع والصراف والسمسار، سعید)

(۲) (الدرالمختار: ۵/۴۳۷ کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی، سعید)

جداگانہ ہے) جائز تھا یانہیں؟

۵...... خیرآباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر روزہ توڑ ڈالا، یا نماز عید ادا کی، یہ گنہ گار ہوئے یانہیں؟ اور نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

۶...... خیرآباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت یا دوسری ضرورت سے سیتاپور گئے ہوئے تھے وہاں کے اتباع میں انہوں نے نماز بھی ادا کی، روزہ بھی توڑا۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

۷...... بعض باشندگانِ خیرآباد خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لئے سیتاپور گئے، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ خیرآباد کی اتباع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا؟

۸...... پاکستان اور حیدرآباد میں ۲۹/ کی رؤیت رمضان کی ہوئی تھی یعنی یہاں سے ایک روز قبل روزہ رکھا تھا، بعض لوگ جو وہاں موجود تھے عید کے لئے یہاں آگئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ پڑ رہا تھا، اس لئے انہیں روزہ رکھنا چاہئے تھا یا ترک کردینا چاہئے تھا؟

۹...... رؤیتِ ہلال میں تار، ٹیلفون، ریڈیو کی اطلاع معتبر ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ مسلم سلطنت ہے اس لئے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہئے؟

۱۰...... اگر جس قاضی کے پاس شہادت گزری ہے، مفتی خود جائے یا اپنا نائب بنا کر بھیج دے، تب بھی شاہدین کی ضرورت ہوگی، قاضی خود آکر مفتی سے زبانی کہہ دے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کرلی۔ بلا شہادت یہ قول صحیح ہے یانہیں؟

۱۱...... سیتاپور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے رؤیت سے نہیں ہوئی ہے، اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آکر عید ہونا بیان کردیں یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جاکر دیکھ آئیں اور مفتی سے آکر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دینے کے لئے کافی ہے یانہیں جب کہ فقہاء نے مجرد شیوع کو بے اصل قرار دیا ہے؟

۱۲...... عید میں جب شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے کیونکہ وہ مستور الحال ہیں؟ حالانکہ شہادتِ اہل الشرق لاہل الغرب کو رؤیت میں معتبر مانا گیا ہے، اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں، صرف تعداد کافی ہے کیونکر معتبر

ہے؟ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر- جب کہ متعدد جگہوں سے ہو یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان عملہ کی زیرِنگرانی ہو- کیوں غیر معتبر ہے؟

۱۳......اگر ہلالِ رمضان محض ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے ہوئے عید کرنا جائز ہے یا نہیں، خصوصاً جب کہ مطلع صاف ہو اور تیس کو چاند نظر نہ آئے؟ بینوا توجروا۔

پوری توجہ اور غور وفکر کے بعد جواب تحریر فرمایئے گا، معاملہ بہت اہم اور وقت نازک ہے۔ مورخہ ۲۲/شوال/ ٦٩ھ۔

رشید احمد بھینڈھ ضلع حیدرآباد، سندھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل شرعی قاضی تو یہاں موجود نہیں اور مفتی وقاضی میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، یعنی اول مخبرِ حکم ہے اور ثانی ملزم ہے، جس جگہ حاکمِ ملزم نہ ہو وہاں مفتی کا فتویٰ ہی عامی کے حق میں بمنزلۂ حکمِ حاکم کے ہے، اس بناء پر مفتی کی تحریر کو کتاب القاضی کا حکم دیا جاتا ہے: "و لا فرق بين المفتي والحاكم إلا أن المفتي مخبر بالحكم والقاضي ملزم به، اهـ". شرح عقود رسم المفتي (۱)۔

۱......اگر قاضیٔ کاتب نے کسی خاص قاضیٔ مکتوب الیہ کے نام خط لکھ کر عموم کر دیا ہو تو تمام قُضاۃ وحکام کے لئے وہ قابلِ عمل ہے، اگر ابتداءً ہی عموم کر دیا ہو تب بھی قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابلِ عمل ہے اور بہت سے مشایخ کے نزدیک بھی وہ قابلِ عمل ہے، یہ ہی اوجہ ہے، اسی پر عمل ہے۔ مسائلِ قضاء وشہادت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے:

"إلا إذا عمّم بعد تخصيص اسم المكتوب إليه بخلاف مالو عمّم ابتداءً، وجوزه الثاني، وعليه العمل، خلاصه، اهـ". درمختار۔

"(قوله: بخلاف ما لو عمم) بأن قال: إلى كل ما يصل إليه كتابي هذا من قضاة المسلمين و حكامهم. (قوله: وجوزه الثاني)، و كذا الشافعي وأحمد، فتح. (قوله: وعليه العمل) قال الزيلعي: واستحسنه كثير من المشايخ، و في الفتح: وهو أوجه؛ لأن إعلام

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۷، سعيد)

المکتوب وإن کان شرطاً فبالعموم یُعلم کما یعلم بالخصوص، و لیس العموم من قبیل الإجمال والتجهیل، فصار قصدیته و تبعیته سواء. نهر، اهـ". شامی(۱)-

"وفی القنیة من باب المفتی: الفتویٰ علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ فیما یتعلق بالقضاء .... زادفی شرح البیری علی الأشباه: إن الفتویٰ علیٰ قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أیضاً فی الشهادات، اهـ". شرح عقود رسم المفتی(۲)-

اگر کسی خاص شہر کے قضاۃ کومکتوب الیہم قرارنہیں دیا، بلکہ عموم رکھا ہےتو کسی خاص شہر کی تعیین نہیں ہوگی اورمفتی کی طرح ہر وہ شخص اس صورت میں مکتوب الیہ سمجھا جائے گا جس کی طرف عوام ایسے مسائل میں رجوع کرتے ہوں اوروہ ذمہ دار ہو، بشرطیکہ شہادتِ شرعیہ کے ساتھ یہ تحریراس کے پاس پہونچ جائے۔

۲...... یہ جزئیہ اوراس کی نظیریں کتبِ فقہ میں موجود ہیں: "و یجوز للقاضی المکتوب إلیه أن یکتب کتاباً إلی قاضی آخر إذا تعذر حضوره عنده، و کذا للمکتوب إلیه ثانیاً أن یکتب إلی اخر ما لا یتناهی؛ لأن الشهادة الواقعة عند الأول صارت منقولةً إلی المکتوب إلیه حکماً، فصاروا کأنهم شهدوا عنده حقیقةً، فجاز له أن ینقلها إلی غیره، إذِ الحاجةُ إلی نقلها مراراً ماسةٌ، و هی المجوزة للنقل، اهـ". زیلعی شرح کنز(۳)-

"[فرع]: لو سمع الخصم بوصول کتاب القاضی إلی قاضی بلدة، فهرب إلی بلدة أخریٰ، کان للقاضی المکتوب إلیه أن یکتب إلی قاضی تلك البلدة مما ثبت عنده من کتاب

---

(۱) (رد المحتار: ۴۳۷/۵، باب کتاب القاضی إلی القاضی، مطلب فی دفتر البیاع والصراف والسمسار، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۸۷/۴، باب کتاب القاضی إلی القاضی، إمدادیه ملتان)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱۶۷/۲، فصل فی کتاب القاضی إلی القاضی، بیروت)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی،ص: ۱۱۱، مطلب فی قواعد الترجیح التسعة، الفتوی علی قول أبی یوسف فی القضاء و ما یتعلق بها، میر محمد کتب خانه)

(۳) (تبیین الحقائق: ۱۰۵/۵، باب کتاب القاضی إلی القاضی، دارالکتب العلمیة بیروت)

القاضی، کما جوّزنا للأول الکتابة نجوّز للثانی والثالث و هلم جراً للحاجة، اهـ". فتح القدیر(۱)۔

۳......امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہونے کے باوجود ان کے قاضی ہونے کی بناپر مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی اور بعض فقہاء نے امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے:

"ثم لا بد من مسافة بین القاضیین حتی یجوز کتاب القاضی. و اختلفوا فی تلك المسافة، منهم من قال: هی معتبرة بالشهادة علی الشهادة، وهی مسیرة ثلاثة أیام فی ظاهر الروایة. وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه إن کان فی مکان لو غدا لأداء الشهادة لا یستطیع أن یبیت فی أهله، صح الإشهاد. وعن محمد رحمه الله تعالیٰ أنه تجوز الشهادة علی الشهادة، وإن کان الأصل صحیحاً فی المصر. و ذکر الکرخی رحمه الله تعالیٰ فی اختلاف الفقهاء: أن کتاب القاضی إلی القاضی مقبول وإن کان فی مصر واحد، فکأنهما اعتبراه بالتوکیل، و فی الظاهر اعتبر بالعجز، اهـ". زیلعی(۲)۔

"فی الخصاف: وروی عن محمد أنه قال فی مصرٍ فیه قاضیان فی کل جانب قاضی، یکتب أحدهما إلی الآخر کتاباً: یقبل کتابه، ولو أتی أحدهما إلی صاحبه فأخبره بالحادثة بنفسه، لم یقبل قوله؛ لأن فی الوجه الأول کان الأول خاطبه فی موضع القضاء وفی الثانی خاطبه فی غیر موضع القضاء، اهـ". شامی(۳)۔

اس قول کی بناپر مسافتِ مذکورہ فی الدر المختار سے کم کی صورت میں بھی تحریر قابلِ عمل ہوسکتی ہے۔

---

(۱) (فتح القدیر: ۷/۲۹۵، کتاب القاضی إلی القاضی، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) (تبیین الحقائق: ۵/۱۰۳، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۵/۱۰۳، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی ردالمحتار: ۵/۴۳۷، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، مطلب فی دفتر البیاع والصراف والسمسار، سعید)

۴...... مفتیٔ خیرآباد کا عمل صحیح رہا، روزہ توڑنا جائز نہیں تھا۔

۵...... یہ روزہ توڑنا اور عید پڑھنا خلافِ شرع ہوا، پھر اگر کسی نے یہ سمجھتے ہوئے نمازِ عید پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت نہیں ہوا تو اس کو آئندہ روز جب کہ اَور آدمیوں نے ثبوت ہونے پر پڑھی ہے ان کے ساتھ پڑھنا چاہیے، پہلی دفعہ کا پڑھنا کافی نہیں اور اگر یہ سمجھتے ہوئے پہلی دفعہ پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت ہوگیا تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں: "صلى الفرض و عنده أن الوقت لم يدخل، فظهر أنه كان قد دخل، لا يجزيه؛ لأنه عنده إن فعله غير جائز، اهـ". کبیری(۱)۔

۶...... نہیں، کوئی حرج نہیں۔

۷...... ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

۸...... ایسے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیے جیسے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھ لے، مگر اس کا قول قبول نہ کیا جائے تو اس کو عید کرنا درست نہیں بلکہ روزہ رکھنا چاہیے، تاہم اگر روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں (۲)۔

۹...... جن مسائل میں شہادتِ شرعیہ ضروری ہے ان میں تار، ریڈیو، ٹیلیفون کی اطلاع معتبر نہیں خواہ پاکستان سے یہ اطلاع آئے خواہ عربستان سے۔ اور جن مسائل میں خبر بھی کافی ہے، ان میں اگر متعدد تار، ریڈیو، ٹیلیفون کی اطلاع سے ظنِ غالب حاصل ہو جائے تو ان مسائل میں معتبر ہے خواہ پاکستان سے اطلاع ملے خواہ کسی اَور جگہ سے۔ پاکستان کی اسلامی حکومت کا ہندوستان پر ایسے مسائل میں کوئی اثر نہیں جیسے کہ عرب وغیرہ کی حکومت کا کوئی اثر نہیں۔

۱۰...... جواب نمبر: ۳ کے اخیر میں شلبی کی عبارت منقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاضی خود آکر دوسرے قاضی سے معاملہ بیان کرے تو اس کا قول قبول نہیں، والعلة مذكورة ثَمّ۔

۱۱...... جب کہ خیرآباد کا نظامِ افتاء جداگانہ ہے، سیتاپور کے ماتحت نہیں تو صورتِ مسئولہ میں عید کا حکم

(۱) (الحلبي الكبير، الشرط الرابع، ص: ۲۲۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "(رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعي (صام) مطلقاً وجوباً، وقيل: ندباً". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/ ۳۸۴، سعيد)

صحیح نہیں۔

۱۲......جی ہاں! مستور الحال کی شہادت رؤیتِ ہلالِ عید کے متعلق معتبر نہیں، شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے، خواہ وہ مقامی ہو خواہ باہر سے آنے والا ہو، جو فائدہ شہادت سے حاصل ہوتا وہ فائدہ خبرِ مستفیض سے بطریقِ اتم حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے یہاں بھی خبرِ مستفیض معتبر ہے:

"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ" درمختار۔ "كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". شامی (۱)۔

"وقُبل بلا علةٍ جمعٌ عظيم يقع العلم الشرعي، وهو غلبة الظن بخبرهم، اهـ". درمختار۔ "(قوله : وقبل بلا علة): أي إن شرط القبول عند عدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، اهـ. (قوله: و هو غلبة الظن)؛ لأنه العلم الموجب للعمل، اهـ". شامی (۲)۔

ریڈیو اور ٹیلیفون اور تار کی شہادت کا نہ ہونا تو ظاہر ہے، دو چار خبریں اگر آ بھی جائیں تو وہ حدِ استفاضہ تک نہیں پہونچتی، ریڈیو کا نظام مسلمان عملہ کے زیرِ نگرانی اگر ہو تب بھی اس کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جاتا (۳) "لأن النغمة تشبه النغمة" ہر مسلمان عادل مقبول الشہادۃ ہی نہیں ہوتا۔

۱۳......ایسی صورت میں عید کرنا جائز نہیں: "وإذا تم العدد: أي عدد رمضان ثلاثين بشهادة فرد برؤيته، و لم ير هلال الفطر، والسماء مصحية، لايحل الفطر اتفاقاً على ما ذكره شمس الأئمة، و يعزر ذلك الشاهد، كذا في الدر. و في التجنيس: إذا لم ير هلال شوال، لا يفطرون حتى يصوموا يوماً آخر. و قال الزيلعي: والأشبه أن يقال: إن كانت السماء مصحيةً لايفطرون

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار : ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم ، مطلب في اختلاف المطالع، قبيل باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، سعيد)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار : ۲/۳۸۷-۳۸۸، كتاب الصوم ، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، سعدی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۱۹۸ ، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (سیأتي تخريجه تحت عنوان "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

لظهور غلطه، و إن كانت متغيمة يفطرون لعدم ظهور الغلط، اهـ". مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

ہلالِ رمضان وعید کے لئے ریڈیو کی خبر

سوال[۴۷۶۴]: اسلامی سلطنت میں خواہ والی ملک کی جانب سے یا مسلمانانِ شہر کی جانب سے ایک محکمہ رؤیتِ ہلال کے متعلق ایسا قائم کیا جائے کہ جب چاند ۲۹/ کا نظر آجاوے تو وہ بڑے بڑے شہروں میں تار یا ریڈیو کے ذریعہ خبر پہونچا دیں اور اس تار یا ریڈیو کی خبر معتبر سمجھی جا کر روزہ رکھیں یا روزہ افطار کریں یا عید کریں۔ لہذا علمائے کرام سے عرض ہے کہ کیا اس محکمہ کی تار یا ریڈیو کی خبر از روئے شرع معتبر سمجھی جائے گی اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا شرعاً درست ہوگا؟ جو حکم ہو تحریر فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: بابو عبد الغفور غزالی بیاوری، ڈونگری والے بیاور، ضلع اجمیر شریف۔

الجواب حامداً مصلياً:

اگر وہ محکمہ رؤیتِ ہلال کی شرعی طور پر تحقیق کر کے والی ملک کے امر سے تار یا ریڈیو کے ذریعہ رؤیت کا اعلان کر دے تو خاص اس شہر میں نیز ان مقامات میں جو اس شہر کے تابع ہوں جیسے قرب وجوار کے قصبات اس اعلان کا اعتبار کر کے عمل کرنا شرعاً درست ہے(۲)، جو شہر یا قصبات اس کے تابع نہیں، وہاں یہ اعلان کافی نہیں، جیسے ایک قاضی کی قضا دوسرے قاضی کے شہر میں نافذ نہیں ہوتی۔ جن مقامات پر اس اعلان کو معتبر مانا جائے گا وہاں بھی بہت سے علماء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کی صحت وصدق کا غلبۂ ظن حاصل ہو، حکومت کی طرف سے اس کا انتظام ضروری ہے کہ کوئی اور شخص ایسی جعلی کارروائی نہ کرنے پائے:

---

(۱) (مراقی الفلاح علی نور الإيضاح، ص: ۶۵۵، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثانی فی رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۹۸، الفصل الأول فی رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (سيأتی تخريجه تحت عنوان "ریڈیو کی خبر کب معتبر ہے؟")

"فـي تعبير المصنف كغيره "بالظن" إشارة إلى جواز التسحر والإفطار بالتحرى، وقيل: لا يتحرى فى الإفطار وإلى أنه يتسحر بقول عدل، و كذا بضرب الطبول، واختلف فى الديك. وأمـا الإفـطـار، فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنىٰ، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صـدقـه، كـمـا فى الزاهدى، وإلى أنه لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانّين أنه يوم العيد، وهو لغيره لم يكفّروا، كما فى المنية، قهستانى.

قـلت: و مقتضى قوله: لا بأس بالفطر بقول عدل صدقه أنه لا يجوز إذا لم يصدقه، و لا بـقـول الـمستـور مـطـلـقاً، و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث فى زماننا، لاحتمال كونه لـغيـره، و لأن الـغـالـب كـون الـضـارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحرى فيجوز؛ لأن ظاهر مـذهـب أصـحابنا جواز الإفطار بالتحرى، كما نقله فى المعراج عن شمس الأئمة السرخسى؛ لأن التـحـرى يـفـيـد غـلبة الـظـن، و هى اليقين، كما تقدم. فلو لم يتحر، لا يحل له الفطر لمافى السراج وغيره: لو شك فى الغروب لا يحل له الفطر؛ لأن الأصل بقاء النهار، اهـ".

"وفى البحر عن البزازية: و لا يفطر مالم يغلب على ظنه الغروب، وإن أذن المؤذن، اهـ. و قـد يـقـال: إن المدفع فى زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن الموقت يـذهـب إلـى دار الـحكم اخر النهار، فيعين له وقت ضربه و يعينه أيضاً للوزير وغيره، وإذا ضربه يـكـون ذلك بـمـراقبة الوزير و أعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن لهذه القرائن عدم الخطأ وعـدم قـصـد الإفسـاد، و إلا لـزم تـأثيم الناس، وإيجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر و لا غلبة ظن"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲/ ۴۰۷، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب فى جواز الإفطار بالتحرى، سعيد)

(و كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۵، كتاب الصوم، الباب الأول فى تعريفه و تقسيمه، رشيديه)

(و كذا فى المحيط البرهانى: ۲/ ۵۴۴، الفصل الأول فى بيان وقت الصوم و ما يتصل به، غفاريه)

یہ حکم محض اعلان کا ہے جیسے بھنگی کے ذریعہ حکومت کوئی اعلان کرادیتی ہے نفسِ ثبوت رؤیت یا شہادت کے حق میں سب طریقہ شرعاً معتبر نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال [۴۷۶۵]: مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہندو بیرونِ ہند مسلمانوں کے دینی معاملات میں رہبرِ اکبر مانے جاتے ہیں اور مسلم قوم کو دینی امور میں آپ پر کامل بھروسہ ہے، اس لئے آپ کو بھی یہ سمجھنا اور دیکھنا ہوگا کہ بوقت موجودہ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے، آج کے حالات میں اس کو ٹھیک طریقہ سے سمجھانے کا کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ اگر وقت کو نہیں سمجھایا گیا اور مسائل دینی کو پندرہ سو سال پرانے طور پر ہی سلجھانے کی کوشش کی تو اس طرح عوام کا اطمینان حاصل کرنا مشکل ہوجائے گا۔ ساتھ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ زمانہ کو دیکھ کر آپ نمازوں کے اوقات گھٹادیں، زکوۃ کم کردیں، ایک آدھ بار شراب کی چھوٹ دیدیں، یا ایک بیوی تک شادی کا مسئلہ طے کردیں، اس لئے کہ بنیادی چیزوں پر تبدیلی کی توجہ دلانا بھی دینِ محمدی سے انحراف ہے، لیکن جہاں احادیث کے مسائل ہیں وہاں وقت کی ضرورت کو سمجھ کر مسائل حل کرنا ضروری ہے، میرا مقصد رؤیتِ ہلال سے ہے، چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید کرنا مسئلہ ہے، لفظ ”دیکھنے“ کی بات چیت کہی گئی ہے۔

اس وقت انسان کے پاس جو ذرائع تھے وہ صرف دیکھنے کے تھے، اللہ تعالیٰ کی طویل وعریض زمین اور اس پر طلوع وغروب کی حالت ایک ملک سے دوسرے ملک کے جداگانہ ہے اور اس اعتبار سے دیکھ کر عمل کرنا بہترین ضابطہ ہے، لیکن آج وقت نے ایسی تبدیلیاں کھڑی کی ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لاسکی پیغامات تک ہم نے جو دلیلیں چاند کے معاملے میں آپ کے سامنے رکھی تھیں وہ لائق قبول نہیں، اس لئے عوام میں تار اور ٹیلیفون ایجاد ہونے تک بھی بحث نہیں چھڑی، لیکن یکا یک برقی بے تار طاقت نے ایک نیا ماحول سامنے رکھدیا ہے اور وہ ہے ٹیلی ویژن، ریڈیو۔ ان آلوں نے ملکوں اور قوموں کی موت وبقاء تک اپنا دسترس حاصل کرلیا ہے۔

اگر مشرقی بنگال میں کوئی حادثہ ہوا تو اس کی خبر فی الوقت دینے والے یہی آلے اور انہیں جیسی برقی طاقت کے آلے ہیں جن پر بھروسہ کرکے دفاع یا حملہ وغیرہ کا انتظام ہوتا رہتا ہے، کیا ان سے انکار کرنا اللہ تعالیٰ

کے انعامات سے منکر ہونا نہیں ہے؟ اگر مسلمان کسی شئی کو حاصل نہ کرسکا تو کیا اس بنا پر ان انعامات کو جھٹلانا، ان میں تاویلیں پیدا کرنا مناسب ہے؟ ہمارے علماء میں کثرت ان کی ہے جو دینِ محمدی کو محض ایک گھیرے میں دکھا کر عوام کو اس سے باہر جانے نہیں دینا چاہتے، لیکن ان علماء کو جھٹلانے سے کثرت والی پارٹی کیا عوام میں مقبول ہوگی جنہوں نے علامہ اقبال کی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے دقیق مطالعہ نے زمین کے ساتھ آسمانوں تک انسان کی دسترس کو قرآن حکیم سے ثابت کیا ہے، قرآن حکیم کے ان رازوں کی عقدہ کشائی کی ہے جن کو سمجھنے میں علماء کی عقل نے ساتھ نہیں دیا؟

نشر و اشاعت پر ہندوستان میں بھی اختیار دے رکھا ہے، جہاں مسلم حکومتیں ہیں وہاں سب آپ ہی ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ ایران، پاکستان، مکہ، مدینہ، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے بذریعہ ریڈیو کے اس اعلان کی مخالفت کرتے ہیں جو رمضان المبارک کے چاند سے بطور خاص متعلق ہے؟ اور اگر اس کتاب کے مضمون کو پڑھا جائے جو ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے موسوم ہے اور جو حضرت مفتی اعظم عزیز الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھی ہے۔ اور جہاں'' کشف الظنون فی حکم الخط والتلفون'' کی سرخی دیکھ کر ہلال پر بہت وقت صرف کرنے کے بعد بھی حق اور ظاہر پر قطعی فیصلہ نہ کر کے عوام کو الجھن میں ڈالا ہے، ایسے مضامین جن کے پڑھنے کے بعد بھی انسان قطعی فیصلہ پر نہ پہونچے کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

کیا شہادت زیادہ قابل یقین ہے؟ جب کہ وہ شاہد جس کی تعریف کی گئی ہے اس جمہوری دور میں غائب ہیں جیسے کبھی نہ تھے اور کیا اسلامی ممالک کے ریڈیو کی نشریات پر شبہ ظاہر کرنا مناسب ہے؟ علماء کے رویہ سے مسلم عوام کس طرح مستفید ہوں؟ نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال دو دو دن مسلمانوں کے رمضان اور عید ہو رہی ہے گویا اس طرح تفریق کی دعوت دی جارہی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اتنی اتنی چھوٹی بات سے مسلمانوں کو دو اور تین روز تک علیحدہ علیحدہ رمضان اور عید کے جھگڑے سے بچائیں اور اس ریڈیو پر اظہار اطمینان کریں جو ملکوں اور قوموں کے تحفظ کی ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ فقط والسلام۔

نوٹ: اگر طبیعت پر ناراضگی آئے تو حقائق پر نظر رکھ کر معاف فرمائیں۔

محمود خان قصبہ تال۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ!

الجواب حامداً و مصلیاً:

دینِ اسلام اور اس کے بنیادی احکام وہی ہیں جو پندرہ سو سال پہلے عطا ہوئے اور احکم الحاکمین نے زبردست سند عطا فرمائی: ﴿ألیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دیناً﴾(۱) نیز ارشاد فرمایا: ﴿و من یبتغ غیر الإسلام دیناً فلن یقبل منہ، وھو فی الأخرۃ من الخاسرین﴾(۲)۔ جس کی تفصیلات وتشریحات حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائی ہیں۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ آپ بنیادی طور پر پختگی سے قائم ہیں اور کسی ترمیم کے روادار نہیں، بلکہ ترمیم کو دین سے انحراف تصور کرتے ہیں، اللہ پاک مزید استقامت عطا فرمائے۔ اتنا تو ذہن نشین رکھیں کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے اصل بنیادیں تو وہی ہیں جن پر پندرہ سو سال گزر چکے، حق تعالیٰ نے ان بنیادوں میں ایسی گہرائی رکھی ہے کہ نئے مسائل کے لئے ان سے خوب روشنی ملتی ہے اور علمائے امت نے ہمیشہ اسی روشنی سے نئے مسائل کو حل کیا ہے، ٹرین پلین میں نماز (۳)۔ ایک نماز مثلاً: مغرب پڑھنے کے بعد جب ہوائی جہاز سے سفر کیا، دیکھا

---

(۱) (المائدۃ: ۳)

ترجمہ: ''آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کر لیا''۔ (بیان القرآن)۔

(۲) (آل عمران: ۸۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا، وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہوگا'' (بیان القرآن)۔

(۳) اس کی نظیر فقہائے کرام نے یہ بیان کی ہے کہ ایسی سواری جسے جانور کھینچ کر لے جائے اور اس کا کوئی حصہ جانور کے جسم پر رکھا ہوا نہ ہو، کو ''سریر'' یعنی تخت کے درجے میں رکھا ہے اور بلا عذر اس پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے: ''أما الصلوٰۃ علی العَجلۃ، إن کان طرف العجلۃ علی الدابۃ، وھی تسیر أو لا تسیر، فھی صلوٰۃ علی الدابۃ، تجوز حالۃ العذر، ولا تجوز فی غیرھا. وإن لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ، جاز، وھی بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریر''. (فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۱۷۱، باب صلاۃ المسافر، رشیدیہ)

کہ آفتاب موجود ہے تو اس وقت اس پڑھی ہوئی نماز کا حکم اور وہاں غروب ہونے پر دوبارہ پڑھنے کا حکم (۱)،

(۱) مفتی نظام الدین دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "نام رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حجر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتی غربت الشمس، فلما استیقظ ذکر لہ أنہ فاتتہ الصلوۃ فقال: "أللھم إنہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک فارددھا علیہ". فرددت حتی صلی العصر، فکان ذالک بخیبر". (شامی: ۱/ ۳۶۰، سعید)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے جب ہی تو ان کے لئے سورج کا اعادہ کرایا گیا ہے۔ وقت کی اسی اہمیت کی بناء پر فقہاء نے اس کو سببِ وجوب کہا ہے جیسا کہ مشہور ہے: "وسببھا أو قاتھا عند الفقھاء". (البحر الرائق) لیکن اگر ایسا ہے تو واقعۂ دجال کے متعلق کیا کہا جائے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت ایک سال تک بھی نہ آئے تو نمازیں برابر تقدیر و اندازہ کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں گی .... علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ وقت سببِ وجوب نہیں ہے، صرف علامت ہے، محقق ابن الہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "جعل علامۃً علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر" (فتح القدیر) .... ان وجوہات کی بنا وقت کو سببِ وجوب قرار دینا خدشہ سے خالی نہیں۔ اگر وقت سبب وجوب نہیں تو کیا اس کو علامت سمجھا جائے جیسا کہ محقق ابن ھمام کی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں: "کجعل الوقت علامۃً علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر" .... البتہ وقت کو علامت تسلیم کرنے سے ایک اَور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے مذکورہ بالا حالات میں وجوبِ نماز کا علم کس طرح حاصل ہو، علامہ شامیؒ نے اس کا حل تجویز فرمایا کہ: "إنا لا نسلم لزوم وجوب السبب حقیقۃً بل یکفی تقدیرہ کما فی أیام الدجال". (شامی: ۱/ ۳۶۶) .... بنابریں احقر کی رائے یہ ہے کہ ہم خواہ چاند پر ہوں یا راکٹ اور ہوائی جہاز میں یا لینین گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲/ گھنٹے کے دن اور ۱۲/ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہیں۔

الجواب .... وباللہ التوفیق

جناب کا تحریر کردہ جواب بغور پڑھا، جناب نے خلاصہ جواب جو اخیر میں بایں الفاظ: "ہم خواہ چاند پر ہوں، یا راکٹ میں ہوں، یا ہوائی جہاز میں، یا لینین گراڈ یا ماسکو میں ہر جگہ کو ۱۲/ گھنٹے کے دن اور ۱۲/ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہیں" تحریر فرمایا، اسے ہمیں پورا اتفاق اور وہ بالکل صحیح ہے .... نماز پنجگانہ میں اصل علت وجوب حکم باری تعالیٰ عزاسمہ ہے اور وہ حکم ان اوقات پنجگانہ میں متوجہ ہوتا ہے، لیکن انتہائی خفی ہوتا ہے، اس لئے اس پر شریعتِ غراء اور دربارِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام نے کچھ اسباب وعلامات مقرر فرما کر رہبری فرمادی ہے جن سے حکم خداوندی (جو اصل علت وجوب ہے) کا پتہ چل جاتا ہے اور امتثال امر سہل ہوجاتا ہے۔

پھر بعض کتبِ مذہب میں جو اوقات کو سبب اور بعض میں علامت ذکر کیا گیا ہے، ان میں نزاع حقیقی نہیں ہے، محض تعبیر =

پیٹرول سے کپڑے دھونے کا حکم (١)، انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو گابھن کرانے اور عورتوں سے بچہ پیدا کرانے کا حکم (٢) وغیرہ وغیرہ سارے ہی مسائل کا حل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ سب مسائل بھی دائرے کے اندر آ گئے ہیں، دائرہ سے خارج نہیں۔

حق تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں کے احکام کو بیان کر کے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے: ﴿تلك حدود الله﴾ اوران حدوداللہ سے خارج ہونے پر ارشاد فرمایا ہے: ﴿و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه﴾ (٣)۔ رہا عوام کا اطمینان، ان بیچاروں میں اتنی صلاحیت اور استعداد کہاں ہے کہ مسائلِ شرعیہ کی گہرائی تک پہونچ سکیں۔ اکثریت کا فیصلہ کوئی شرعی فیصلہ نہیں ہوتا: ﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلّوك عن سبيل الله، إن يتبعون إلا الظن﴾ الآية (٤)۔

= وعنوان کا فرق ہے''۔ (نظام الفتاویٰ: ١/ ٥٢، ٥٧، رحمانیه)

''(قوله: في حديث: ''صوموا لرؤيته'' بخلاف أوقات الصلوة) فيه أن الخطاب عام أيضاً في أوقات الصلوة مع أنه اعتبر فيها كل قوم بحسبها مثلاً الدلوک جعله الله تعالیٰ سبباً للظهر، وعلّق وجوبه به، ومع ذالک إنما خوطب كل قوم بالدلوک الواقع عندهم لا بما عند غيرهم''. (تقريرات الرافعي علي ردالمحتار، كتاب الصوم: ٢/ ١٤٨، سعيد)

وقت کو نماز میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے یہاں تک کہ بعض علماء کے نزدیک وجوبِ صلوۃ کے لئے سبب ہے، چنانچہ ان کے ہاں جن مقامات میں اوقات صلوۃ نہ پائے جاتے ہوں، ان پر نماز فرض نہیں اور نماز کو دوبارہ پڑھنے میں کوئی قباحت بھی نہیں لہٰذا احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمین غروب ہونے پر دوبارہ مغرب کی نماز پڑھی جائے اگر چہ اس کا فریضہ مکمل ادا ہو چکا ہے۔ (فضل مولی ابن القاضی)

(١) ''ويجوز تطهيرها بالماء، وبكل مائع يمكن إزالتها كالخل وماء الورد''. (الهداية: ١/ ٥٤، باب الأنجاس، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٢) ''انجکشن کے ذریعے توالد وتناسل اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ اس پر انسان کا وجود اور اس کی بقاء موقوف ہو، اس لئے مذکورہ طریقہ کار یقیناً اسلامی اصول کے خلاف ہے''۔ (جدید فقہی مسائل: ١/ ١٥٢، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید کے احکام)

(٣) (الطلاق: ١) **ترجمه**: ''اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا، اس نے اپنے اوپر ظلم کیا''۔ (بیان القرآن)۔

(٤) (الأنعام: ١١٦) **ترجمه**: ''اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں، تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں''۔ (بیان القرآن)۔

پورے انتظامات اہل اسلام کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود بھول چوک غلطی سے تحفظ کا کیا اطمینان ہے، چند سال ہوئے پاکستان میں مولانا احتشام صاحب نے ریڈیو کو ایک تقریر ریکارڈ کرائی تھی جس میں اہل پاکستان کو عید کی مبارک باد اور پھر اس کے متعلق ہدایات دی تھیں، ریڈیو کے ذمہ داروں کو غلط فہمی ہوئی، انہوں نے رؤیتِ ہلال سے پہلے ہی اس کو نشر کر دیا جس سے تمام پاکستان میں ہیجان پیدا ہوگیا، پھر ریڈیو کو اپنی غلطی پر معذرت کرنے کی نوبت آئی۔

اسمبلی میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ریڈیو سے آنے والی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ ان لوگوں نے اس پر اطمینان نہیں کیا۔ عدالتوں، کچہریوں (میں) ریڈیو اور ٹیلیفون سے شہادت نہیں قبول کی جاتی، شاہد خود حاضرِ عدالت ہو یا پھر اس کے پاس کمیشن جائے تب وہ شہادت معتبر ہوتی ہے، شرعاً بھی پسِ پردہ کی شہادت معتبر نہیں: "النغمة تشبه بالنغمة" (۱)۔ کوئی شخص اپنی تحریر بذریعہ ڈاک بھیج دے وہ بھی شرعاً کافی نہیں: "الخط يشبه الخط" (۲)۔

جن بلادِ اسلامیہ کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، کیا ان میں ٹیلی ویژن کی شہادت پر مقدمہ فیصل کر دیا جاتا ہے؟

چاند کا نکلنا سب مقامات پر بیک وقت نہیں ہے، بلکہ اس میں قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے، کہیں ایک دن پہلے طلوع ہوتا ہے، کہیں دو دن پہلے۔ اگر شرعی اصول کے مطابق ایک ملک میں چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے اور دو عادل شاہد بذریعہ ہوائی جہاز ایسے ملک میں آکر شہادت دیں جہاں اس روز اٹھائیس تاریخ ہو تو شاہدوں کے عادل وثقہ ہونے کے باوجود ان کی شہادت قابلِ سماعت نہیں ہوگی۔

شہادت کے لئے محل ہونا ضروری ہے، اس کا محل یوم الشک ہے، یعنی ۲۹/ تاریخ اور ۲۸/ تاریخ کو تو شہادت لی بھی نہیں جائے گی، نہ شاہد کا ذب قرار دیا جائے گا۔ اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ ہم نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اس کے پاس

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الثاني: ۴۵۲/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية مع فتح القدير، كتاب الشهادة: ۳۸۳/۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يعتمد على الخط إلا في مسائل: ۴۱۳/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادة: ۳۸۷/۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

آلہ ہی موجود نہیں بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں پر حدّ قذف جاری ہوگی (۱)۔

آفتاب غروب ہونے پر مغرب کا وقت ہوجاتا ہے، مغرب کی نماز کا پڑھنا فرض ہوجاتا ہے، اگر ٹیلی ویژن سے معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر آفتاب غروب ہوگیا تو کیا اس کی وجہ سے ایسی جگہ پر بھی نماز کا حکم کیا جائے گا جہاں سورج سامنے ہو؟ اسی طرح ٹیلی ویژن کے ذریعہ رؤیتِ ہلال ثابت ہونے پر کیا دوروز پہلے حج کا بھی حکم کردیا جائے گا؟

یہ چاند سورج کا اختلاف قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جو مسائل چاند وسورج سے متعلق ہیں ان میں بھی اختلاف ظاہر ہوکر رہے گا، اس کے متعلق یہ کہنا کہ ''علماء تفریق کی دعوت دیتے ہیں'' یہ سوئے ظن ہے، یا مسائل سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے۔

اطمینانِ قلبی حاصل ہونے کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کی گہرائی تک آدمی پہونچ جائے تو وہ بہت جلد سمجھ جائے گا کہ یہ مسئلہ کس اصل پر مبنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قلب میں اسلام اور اس کے احکام کی انتہائی عظمت ہو تب اطمینان حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر ہر شخص اپنی عقل کی کسوٹی بنا کر ہر مسئلہ کو اس پر پرکھنے کی کوشش کرے یا دوسروں کو دعوت دے تو اس کی سعی لا حاصل ہے، عقلاً، شرعاً، عرفاً کسی طرح بھی درست نہیں اور جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ کبھی صراطِ مستقیم پر قائم نہیں رہے ''ضلوا فأضلوا''۔ ممکن ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس کے کچھ نمونے ہوں، ممکن کیا ضرور آپ کے سامنے بھی نمونے ہیں۔

جو شخص تحقیقِ حق کے لئے مسئلہ دریافت کرے اس پر ناراض ہونا بے محل ہے، اگر چہ وہ حقیقت سے ناواقف ہو، نامناسب بھی لکھدے تو وہ معذور ہے، اس کا علاج ناراضگی نہیں بلکہ نرمی وشفقت سے افہام وتفہیم ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ افہام وتفہیم میں کوئی جملہ سائل کے مزاج کے خلاف آ گیا ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، معاف فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولو شهدوا على زناها ولكن هي بكر ...... لم يُحدّ أحدٌ، وكذا لو شهدوا على زناه فوجدوه مجبوباً". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۲/۳۳، سعيد)

ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال[۴۷۶۶]: ۱......خبرِ ٹیلیفون جب کہ کسی معتبر شخص کی طرف سے ہو مفید ظن ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لئے حجت ہے، پس خبرِ ٹیلیفون جب کسی معتمد علیہ عالم کی طرف سے ہو اس پر صوم وافطار درست ہے یا نہیں؟

۲......فقہ کی کتابوں میں کتاب القاضی اِلی القاضی کو مشابہ خطاب القاضی الی القاضی بنا کر حجت مانتے ہیں تو ٹیلیفون قاضیٔ شہر، مثلاً یہ قاضی کو ہاٹ خود جو کہ بعینہ خطاب القاضی الی القاضی ہے کیونکر حجت نہ ہوگی؟

۳......اختلافِ مطالع کے اعتبار اور عدمِ اعتبار کے تحت میں قولِ فقہاء کہ: "فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب" کا محمل اگر خبرِ ٹیلیفون قرار دیا جائے تو اس میں کیا خرابی یا مخالفتِ روایات ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......محض ٹیلیفون کی خبر پر صوم وافطار درست نہیں۔

۲......کتاب القاضی الی القاضی کو شرعاً معاملات میں حجت مانا ہے نہ کہ جمیع امور میں اور یہ بھی خلافِ قیاس حجت ہے۔ اور اس کے لئے جس قدر شروط ہیں کیا تمام ٹیلیفون میں موجود ہیں؟:

"يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجةً شرعاً في المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزوّر، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجةً بالإجماع، ولكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط: البينة، حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه، الخ". فتاویٰ عالمگیری: ۳/۳۸۱(۱)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۶۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۹۶،۹۹، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/۱۱۵، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کے علاوہ اَور بھی شرائط ذکر کئے ہیں، ان میں سے کیا کیا شرطیں یہاں پائی جاتی ہیں؟ کم ازکم اس ایک شرط پرغور کرلیا جائے ،کیا شرعی بینہ اس بات پر قائم ہے کہ یہ ٹیلیفون قاضیٔ شہر ہی دے رہے ہیں؟ ٹیلیفون کو خطاب بعینہ قرار دے کر حجت سمجھنا تفقہ سے بعید ہے:

وفي التبيين: "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة"(۱)، دیکھئے! پسِ پردہ آواز سن کر شہادت دینا درست نہیں ،مگر اس شرط سے: "إلا إذا كان في الداخل وحده، و علم الشاهد أنه ليس فيها غيره، ثم جلس على المسلك، و ليس له المسلك غيره، فسمع إقرار الداخل و لا يراه؛ لأنه يحصل به العلم"(۲)۔

اس کے بعد بھی اگر شاہد نے قاضی کے یہاں پوری تفصیل وتفسیر کے ساتھ یہ شہادت دی تو قاضی قبول نہیں کرے گا:"و ينبغي للقاضي إذا فسر له أن لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة"(۳)۔ پسِ پردہ سے اگر کوئی شخص بولے اور دو گواہ بھی اس کو دیکھ رہے ہیں اور کسی اَور شخص کے سامنے یہ دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے بولا ہے تو جس نے فقط پسِ پردہ سے آواز سنی ہے اس کو بغیر دیکھے محض آواز سن کر باوجود دو گواہوں کی گواہی کے اس بولنے والے کے متعلق گواہی دینا درست نہیں:

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لا يجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، و شهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لا يجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رآى شخصها حال ماأقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها، اهـ". مجمع الأنهر :۲/۱۹۱(٤)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(۳) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(۴) (مجمع الأنهر : ۲/۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة =

۳......خرابی یہ ہے کہ عبارتِ مذکورہ کے بعد کچھ اور بھی عبارت ہے جس کو آپ نے کسی مصلحت کی وجہ سے نظر انداز کردیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، كما مر". اس کی شرح اس طرح کی ہے: "كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهد على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل البلد كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". رد المحتار: ١/١٤٨(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

آلاتِ جدیدہ سے رؤیتِ ہلال کا ثبوت

سوال[۴۷۶۷]: ۱......ہمارے شہر دہرہ دون سے کوہ منصوری چودہ میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کی بلندی سے قدرتی طور پر چاند دیکھنے کی آسانی ہے، لہٰذا اگر منصوری کی جامع مسجد کا امام مع دیگر متشرع مسلمانوں کے ۲۹/ شعبان، ۲۹/ رمضان اور ۲۹/ ذیقعدہ کو دیکھ کر چاند ہونے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون دے تو ممبرانِ رؤیتِ ہلال کمیٹی دہرہ دون ان کی رویت ہلال کو مستند سمجھ کر اعلانِ رؤیت ہلال کریں یا نہیں؟

۲......اگر صدر رؤیتِ ہلال کمیٹی دہرہ دون اپنے کسی متشرع ممبر کو بغرضِ رؤیتِ ہلال منصوری بھیجے اور وہ ممبر مع دیگر مسلمانانِ منصوری چاند دیکھ کر ہمیں بذریعۂ ٹیلیفون اطلاع دیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ یا وہ ممبر بذاتِ خود منصوری سے واپس دہرہ دون آکر چاند دیکھنا بیان کرے اور ثبوت میں امامِ جامع مسجد منصوری و دیگر مسلمانانِ منصوری کی تحریریں تصدیق کے ساتھ اور چاند دیکھنا بیان کرے تو ایسی صورت میں رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کی اعلان رؤیت ہلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳......بذریعۂ تار یا خطوط دیگر اضلاع مثلاً: بمبئی، کراچی، مرادآباد، دہلی، سہارنپور سے رؤیت ہلال کی مستند خبر آئے تو کیا حکم ہے جب کہ تار دہندہ وخط نویسندہ جانتے بھی ہیں، یا دریافت کرنے پر انہوں نے تار دیا

= وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ٥/٤٦٨، كتاب الشهادات، سعيد)

(١) (ردالمحتار على الدر المختار: ٢/٣٩٤، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ٢/٣١٤، فصل في رؤية الهلال، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/١٩٨، ١٩٩، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

ہے یا خط لکھا ہے؟

۴...... ریڈیو کے ذریعہ سے رؤیت ہلال کی خبر کا کیا حکم ہے؟

۵...... اگر بعد تصدیقِ شرعی ممبرانِ رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کے اعلان کو امام عیدگاہ یا امام جامع مسجد قبول نہ کرے تو ایسی حالت میں ممبران رؤیت ہلال کمیٹی کیا کریں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... ٹیلیفون کے ذریعہ سے اطلاع ملنے پر اگر چہ امام جامع مسجد نے اطلاع دی ہو اعلان اطلاع رؤیت ہلال کرنا شرعاً درست نہیں (۱)۔

۲...... اس پر بھی عمل درست نہیں (۲)۔ وہ ممبر اگر ثقہ اور مقبول الشہادۃ ہے تو رمضان شریف کے چاند کے مطابق اس کا تنہا آ کر شہادت دینا بھی کافی ہے جیسا کہ کوئی اَور ثقہ شہادت دیتا تو وہ کافی ہوتی (۳)، غیر رمضان کے لئے ایک شخص کی شہادت کافی نہیں ہوتی، ہاں! اگر جامع مسجد کے امام صاحب اور دیگر مسلمانان

---

(۱)" إذا سمعه من وراء الحجاب ، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ٥/ ١٦٠ ، كتاب الشهادات ، دارالكتب العلمية بيروت)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لايجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رأى شخصها حال ما أقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها". (مجمع الأنهر: ٢/ ١٩١ ، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ١/٨٥٧ ، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها، والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)

(۲) (راجع رقم: ۱)

(۳) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً، ذكراً أو أنثى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ١٩٧ ، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ١/ ١٩٦ ، الفصل الأول في رؤية الهلال ، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ١/ ٢١٥ ، كتاب الصوم، مكتبه شركة علميه ملتان)

کم از کم شرعی دو شہادتیں قلمبند کر کے کم از کم دو معتبر مسلمانوں کے ہاتھ بھیجیں اور وہ اپنے ساتھ لکھوا کر بحفاظت لائیں تو پھر اعلانِ رؤیت درست ہوگا (۱)۔

۳……تار، یا بذریعۂ ڈاک سرکاری آئے ہوئے خطوط سے رؤیت درست نہیں، خواہ وہ تار یا خط مرسل نے ازخود روانہ کیا ہو، خواہ دریافت کرنے پر (۲)۔

۴……ریڈیو کے ذریعہ سے بھی شرعی شہادت حاصل نہیں ہوتی (۳)۔

۵……شرعی شہادت کا قبول کرنا واجب ہے، ممبرانِ کمیٹی کو چاہیے کہ امام عیدگاہ اور امام جامع مسجد کے سامنے اپنے ذرائعِ تصدیق بیان کریں، اگر وہ ان ذرائع میں کوئی شرعی نقص بتائیں تو ان کا تدارک کریں، اگر باوجود شرعاً قابلِ قبول ہونے کے وہ قبول نہ کریں اور کوئی شرعی نقص بھی نہ نکال سکیں تو پھر ممبران کو رؤیت ہلال کے احکام پر عمل کرنا چاہیے، مثلاً: اگر رمضان شریف کا چاند تھا تو روزہ رکھیں، مگر فتنہ وفساد سے حتی الوسع پرہیز کریں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وإذا كان بالسماء علة، لم يقبل في هلال الفطر إلا شهادة رجلين أو رجل و امرأتين". (الهداية: ۲/۲۲۵، فصل في رؤية الهلال، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "لا يعمل بالخط إلا في مسألة كتاب الأمان، و يلحق به البراءات". (الدرالمختار). "عبارة الأشباه: لا يعتمد على الخط، و لا يعمل بمكتوب الوقف الذي عليه خطوط القضاة الماضين. قال البيري: المراد من قوله: (لا يعتمد): أي لا يقضي القاضي بذالك عندالمنازعة؛ لأن الخط ما يزوّر و يفتعل". (ردالمحتار: ۵/۴۳۵، كتاب القضاء، مطلب: لا يعمل بالخط، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۳۶، رقم الحاشية: ۱)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتصوموا حتى تروا الهلال، ولاتفطروا حتى تروه، فإن غمّ عليكم فاقدروا له". وفي رواية قال: "الشهر تسع وعشرون ليلةً، فلا تصوموا حتّى تروه، فإن غمّ عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلثين". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۱۷۴، باب رؤية الهلال، قديمي)

ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟

سوال[۴۷۶۸]: امسال ہمارے یہاں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا اور نہ بدلی کی وجہ سے اطراف ہی کے کسی گاؤں سے چاند دیکھنے کی اطلاع ملی، ریڈیو نے ملک کے مختلف حصوں میں چاند دیکھنے اور عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی اطلاع دی، ریڈیو پر اعتماد کر کے ہمارے گاؤں میں عید پڑھ لی گئی، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ریڈیو کے اعتماد پر عید کی نماز پڑھنا شرعاً غلط ہے۔ اب جناب والا ہی بتائیں کہ ریڈیو پر اعتماد کر کے عید کی نماز ادا کرنا صحیح تھا یا غلط؟ اور اگر صحیح نہیں تھا تو کیا اس معاملہ میں کسی شکل سے بھی ریڈیو پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا؟ اگر اس سلسلہ میں کچھ تفاصیل ہوں تو تحریر فرماویں تا کہ اس طرح کے موقع پر صحیح مسئلہ پر عمل کیا جا سکے۔ فقط۔

محمد طیب سلطانپوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر حاکم مسلم یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف اور متبع شریعت ہوں، ثبوت رؤیت کے بعد (شہادت لیکر) ریڈیو پر اعلان کرے یا اعلان کرائے اس طرح پر کہ ہم نے شہادت لی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہوگیا ہے لہذا فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو اتنی دور تک کہ اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے اور ۳۱/ کا نہ ہوجائے، یہ اعلان شرعاً قابلِ تسلیم ہوگا جب کہ رؤیت یوم الشک یعنی ۲۹/ شعبان میں ہو اور مطلع نہ صاف ہو(۱)۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجةٌ موجبةٌ للعمل كما صرحوا به". (ردالمحتار: ۳۸۶/۲، بحث في صوم يوم الشک، سعيد)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديو بندي رحمه الله: " البتہ جس شہر میں با قاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے =

ایسے اعلان پر بھی عوام کو پیش قدمی نہیں چاہئے، بلکہ ریڈیو کے اعلان کی پوری تفصیل ذمہ دار اہلِ علم کے سامنے رکھدیں، وہ تحقیق وتفتیش سے اطمینان کرلیں تو ان کی ہدایت پر عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۷۶۹]: عید یا رمضان کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس صورت سے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور متعدد ریڈیو سے چاند کی خبر آئے جس سے ظنِ غالب ہوجائے تو ثبوتِ رمضان کے لئے اتنا بھی کافی ہے، لیکن ثبوتِ عید کے لئے شہادت ضروری ہے، پس اگر ۲۹/ رمضان کو مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور مسلم حاکم یا رؤیتِ ہلال کمیٹی جو کہ ذی علم اور دیانتدار افراد وارکان پر مشتمل ہوں باقاعدہ شرعی شہادت حاصل کرکے اعلان کرے، یا ریڈیو پر اس طرح اعلان کرائے کہ فلاں مقام پر رؤیتِ ہلال کمیٹی کے پاس شرعی شہادت پہونچ گئی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہوگیا ہے، اب وہ رؤیت ہلال کمیٹی اعلان کراتی ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے یا ۳۱/ کا نہ ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اختلافِ رؤیتِ ہلال کا سوال

سوال[۴۷۷۰]: گذارش خدمت یہ ہے کہ پاکستان میں ہلال کمیٹی حکومت کی طرف سے قائم ہے، وہ کمیٹی بذریعۂ ریڈیو چاند دیکھنے کا اعلان کرے تو ہندوستان والوں کو ان کی خبر کو ماننا چاہیے یا نہیں؟

ہندوستان کے ریڈیو سے دہلی کے مقامی مفتی صاحب جو اعلان کرتے ہیں وہ قابلِ اعتبار رہے یا نہیں

=اس کو دیا ہے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

(و كذا في أحسن الفتاوی: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "ریڈیو کی خبر کب تک معتبر ہے؟"

اوراس کو ماناجائے یانہیں؟

اس زمانے میں جب کہ ریڈیو، ٹیلی فون کا زمانہ ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے یا نہ کی جاسکے، نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان کمیٹی خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی، راولپنڈی اسلام آباد کی ہو، بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یانہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے قابلِ حجت بن سکتی ہے یانہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر نشر کر کے لکھنؤ، کان پور، دہلی، حیدرآباد سے معلوم ہو تو تسلیم کی جاسکتی ہے یانہیں؟ اور نیز مطلع فرماویں کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا، یا سنیچر کو ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاند کے مسئلے میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرونِ مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دَور میں بھی یہ رہا۔ اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لئے کہ **پہلا سبب** اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی ۲۹/ کو نظر آتا ہے، کبھی ۳۰/ کو۔ **دوسرا سبب** یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ کا مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف، کہیں غبار آلود، اس لئے کہیں نظر آیا، کہیں نظر نہ آیا۔ **تیسرا سبب** یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک کبھی موٹا۔ **چوتھا سبب** یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عینِ مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی سب کی نظر ایک نہیں، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔ **چھٹا سبب** یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔ **ساتواں سبب** یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہو جائیں جس کا شکوہ آپ کو بھی ہے۔ **آٹھواں سبب** یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود نہیں، نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی اس کے تمام ارکان مسائلِ شرع کے ماہر واحکامِ سنت کے پابند نہیں۔ **دسواں سبب** یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ پابندی عائد کی جاسکے کہ اعلان کی جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ عالم کو اس کا مکلّف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آکر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیشِ نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف

بتائیں گول مول نہیں جس سے سب کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات آٹھ ذی الحجہ ہوا اور مکہ معظمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے (۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل ایک رسالہ ہے (۲)، ریڈیو کے مسئلہ پر بھی مدد مل سکتی ہے۔ یہاں ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی۔ جمعہ کو روزہ نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ جمعہ کے روزہ کی قضا بعد عید لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

ثبوتِ رؤیت میں اختلاف کے اسبابِ عشرہ

سوال [۴۷۷۱]: **استفتاء**: آپ کا ادارہ دارالعلوم دیوبند اور اس کا شعبۂ دارالافتاء عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کے فیصلے اور فتوے ہند اور بیرونِ ہند بھی ہر جگہ مقبول و مسلّم ہیں، ساری نگاہیں آپ ہی کی طرف مرکوز ہیں، اس کی بنا پر اگر آپ کی سمع خراشی نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ گستاخی کی معافی بھی

---

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارة المعارف، کراچی)

(و کذا جواهر الفقه: ۱/ ۳۹۷، دارالعلوم کراچی)

(ایضاً راجع احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/ ۴۰۹، سعید)

(و رسالة: رؤیت ہلال کا مسئلہ، ص: ۵۷، دار الکتب، کراچی)

(۲) (تنبیه الغافل و الوسنان علی أحکام هلال رمضان (رسائل ابن عابدین): ۱/ ۲۳۳، سهیل اکیڈمی، لاهور)

ہوتی چلے تو چند باتیں عرض کرنے کی آپ سے جرأت کررہا ہوں، امید ہے کہ توجہ دیں گے اور اس کا اولین فرصت میں معتبر اور معتمد اور معقول جواب دیتے ہوئے دل کو مطمئن فرمائیں گے:

رؤیت ہلال رمضان المبارک میں اور عید الفطر میں اکثر گڑبڑ ہوتی ہے اور کوئی صحیح فیصلہ اس بارے میں علمائے کرام کی جانب سے صادر نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی معقول انتظام ہوتا ہے۔ خط، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اس قدر ذرائع شائع ہیں کہ عوام ان ہی کی خبروں پر اعتماد اور اعتبار کرلیتے ہیں اس وقت مقامی علماء کی کوئی نہیں سنتا، مجبوراً مقامی علماء کو بھی عوام کے فیصلہ شدہ نظریہ کی طرف جھکنا پڑتا ہے، اسی اختلاف میں دو دو [۲،۲] عیدیں ہوجاتی ہیں اور پہلا روزہ افطار، عدمِ افطار کی کشمکش میں پڑجاتا ہے۔ علمائے کرام سے اگر فتویٰ منگایا جاتا ہے تو وہ ایسی گول مول بات لکھ کر شروط سے مقید کردیتے ہیں کہ خود مستفتی اور عوام صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اب موجودہ دور کا حال یہ ہے کہ کہیں دہلی سے مفتی صاحب کا اعلان آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا جارہا ہے تو کہیں لکھنؤ فرنگی محلی سے اعلان شائع کیا جارہا ہے، ادھر کانپور سے کوئی صاحب بول رہے ہیں اور دیکھئے ریڈیو کا بینڈ بدل کر پاکستان لگایا جارہا ہے اور وہ وہاں سے اور کراچی کی موجودہ ہلال کمیٹی کی جانب سے چاند ہوجانے کی خبر دی جارہی ہے، ادھر فتاوی عبدالحیٔ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، بہشتی زیور جیسے معتبر فتاویٰ کھنگالے جارہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر ہلال رمضان ہلال عید کی معتبر نہیں ہے اور اگر معتبر بھی ہے تو بایں شرط کہ اعلان کرنے والا معتبر مسلمان ہو یا عالم۔

اس وقت نہ کوئی عالم بولتا ہے نہ مفتی، بلکہ ان کی جانب سے اعلان یہ اعلان کئے جاتے ہیں۔ خود بولنے والے کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ مسلمان ہے یا کوئی اَور قوم، اگر مسلمان بھی ہے تو قابلِ اعتبار ہے یا نہیں۔ بہرنوع! کوئی صحیح پوزیشن اعلان کرنے والے کی واضح اور ظاہر نہیں ہوتی۔ اب اس صورت میں مقامی علماء اور عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے، جو جس پر غالب آجائے بس وہی فیصلہ قابلِ تسلیم ہوتا ہے خواہ غلط ہو یا صحیح۔

علمائے کرام کو خود اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے خود ریڈیو اسٹیشن آکر رؤیت ہلال کی اطلاع دیتے ہوئے شرعی فیصلہ سنائیں تاکہ عوام اس پر کاربند ہوں اور قبل اعلان اپنا تعارف کرائیں اور اگر اعلان کرنے والا عالم کے علاوہ کوئی اَور مسلمان ہو تو اس کو اپنا تعارف کرانا چاہئے تاکہ ان کی خبروں پر اعتماد کیا جاسکے۔

اب عرض مدعا یہ ہے کہ اس بارے میں موجودہ دور کے مطابق جب کہ لوہالنگر (ریڈیو، ٹیلیفون) کا دور

ہے،کوئی صحیح بات بتائی جائے،جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے یا نہ کی جاسکے۔

نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان ہلال کمیٹی،خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی،راولپنڈی کی یا اسلام آباد کی بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر ریلے کرکے لکھنؤ،کانپور،یا دہلی،حیدرآباد سے معلوم ہو تو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اب اخیر میں یہ عرض کرنا ہے کہ امسال بھی یہی گڑبڑ رہا،اگر تصدیق ہوگئی ہو تو براہ کرم اطلاع دیجائے کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا یا شنبہ کو؟

نـــوٹ: اگر واقعی ریڈیو کی خبر معتبر نہیں تو برائے کرم آل انڈیا جمعیۃ العلماء کے ذریعہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ چاند کی خبر ریڈیو سے نشر نہ کی جائے کہ عوام گڑبڑ میں پڑجائیں،صرف رؤیتِ دہلی پر اعتماد کریں۔

المستفتی:اختر علی،مقام کرست ضلع اناؤ،یوپی،۲۹/نومبر/ ۶۸ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی،قرون مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا،اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے،اس لئے کہ پہلا سببِ اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی انتیس کو نظر آتا ہے کبھی تیس کو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ مطلع صاف نہیں رہتا،کہیں صاف کہیں غبار آلود،اس لئے کہیں نظر آیا کہیں نہ آیا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا کبھی باریک کبھی موٹا۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا،کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب،کبھی عین مغرب میں،کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سب کی یکساں نہیں ہوتی،کسی کی قوی کسی کی ضعیف،کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے،کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں ہوتے،کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہوجائیں جس کا شکوہ

آپ کو بھی ہے۔

آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود نہیں نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی ہر جگہ اس کے تمام ارکان مسائل شرعی کے ماہر اور احکام سنت کے پابند نہیں۔

اور دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ ان پر پابندی عائد کی جائے کہ اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ کے عالم کو اس کا مکلّف کیا جا سکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آ کر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیشِ نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف صاف بتائیں جس سے آدمی کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیه: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات یا آٹھ ذی الحجہ اور مکہ مکرمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے(۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے، میری درخواست ہے کہ ان دونوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامیؒ کا مستقل ایک رسالہ ہے اس میں بھی کافی تفصیل موجود ہے جس سے ریڈیو کے مسئلہ پر مدد مل سکتی ہے(۲)۔ یہاں انتیس ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی، جمعہ کو روزہ رکھنا نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے، جمعہ کے روزے کی قضاء بعد عید لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) (آلاتِ جدیدہ، ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، إدارة المعارف، کراچی)

(۲) ("تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان، (مجموعه رسائل ابن عابدين): ۱/ ۲۳۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

رویتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟

سوال[۴٧٧٢]: رمضان المبارک میں عید، بقرعید کی رویت ہلال سے متعلق ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں، خواہ ریڈیو ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا، عرب کا یا مصر کا، اس کا کیا حکم ہے؟ امسال مطلع صاف ہوتے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعض مقامات پر پاکستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ چاند ہوگیا اور اس کا اعلان ریڈیو پر ہوا، اس کو مان کر روزہ افطار کرنا اور عید کرنا کیسا ہے؟ آپ تفصیلی جواب لکھیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا ضروری ہے، پسِ پردہ آواز سن کر شہادت قبول نہیں کی جائے گی لہذا ریڈیو پر جو شہادت سنی جائے وہ قبول نہیں، نہ نزدیک سے نہ دور سے یعنی نہ ہندوستان سے نہ پاکستان سے نہ مصر، نہ مکہ مکرمہ سے۔ پس اگر ریڈیو پر کوئی شخص شہادت دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس شہادت پر عید کرنا درست نہیں اگرچہ یہ شاہد ثقہ اور متدین ہو، ریڈیو پر اگر اس طرح خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے یا فلاں جگہ عید ہے تو یہ خبر بھی کافی نہیں (۱)۔ اگر باقاعدہ شرعی شہادت ذمہ دار حضرات حاصل کریں، مثلاً: قاضیٔ شرعی، مسلمان وزیر، رؤیت ہلال کمیٹی، جمعیۃ العلماء، اِمارتِ شرعیہ جب کہ ان کے افراد باعلم اور متبعِ سنت ہوں اور پھر ان کی طرف سے ریڈیو پر اس طرح اعلان کیا جائے کہ ہمارے پاس چاند دیکھنے والے ثقہ گواہوں نے شہادت دی ہے اور ان کی شہادت سے رؤیت ہلال تسلیم کر لی گئی ہے، لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک سے متعلق مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوگا (۲) خواہ ہندوستان کا اعلان ہو یا کسی

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۱٦۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راٰه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفارية)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر=

اُور جگہ کا، جس مقام پر اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ دن کا رہ جائے یا ۳۱/ دن کا ہو جائے وہاں یہ اعلان تسلیم نہ ہوگا۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی اس قسم کا ایک دو اعلان کافی نہیں ہوگا تاوقتیکہ خبرِ مستفیض کے درجہ تک نہ پہونچ جائے۔

جن صورتوں میں یہ اعلان معتبر ہوگا ان صورتوں میں بھی عوام کو جلدی اور پیش قدمی نہیں چاہئے کہ جیسے ہی اعلان سنا فوراً روزہ توڑ کر عید الفطر منانا شروع کردیں، بلکہ اہل علم حضرات کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ دینی حدود و قیود کو پوری طرح سمجھتے ہیں، ایسے اعلان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اعلان کرنے والا خود بھی مقبول الشہادۃ ہو، بلکہ ذمہ دار مقبول الشہادۃ حضرات کی طرف سے اگر غیر مقبول الشہادۃ شخص اعلان کردے تو وہ بھی کافی ہے جیسا کہ منادی کا حال ہوتا ہے۔ امید ہے کہ اس میں آپ کے جملہ سوالات کا جواب مل جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کے ذریعہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت

سوال [۴۷۷۳]: ہم لوگ مشرقی یوپی ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مطلع صاف ہوتا ہے مگر چاند نظر نہیں آتا، زمانہ کی ترقی اور ریڈیو کی ایجاد نے پوری دنیا کو ایک محلّہ بنا دیا ہے، رؤیت ہلال نہ ہونے کے باوجود ایسا ہوتا ہے کہ کبھی پٹنہ، کبھی حیدرآباد، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور سے اطلاع آتی ہے کہ ان جگہوں میں کسی جگہ یا تمام جگہوں میں چاند ہوگیا وہاں کل عید ہے اور اطلاع یہ دی جاتی ہے کہ وہاں کے قاضی نے یا وہاں کے جامع مسجد کے امام نے رؤیت ہلال کا اعلان کردیا ہے۔ بتایا جائے کہ ایسی اطلاع پر ہم لوگوں کا عید کر لینا

= اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے" (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف)

(وكذا في أحسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

جائز ہے یا نہیں؟ یا ایسی حالت میں جو روزہ رکھ لیتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے یا غیر مناسب، مثلاً: اسی سال راقم السطور نے تراویح سے فارغ ہونے کے بعد دہلی ریڈیو اسٹیشن سے سنا کہ دہلی کی جامع مسجد کے امام صاحب نے اعلان کیا ہے کہ چاند کا ثبوت ہو چکا ہے کل عید ہے، حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی نے چاند کی رؤیت تسلیم کر لی ہے اور کل عید ہے۔

ریڈیو کی ان خبروں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آج کل ریڈیو کی خبروں پر بہت سے کام ہوتے ہیں، چاند کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن فسادات انتخابات کے موقعوں پر ممبران کی کامیابی یا ناکامی کی اطلاع، حکومت بننے کے بعد عہدوں کی تقسیم کا اعلان، کسی بڑے آدمی کے انتقال کی خبر اگر ریڈیو پر آجاتی ہے تو اس کو تسلیم کیا جاتا ہے، پھر بھلا کسی کی جانب سے خصوصاً مفتی اور قاضی کی طرف سے رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کیونکر قابل تسلیم نہیں ہے؟

یا ایسا ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقہ کے لئے کسی علاقہ کی خبر نا قابل تسلیم ہے، مثلاً: حجاز مقدس میں عید ہمیشہ یہاں سے پہلے ہوتی ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی علاقہ ایسا ہی ہو کہ اس میں عید یہاں سے پہلے ہی ہوتی ہو، اگر ایسا ہو تو اس کی نشاندہی کا آرزومند ہوں، ہم کم پڑھے لکھے لوگ تو بہشتی زیور (جو معتبر کتاب اور اہل دیوبند کے نزدیک قابل اعتبار ہے، نیز اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اس کے تمام مسائل کو مدلل کر دیا گیا ہے) دیکھتے ہیں اس میں یہ ملتا ہے کہ: ''ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر انتہائے مشرق کے رہنے والوں پر پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا'' ۔ (بہشتی زیور حصہ یازدہم) (۱)۔

نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم صرف روزہ کے بارے میں ہے یا عید کے بارے میں بھی ۔ حاشیہ پر عبارت ملتی ہے:

"واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذاهب، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب" .درمختار: ۱/۱۴۹ (۲)،

(۱) (بهشتی زیور، ص: ۸۱۹، حصه یاز دهم، تتمه حصه سوم، دار الإشاعت کراچی)

(۲) (الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم، سعید)

عالمگیری: ۱/۱۹۷(۱) بحر: ۲/۲۷۰(۲)۔

بہت سے معتبر علماء کی رائے میری نگاہ سے ایسی بھی گزری کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کی اطلاع ریڈیو پر آجائے کہ فلاں جگہ کے مفتی یا قاضی یا امام یا رؤیت ہلال کمیٹی نے رویت ہلال کا اعلان کردیا ہے تو اس صورت میں اس کو تسلیم کرلینا چاہئے اور اس پر کاربند ہونا چاہئے، لیکن اگر یہاں کے صاحب علم اور اہلِ وجاہت اسے تسلیم نہ کریں تو میرے لئے روزہ رکھنا یا افطار کرلینا شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسائل دوقسم کے ہیں: ایک وہ کہ جن میں خبرِ معتبر بھی کافی ہے، دوم وہ کہ ان میں شہادت ضروری ہے۔ ریڈیو پر خبریں تو آپ سنتے اور معتبر مانتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ایسی خبروں کو معتبر مانا ہے، مگر کبھی یہ بھی دیکھا اور سنا ہے کہ کسی مجسٹریٹ نے کسی مقدمہ میں گواہی ریڈیو پر لے لی ہو اور اس پر فیصلہ کردیا ہو، یا کسی قاضی نے مرد وعورت کا ایجاب وقبول ریڈیو پر کرادیا ہو اور وہاں گواہ موجود نہ ہوں اور شرعاً وہ نکاح معتبر مان لیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں دو باتیں اَور بھی غور طلب ہیں: ایک یہ کہ جب مطلع صاف ہو گیا اس وقت بھی ایک دو آدمی کی خبر یا گواہی کافی ہے یا جمِ غفیر کی رؤیت ضروری ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں جس مقام پر رؤیت ہوئی ہے، وہاں سے خبر طریقِ موجب کے ساتھ پہونچنا ضروری ہے، جیسا کہ آپ نے عالمگیری کے حوالہ سے بہشتی زیور سے نقل کیا ہے۔

خبروں کا حال خاص کر ہنگاموں کے وقت مثلاً: الیکشن اور جنگ وغیرہ کے وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنے حریف کو شکست دینے کے لئے جو تدبیر مناسب سمجھتا ہے اختیار کرلیتا ہے، پھر بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ فلاں فلاں خبر غلط تھی، اہلِ تدبیر و تجربہ شروع ہی سے بتلا دیتے ہیں کہ فلاں خبر غلط ہے، بعض دفعہ وہ بھی فریب میں آجاتے ہیں صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھ جاتے ہیں، یہ آئے دن کا حال ہے۔

پس کلیۃً یہ رائے قائم کرلینا کہ ریڈیو کی ہر خبر معتبر اور کافی ہے صحیح نہیں ہے۔ عید کے لئے خبر محض کافی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۴۷۱، كتاب الصوم، رشيدية)

نہیں، بلکہ شہادت ضروری ہے، یا خبر مستفیض ہو(۱)، اس کے شرائط، شامی، بحر وغیرہ میں مذکور ہیں۔

خبر یا شہادت قبول کرنے کا محل بھی ذہن میں رکھیں وہ ۲۹/ تاریخ ہے، اگر حجازِ مقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز یہاں آ کر گواہی دیں کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے جو کہ ہمارے حساب سے ۲۸/ تاریخ تھی، تو ان کی گواہی سنی بھی نہیں جائے گی کیونکہ اس کے اعتبار سے ہمارا مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ مہینہ ۳۰/ کا ہوتا ہے یا ۲۹/ کا (نہ ۲۸/ کا ہوتا ہے نہ ۳۱/ کا) امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد آپ کے اشکالات کا جواب واضح ہو گیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۱۰/ ۹۱ھ۔

ریڈیو کے اعلان کی حیثیت

سوال[۴۷۷۴]: ۱...... پاکستان ریڈیو سے یا ہندوستان ریڈیو سے اگر چاند کی خبر آوے تو وہ معتبر ہے یا نہیں؟ جب کہ ریڈیو پاکستان مسلمانوں کی ریڈیو ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی خبر معتبر نہ مانی جائے؟

۲...... صبح کو ہی جب بمبئی سے چاند ہونے کی خبر امام صاحب جامع مسجد دلی کے پاس آ گئی تو اس وقت انہوں نے بمبئی کی بات کیوں نہیں مانی اور بعد میں ایک بجے کیوں افطار کرایا؟ عجیب معمہ ہے، یہ سب واقعات ریڈیو سے معلوم ہوتے رہے، لہذا صحیح جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی شخص ریڈیو پر شہادت دے کہ میں نے عید کا چاند دیکھا ہے تو یہ شہادت سننے والوں کے حق میں

---

(۱) "وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ "أشهد" .... وقيل: بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم". (الدر المختار). "والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأى الإمام: إن وقع في قلبه صحةُ ما شهدوا به و كثرت الشهود، أمر بالصوم". (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۶، ۳۸۸، مبحث في صوم يوم الشک، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۶۸، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

معتبر نہیں (۱)، نہ بمبئی کی ریڈیو سے نہ لاہور کی ریڈیو سے نہ کسی اَور اسلامی یا غیر اسلامی ملک سے۔ قبولِ شہادت کے لئے شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا شرط ہے،وهو مصرح في كتب الفقه(۲)۔

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے یا عید ہے تو یہ خبر کافی نہیں، اس میں بھی سب جگہ کا ریڈیو برابر ہے، اگر مسلم باشرع رؤیت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی یا حاکم مسلم باقاعدہ شہادت لے کر ریڈیو پر اعلان کرے یا کرائے کہ یہاں شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہوگیا، اس بنا پر اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں یعنی ۲۹/ رمضان کے بعد والے دن کے لئے مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں معتبر مانا جائے گا، جہاں اس کے مان لینے سے مہینہ ۲۸/ یا ۳۱/ کا نہ ہونے پائے، وہ ریڈیو کسی جگہ کا ہو سب کا یہی حکم ہے، ایسے ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا اور نماز عید ادا کرنا درست ہوگا (۳)۔

ضلع سہارنپور میں متعدد مقامات پر لوگوں نے چاند دیکھا اور ان کی باقاعدہ شہادت لی گئی، اس پر عید کا حکم کیا گیا اور یہ حکم بھی رات میں ہی کردیا گیا تھا، بعض جگہ اس کی اطلاع دن میں پہونچی، اس شہادت پر اتوار کو

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق : ۵/ ۱۶۰، كتاب الشهادة ،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۹۱، فصل : يشهد بكل ماسمعه أو راه، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/ ۱۵۷، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، الخ ، غفارية)

(۲) "فيشترط لجوازها شروط: الأول أن تكون الشهادة عند قاضي عدل عالم". (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/ ۱۱۱، رشيديه)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: شرائط مكانها واحد): أي مجلس القضاء، منح .... ومايرجع إلى مكانها واحد وهو مجلس القضاء" (ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/ ۴۶۲، سعيد)

(۳) قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي رحمه الله تعالىٰ: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(وكذا في أحسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

عید ہوئی، کسی ریڈیو پر عید نہیں کی گئی۔ جس وقت بھی عید کے چاند کا ثبوت پہونچ جائے گا خواہ دوپہر سے پہلے یا بعد، اسی وقت روزہ افطار کردیا جائے گا، عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر ثبوت نہ پہونچا اور روزہ رکھ لیا گیا تو گناہ نہیں ہے، اگر محض ریڈیو یا کسی اَور تار وغیرہ کی ایسی خبر پر روزہ افطار کردیا گیا کہ جو شرعاً کافی نہیں تو گناہ ہوا، لیکن اگر پھر ثابت ہوگیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس روزہ کی قضا یا کفارہ بھی لازم نہیں (۲)۔

بمبئی اور دوسرے شہروں کی پوری تفصیل ہمیں معلوم نہیں کہ وہاں شہادت پر عید کی گئی یا کس طرح۔ چاند سے متعلق آپ کے سوالات کا جواب تحریر بالا میں آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

ریڈیو کا اعلان

سوال [۴۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ:

دہلی میں جو ہلال کمیٹی ہے اس کا اعلان جو آل انڈیا ریڈیو دیتی ہے اس کی حیثیت کیا ہے، آیا اس خبر پر عمل کیا جائے یا نہیں؟ کیونکہ کمیٹی کے صدر یا اس کا کوئی بھی رکن ریڈیو سے اعلان نہیں کرتا بلکہ صرف خبروں میں کمیٹی کے صدر کا حوالہ دیا جاتا ہے، اسی طرح پاکستان میں بھی ہلال کمیٹی ہے، اس کا صدر عام طور پر خود ریڈیو پاکستان پر چاند کا اعلان فرماتے ہیں۔ آیا اس اعلان کا اطلاق صرف پاکستان پر لاگو ہوگا یا ہندوستان والے اس

---

(۱) "وأقسامه فرض و واجب و مسنون و مندوب و نفل و مكروه .... ومكروه تحريماً أيام التشريق والعيدين". (فتح القدير: ۲/ ۳۰۳، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۲۴۰، فصل في صفة الصوم و تقسيمه، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً، إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (ردالمحتار على الدر المختار، فصل في العوارض المبيحة للصوم: ۲/ ۴۲۸، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في العوارض، ص: ۱۹۱، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/ ۲۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت)

اعلان پر عمل کر سکتے ہیں؟ شرعی حیثیت کے مطابق آپ مع حوالہ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں اور اس رمضان کی پہلی تاریخ اور دن سے بھی مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اگر ہلال کمیٹی جس کے افراد اہل علم واہل دیانت ہو شرعی قاعدے کے مطابق ثبوتِ رویت ہلال حاصل کر کے ریڈیو کے ذمہ دار کو تحریر لکھ کر دیدیں کہ ہمارے پاس شرعی شہادت ہے، فلاں روز رؤیت ہلال کا ثبوت ہو گیا ہے، اس بناء پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل فلاں دن روزہ رکھا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہو۔

اعلان کرنے والا ریڈیو پر اگر چہ غیر مسلم ہو لیکن جب اس کا پورا اعتماد ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر صاحب نے اس کو یہ تحریر دی ہے جس کا اس نے ان کی طرف سے یہ اعلان کیا ہے تو یہ اعلان معتبر ہے جیسے سرکاری حکم، اعلان کوئی بہت چھوٹا آدمی بذریعۂ منادی کرتا ہے اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ اعلان نہیں کر رہا ہے، بلکہ سرکاری تحریر کا اعلان کر رہا ہے تو اس کے اعلان کا اعتبار کر لیا جاتا ہے، جہاں تک اس ریڈیو کے اعلان تسلیم کرنے سے مہینہ اٹھائیس کا نہ رہ جائے یا اکتیس کا نہ بن جائے وہاں تک اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، یہی حال پاکستان کے اعلان کا ہے کہ اگر وہ باضابطہ شرعی شہادت کے بعد کیا گیا ہے تو معتبر ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں ان میں دلائل بھی مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۹/ ۱۴۰۲ھ۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجةٌ موجبةٌ للعمل". (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۶، مبحث فی صوم یوم الشک، سعید)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ=

ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر

سوال[۴۷۷۶]: ۱......رؤیت ہلال کے لئے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھ لیا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لے کر آویں تو معتبر ہے یا نہیں؟ بمبئی میں جب چاند ہو گیا تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

شہادت دیر سے پہونچنے پر نماز عید کو مؤخر کرنا

سوال[۴۷۷۷]: ۲......زوال سے ایک دو گھنٹہ پہلے چاند کی خبر آوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دو گھنٹے میں نہیں ہوسکتا، وضو وغیرہ میں بھی کچھ وقت لگتا ہے تو یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں، بغیر صفوں کے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......عید کے چاند کے لئے یوم الشک میں مطلع صاف ہونے کے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے(۱)، خبرِ محض کافی نہیں، نہ ریڈیو کی، نہ تار کی، نہ ٹیلیفون کی، اس طرح ان ذرائع سے جو شہادت ہے وہ بھی کافی نہیں (۲)۔ البتہ اگر رؤیت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی باقاعدہ شہادتِ شرعیہ حاصل کرکے اعلان کرے، یا کرائے کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں روز عید ہے تو یہ

= ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۷۷، باب: ہوائی رؤیتِ ہلال کی شرعی حیثیت)

(و كذا في أحسن الفتاوىٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۱) "وشرط للفطر بلاعلة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنه يكتفي بشاهدين". (الدرالمختار) "وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة". (ردالمحتار: ۲/۳۸۷، ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۶۸، كتاب الصوم، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

اعلان شرعاً معتبر ہوگا(۱)، گواہوں کے لئے شرط یکساں ہیں خواہ سودوسومیل کے فاصلے سے آکر گواہی دیں یا کہ زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دومعتبر آدمیوں کے ذریعہ سے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔ بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سودوسومیل کے فاصلہ پر جاکر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔

۲......اگر چاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضوکرکے آسکتے ہیں اور زوال سے پہلے نماز ادا کرسکتے ہیں تو محض صفیں بچھانے کی وجہ سے آئندہ روز کے لئے نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضوکرکے نماز کے لئے جمع ہوسکیں تو آئندہ روز کے لئے مؤخر کردیا جائے:

"و تؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، اهـ". درمختار۔ "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام، و أما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال، اهـ". شامي: ۱/۷۸۳(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو کا اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید

سوال[۴۷۷۸]: فخر الاماثل مفتی صاحب دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت! یہاں پر امسال عید کے موقع پر ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوا اور ہمیشہ سے یہاں کے لوگ اس

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے"؟)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ("آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام"، ص:۱۷۷) (واحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۷۴، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركة علميه ملتان)

فتنہ میں مبتلا ہیں، چنانچہ حضور والا کے تائیدی جواب کے بعد انشاء اللہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔

آسمان ابر آلود ہے اور یہاں کے برادری کے منتظمین نے اپنے قدیم غیر شرعی دستور و نظام کے موجب انتیس رمضان ۶۹ھ کو ایک بالکل فاسق فاجر مزدور لڑکے کو- جو نہ تو کبھی نماز پڑھتا ہے، نہ کبھی روزہ رکھتا ہے بلکہ ہمیشہ فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے- سورت کے ایک تاجر کے پاس پرچہ دے کر بھیجا کہ اگر وہاں چاند ہوا اور عید ہو تو اس مزدور لڑکے کے ہاتھ چٹھی لکھ کر بھیج دینا، اس پر ہم عمل کریں گے۔

یہ لڑکا صبح چار بجے کے قریب ان تاجر صاحب کی چٹھی لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ یہاں عید کا نقارہ پٹ گیا اور صبح عید کی عید مبارک۔ مجھے جب اس کی اطلاع پہونچی تو میرے پاس حضرت العلامۃ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا فتویٰ موجود تھا جو میں نے پہلے ہی منگا رکھا تھا، اس فتویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ ''باہر سے خبر یا تحریر لانے والے دو عادل مسلمان ہونے ضروری ہیں خواہ وہ ہلال رمضان ہو یا عیدین''۔ سو میں نے یہاں کے لوگوں کو مذکورہ فتویٰ کی بناء پر روکا، بعض نے افطار نہیں کیا اور دوسرے دن میرے ہمراہ عید منائی اور یہاں کی اکثریت نے افطار بھی کرلیا اور عید بھی منالی۔

اب سورت کی شہادت کا حاصل کیا ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

میں نے یہاں تین ثقہ اشخاص کو- جن میں دو عالم ایک متشرع مستور الحال ہیں- راندیر بھیجا تا کہ ان کی شہادت پر عمل کیا جائے، یہ لوگ راندیر کے علماء سے ملے، چنانچہ انہوں نے ان حضرات سے کہا اور تحریر بھی لکھدی جس پر مولوی عبدالرحیم صادق صاحب اور حافظ صالح صاحب کے جو وہاں کے ایک مسلم بزرگ ہیں دستخط تھے۔

زبانی روئیداد یہ بیان کی کہ یہاں کے شہر قاضی نے بھی نقارہ پیٹ دیا تھا، مگر ہم ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے پاس شہر سورت سے جن چاند دیکھنے والوں کے نام آئے ہیں ان کے نام ہم کو دو اور اپنی موٹر بھی دو، ہم ابھی تحقیق کر کے آتے ہیں اور چنانچہ یہ حضرات سورت گئے اور نام بنام سب سے دریافت کرنا شروع کیا تو سب ہی نے کہا کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا، ہمارا نام کسی نے غلط اڑایا ہے۔

بہرحال یہ راندیر کے علماء رات بارہ بجے سے تین بجے تک موٹر میں گھومے اور شہر کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ چھان مارا اور جن جن لوگوں کے نام لئے گئے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے صاف انکار کیا اور بعض نے کہا کہ صاحب! ہم ٹھیک تو نہیں کہہ سکتے مگر ایک سیکنڈ کے لئے کچھ سفیدی سی معلوم ہوگئی۔ اخیر میں ایک شخص ایسا ملا جس

نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا ہے اور شہر قاضی نے بھی دیکھا ہے، چنانچہ یہ حضرات سورت کے شہر قاضی کے پاس گئے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کس شہادت کی بناپر شہر میں عید کا اعلان کرایا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے کچھ لوگ دو چار لوگوں کو لے کر آئے اور کہا کہ یہ آدمی اچھے ہیں جھوٹ نہیں بولتے، ان لوگوں نے چاند دیکھا ہے، میں نے ان کے دستخط لے لئے اور عید کا نقارہ پٹوا ڈالا۔

ا...... ان حضرات نے قاضی صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب تو آپ کا نام بھی لیتے ہیں کہ قاضی صاحب نے چاند دیکھا ہے، جواباً کہا کہ حاشا وکلا، وہ جھوٹے ہیں میں نے ہرگز چاند نہیں دیکھا، صرف ان لوگوں کے کہنے سے نقارہ پٹوا ڈالا۔ ان حضرات نے کہا کہ یہ حضرات تو انکار کرتے ہیں کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا اور یہ دستخط بھی ہمارے نہیں ہیں۔ اس پر قاضی صاحب خاموش ہوگئے مگر عید تو صبح کو قاضی صاحب کے حکم سے ہو ہی گئی، راندیر والوں نے نہیں کی۔

بہرحال جس شہر کی شہادت کی بناپر یہاں کٹھور میں عید منائی گئی اس شہادت کا یہ حشر ہوا اور قطع نظر اس کے کہ سورت میں شرعاً عید درست ہوئی یا نہیں، صرف ایک بالکل فاسق وفاجر لڑکے کے وہاں کے کسی تاجر کی تحقیق لانے پر صرف یہاں والوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کی دوگانہ ادا کرلی گئی۔ سواگر جن لوگوں کو روزہ توڑنے سے پہلے میں نے روکا اور مسئلہ بتلایا ایسے لوگوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کرلی تو آیا ان لوگوں پر روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں ہیں یا نہیں؟ نیز وہ دوگانہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز جن لوگوں کو اس مسئلہ کا علم ہی نہیں ہوا اور اس غیر شرعی شہادت پر روزہ توڑ ڈالا اور عید منائی ان کے قضاء اور کفارہ اور اعادہ عید کا کیا حکم ہے؟

۲...... پاکستان ریڈیو سے اعلان ہوا ہے کہ آئندہ رمضان اور عیدین کے موقع پر پاکستان ریڈیو سے ایک ثقہ عالم رؤیت ہلال کی اطلاع دیدیا کریں گے، جن کا نام پروگرام میں بتلایا جائے گا، سواس اطلاع کی بناپر تمام مسلمان عمل کرلیا کریں، اول تو ریڈیو کی اطلاع، پھر وہ بھی بولنے والا صرف ایک ہی، کم از کم دو بھی نہیں، اس خبر پر عمل کرکے صوم وافطار کا حکم دیا جاسکتا ہے؟

۳...... یہاں قاضیٔ شرعی تو کوئی ہے نہیں صرف نکاح خواں اور فاتحہ خواں شخص کو یہاں عرفاً قاضی کہتے ہیں جو علاوہ جاہل ہونے کے ان میں عدالت تو کجا مستور الحال ہونے کی بھی اہلیت نہیں، سوایسی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر رؤیت یا شہادت کی تحریر لانے کے باب میں کتاب القاضی الی القاضی کی تو

گنجائش ہے نہیں تو جس مقام سے تحریر منگائی جاتی ہے اس مقام کا بذریعۂ تحریر خبر دینے والا شخص کس قماش کا ہونا چاہیے؟ نیز تنہا ایک ہی شخص کی تحریر اور دستخط دو عادل اور ثقہ آدمی لے کر یا اس تحریر پر دو شخصوں کے دستخط ہونے چاہئیں، نیز تحریر کے شاہدین عادلین کا حضور اس محرر کے سامنے ضروری ہے یا نہیں، نیز ان شاہدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ یہ تحریر فلاں فلاں حضرات نے ہمارے حضور میں لکھی ہے؟ امید کہ جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے۔

مولوی محمد عبدالرحیم حوالدار بدات، محلّہ کٹھور، ضلع سورت۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......سورت کی اس شہادت اور قاضی صاحب کی حالت اور کٹھور کی پبلک کے (باوجود منع کرنے کے) روزہ توڑتے اور عید منانے پر حسرت وافسوس ہے، اللہ پاک صلاحیت عطا فرمائیں اور احکامِ شرع پر عمل کی توفیق دیں۔ دیانات میں فاسق کی خبر معتبر نہیں (۱)، شہادت کا درجہ خبر سے بڑھ کر ہے، وہ کیسے معتبر ہوگی۔ سورت کے قاضی صاحب کو جب تحقیق ہوگئی کہ چاند نہیں ہوا اور ان کے سامنے جو بیانات دیئے گئے تھے وہ غلط تھے تو ان کے ذمہ لازم تھا کہ فوراً اعلان کراتے کہ عید کے لئے جو نقارہ پٹوایا گیا ہے وہ غلط ہے، اس نقارہ کی بناء پر کل ہرگز عید نہ کی جائے، اور بھی جن لوگوں کو اس غلط بیانی کی اطلاع ہوئی ان کو لازم تھا کہ وہ روزہ رکھتے اور عید کی نماز اس روز نہ پڑھتے اور جب وہاں ثبوتِ رؤیت نہیں ہوا تو اس روزہ کی قضا لازم ہے۔ دوگانۂ عید کی نماز لازم نہیں، اعادہ بھی نہیں، روزہ کا کفارہ بھی لازم نہیں، کفارہ شبہ سے بھی ساقط ہوجاتا ہے:

"لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانّين أنه يوم العيد، فهو لغيره، لم يكفّروا، كما في المنية، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۲۹ (۲)۔

---

(۱) "و لا يقبل شهادة الكافر و الفاسق". (المحيط البرهانی: ۲/۵۴۷، الفصل الثانی فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثانی فی رؤية الهلال رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) (حاشيه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۷۵، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمی)

۲......اگر حکومت رؤیتِ ہلال کا انتظام معتبر ومعتمد علماء کے سپرد کرے کہ وہ باقاعدہ شہادت لیں، اس کے بعد حکومت کی طرف سے ذمہ دارانہ حیثیت سے کوئی عالم ریڈیو پر بطورِ اعلان نشر کردے اور اس امر کا پورا پورا انتظام ہو کہ کوئی دوسرا شخص اعلان نہ کرے اور بغیر شہادتِ شرعیہ کے اعلان نہ کیا جائے، غرض کسی قسم کی تلبیس نہ ہو تو اس علاقہ کے لوگوں کو بحیثیتِ اعلانِ حکومت اس اعلان کا اعتبار کرنا ہوگا جیسے کہ دیگر اعلاناتِ حکومت بذریعۂ منادی کئے جاتے ہیں جن کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جو مسلمان اس علاقہ کے رہنے والے نہیں وہ اس اعلان کے بھی پابند نہیں (۱)۔

۳......اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امورِ دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل کرتے ہیں تو ان کا تنہا کا ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر ان کے حوالہ کردینا کافی ہے، وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے تو اعتبار کرلیا کریں (۲) اور اگر ان قاضی صاحب پر عام مسلمین کو اس قدر اعتماد نہیں تو تنہا کا لکھنا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال/ ۶۹ھ۔

= (وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۰۷، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن كراچى)

(۱) ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے''۔ (آلاتِ جدید کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی)

اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریقِ شہادت شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے، حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي، صار حجةً شرعاً في المعاملات بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل و يزوّر والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجةً بالإجماع، ولكن =

ریڈیو، ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت

سوال[۴۷۷۹] : ریڈیو،ٹیلیفون، تار برقی کی اطلاع پر کیا رویت ہلال یا عیدین کے چاند ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہوسکتا ہے، درآنحالیکہ حکومت خود ان ایجادات کو اس درجہ میں معتبر نہیں سمجھتی ہے کہ اس کی آواز پر کوئی عدالت کسی مقدمہ کا فیصلہ کردے؟ ان ایجادات کے جو موجد ہیں، جب ان کی نگاہوں میں یہ چیزیں اتنا اعتبار نہیں رکھتی ہیں تو پھر کیا شریعتِ مطہرہ کے احکامات پر یہ ایجادات حاکم ہوسکتی ہیں؟ اور تمام علمائے متقدمین ومتاخرین کے طریق کار اور تحقیق کو لغو، فضول، دقیانوسی اور بیکار جیسے الفاظ سے یاد کیا جاسکتا ہے؟ رؤیتِ ہلال کے مسئلہ کی تحقیق کس طرح کی جائے؟ شریعتِ مطہرہ نے اس کے متعلق کیا ہدایت فرمائی ہے؟ اور ان آلات وایجادات کے اعتبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہ عنایت جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمائیں تاکہ رفع فتنہ ہو۔ بینوا توجروا۔

محمد احمد عفی عنہ رحمانی لدھیانوی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

عیدین کے چاند کے لئے شہادت ضروری ہے(۱)، مثلاً: اگر ۲۹/ رمضان المبارک کو مطلع صاف نہ ہوتو

= إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، و من جملة الشرائط: البينة حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۶۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/ ۹۶، ۹۹، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/ ۱۱۵، فصل في شرائط القضاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة و لفظ أشهد". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

آئندہ دن کو ۳۰/ رمضان مانتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، اِلّا یہ کہ چاند دیکھنے کی شہادت حاصل ہوجائے اور وہ شہادت اصولِ شرعیہ پر قابلِ قبول ہو جس کے لئے ایک امر یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد مجلسِ شہادت میں (جہاں پر شہادت قبول کی جارہی ہو اور شاہد پر جرح کی جاسکتی ہو) حاضر ہو(۱)، پسِ پردہ کی شہادت یعنی غائبانہ آواز پر حکمِ شہادت نافذ کر کے احکامِ شرعیہ کو جاری نہیں کیا جائے گا، اس سے ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی کا حکم سمجھ میں آ گیا ہوگا(۲)۔

رمضان المبارک کے چاند کے لئے شہادت ضروری نہیں، صرف خبر کافی ہے، پس اگر ریڈیو، ٹیلیفون، یا تار سے خبریں آجائیں اور ان پر وثوق ہو یعنی خبر دینے والے رؤیت کی خبریں دیں اور یہ پورا امن ہو کہ کوئی دوسرا شخص نہیں بول رہا ہے، نہ دوسرے شخص نے تار دیا ہے بلکہ بولنے والے اور تار دینے والے خوب اچھی طرح پہچانا جاتا ہے اور وہ ثقہ ہے مجروح نہیں ہے (تار میں تو یہ چیز ممکن ہی نہیں) تو اگر ایسی خبروں سے صدق کا ظنِ غالب ہوجائے تو ان کو معتبر مان لیا جائے گا۔ اگر مطلع صاف ہو تو اس میں ان آلات میں سے کوئی آلہ بھی کارگر نہیں بلکہ جمِ غفیر کا چاند دیکھنا ضروری ہے، خواہ رمضان شریف کا چاند ہو خواہ عیدین کا ہو:

"والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم، بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيدٌ؛ إذ لايفعل مثل ذلك عادةً في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان".

---

(۱) "(الشهادة) فهو إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۵۰، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۴۶۱، كتاب الشهادات، سعيد)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ماسمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في تحمل الشهادة وحل أدائها والإمتناع عن ذلك، غفارية)

ردالمحتار (۱)۔

"وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ: "أشهد" وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد". درمختار۔ "(قوله: مع العلة): أى من غيم وغبار ودخان. (قوله: لتعلق نفع العبد) علةٌ لاشتراط ماذكر في الشهادة على هلال الفطر بخلاف هلال الصوم؛ لأن الصوم أمر دينيٌّ، فلم يشترط فيه ذلك، أما الفطر فهو نفع ديني للعباد فأشبه سائر حقوقهم، فيشترط فيه مايشترط فيها". ردالمحتار (۲)۔

"الشهادة هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ "الشهادة" في مجلس القاضي". درمختار (۳)۔ "(قوله: في مجلس القاضي) خرج به إخباره في غير مجلس، فلا يعتبر". طحطاوی (٤)۔

البتہ اگر باقاعدہ شرائط کے ساتھ رؤیت کا ثبوت ہوجائے اور حکومتِ مسلم کے انتظام سے (جس میں کسی غلطی یا تلبیس کا احتمال نہ ہو) اس رؤیت کا اعلان کیا جائے تو ماتحت علاقہ میں یہ اعلان قابلِ قبول ہوگا جیسے کہ دوسرے اعلانات قابلِ قبول ہوتے ہیں اگرچہ یہ اعلان ریڈیو ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو (۵)، مگر ذمہ دار حکومت کے ریڈیو اور انتظام اور اعلان کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں:

قیاس کن ز گلستان من بہارِ مرا؟

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸٦/۲، کتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (الدر المختار: ٤٦١/٥، کتاب الشهادات، سعيد)

(٤) (حاشية الطحاوی على الدر المختار، کتاب الشهادات: ۲۲۷/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۵) "البتہ جس شہر میں قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اس اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷)

ہلالِ رمضان وعید اور ریڈیو کی اطلاع

سوال[۴۷۸۰]: رمضان المبارک کے روزے رکھنے اور شعبان کا ۲۹/ کا چاند دیکھنے کے بارے میں شہر بھر میں اور اطرافِ شہر کے کسی نے چاند نہیں دیکھا اور نہ قصبہ میں دیکھا گیا، لیکن لوگوں نے صرف جنتری کے حساب سے گاؤں اور دوسرے بہت سے قصبوں میں بغیر چاند دیکھے روزہ شروع کر دیا ہے، یہ روزہ رمضان کا ہے یا نہیں؟ شہر سے ایک شخص نے پچاس میل دور ۲۹/ شعبان کے چاند دیکھنے کی خبر دی ہے، باقی دیکھنے والے ہندو تھے، صرف اکیلا ایک مسلمان شہادت دیتا ہے اور اس شخص کی نمازیں قضاء ہوتی رہتی ہیں اور چاند دیکھنے کی حالت اس طرح بتلاتا ہے کہ کبھی کہتا ہے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ ایک ہندو نے دیکھا ہے اور اس نے مجھے بتلایا اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے موٹر روک کر خود دیکھا ہے اور یہ بات عشاء سے پہلے ایک دو شہر کی مسجد والوں سے بتلائی اور ایک دو مسجد میں تراویح بھی ہوئی۔

ہم سے جب اس ڈرائیور نے آکر خبر دی اور اس نے بذریعۂ خط ہم کو خبر دی، لیکن لکھی ہوئی عبارت کی وجہ سے ہم لوگوں نے اس شخص کی خبر معتبر طریقہ سے نہیں معلوم کی، اس لئے ہم نے ۲۹/ شعبان کا روزہ نہیں رکھا اور کچھ لوگوں نے شہر میں روزے کا اعلان کر دیا۔ آپ مطلع فرماویں کہ ایک مسلمان کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ اور چاند ۲۹/ شعبان کا ہوا ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ عید مبارک کے چاند کا کیا مسئلہ ہے؟ فاسق، فاجر، ہندو، کافر، غلام وغیرہ کی شہادت ان مسائل میں معتبر ہے یا نہیں؟ ٹیلی فون، ٹیلی گرام، ریڈیو، مشرق وسطی کے ریڈیو کی خبریں جو رؤیتِ ہلال سے متعلق ہوں وہ معتبر ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک مسلمان کا چاند دیکھ کر بیان کر دینا بھی کافی ہے بشرطیکہ وہ ظاہر الفسق نہ ہو(۱)۔ امسال یہاں بھی ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعد میں متعدد مقامات سے چاند

(۱)"و قُبل بلا دعوی و بلا لفظ: "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور .... لا فاسق اتفاقاً". (الدر المختار). "و قول الطحاوي: أو غير عدل محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن .... أما مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا". (ردالمحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)=

ہونے کی اطلاع آئی اور دیکھنے والے معتبر گواہوں نے خود جمعرات کو چاند دیکھنے کی گواہی دی اس وجہ سے یہاں جمعہ کو یکم تاریخ رمضان کی قرار پائی اور جن لوگوں نے جمعہ کو روزہ نہیں رکھا، ان کو ایک روز بعد میں روزہ رکھنے کا حکم کر دیا گیا اور اس چیز کو بذریعۂ اعلان طبع کرا کر شائع کرا دیا گیا۔ جن لوگوں نے محض جنتری دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا انہوں نے ٹھیک نہیں کیا، یہ شرعی حکم نہیں کہ محض جنتری دیکھ کر روزہ رکھا جائے یا عید کی جائے، تاہم ان کا روزہ صحیح ہو گیا اور ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق بڑی تفصیل ہے، بعض صورتوں میں معتبر ہوتی ہے بعض میں نہیں، رسالہ آلاتِ جدیدہ اور ریڈیو کے متعلق احکام میں وہ تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

رؤیتِ ہلال کمیٹی اگر فتوی کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۴۷۸۱]: رؤیت ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کی رائے غلبۂ آراء میں دب کر رہ جائے اور خلافِ فتوائے مفتی رؤیت ہلال کمیٹی شہر کی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رؤیت ہلال کمیٹی کو مفتی کے فتویٰ کے ماتحت رہنا اور کام کرنا ضروری ہے ورنہ وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے اعلانات شرعی اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جو کمیٹی عالمِ دین کی بات- جب کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو- تسلیم نہ کرے تو عالمِ دین کو کمیٹی سے علیحدہ ہو کر اعلان کر دینا چاہئے کہ یہ لوگ حکمِ شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علیحدہ

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۴۶، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۶۰، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملے میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف)

ہوتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں

سوال[۴۷۸۲]: ۱...... اگر کوئی شخص بلا چاند دیکھے صرف ریڈیو کی خبر پر ۳۰/ رمضان کو عید کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا

سوال[۴۷۸۳]: ۲...... قریبی شہر کلکتہ سے بذریعۂ ریڈیو اگر یہ خبر پہونچے کہ اگرچہ کلکتہ میں چاند نہیں دیکھا گیا لیکن چونکہ ڈھاکہ، دہلی وغیرہ شہر سے چاند کی خبریں بذریعہ ریڈیو آرہی ہیں اسی بنا پر کلکتہ میں عید ہورہی ہے، اس خبر پر کلکتہ والوں کو اور کلکتہ کی خبر پر دیہاتوں میں عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۳...... اگر ۳۰/ رمضان کو ایسی خبر پر عید کرے اور بعد کو اگلے روز چاند ہونے کی تحقیق ہوجائے تو ان کو عید بلا تحقیق کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

۴...... اور اگرچہ بعد میں چاند کی تحقیق ہوئی، لیکن چونکہ وہ لوگ ۳۰/ رمضان کو آٹھ بجے تک روزہ میں تھے، ریڈیو کی ایسی خبر پر کلکتہ کے مسلمان آکر دیہات میں کہیں اور وہ لوگ روزہ توڑ کر عید کرلیں تو قضاء وکفارہ یعنی ۶۰/ روزے لازم ہوں گے؟

۵...... یا صرف ایک روزہ رکھے؟

۶...... یا کچھ کرنا نہیں پڑے گا؟

۷...... اور جو لوگ ایسی خبروں کو غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کرکے پورا ۳۰/ روزہ رکھ کر اگلے دن عید کریں تو وہ حق پر تھے یا نہیں؟

۸...... اگرچہ بعد میں ۲۹/ رمضان کے چاند کا تحقق ہو تب بھی کیا ہوگا؟

۹...... چونکہ صرف ریڈیو کی خبر تھی جس کے مشتہر غیر مسلم ہوتے ہیں۔

۱۰...... یا ڈھاکہ کی خبر جو مسلمین دے رہے ہیں ان کے احوال معلوم نہیں کہ متقی ہیں یا نہیں؟

۱۱......اور دہلی چونکہ کلکتہ سے قریب ہزار میل ہے جس کا طلوع وغروب کلکتہ کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا کہ وہاں ۲۹/ رمضان کو چاند ہوا ہو اور یہاں نہیں، اس لئے اس کو غیر معتبر سمجھ کر۔

۱۲......اور چونکہ کلکتہ والے خود چاند نہیں دیکھے صرف ڈھاکہ یا دہلی کی خبر پر عید کررہے ہیں۔

۱۳......لہٰذا اس خبر کو بھی غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کریں بلکہ روزہ رکھیں تو ان کا یہ روزہ رکھنا حرام تو نہیں ہوگا؟

۱۴......نیز امسال دیوبند وسہارن پور میں روزہ کتنے ہوئے؟

۱۵......عید کب ہوئی؟

۱۶......اچھا! شریعت میں کوئی ایسی حد متعین ہے کہ اگر مثلاً پانچ سومیل کے اندر والے کے لئے حجت ہو، اس سے اگر دور ہو تو حجت نہیں؟

یہ کل سولہ سوالات ہیں، امید ہے کہ ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، حقیقت میں سوال ایک ہی ہے اس لئے آپ کے قانون کے خلاف نہیں ہوا۔

ضروری گزارش: چونکہ اس مسئلہ پر پوری مغربی بنگال میں اختلاف ہے اور شدید اختلاف ہے اس لئے برائے کرم ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، کیونکہ اس کا ہر سوال حقیقی اور واقعی ہے مخترعہ نہیں، جس کا جواب نہیں آئے گا، پھر اسی کو لے کر جھگڑا ہوگا، ۲۲/ شوال کو ہمارا ایک اجلاس ہوگا جس میں یہی مسئلہ لے کر گہری بات ہوگی، لہٰذا قبل اس تاریخ کے اگر جواب پہونچے تو بڑا احسان ہوگا، خط پہونچنے میں چھ روز لگتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اگر ۲۹/ کو مطلع صاف ہو کر نہ بادل ہو، نہ غبار، نہ دھواں، نہ بارش ہو، نہ سرخی ہو تو محض کسی ریڈیو کی اتنی خبر پر کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ۳۰/ رمضان کا عید کرنا درست نہیں (۱)۔

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، فصل يشهد بكل ما سمعه أو راه، دار الكتب العلمية بيروت) ...... =

۲......اتنی خبر بھی کافی نہیں (۱)۔

۳......بلاتحقیق عید کرنا جائز نہیں تھا اگر چہ بعد میں تحقیق سے حجت کا علم ہوجائے۔

۴......جب تک شرعی طور پر تحقیق نہ ہوجائے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں لیکن بعد میں تحقیق ہونے پر کہ اسی روز عید تھی، قضاء وکفارہ کا وجوب نہ ہوگا (۲)۔

۵، ۶......نہ قضاء ہے نہ کفارہ، بلاتحقیق روزہ توڑنے پر استغفار کرے۔

۷......جب تک تحقیق نہ ہوجائے روزہ رکھنا ہی لازم ہے، عید کرنا درست نہیں لہذا انہوں نے ٹھیک کیا (۳)۔

۸......انھوں نے ٹھیک کیا، وہ گنہگار نہیں۔

۹-۱۲......محض یہ خبر کہ چاند ہوگیا یا عید ہے کسی کی بھی معتبر نہیں اگر چہ ریڈیو پر خبر دینے والے مسلم متقی ہوں۔

۱۳......آپ کی تحریر کردہ صورت میں وہ لوگ گنہگار نہیں۔

۱۴......۲۹/ ہوئے۔

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/ ۱۵۸، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۹۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "لزم نفلٌ شرع فيه قصداً أداءً و قضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/ ۴۲۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۱۹۱، فصل في العوارض، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۶، فصل في حكم من أفسد صومه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وإذا لم تكن بالسماء علة، لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية، ص: ۲۱۵، كتاب الصوم، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۴۷، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، غفارية)

١٥......عید سنیچر کو ہوئی۔

١٦......ایک قول میں اس کا بھی اندازہ کیا گیا ہے: "وقدر البُعد الذی تختلف فیه المطالع مسیرة شهر فأكثر على ما فی القهستانی". ردالمحتار (١)۔ شامی نے اس کی دلیل کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٠/١٠/٩١ھ۔

رؤیتِ ہلال کا ثبوت پاکستانی ریڈیو سے

سوال [٤٧٨٤]: امسال ہندوستان میں ٢٩/ رمضان کو چاند نہیں دیکھا گیا، مگر ریڈیو پاکستان نے آٹھ بجے شب میں خبر دی کہ ٢٩/ کا چاند ہوگیا ہے، اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا جس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں، انہوں نے روزہ توڑا اور دوسروں سے بھی توڑ وادیا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صرف ریڈیو پاکستان کی خبر یا شہادت پر روزہ افطار کرنے والوں نے کیسا فعل کیا؟ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا، ان لوگوں کا فعل کیسا ہے؟ مولوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان مسلم حکومت ہے وہ غلط خبر نہیں دے گی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"صورتِ مسئولہ میں ریڈیو کی خبر کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، پاکستانی ہو یا ہندوستانی یا عربی۔ جن مولوی صاحب نے پاکستان کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے توڑ وادیا انہوں نے سخت غلطی کی اور قضاء لازم ہے (٣) اور جن لوگوں نے پاکستان کی ریڈیو کی خبر پر روزہ

---

(١) (ردالمحتار: ٢/٣٩٣، مطلب فی اختلاف المطالع، سعید)

(٢) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "ولا يخفى مافى هذا الاستدلال .... وقد نبه التاج التبريزى على أن اختلاف المطالع لايمكن فى أقل من أربعة وعشرين فرسخاً، وأفتى به الوالد، والأوجه أنها تحديدية، كما أفتى به أيضاً". (ردالمحتار على الدرالمختار: ٢/٣٩٣، كتاب الصوم، مطلب فى اختلاف المطالع، سعيد)

(٣) "لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانّين أنه يوم العيد، فهو لغيره، لم يكفّروا، كما فى المنية". (ردالمحتار: ٢/٤٠٧، مطلب فى جواز الإفطار بالتحرى، سعيد) .... =

نہیں توڑا شریعت کے حکم کے مطابق کیا"۔

مفتی عبدالجبار الحنفی مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ۲۵/شوال المکرّم/۸۶ھ۔

الجواب: "ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، اس پر جن لوگوں نے روزہ توڑا ان پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگیا جس میں مولوی صاحب بھی شامل ہیں اور روزہ تڑوانے کی وجہ سے تمام روزہ توڑنے والوں کا گناہ بھی اس کے سر عائد ہوگا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا انہوں نے بالکل درست کیا۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم"۔

حررہ ابوالقاسم محمد عتیق غفرلہ فرنگی محلی ،۴/ ذیقعدہ/۱۳۸۶ھ۔

سوال: امسال بھی عید کے چاند میں بہت گڑ بڑ ہوگئی، ابر کی وجہ سے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا گیا، مگر آٹھ بجے رات کے بعد ریڈیو پاکستان (بمبئی واحمد آباد) حیدرآباد سے چاند کی خبر ملی، وہاں کے مولوی صاحب نے آپ کے فتویٰ کے پیش نظر ریڈیو پاکستان کی خبر مانتے ہوئے چاند کا اعلان کرادیا اور جمعرات کو نماز عید ادا کی، ہمارے پاس تین جگہ کے فتاویٰ موجود ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت پریشان ہے کہ کس کو مانا جائے، بلیاء کے علمائے کرام کا کہنا ہے کہ پاکستان ایک الگ حکومت ہے وہاں کی خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں اور ہندوستان میں کوئی وزیر یا قاضی اعلان کرتا ہی نہیں اس لئے یہاں کی بھی خبر معتبر نہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دارالعلوم کے فتوی محررہ ۲۷/۳/۸۶ھ میں شروع ہی میں بتادیا گیا ہے کہ آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے تو اس خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں اور فرنگی محل لکھنؤ اور مفتاح العلوم مئو کے فتاوی منقولہ کی بنیاد بھی یہی چیز ہے، اس لئے اتنی بات میں ہر سہ فتاویٰ متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ دارالعلوم کے فتوے میں ایک دوسری شق بھی مذکور ہے جس سے ریڈیو کی خبر محض خبر کے درجہ سے نکل کر ذمہ دارانہ اعلان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، اس کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور بعض جگہ کامیابی بھی ہوگئی ہے۔ رہی یہ بات کہ "پاکستان کی

= (وكذا في التاتارخانية : ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي ،ص :۶۷۵، كتاب الصوم ، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمی)

خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں'' یہ تو بالکل بے بنیاد ہے، اگر ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہوا اور دو مقبول الشہادۃ مرد آکر گواہی بھی دیں تو ان کی شہادت کو محض اس وجہ سے رد کر دینا کہ یہ الگ حکومت کے آدمی ہیں ہرگز صحیح نہیں، اختلافِ دارین کو فقہاء نے موانعِ ارث میں تو شمار کیا ہے وہ بھی بحقِ اہل اسلام نہیں، مگر قبول شہادت کے موانع میں شمار نہیں کیا۔ لاہور اور امرتسر دو شہر قریب قریب ہیں مطلع بھی متحد ہی ہے، اگر ایک جگہ رؤیت ہو جائے اور چاند دیکھ کر دوسری جگہ شرعی شہادت پہونچ جائے تو یقیناً قابلِ قبول ہوگی، اگر اختلافِ مطالع کی بحث کو نہ لایا جائے تو فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر بھی یہی حکم لازم ہو جائے گا جب کہ رؤیت بطریقِ موجب ثابت ہو جائے:

''فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ''. درمختار۔ ''(قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهد على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ''. الدر المختار: ۲/۱۳۲ (۱)۔

مشرق و مغرب سب جگہ ایک حکومت اس وقت بھی نہیں تھی جب یہ مسئلہ فقہاء نے تحریر فرمایا تھا۔ بلیا کے علمائے کرام کے قولِ مذکور کا ماخذ ان سے دریافت کر کے ہم کو بھی مطلع فرمائیں تو احسان ہوگا اور مزید غور کا موقع ملے گا۔ رؤیت ہلال پر علامہ شامی کا مستقل رسالہ ہے جس میں مفصل بحث ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی

کراچی ۱۰/ مارچ (بذریعہ ڈاک) ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنی نادانستہ غلطی سے کراچی کے

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۴، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۶۴، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان، من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۲۳۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

باشندوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے بتایا گیا ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا چاند نظر آنے کی صورت میں ریڈیو پاکستان سے نشر کرنے کے لئے اپنی تقریر ریکارڈ کرائی تھی، آج چاند نظر آنے کی امید تھی، لیکن نظر نہیں آیا، ادھر ریڈیو پاکستان کے ذمہ داروں نے سمجھا کہ چاند نکل آیا ہے، چنانچہ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں انہوں نے مذکورہ بالا تقریر کا ریکارڈ نشر کردیا ہے جس میں مولانا نے کراچی کے باشندوں کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ماہ رمضان شروع ہوگیا ہے، بعد میں ریڈیو پاکستان نے اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی۔

اخبار روزنامہ سیاست کانپور، ۱۸/ مارچ/ ۵۹ء۔ ۸/ رمضان/ ۷۸ھ۔

تار کا یہ حال ہے کہ روزانہ اس میں غلطی ہوتی ہے، ڈاکخانہ کے کہنہ مشق کچھ کا کچھ لکھتے ہیں اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں، چنانچہ ایک تار آیا ''کتا بے دین'' ڈاکیہ تلاش کرتا پھرتا ہے، اس نام کا کوئی نہیں ملتا اور جس سے پڑھوایا سب نے یہی ''کتا بے دین'' پڑھا، یہ ناس مارا گیا تھا ''قطب الدین'' کا۔

غرض ان آلات وایجادات پر خود ان کے استعمال کرنے والوں کا جس قدر اعتماد ہے وہ سائل کے علم میں ہے، پھر ان کے مقابلے میں شرعی احکام واصول پر اس نوع کا کلام کرنا شرعی احکام سے بے خبری اور ان کی بے وقعتی ہے اور آلات مذکورہ کی صحیح حیثیت سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، اگر اصل حقیقت سے واقفیت ہوتو ایسے کلام کی جرأت نہ ہو سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ

سوال[۴۷۸۵]: گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات نے آج تک رؤیتِ ہلال کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں فرمایا، اور احکامِ رمضان المبارک جو دارالعلوم سے شائع ہوا ہے، اس میں بھی آپ نے یہی لکھا ہے کہ اس کو مستند اور غیر مستند ہونے کے متعلق علماء سے معلوم کرلیا جائے۔ اگر آپ ریڈیو کو لے کر دیتے ہیں کہ خبر فلاں فلاں شکل میں معتبر ہوگی تو ہم لوگوں کو آسانی ہوجائے گی۔ امام صاحب دہلی نے گذشتہ عید الفطر کے موقع پر اعلان کر کے ہر جگہ روزہ کو افطار کرا کر عید دوسرے دن منائی۔ اس مرتبہ میں بھی وہ جمعہ کے روزہ کا اعلان کر چکے ہیں اور جا بجا عمل اس پر ہو رہا ہے اور ہر جگہ روزہ جمعہ و ہفتہ کا ہوا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی سعود صاحب باجازتِ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ

علیہ اور سید عبدالقادر فرنگی محل لکھنؤ، مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی وغیرہ ان سب حضرات نے اس کو غیر معتبر فرمایا ہے اور آپ نے صرف خبرِ مستفیض کی بحث چھیڑ دی۔ ہندوستان میں بنگلور اور پٹنہ کی روایت کی خبر بذریعہ ریڈیو پہنچتی ہے۔ اور پاکستان میں ہمیشہ چاند ۲۹/ کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ بذریعۂ ہوائی جہاز اور دُوربین تلاش کر لیتے ہیں، پھر بھی ان میں اختلاف رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۲۱/ دسمبر اور ۲۹/ شعبان اور ۳۰/ شعبان پاکستان بروز سنیچر اگر مطلع ابرآلود ہو اور چاند نہ دیکھا گیا ہمارے قرب و جوار میں، اور ریڈیو میں یوپی سے اطلاع ملے تو اس ریڈیو کی خبر پر ہم لوگ عید کریں یا نہ کریں؟ ریڈیو کی اور چاند کی خبر کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں اختلاف کا ہونا قدرت کی طرف سے ہے، وہ یہ کہ چاند ہمیشہ ۲۹/ کو نظر نہیں آتا، بلکہ ۳۰/ تاریخ کو نظر آتا ہے۔ مطلع ہمیشہ صاف نہیں رہتا، کبھی ابرآلود رہتا ہے، ہر شخص کی نظر صاف نہیں دیکھ سکتی۔ اختلاف تو ہمیشہ سے چل رہا ہے، البتہ اس کو خلاف قرار دینا- جو کہ نتیجہ ہے عناد کا، جس کا ثمرہ فساد ہے- شرعاً وعقلاً ہر طرح سخت مذموم اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والے خبروں کے متعلق تفصیل سے کلام کیا اور اس کو شائع کیا ہے کہ کس صورت میں ایسی چیزیں معتبر ہوں گی، کس صورت میں معتبر نہیں ہوں گی (۱)، یہاں سے بھی چند شرائط کے ساتھ معتبر ہونے کو لکھا جاتا ہے، نہ یہ بات ہے کہ ہر حال میں ان کو معتبر مانا جائے، نہ یہ ہے کہ کسی حال میں معتبر نہ مانا جائے، جیسے کہ بغیر ریڈیو کی خبر نہ معتبر ہوتی ہے نہ غیر معتبر ہوتی ہے۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بھی دہلی سے اس کی تفصیل عرصہ ہوا شائع کر دی ہے۔

ہمارے پاس امسال معتبر آدمیوں نے خود اپنا دیکھنا اور جمعہ کو روزہ رکھنا بیان کیا ہے، ان کے بیان کو

---

(۱) (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، ادارۃ المعارف کراچی)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/ ۳۹۷، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الصوم، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/ ۴۰۹، سعید)

(ورسالة: رؤیت ہلال کا مسئلہ، ص: ۵۷، دارالکتب جنید نشین، کراچی)

یہاں معتبر تسلیم کیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو پہلا روزہ ہے جن لوگوں نے رکھ لیا ہے وہ بَری ہو گئے، جنہوں نے نہیں رکھا وہ بعد عید ایک روزہ کی قضاء کریں۔ دہلی، بجنور وغیرہ متعدد مقامات پر ۲۹/ کی رویت ہوئی ہے، اب کوئی تردُّد نہیں رہا۔ آئندہ روزہ کا حکم اسی پر مرتب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال [۴۷۸۶]: امسال بلیا میں عید کا چاند نہیں دیکھا گیا، ہندوستان اور پاکستان کے تمام ریڈیو سے ۲۹/ رمضان کو خبر دی کہ کہیں چاند نہیں، لیکن ۱۲/ بجے رات کے پاکستان ریڈیو اور بمبئی ریڈیو نے خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہو گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا، اس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں انہوں نے بھی روزہ توڑ دیا، لیکن عید کی نماز دوشنبہ کو پڑھائی حالانکہ نماز کا وقت تھا اس لئے کہ سحری کے وقت تک خبر معلوم ہو چکی تھی اور شہر بلیا اور اس کے قرب وجوار کے تمام لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑا۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جن لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور نماز عید نہیں پڑھی - حالانکہ وقت تھا - ان لوگوں نے کیسا فعل کیا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا ان کا فعل کیسا ہے جب کہ عینی شہادت مفقود تھی؟

حشمت اللہ پر مندا پور، بلیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا یا فلاں جگہ عید ہے، نہ یہ خبر کہ چاند کس نے دیکھا ہے، ایک دو نے یا زائد نے، مطلع صاف تھا یا نہیں، چاند دیکھنے والے مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، رؤیت ہلال کمیٹی نے شہادت قبول کر کے اعلان کیا ہے، یا ویسے ہی یہ اعلان حکومت مسلم کی طرف سے ہے، یا محض ریڈیو کے منتظمین کی طرف سے وغیرہ وغیرہ تو ایسی خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں (۱)۔ اگر وہ اعلان

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان مسئلہ "ریڈیو، ٹیلی فون، تار برقی کے ذریعے چاند کا ثبوت")

ریڈیو پراس طرح ہو کہ فلاں جگہ شرعی شہادت کے ذریعہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے اور رؤیت ہلال کمیٹی (جس کے ذمہ دار مسائلِ شرع سے واقف اور مقبول الشھادۃ آدمی ہیں) یا حکومتِ مسلم (قاضی یا وزیر وغیرہ) کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ خبر معتبر ہے، اس پر روزہ افطار کرنا اور نماز عید ادا کرنا درست ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے مستقل رسالہ میں بیان فرمائی ہے(۱)۔

اگر عید کے چاند کا ثبوت واعلان ایسے وقت ہو جائے کہ نماز روزہ والوں کو خبر پہنچ جائے اور وہ نماز عید وقت پر (زوال سے پہلے) ادا کر سکیں تو آئندہ روز کے لئے بغیر کسی شرعی مجبوری (بارش شدید وغیرہ) کے نماز کو مؤخر کرنا درست نہیں (۲)۔ آپ اپنے یہاں کے حالات کو اس مسئلہ کی روشنی میں خود سمجھ لیں اور مولوی صاحب سے دریافت کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا

سوال[۴۷۸۷]: عید الفطر کا چاند ۲۹/ کو عام نہیں ہوا، ۳۰/ تاریخ کو شہادت کی وجہ سے دوپہر کو روزہ افطار کئے گئے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے عید اس روز مانی جائے گی جس روز روزے افطار کئے گئے ہیں یا اگلے دن جب نماز ہوئی ہے عید مانی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹/ رمضان کو چاند نظر نہیں آیا اس بنا پر روزہ رکھا گیا، یہ تصور کرتے ہوئے کہ ۳۰/ رمضان ہے، مگر بعد شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا اور روزہ افطار کر دیا گیا اور ثابت ہو گیا

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان ''ریڈیو، ٹیلی فون، تار برقی کے ذریعے چاند کا ثبوت'')

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۷۶، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لا یبقی بعد موته، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر فی العیدین، رشیدیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱/۲۲۶، باب صلوة العیدین، دار الکتب العلمیة بیروت)

کہ یکم شوال ہے تو وہی دن عید کا دن ہے اسی دن عید کی نماز پڑھی جائے ،لیکن اگر شہادت دیر میں پہونچی اور عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تو نماز عید ۲/ شوال کو پڑھی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۵ھ۔

مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال[۴۷۸۸]: کیونکہ متعدد خبریں غلط واقع ہوئیں کہ ۲۹/ کو چاند ہوا، اور یہ خبر کسی نے نہیں دی کہ چاند دیکھا، مشکوک خبر پر روزے افطار کئے گئے۔ لہٰذا اس روزہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ صحیح چاند ۳۰/ کا مانا گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سہارنپور میں شرعی شہادت سے ۲۹ کو عید کا چاند ثابت ہوا اور ۲۹/ روزے ہوئے، لہٰذا اس روزے کی قضاء نہیں۔ دوسری جگہوں کا تفصیلی حال معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/ ۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید

سوال[۴۷۸۹]: ہمارے یہاں بہت سے آدمیوں نے ریڈیو کی خبر کے مطابق آج ۲۳/ جنوری/ ۶۶ء بروز اتوار سات آٹھ بجے دن کو روزہ افطار کرلیا ہے اور عید الفطر کی نماز بھی ادا کرلی ہے، لیکن ہمارے یہاں اور گردونواح کی کسی بھی جگہ سے چاند دیکھنے کی کوئی معتبر خبر نہیں سنی، سب جگہوں سے بدستور روزہ رکھنے کی اور ۲۴/ جنوری کو عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی خبر ہے، لہٰذا جن آدمیوں نے ۲۳/ جنوری کو روزہ افطار کرلیا اور عید الفطر کی نماز ادا کرلی، ان کے لئے اسلام کی رو سے کیا حکم ہے؟

---

(۱) "و تؤخر بعذر إلى الزوال من الغد فقط" (الدر المختار). "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام و ما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال". (رد المحتار: ۲/ ۱۷۶، باب العيدين، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(و كذا في الهداية: ۱/ ۱۷۴، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركت علميه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض ریڈیو کی خبر پر کہ فلاں جگہ عید ہے روزہ توڑ دینا اور عید پڑھنا درست نہیں (۱)، لیکن اگر رؤیتِ ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی با قاعدہ شرعی شہادت لے کر اعلان کرے یا کرائے کہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کیم شوال تھی (۲) جو روزہ اس روز توڑا گیا تھا اس کی قضاء لازم نہیں اور جو نمازِ عید الفطر پڑھ لی گئی ہے اس کی بھی قضاء لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیو کے ذریعہ شہادت

سوال [۴۷۹۰]: عید کا چاند یا کسی اُور مہینہ کا چاند دکھائی نہ دے اور پاکستان، بمبئی سے ریڈیو سے اگر خبر ملے تو اس کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں اور ایسی صورت میں روزہ توڑنا مناسب ہے یا نہیں؟ حالانکہ اکثر کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیو کی خبر معتبر نہیں، ہاں اگر اعلان کرنے والے کی آواز پہچان لی جائے تو معتبر ہے، نیز یہ کہ اگر چاند کے متعلق ریڈیو سے یہ اعلان کیا جائے کہ بمبئی سے جمعیۃ العلماء اور دہلی سے فلاں جماعت نے

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لا حتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، غفارية)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى: "البتہ جس شہر میں با قاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(و كذا في أحسن الفتاوىٰ: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

اعلان کیا ہے کہ چاند کی تصدیق ہوگئی ہے اوراس پر عمل کیا جائے تو عام مسلمانوں کوایسی صورت میں اس پر عمل کرنا چاہئے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگرکوئی شخص چاند دیکھ کر ریڈیو پرخبر دے کہ میں نے چاند دیکھا ہےتو اس کی یہ خبر شہادتِ شرعیہ نہیں، اس پرکوئی حکم مرتب نہیں ہوگا بلکہ اس کولغو کہا جائے گا(۱)۔اگررؤیت ہلال کمیٹی جس میں ذی علم اورقابلِ اعتماد لوگ ہوں باقاعدہ چاند کی شہادت حاصل کر کے اعلان کریں یا کرائیں کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے اوراعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روزعید ہےتو اعلان شرعاً معتبر ہوگا(۲)،لیکن عوام کو چاہئے کہ اس اعلان پر اپنے یہاں کے اہلِ علم حضرات کی طرف رجوع کریں اوروہ اس کومعتبر مانتے ہوئے روزہ افطارکرنے اورنمازعید ادا کرنے کاحکم دیدیں،یہی احتیاط ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمدنظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح:سیداحمدعلی سعید،نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیوکی خبر پرروزہ توڑ دینا

سوال[۴۷۹۱]: ۱......ریڈیوکی خبر دیانات ومعاملات میں شرعاً حجت ہے یانہیں؟دیانات میں خصوصاً رؤیت ہلال رمضان وعیدالفطر میں؟

۲......آگرہ میں ۱۷/اگست کومطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رؤیت نہ ہوسکی،۱۸/اگست کوسب نے روزہ رکھا،مگر دوپہرکوبعض افراد نے یہ کہہ کرکہ ’’پاکستانی ریڈیوکی خبر سے ہمارادل گواہی دے رہا ہے کہ آج عید

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق :۵/۱۶۰ ، كتاب الشهادة ، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر :۲/۱۹۱ ، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راٰه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني :۱۰/۱۵۸ ، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ ، غفارية)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان مسئله: ’’ریڈیوکااعلان کب معتبر ہے؟‘‘)

ہے" روزہ افطار کیا اور دوسروں سے یہ کہہ کر افطار کرایا کہ آج شیطانی روزہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل صحیح تھا یا غلط؟ اگر غلط تھا تو ان لوگوں پر قضاء ہے یا قضاء مع الکفارۃ یا کچھ نہیں، اگر کچھ نہیں تو کیوں؟

۳......فقہاء کے نزدیک اختلافِ مطالع کا کہاں تک اعتبار مانا گیا ہے؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: چونکہ میں ایک طالب علم ہوں اس لئے دلائل سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

۶/ستمبر ۴۷ء۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ریڈیو کی خبر حجت نہیں، محض ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کر کے عید کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ ناجائز اور معصیت ہے (۱)، لیکن اگر بعد میں شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے ثبوت ہو جائے تو قضاء یا کفارہ کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا (۲)۔

رمضان کے متعلق اختلافِ مطالع شرعاً معتبر نہیں، یہی ظاہر مذہب ہے:

"واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ، كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". درمختار وشامی، ص: ۱۳۲ (۳)۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "ریڈیو کے ذریعہ شہادت")

(۲) شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے عید کا ثبوت ہو جانے کے بعد قضاء یا کفارہ کا حکم اس لئے نہیں لگایا جائے گا کہ اس نے جو روزہ توڑا تھا وہ اپنے محل (شوال) میں توڑا تھا جس کی مزید تائید پھر شہادت یا خبر مشہور سے ہوئی، لیکن اگر شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے روزے کا ثبوت ہوتا تو اس صورت میں صرف اس دن کی قضاء لازم ہوتی، کفارہ پھر بھی نہ ہوتا: "رأى مكلف هلال ...... الفطر، ورد قوله بدليل شرعي ...... فإن أفطر قضىٰ فقط، الخ". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۴، سعيد)

(۳) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه) ...... =

تار، ٹیلفون، خط، ریڈیو وغیرہ کی خبر کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ایک رسالہ مستقل تالیف کیا ہے، زیادہ تفصیل مطلوب ہوتو اس کو دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ سہارنپور، ۱۲/۱۱/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۶۶ھ۔

ریڈیو کی خبر، شہادت

سوال [۴۷۹۲]: ریڈیو پر اگر چاند کی خبر آوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ خبر حجتِ مُلزِمہ اور شہادتِ شرعیہ نہیں، لہذا دیانات میں مقبول نہیں، کیونکہ مخبر حاضر نہیں بلکہ غائب ہے اور پسِ پردہ سے بات کرتا ہے جس سے وقتِ اخبار نہ اس کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ صفات کی، تاکہ عادل (مقبول الشہادۃ) اور فاسق (مردود الشہادۃ) ہونا متعین ہوجائے، محض آواز سے پہچاننا شرعاً معتبر نہیں "لأن النغمة تشبه النغمة"۔

ریڈیو پر جو شخص بولتا ہے اگر دو عادل شخص اس کے متعلق شہادت دیں کہ یہ فلاں شخص ہے تو ان دو شاہدوں کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے کسی ثالث کو شہادت دینا کہ ہاں یہ فلاں شخص ہے جائز نہیں اور اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، ریڈیو پر اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے اور دو شاہد اس کو سنتے ہوں تو ان کی شہادت سے نکاح منعقد نہیں ہوگا:

"و لا يشهد على محجب بسماعه منه إلا إذا تبيّن القائل بأن لم يكن في البيت غيره، لكن لو فسر لا تقبل -درر-، أو يُرى شخصها: أي القائلة مع شهادة اثنين بأنها فلانة بنت فلان ابن فلان، اهـ" درمختار۔ "(قوله: فسر): أي بأنه شاهد على المحجب. (قوله: شخصها) في

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۶۴، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ"، ادارة المعارف، طبع ۱۳۹۹ھ)

الملتقط: إذا سمع صوت المرأة ولم ير شخصها، فشهد اثنان عنده أنهافلانة، لايحل له أن يشهد عليه، وإن رأى شخصها وأقرت عنده فشهد اثنان أنهافلانة، حل له أن يشهد عليها، بحر. اهـ". شامی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۶/۲/۲۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۶/۲/۲۷ھ۔

تار اور ٹیلیفون کی خبر

سوال [۴۷۹۳]: خبر رؤیت ہلال بذریعۂ ریڈیو یا تار، ٹیلیفون شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلياً:

یہ خبر شہادت شرعیہ کے حکم میں نہیں؛ "لأن الخط يشبه الخط، والنغمة تشبه النغمة" خاص کر جب کہ تار وغیرہ کا واسطہ غیر مسلم ہوں اور مطلب سمجھنے میں بھی غلطی اکثر ہوتی ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/شعبان/۶۶ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۴۶۸/۵، كتاب الشهادات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، غفارية)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۱۲۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة و حل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)

تار، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان

سوال [۴۷۹۴]: ۱...... موجودہ زمانہ میں اگر کسی شہر یا ملک میں رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر نہ ہو اور کسی دوسرے شہر یا ملک سے صرف ذریعہ تار برقی، ٹیلگراف، ٹیلفون، ریڈیو اور وائرلیس خبر موصول ہو تو کیا از روئے شرع شریف مطابقِ مذہبِ احناف اس شہر والوں پر جہاں رؤیتِ ہلال نہیں ہوئی ہے روزہ رکھنا یا رکھوانا، افطار کرنا یا کرانا ضروری اور واجب ہے، یا اس قسم کی خبر واطلاع پر عمل کرنا ضروری ہے؟

۲...... امسال رؤیتِ ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدرآباد سے ذریعہ ریڈیو ۲۹/ رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ ہلالِ عید الفطر کی رؤیت ہوگئی ہے اور کل عید ہے۔ کیا اس خبر کو صحیح باور فرما کر جناب نے شنبہ ۸/ ستمبر/ ۱۹۴۵ء کو یوم الفطر قرار دیا تھا یا نہیں؟

۳...... بصورتِ معتبریٔ خبرِ ریڈیو، ٹیلیفون، وائرلیس فقہی نقطۂ نظر سے اس کو دعویٰ، شہادت، قضائے قاضی، خبرِ مستفیض کی شقوں میں سے کسی شق میں داخل سمجھا جاوے؟ از روئے شرع شریف معہ دلائل وحوالۂ کتبِ معتبرہ حنفی سے مستفیض فرما کر داخل اجرِ عظیم ہوں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبداللہ عفی عنہ بھوپال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... آلاتِ مذکورہ کے ذریعہ جو خبر حاصل ہو، وہ مقامِ شہادت میں شرعاً حجت نہیں، کیونکہ شاہد کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کا علم واقعی طور پر حاصل ہونا دشوار ہوتا ہے: "لأن النغمة تشبه النغمة، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم". كذا في شرح الملتقى (۱)، لہذا ایسی خبر پر عید کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ عید کے لئے شہادتِ عدلین شرط ہے (۲)۔

---

(۱) (شرح الملتقى: ۱۶۵/۲، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و شرط للفطر ...... بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعددٍ على المذهب، و عن الإمام أنه يكتفى بشاهدين". "وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة". (ردالمحتار: ۳۸۷/۲، كتاب الصوم، سعيد) .... =

جب کہ آسمان پر بادل وغیرہ ہو اور مطلع صاف نہ ہو تو ثبوتِ رمضان کے لئے ایسی صورت میں قولِ واحد کافی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ واحد عدل ہو یا مستور ہو(۱)۔ اگر متعدد تار برقی یا ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف خبریں حاصل ہوں اور قرائنِ قویہ سے ان کی صحت کا غلبۂ ظن حاصل ہو جاوے تو وہ خبر شہود کے حکم میں ہوگی اور اس پر روزہ رکھنا صحیح ہوگا:

"وإذا كان بالسماء علةٌ تمنع الرؤية، قُبل في هلال رمضان خبرُ عدل أو مستور في الأصح، لا فاسق -خلافاً للطحاوي- ولو عبداً أو أنثى أو محدوداً في قذف تاب؛ لأنه خبر لا شهادة، و لهذا لا يشترط لفظ الشهادة. وقُبل في هلال الفطر شهادةُ حرين، أو حر و حرتين بشرط لفظ الشهادة و عدم الحدّ في القذف، اهـ". سكب الأنهر (۲)۔

۲......اس خبر پر یہاں شنبہ ۸/ستمبر کو عید الفطر قرار نہیں دی گئی، بلکہ ۳۰/ رمضان یوم شنبہ ۸/ستمبر/ ۴۵ء کو رؤیتِ عامہ ہو کر ۹/ستمبر/ ۴۵ء، یوم یکشنبہ کو عید الفطر قرار دی گئی۔

۳...... نہ یہ قضائے قاضی ہے، نہ شہادتِ شرعیہ ہے، نہ خبرِ مستفیض ہے کچھ بھی نہیں، بلکہ خبرِ مستور ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام "القول الكافي في حكم الخبر التلغرافي" ہے، اس میں تفصیل موجود ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے رسالہ تصنیف کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے

سوال[۴۷۹۵]: فقہ حنفی کی رو سے ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں کے لئے حجت

= (و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۶۸، كتاب الصوم، رشيديه)

(۱) "وقُبل بلا لفظ دعوى و بلا لفظ أشهد للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور .... لا فاسق اتفاقاً". (الدر المختار). "وقول الطحاوي: أو غير عدلٍ محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن .... أما مع تبيّن الفسق، فلا قائل به عندنا". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشک، سعيد)

(۲) (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، تحت قوله: "إذا كان بالسماء علةٌ، قُبل في هلال رمضان خبر عدلٍ: ۱/۲۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا فاصلہ کیوں نہ ہو، ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا، در مختار ردالمحتار (۱)۔ ابتدائے مغرب کی رؤیت انتہائے مشرق کے لئے حجت ہونے سے کیا مراد ہے؟

۲......عرب ملک کی خبر چاند کی جو ریڈیو کے ذریعہ سے سرکاری طور پر ساری دنیا میں پہونچادی جاتی ہے تو کیا ہمارے لئے وہ خبر حجت ہوگی؟ مشرق میں اس دن رؤیت ممکن ہی نہیں۔

۳......رؤیت کی شہادت یا خبر کس حد تک معتبر ہے ریڈیو سے یا ٹیلیفون سے؟

۴...... پاکستان ریڈیو کی سرکاری خبر ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شہر والے اپنے اپنے مطلع کے مکلّف ہیں جیسے کہ اوقاتِ نماز کا حال ہے ایسے ہی صوم وافطار کا حال ہے: "صوموا لرویته، وأفطروا لرویته" . الحدیث (۲)۔ یوم الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس دن پورے کرنے کا حکم ہے۔ یوم الشک ۲۹/ تاریخ کے بعد والا دن ہے جس میں احتمال ہے کہ اسی مہینہ کا تیسواں دن ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کا پہلا دن ہو، اس دن کی جو رات ہوتی ہے یعنی ۲۹/ تاریخ کے بعد والی شب، یہ لیلۃ الشک ہے، کیوں کہ احتمال ہے کہ یہ اسی مہینہ کی تیسویں شب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کی پہلی شب ہو۔

لیلۃ الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں کسی جگہ چاند نظر نہ آیا اور دوسری جگہ نظر آ گیا، وہاں سے جب بھی لیلۃ الشک میں یا رات گزرنے کے بعد یوم الشک میں شہادت پہونچے گی جو کہ قواعدِ شرعیہ

---

(۱) "(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب". (الدرالمختار). (قوله: فیلزم) فاعلهٗ ضمیرٌ یعود إلی ثبوت الهلال: أی هلال الصوم أو الفطر، وأهل المشرق مقوله .... بطریق موجب کأن یتحمل اثنان الشهادة، أو یشهدا علی حکم القاضی، أو یستفیض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة کذار أوه؛ لأنه حکایة". (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب فی اختلاف المطالع: ۲/۳۹۴، سعید)

(۲) (الصحیح لمسلم: ۱/۳۴۷، کتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان الخ، قدیمی)

(ومشکوٰة المصابیح: ۱/۱۷۴، کتاب الصوم، باب رؤیة الهلال، قدیمی)

کے مطابق مکمل اور قابل قبول ہے تو وہ شہادت قبول کرلی جائے گی خواہ نزدیک سے آئے یا دور سے حتی کہ مغرب کی شہادت مشرق میں اور بالعکس سب جگہ تسلیم کرلی جائے گی (۱)۔

تنبیہ: قبولِ شہادت کے لئے ضروری ہے کہ یوم الشک میں ایسا نہ ہو کہ شہادت قبول کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے یا ۳۱/ کا ہوجائے، ایسی صورت میں محل شہادت ہی نہیں، بدائع، زیلعی، بحر (۲)۔

اگر عرب ممالک یا کسی اَور جگہ سے ۲۸/ کی رؤیت کی شہادت آئے گی تو وہ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ صرف ۲۸/ کا رہ جائے گا۔ شہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد حاضر ہو کر شہادت دے، لہذا ریڈیو، تار، ٹیلیفون، خط کے ذریعہ سے آنے والی خبر شرعی شہادت نہیں (۳)۔

اگر کسی جگہ رویت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی یا حاکم مسلم ذی علم باشرع شہادتِ شرعیہ باقاعدہ حاصل کرکے ریڈیو پر اعلان کرے یا کرائے کہ یہاں شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، لہذا فلاں روز عید ہے تو مذکورہ بالا طریق پر یہ اعلان قابلِ تسلیم ہوگا (۴)، مگر اس اعلان پر عوام کو چاہئے کہ خود جلدی سے عمل نہ کریں،

---

(۱) (الدرالمختار مع تنویر الأبصار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۶۴، کتاب الصوم، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) "وقد روی عن ابن مسعود رضی الله عنه أنه قال: لأن أفطر يوماً من رمضان، ثم أقضيه أحب إلىّ أن أزيد فيه ماليس منه". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ۲/۵۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

وفيه أيضاً: "لأن الشهر قديكون ثلاثين يوماً، وقد يكون تسعة وعشرين يوماً؛ لقول النبى صلى الله عليه وسلم: "الشهر هكذا وهكذا". وأشار إلى جميع أصابع يديه، ثم قال: "الشهر هكذا وهكذا" ثلاثاً، وحبس إبهامه فى المرة الثالثة، فثبت أن الشهر قديكون ثلاثين يوماً وقديكون تسعةً وعشرين".

(بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل فى شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۲/۱۵۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان "تار وٹیلیفون کی خبر")

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رؤیت هلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟")

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت) =

بلکہ اہل علم اور ذمہ دار حضرات کی طرف رجوع کریں جب وہ شرعی قواعد کے موافق اس کو قابلِ اطمینان سمجھ کر تسلیم کرلیں تب عوام اس پر عمل کریں، اس لئے کہ عوام پوری حدود و قیود کا نہ علم رکھتے ہیں نہ پابندی کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۵ھ۔

رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار کرنا

سوال[۴۷۹۶]: ہمارے یہاں رمضان المبارک کا اول روزہ پنجشنبہ کا ہوا اور جب پنجشنبہ کو ۲۹/ رمضان المبارک ہوا تو ابر ہونے کی وجہ سے نہ شہر بیاور میں چاند نظر آیا اور نہ شہر اجمیر شریف میں، اور بروز جمعہ تیسواں روزہ کل مسلمانانِ شہر اجمیر و بیاور نے رکھا، مگر تیس رمضان المبارک بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے چار پانچ آدمیوں نے کسی شہر سے آکر اجمیر شریف میں ایک مولوی صاحب نے ایک مجمع میں یہ شہادت دی کہ ہم نے کل بروز پنجشنبہ بچشم خود فلاں شہر میں چاند دیکھا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے ایک مجمع میں حکم دیا کہ روزہ افطار کرلو، سب نے اجمیر شریف میں روزہ افطار کرلیا۔ اس مجمع میں دو آدمی شہر بیاور کے بھی موجود تھے، انہوں نے بھی بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے اسی مجمع میں روزہ افطار کرلیا۔

جب یہ دونوں شخص شہر بیاور میں آنے لگے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم بیاور والوں سے کہہ دینا کہ روزہ افطار کرلیں، ان دونوں آدمیوں نے بیاور میں آکر بوقتِ جمعہ جامع مسجد میں آکر کہا کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار کرلو، اس کہنے پر زید نے روزہ افطار کرلیا اور زید نے کہا کہ جب مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اور اجمیر میں روزہ افطار کر لئے ہیں تو شرعاً سب کو یہاں بھی روزہ افطار کرلینا چاہئے، مگر بکر نے افطار نہیں کیا اور بکر نے زید پر اعتراض کیا کہ جو مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ ان دو آدمیوں کو مولوی صاحب نے تحریری سند دی ہے، یا درگاہ شریف کی مہر لگی ہوئی کوئی سند لائے ہیں، یا ان ہر دونوں نے خود چاند دیکھا ہے۔ لہذا علمائے کرام سے یہ عرض ہے کہ زید کا قول معتبر ہے یا بکر کا؟ اور ایسی صورت میں روزہ بیاور

= (و کذا فی أحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

والوں کوافطار کر لینا چاہئے تھا یانہیں؟ جوحکم ہوخلاصہ تحریر فرمائیں۔فقط۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر بیاور کے لوگ ان مولوی صاحب کی طرف اپنے مسائل اور معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور وہ مرجع الفتویٰ ہیں(۱) اورانہوں نے جن دوشخصوں کی معرفت روزہ افطار کرنے کاحکم وپیغام بھیجا ہے، وہ دونوں معتبر ومقبول الشہادۃ ہیں، نیز مولوی صاحب نے شرعی طریق پر شہادت حاصل کرکے پیغام بھیجا ہےتو وہ معتبر ہے اس پر روزہ افطار کردینا چاہئے ،ایسی حالت میں بکر کا یہ مطالبہ کہ کیا مولوی صاحب نے کوئی تحریری سند دی ہے بیکار ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں کوئی تحریر لاتے اوروہ بکر کے نزدیک معتبر ہوتی تو زبانی پیغام کے غیر معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اگران کے توسط کی وجہ سے زبانی پیغام غیر معتبر ہوتی اوراس میں بھی احتمال ہوتا کہ شاید جعلی تحریر بنالئے ہوں، "لأن الخط يشبه الخط، اهـ"(۲)۔غرض بکر کا زبانی پیغام نہ ماننا اورتحریر کو ماننے کے لئے آمادہ ہونا بےدلیل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"أمّة أمية" کی تحقیق اور رؤیتِ ہلال کے بارے میں اصحابِ توقیت کا قول

سوال[۴۷۹۷]: ۱......زید کہتا ہے کہ اہل عرب ستاروں کی چال سے ناواقف تھے،اس لئے رسولِ

---

(۱) "ولا يخلوا الوجود عمن يميز هذا حقيقةً لاظناً، وعلى من لم يميز أن يرجع لمن يميز لبراءة ذمته". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وعبر بعلى المفيدة للوجوب للأمر به في قوله تعالىٰ: ﴿فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾". (ردالمحتار، مقدمه: ۱/۷۸، سعيد)

"إما أن يكون المفتي ليس له معرفة بقواعد الفقه وأصولها، أو يكون عالماً متبحراً عارفاً بالقواعد والأصول، فالأول لايفتي في هذه الحالة بل يقول: لاأدري، ويحول المستفتي إلى مفتٍ آخر .... وإن كان المفتي له معرفةٌ بالأصول والقواعد ونظرٌ في أدلة القرآن والسنة بحيث جعله أهلا للاجتهاد في المسائل، فإنه يجوز له أن يفتي في تلك الحادثة بقياسها على نظيرتها المذكورة في كتب المذهب أو من القواعد والضوابط المحررة فيه: أي في المذهب اهـ". (اصول الإفتاء، الإفتاء في النوازل، ص: ۷۶، ۷۷)

(۲) (تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ماسمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ رؤیتِ ہلال سے مہینوں کی ابتدا مانی جائے، چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "نحن أمةٌ أمّيةٌ لا نكتب و لا نحسب، الشهر هكذا و هكذا" يعنى مرةً تسعةً وعشرين، و مرةً ثلاثين". بخاری شریف، کتاب الصوم(۱)۔

اب زید کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ مہینوں کی ابتداء کو رؤیتِ ہلال پر موقوف مانتے ہیں، وہ در اصل رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کے منشاء اور غایت وغرض سے ناواقف و بے خبر ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ستاروں کی چال سے اوران کے حساب سے خوب واقف ہیں، لہٰذا زید کا یہ قولِ مذکورہ آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

۲...... "أمةً أميةً" کے کیا معنیٰ ہیں، اَن پڑھ یا جاہل یا کچھ اَور؟

۳...... "أمةً أميةً" سے کون لوگ مراد ہیں؟

۴...... اہلِ عرب کیا جاہل تھے اوران میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا؟ اوران میں کچھ لوگ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے تو" أمةً أميةً" سے اہلِ عرب مراد لینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

۵...... بقولِ زید اگر اگلے زمانہ کے عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا حساب اللہ تعالیٰ سے پوچھ کران کو کیوں نہیں تعلیم فرمائی؟ اوراگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے کے عرب کوتاہ عقل تھے تو العیاذ باللہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہادی مسائل سب نا قابلِ اعتبار ہوجائیں گے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... "ولا عبرة بقول المؤقّتين ولو عَدولاً على المذهب، الخ". درمختار۔ "أى فى وجوب الصوم على الناس، بل فى المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجّم أن يعمل بحساب نفسه. و فى النهر: فلا يلزم بقول المؤقّتين أنه: أى الهلال يكون فى السماء ليلة

---

(۱) (صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: "لانكتب ولا نحسب": ۲۵۶/۱، قديمى)

كذا، وإن كانوا عدولاً في الصحيح، كما في الإيضاح، الخ". ردالمحتار: ۲/۱۴۵(۱)۔

احکام وارکانِ اسلام کو ایسے سادہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے جس کا سمجھنا بلا تکلف آسان ہو، ہیئت وحساب یا دیگر دقیق علوم پر قائم نہیں کیا گیا ہے جن کے سمجھنے کے لئے بڑے آلات وتکلفات کی ضرورت پیش آئے، اگر ایسے علوم پر قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی بھی وحی آتی اور آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی بھی تعلیم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی تبلیغ واشاعت فرماتے۔ علامہ سبکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ توقیت کے قول کو معتبر مانا ہے مگر خود شوافع: ابن حجر، رملی، شہابؒ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ہی ان کی تردید کی ہے اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''معراج'' سے اجماع نقل کیا ہے کہ اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں (۲)۔

۲...... مجمع بحار الانوار: ۱/ ۴۹، میں اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے:"يعني على أصل ولادة أمهم لم يتعلموا الكتاب والحساب، فهم على جبلتهم الأولىٰ"(۳)۔

جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو وہ اُمّی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اُمی تھے یعنی آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی تمام ضروری اشیاء اور شانِ نبوت کے لائق اتنے علوم عطا فرمائے کہ کسی کو نہیں ملے، لہٰذا اس موقع پر امی کا ترجمہ ''جاہل'' کرنا جہالت ہے۔

۳......''﴿بعث في الأميين رسولاً﴾ قيل: نسبة إلى أم القرىٰ، فإن قلت: العرب فيهم

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۷، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "لا عبرة بقول الموقتين .... بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع .... وللإمام السبكي الشافعي رحمه الله تعالىٰ تأليفٌ مال فيه إلى اعتماد قولهم؛ لأن الحساب قطعي .... قلت: ما قاله السبكي رده متأخروا أهل مذهبه: منهم ابن حجر و الرملي في شرح المنهاج". (رد المحتار: ۲/۳۸۷، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين، سعيد)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۱/۱۰۷، باب الهمزة مع الميم، مكتبه دار الإيمان المدينة المنورة)

(وكذا في قواعد الفقه، ص:۱۹۳، الهمزة المقصورة، الصدف پبلشرز)

الكاتب وأكثرهم كانوا يعرفون الحساب، قلت: إن أكثرهم أميون، والحساب حساب النجوم، وهم لا يعرفونه، الخ". مجمع بحار الأنوار: ۱/۹ ٤ (۱)۔

۴......ان میں پڑھے لکھے بھی تھے اسی وجہ سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کولکھوا دیا کرتے تھے، خط وکتابت بھی کرتے تھے، حدیثیں بھی وہ حضرات لکھا کرتے تھے مگر اس کا عمومی رواج نہیں تھا (۲)۔

۵......اس کا جواب نمبر:۱ میں آ گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

رؤیت ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبولِ شہادت کی صورتیں

سوال [۴۷۹۸]: ۱......جب کہ مطلع صاف نہ ہوتو ایسی صورت میں عیدین کے ہلال کے لئے مجمع

---

(۱) (مجمع بحار الأنوار، باب الهمزة مع الميم: ۱/۱۰۷، دار الإيمان مدينة المنورة)

(۲) "وفي حديث كعب بن مالك الذى رواه الإمام مسلم تصريحٌ بأنه كان كاتباً، حيث قال: .... إذا نبطيٌّ من نبط أهل الشام ممن قدم بالطعام يبيعه بالمدينة يقول: من يدلّ على كعب بن مالك؟ قال فطفق الناس يشيرون له إلىّ حتى جاءني فدفع إلىّ كتاباً من ملك غسان وكنت كاتباً فقرأته".

(الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك: ۲/۳۶۲، قديمى)

"أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلى، فالزبير، وعامر بن فهيرة، وعمرو بن العاص، وأبى بن كعب، وعبدالله بن الأرقم، وثابت بن قيس بن شماس، وحنظلة بن الربيع الأسيدى، والمغيرة بن شعبة، وعبدالله بن رواحة، وخالد بن الوليد، وخالد بن سعيد بن العاص. وقيل: إنه أول من كتب له معاوية بن أبي سفيان، وزيد بن ثابت، وكان ألزمهم لهذا الشان وأخصّهم". (زاد المعاد، فصل في كتّابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴۵، دار الفكر بيروت)

"قيل: إنما سمّوا أميين؛ لأنهم كانوا لايكتبون ولا يقرأون الكتابة، وأراد الأكثر الأعمّ وإن كان فيهم القليل ممن يكتب ويقرأ، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۲۶۳، قديمى)

"أكثرهم لايكتبون ولا يقرأون". (روح المعانى: ۳۰/۹۳، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى المرقاة شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصوم: ۴/۴۶۴، رشيديه)

(وكذا فى تفسير أبى السعود: ۵/۳۲۷، مكتبة الرياض)

کثیر کی شہادت لی جائے گی یا دو چار شخصوں کی؟

۲......اگر دو چار شخصوں کی شہادت لی جاسکتی ہے تو ان کا عادل وثقہ ہونا ضروری ہے یا جس طرح کے لوگ میسر آویں ان کی شہادت قابلِ قبول ہوگی؟

۳......عدل وثقاہت کی تعریف اور اس کے معنیٰ کیا ہیں؟ عادل وثقہ کے الفاظ جو کتبِ احادیث وفقہ میں بکثرت آئے ہیں، ان سے کیسے لوگ مراد ہیں؟

۴......موجودہ زمانہ میں عادل وثقہ لوگ بہ آسانی مل سکتے ہیں یا نہیں؟

۵......شریعت نے جن لوگوں کو عادل کہا ہے، اگر وہ نہ ملیں تو کیا غیر عادل وغیر ثقہ کی گواہی رؤیتِ ہلال کے باب میں جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو عید اور رمضان دونوں کے لئے یا کسی ایک کے لئے؟

۶......(الف) مجمعِ کثیر سے کم از کم کتنے لوگ مراد ہیں؟

(ب) اگر دو تین بستیوں سے ایک ایک آدمی رؤیتِ ہلال کی گواہی دیں تو ایسی صورت میں مجمعِ کثیر کا اطلاق ان پر ہوگا یا نہیں؟ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف ان کی گواہی کافی ہے یا نہیں؟

۷......کیا ایسی صورت میں (جب کہ دروغ گو، مفتری اور منافق لوگوں کی موجودہ زمانہ میں کثرت ہے اور اہلِ ایمان اور بے ایمان میں تفاوت مشکل ہے) شریعت نے قاضی کو اختیار دیا ہے کہ وہ بغیر دریافت اور تحقیقِ حال جس کو چاہے عادل وثقہ سمجھ لے اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں بھی اس پر اور اس کی شہادت پر اعتمادِ کلی کرتے ہوئے ۲۹/ کی رؤیت ہلال کی اعلان کردے؟

۸......اگر کسی قصبہ یا شہر کے باشندوں نے ۲۹/ تاریخ کو چاند دیکھا اور دوسری جگہ کے لوگوں نے ۲۹/ کو چاند نہیں دیکھا اور قاضی نے ۳۰/ کے چاند کا اعلان کیا تو ایسی صورت میں جنہوں نے ۲۹/ کو چاند دیکھا ہے، عیدین کی نماز اپنی رؤیت کے اعتبار سے پڑھیں یا قاضی کے حکم کے مطابق ۳۰/ کے حساب سے نماز ادا کریں؟

۹......(الف) اگر مطلع بالکل صاف ہو اور رؤیتِ ہلال عید اضحیٰ کے لئے پورا پورا اہتمام کرنے کے باوجود دُور نزدیک کہیں بھی کسی شخص نے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا مگر قاضی نے بعض لوگوں کے کہنے پر ۵، ۶/ تاریخ کو ۲۹/ کی رؤیتِ ہلال کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کے مطابق ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز وقربانی ادا کیا تو ایسی صورت میں فریضۂ صلوٰۃ واضحیہ ادا ہو جاویں گے یا نہیں؟

(ب) اور اگر بعد کو بالتحقیق معلوم ہوا کہ چاند ۳۰/ کو ہوا تو ۲۹/ کے حساب سے صلوۃ واضحیہ کرنے والوں کے صلوۃ واضحیہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

(ج) اور اعلانِ قاضی کا وثوق نہ کر کے ۳۰/ کے چاند کے مطابق صلوٰۃ واضحیہ ادا کرنے پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مجمع کثیر کی "قُبل بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم".

درمختار۔ "(و قوله: قبل بلا علة): أي إن شرط القبول عندعدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، كما في الإمداد، اهـ". ردالمحتار: ۱٤۷/۲(۱)۔

۲......عادل ثقہ ہونا ضروری ہے: "لا يقبل خبر فاسق اتفاقاً". درمختار(۲)۔

۳...... "العدل في اصطلاح الفقهاء: من اجتنب الكبائر، ولم يُصرّ على الصغائر، و غلب صوابه، واجتنب الأفعال الخسيسة كالأكل في الطريق والبول، اهـ". تعريفات الجرجاني، ص:۹۸(۳)۔

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۷/۲، ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹٦/۱، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۳۸۵/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ۱۰٦، باب العين، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۸۵/۲، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في القاموس الفقهي، ص: ۲٤٤، حرف العين، إدارة القرآن، كراچي)

٤...... "الثقة هي التي يعتمد عليها في الأقوال والأفعال، اهـ". تعريفات الجرجاني، ص: ٤٩(١)-

۵...... غیر عادل اگر مستور الحال ہوتو اس کی گواہی (موقع خبر واحد میں) مقبول ومعتبر ہے، اگر ظاہر الفسق ہوتو معتبر نہیں: "وقول الطحاوي: "أو غير عدلٍ" محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن؛ لأن المراد بالعدل مَن تثبت عدالته، ولا ثبوت في المستور، أمامع تبيّن الفسق فلا قائل له به عندنا، اهـ". شامي: ٢/١٤٥ (٢) رمضان وعیدین سب کا یہی حکم ہے۔

۶...... (الف) مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی عدد متعین نہیں، بلکہ رائے امام پر محمول ہے: "وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب". در مختار (٣)-

(ب) اس کا جواب "الف" سے ظاہر ہوتا ہے۔

۷...... بس اتنا اختیار ہے کہ زیادہ کنج وکاؤنہ کرے (۴)، بلکہ ظاہر عدالت یا ستر حال پر اکتفاء کرے، فاسق کو عادل قرار دینا درست نہیں جیسا کہ جواب نمبر: ۵ میں گزرا، لیکن اگر قرائن سے صدق معلوم ہوتو اس کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے (۵)۔

---

(١) (كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ٥٣، مير محمد كتب خانه)

(٢) (ردالمحتار: ٢/٣٨٥، كتاب الصوم، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٧، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ٢/٣٢٢، ٣٢٣، فصل في رؤية الهلال، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٣) (الدرالمختار: ٢/٣٨٨، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٨، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١/٢٣٦، كتاب الصوم، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "کنج وکاؤ: تفتیش"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۸۴، لفظ: کاؤ، فیروز سنز، لاہور)

(٥) "والشرط هو العدالة الظاهرية عندأبي حنيفة رحمه الله، وأما الحقيقية وهي الثابتة بالسؤال عن حال الشهود بالتعديل، والتزكية ليست بشرط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣/٤٥٠، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيديه) .... =

۸......اگر یہ قصبہ یا شہر جس میں ۲۹/ کی رؤیتِ عامہ ہے اس دوسری جگہ (جس میں قاضی نے ۳۰/ کا اعلان کیا ہے) کے تابع نہیں بلکہ مستقل ہے تو یہاں کے لوگوں کے ذمہ قاضی کے اعلان کی پابندی لازم نہیں (۱)۔

۹......(الف) اگر شہادتِ شرعیہ پر قاضی نے اعلان کیا ہے تو نماز وقربانی سب صحیح ہوگی۔

(ب) سب درست ہوگئی، کسی کا اعادہ واجب نہیں، کیونکہ یہ اختلافِ مطالع پر مبنی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ رؤیت ہوئی ہو، دوسری جگہ نہ ہوئی ہو۔ اور مسائلِ اضحیہ اور صلوٰۃ میں اختلافِ مطالع معتبر ہے، کما فی ردالمحتار: ۲/۱۵٤، قبیل مفسدات الصوم(۲)۔

(ج) جو لوگ اس قاضی کے ماتحت ہیں اور قاضی نے شرعی شہادت سے اعلان کیا ہے تو ان کے ذمہ اس پر عمل واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے گنہگار رہوں گے (۳) اور جو قربانی ایامِ اضحیہ کے بعد کی ہے، وہ

= (وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۵/۴۶۶، ۴۶۷، كتاب الشهادات، سعيد)

"وإذا أخبر رجلان في هلال شوال في السواد، والسماء متغيمة، وليس فيه وال و لا قاض، فلا بأس للناس أن يفطروا، كذا في الزاهدي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۱) "اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہاداتِ شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدود ولایت تک معتبر ہے۔ حدود ولایت سے خارج معتبر نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا يلزمهم شئ لو ظهر أنه رؤى في بلدة أخرى قبلهم بيوم، وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوٰة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر، وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "أمرُ السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا". (الدر المختار). "أى يتبع ولا تجوز مخالفته .... أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار: ۵/۴۲۲، مطلب: إطاعة الإمام واجبة، سعيد)

درست نہیں، اس کی قیمت کا تصدق واجب ہے (۱)۔ اس حساب سے ۱۰/ ذی الحجہ کو اگر نماز عید ادا نہیں کی، بلکہ گیارہ کو ادا کی تو وہ ادا ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الأولیٰ/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں ہمیشہ مطلع ابر آلود رہتا ہے وہاں ثبوتِ رؤیت کیسے ہو؟

سوال [۴۷۹۹]: جہاں آسمان ہمیشہ ابر آلود رہتا ہے، چاند نظر نہیں آتا، سورج سال کے مخصوص مہینے میں نظر آجاتا ہے وہاں کے باشندے: "لاتصوموا حتی تروه، ولاتفطر واحتی تروه" حدیث کے مطابق روزہ رکھیں گے (۳)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہینوں کا تعین جنتری اور قریبی مقامات کی تحقیق سے ہوسکتا ہے جہاں چاند نظر آتا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "فإن فات وقتها قبل ذبحها ولولم يضح ماأوجب على نفسه .... لزم التصدق بعين المنذورحية ..... ولوأكل فعليه قيمة ماأكله؛ لأن سبيلها التصدق". (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۱۹، كتاب الأضحية، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۲۹۶، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان أوالزمان، رشيديه)

(۲) "لكن هنا: أي في الأضحى يجوز تأخير ها إلى آخر ثالث أيام النحر بلاعذر مع الكراهة".

(ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۷۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال: ۱/ ۱۷۴، قديمى)

(۴) "خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے ملک میں بھی دنیا کے ہر گوشہ سے ریڈیو کے اعلانات برابر آتے ہوں گے، بس آپ کے وہاں کی ۲۹/ تاریخ کو ان مذکورہ بالا ضابطوں کے مطابق مذکورہ بالا الفاظ میں دنیا کے جس خطہ سے ریڈیو پر یہ اعلان آجائے کہ شرعی ثبوت سے رؤیت ہلال ثابت ہونے کی بنیاد پر اعلان کیا جاتا ہے تو ان اعلانوں کے مطابق بلا تردد عمل کرلیا جائے، البتہ یہ شق رہ گئی کہ دنیا =

1(

کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانعِ رؤیتِ ہلال ہے؟

سوال[۴۸۰۰]: رؤیتِ ہلال کے متعلق حیلولۃ الجبال علۃٌ فی السماء کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رؤیتِ ہلال کے متعلق احکام مختلف ہیں، شعبان، رمضان، عیدین میں اختلافِ کثیر ہے، حیلولۃ الجبال وغیرہ کو بعض احکام میں اختلافِ مطالع کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے:

"و حکی عن أبی عبد اللّٰہ بن أبی موسیٰ الضریر أنه استُفتِی فی أهل الأسکندریة أن الشمس تغرب بها، ومَن علی منارتها یری الشمس بعد ذلك بزمان کثیر؟ فقال: یحل لأهل البلد الفطر، و لا یحل لمن علی رأس المنارة إذا کان یری غروب الشمس؛ لأن مغرب الشمس یختلف کما یختلف مطلعها، فیعتبر فی أهل کل موضع مغربه، اهـ". بدائع: ۸۳/۲(۱)۔

"وأما إذا جاء من مکان اخر خارج المصر، فإنه تقبل شهادته إذا کان عدلاً ثقةً؛ لأنه یتیقّن فی الرؤیة فی الصحاریٰ ما لم یتیقن فی الأمصار، لما فیها من کثرة الغبار. وکذا إذا کان

= کے کسی ایک خطہ میں ۲۹/ تاریخ کو کبھی چاند نظر ہی آتا ہو وہاں کا مطلع ہمیشہ ناصاف ہی رہتا ہو تو وہاں ۲۹/ تاریخ کا تعین کس طرح کریں گے پھر اس اعلان شرعی پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟

اس کا حل یہ ہے کہ ۲۹/ شعبان یا ۲۹/ رمضان کو جس ملک کے ریڈیو سے مذکورہ بالا شرعی اصول وضوابط کے مطابق اعلان ہوتا ہو اس ملک کے ریڈیو سے اعلان کی تلاش ہر ماہ میں جاری رکھیں اور جس تاریخ کا وہ اعلان کریں، وہی تاریخ اپنے یہاں متعین رکھیں تو ۲۹/ شعبان خود بخود متعین ہوتی رہے گی اور عمل کرنا آسانی سے ہوتا رہے گا۔ ۲۹/ شعبان کو شرعی ضابطہ کے مطابق چاند ہوجانے کا اعلان ہوجائے تو روزہ رکھنا شروع کردیں، ورنہ ۳۰/ دن پورے کرکے روزے رکھنا شروع کریں۔ پھر ۲۹/ رمضان کو اگر چاند ہونے کا اعلانِ شرعی مذکورہ ضابطہ کے مطابق آجائے تو عید منالیں"۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الصوم، عنوان: محض سائنسی یا حسابی تخمینے کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا حکم لگانا درست نہیں: ۱/۱۳۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

"(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب، کمامر". (الدرالمختار، کتاب الصوم، قبیل باب مایفسد الصوم ومالایفسده: ۳۹۳/۲، سعید)

(۱) (بدائع الصنائع: ۲۲۵/۲، کتاب الصوم، اختلاف المطالع، دارالکتب العلمیة بیروت)

فی المصر فی موضع مرتفع". البحر الرائق :۲/۲٦۹(۱)۔

"وذکر الطحاوی أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر، وکذا إذا کان علی مکان مرتفع". کذا فی الهدایة(۲)۔

"وعلی قول الطحاوی اعتمد الإمام المرغینانی و صاحب الأقضیة والفتاوی الصغریٰ، لکن فی ظاهر الروایة: لا فرق بین خارج المصر والمصر، کذا فی معراج الدرایة". فتاویٰ عالمگیری :۱/۱۹٦(۳)۔

علت فی السماء کے وقت ہلالِ رمضان واحد عدل کی خبر سے ثابت ہوجاتا ہے اور ہلالِ عید عدلین حرین کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے(۴)۔جن حضرات کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر نہیں ان کے نزدیک ایک جگہ کا ثبوت سب جگہ کے لئے کافی ہے، لہذا اگر پہاڑ کے اوپر یا کسی ایسی جگہ حیلولۃ الجبال نہ ہو، ثبوتِ ہلال ہوجائے تو دامنِ کوہ میں رہنے والوں کے لئے بھی ثبوت کا حکم دیا جائے گا۔

اور جن مشائخ کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر ہے جیسے صاحبِ تجرید وغیرہ(۵) ان کے نزدیک ثبوت نہ ہوگا، زیلعی نے اس کو اَشبہ کہا ہے(٦) اور اول ظاهر الروایة ہے، شیخ ابن ہمام نے اس کو احوط کہا ہے

---

(۱) (البحر الرائق : ۲/۴۷۰، کتاب الصوم، رشیدیه)

(۲) (الهدایة : ۱/۲۱٦، کتاب الصوم، مکتبه شرکت علمیه،ملتان)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة : ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

(۴) "إن کان بالسماء علة، فشهادة الواحدعلی هلال رمضان مقبولةٌ إذا کان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً کان أوعبداً (إلی قوله فی الفطر) وإن کان بالسماء علة، لاتقبل إلا شهادة رجلین أورجل وامرأتین".
(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)
(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۹٦، الفصل الأول فی رؤیة الهلال، رشیدیه)
(وکذا فی الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۳۸۵، ۳۸٦، کتاب الصوم، سعید)

(۵) "ومختار صاحب التجرید وغیره من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع". (فتح القدیر: ۲/۳۱۴، کتاب الصوم، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(٦) "والأشبه أن یعتبر (اختلاف المطالع)؛ لأن کل قوم مخاطبون بماعندهم وانفصال الهلال عن =

اورخلاصہ میں ہے:"ظاهر المذهب، و عليه الفتوى" (۱) فتح : ۲/۵۳(۲) وبحر : ۲/۲۷۰(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح :عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

اٹھائیس رمضان کو چاند کی شہادت

سوال[۴۸۰۱] : ایک گاؤں میں دس آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ ہم نے مورخہ ۲۸/ رمضان المبارک/ ۷۵ھ شام کو چاند بچشم خود دیکھا ہے، لوگوں کے روزے چھڑوائے اور جوآدمی چاند دیکھنے والے ہیں، ان میں پانچ بالغ اور پانچ نابالغ، ایک چمار، باقی نومسلم ہیں، گاہے گاہے نماز پڑھتے ہیں لیکن ہیں مسلمان۔ چاند دیکھنے والوں کا کیا حکم ہے اور مفطرین کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مہینہ ۲۹/ روز کا ہوتا ہے یا تیس کا، اٹھائیس کا نہیں ہوتا، وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جب نمازی نہیں تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں، فاسق ہیں، ان کی شہادت ہرگز مقبول نہیں:

"و قُبل بلا دعوى و بلا لفظ "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور على ماصححه البزازى على خلاف ظاهر الرواية، لا فاسق اتفاقاً بين أهل المذهب، و ما نسبه الأكمل إلى الطحاوى من أن شهادة الفاسق فى هلال رمضان تقبل، فهى نسبة غير صحيحة، كما أوضحه صاحب النهر، و فى البحر: قول الفاسق فى الديانات: التي يمكن تلقيها من العدول

= شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار". (تبيين الحقائق : ۲/۱۶۵، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصوم، الفصل الأول فى الشهادة على هلال رمضان ومايتعلق به: ۱/۲۴۹، امجد اكيڈمى، لاهور)

(۲) "والأخذ بظاهر الرواية أحوط". (فتح القدير : ۲/۳۱۴، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(۳) (البحرالرائق : ۲/۴۷۱، كتاب الصوم، رشيديه)

غير مقبول كالهلال، و رواية الإخبار و لو تعدد كفاسقين فأكثر". درمختار و طحطاوی: ۱/٤٤٦(۱)۔

ایسے لوگوں کی شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ افطار کرنا ہرگز درست نہیں، خصوصاً جب کہ چاند کا عمل بھی نہیں جس میں شک اور شبہ کی گنجائش ہو، لہٰذا جن لوگوں نے ان کے کہنے سے روزہ نہیں رکھا، ان کے ذمہ قضاء لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/شوال/ ۵۷ھ۔

زوال سے پہلے یا بعد چاند دیکھ کر روزہ افطار کردینا

سوال [۴۸۰۲]: اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے رکیاب میں ابر کی وجہ سے انتیس رمضان کو رؤیتِ ہلال نہ ہوئی، مگر تیس تاریخ کو چھ سات بجے تقریباً دوسری جگہ سے ٹیلیفون اور تار آیا اور قریب دس بجے چاند بھی دیکھا گیا، بناءً علیہ بعض لوگوں نے صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے رؤیتِ ہلال کے اعلان سے قبل روزہ توڑ ڈالا اور بعضوں نے چاند دیکھ کر توڑا مگر قبل زوال اور بعضوں نے چاند دیکھ کر بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے چاند دیکھا قبل زوال اور روزہ بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے اپنی خوشی سے رکھ لیا تھا، مگر کسی مولوی صاحب کے کہنے پر توڑا۔

---

(۱) (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۴۴۲، کتاب الصوم، دارالمعرفة، بیروت)

(و كذا في الدر المختار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

"اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة يمنع الشهادة، و في الصغائر إن كان معلناً بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلك فاسقاً مطلقاً، لاتقبل شهادته". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۲/۳، الفصل الثانی فيمن لاتقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير: ۳۲۲/۲، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "لو أفطر أهل الرستاق، لم يكفروا". (ردالمحتار: ۴۰۷/۲، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(و كذا في التاتارخانيه: ۳۹۵/۲، الفصل التاسع فيما يصير شبهة في إسقاط الكفارة، رشيديه)

چاند کے یقین تار ٹیلیفون پر اعتماد کر کے کہ انتیس پر چاند ہوا اور آج عید کا دن ہے، عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے، پھر ایک دو روز کے بعد یقینی طور پر ثابت ہوگیا کہ انتیس تاریخ کو چاند ہوا ہے۔ اب ان لوگوں کا روزہ توڑنا بحکم شرع شریعت صحیح ہے یا نہیں؟ برتقدیر ثانی کفارہ بھی ہے یا صرف قضاء ہے، ہر ایک فرقہ کا حکم بالدلیل تحریر فرمائیں بحوالۂ کتب معتبرہ کے تعین صفحہ جات۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تار اور ٹیلیفون کی خبر شرعی شہادت نہیں، لہذا اس پر روزہ توڑنا جائز نہیں ہے (۱)۔ قریب ۱۰/ بجے چاند دیکھنا بھی روزہ توڑنے کے لئے ظاہر مذہب کے موافق شرعی حجت نہیں، اس پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑنا بھی منع ہے:

"و رؤيته نهاراً قبل الزوال و بعده غير معتبر على ظاهر المذهب، و عليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى. بحر عن الخلاصة". درمختار۔ "ومعنى عدم اعتبارها أنه لا يثبت بها حكم من وجوب صوم أو فطر، فلذا قال في الخانية: فلا يصام له ولا يفطر". ردالمحتار: ۱۴۸/۲ (۲)۔

عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواہ چاند قبل الزوال دیکھا جاوے خواہ بعد الزوال، دونوں صورتوں میں اس دن کے حق میں یہ رؤیت معتبر نہ ہوگی، لہذا دونوں صورتوں میں روزہ توڑنا درست نہ ہوگا خواہ روزہ قبل الزوال توڑے خواہ بعد الزوال، ہر حال میں ممنوع ہوگا، یہی قول مختار اور مفتی بہ ہے، والمسئلة مبسوطةٌ في

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ماسمعه أوراه، دارإحياء التراث العربي، بيروت)
(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)
(۲) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۹۳/۲، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۰/۲، كتاب الصوم، رشيديه)
(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۵۷، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

ردالمحتار: ۱٤٦/۲ (۱)۔

صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے روزہ توڑنا نہ خود جائز ہے، نہ کسی دوسرے مولوی صاحب وغیرہ کے کہنے سے جائز ہے یہ صحیح ہے کہ عید کے روزہ رکھنا حرام ہے، لیکن عید کا روز چاند دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے، یا رمضان شریف کے یقینی طور پر تیس دن گزرنے سے، یا شرعی شہادت مہیا ہوجانے سے (۲)۔ اور صورتِ مسئولہ میں چاند دیکھا نہیں ہے، رمضان شریف کے پورے تیس دن ہوئے نہیں، شرعی شہادت موجود نہیں، پھر عید کا روز ہونا کیسے ثابت ہوا؟ البتہ جس نے ناواقفیت کی بنا پر کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے وہ گنہگار نہیں۔

جن لوگوں نے چاند دیکھ کر قبل الزوال توڑا ہے یا قبل الزوال دیکھ کر بعد الزوال توڑا ہے اس کے ذمہ کفارہ نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چاند قبل الزوال دیکھا جاوے تو وہ شبِ گزشتہ کا ہوگا، لہٰذا یہ دن اس قول کے مطابق عید کا دن ہے، گو اس مسئلہ میں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے، تاہم اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا:

"(ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقاً): أي سواء رؤي قبل الزوال أو بعده. (وقوله: على المذهب): أي الذي هو قول أبي حنيفة و محمد. قال في البدائع: فلا يكون ذلك اليوم من رمضان عندهما، و قال أبو يوسف: إن كان بعد الزوال فكذلك، وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان. وعلى هذا الخلاف هلال شوال، فعندهما يكون للمستقبلة مطلقاً و يكون اليوم من رمضان، و عنده لو قبل الزوال يكون للماضية و يكون اليوم يوم الفطر؛ لأنه لا يُرى قبل الزوال عادةً إلا أن يكون لليلتين، فيجب في هلال رمضان كون اليوم من

---

(۱) (ردالمحتار: ۳۹۲/۲، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)

(۲) "(يثبت رمضان برؤية هلاله) لقوله صلى الله عليه وسلم: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (أو بعد شعبان ثلاثين يوماً) ....(وإذا كان بالسماء علة من غيم أو غبار ونحوه) قبل القاضي بمجلسه (خبر واحد عدل) (أو) خبر (مستور)". (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ٦٤٦، ٢٥٢، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ٤٥٩/٢، ٤٦٥، كتاب الصوم، رشيديه)

رمضان، و في هلال شوال كونه يوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤيته نهاراً ....
والمختار قولهما، اهـ". شامي: ۲/۱٤٦(۱)۔

چونکہ ان دونوں فریقوں نے قبل الزوال چاند دیکھ لیا ہے، لہذا اگر یہ عادل ہیں اور شہادت دیں تو ان کا دیکھنا گویا کہ سب کا دیکھنا ہے اور ان کے حق میں شبہ پیدا ہوتا ہے، پس جس فریق نے بعد الزوال چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو درحقیقت اس نے بھی اسی چاند کو دیکھا ہے جس کو دو فریق نے قبل الزوال دیکھا ہے کوئی نیا چاند نہیں دیکھا تو جو اثر پہلے دو فریق جنہوں نے چاند نہیں دیکھا نہ قبل الزوال نہ بعد الزوال، بلکہ کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے یا صرف تار ٹیلیفون پر اعتبار کر کے توڑا ہے، سواُن دونوں کا حکم بھی وہی ہے جو پہلے ان تین فریق کا ہے، کیونکہ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے لئے ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہیں۔

اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا تو پہلے دو فریق کی رؤیت سب کے حق میں کافی ہوتی یعنی وہ ان سب کے حق میں عید کا دن ہوتا اور سب کو روزہ توڑنا واجب ہوتا، ہر ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہ تھا، لہذا ان دونوں فریق پر بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، نیز بعد میں اس روز کا روزِ عید ہونا یقینی طور پر ثابت بھی ہوگیا:

"رآى مكلف هلال رمضان أو الفطر، و رُدّ قوله بدليل شرعي، صام مطلقاً و جوباً، وقيل: ندباً، فإن أفطر قضى فقط فيهما لشبهة الرد". "علةٌ لما تضمنه قوله: (فقط من عدم لزوم الكفارة): أي أن القاضي لمّا ردّ قوله بدليل شرعي أورث شبهةً، و هذه الكفارة تندرئ بالشبهات، هداية. و لا يخفى أن هذه علة لسقوط الكفارة في هلال رمضان، أما في هلال الفطر فلكونه يوم عيد عنده، كما في النهر وغيره، و كأنه تركه لظهوره (واختلف فيما إذا أفطر قبل الرد لشهادته) وكذا لو لم يشهد عند الإمام، فصام ثم أفطر كما في السراج. (والراجح عدم وجوب الكفارة، وصححه غير واحد؛ لأن ما رآه يحتمل أن يكون خيالاً، لا هلالاً) إنما يصلح تعليلاً لعدم الكفارة في هلال رمضان، أما في هلال شوال، فإنما لا تجب؛ لأنه يوم عيد عنده

(۱) (ردالمحتار: ۳۹۲/۲، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

علی نسق ما تقدم". درمختار :۲/ ۹۰ مکتبہ نعمانیہ، وشامی:۲/ ۱۳۸(۱)۔

دیکھئے اس صورت میں ایک شخص نے خود اپنی آنکھ سے رمضان شریف کا یا عید کا چاند دیکھ لیا، لیکن قاضی نے اس کے قول کو فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کردیا اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا (گو ایسی حالت میں روزہ رکھنا چاہئے) تو اس کے ذمہ کفارہ واجب نہیں، اگر رمضان شریف کا چاند دیکھ کر ایسا کیا ہے تو اس نے ایسا روزہ توڑا ہے جو اس کے نزدیک رمضان کا روزہ ہے۔ اور اگر عید کا چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو قاضی اور تمام اہلِ شہر کے نزدیک وہ رمضان کا روزہ ہے اور اگر قاضی کے رد کرنے سے پہلے روزہ توڑا ہے، یا قاضی کے پاس شہادت ہی نہیں دی اور پھر روزہ رکھ کر توڑ دیا تب بھی راجح یہ ہی ہے کہ کفارہ واجب نہیں، ہلال رمضان میں قاضی کے رد کرنے یا واقعۃً اس کے ہلال نہ ہونے بلکہ خیال ہونے سے اور ہلال عید میں خود اس کے نزدیک یوم عید ہونے سے شبہ پیدا ہوگیا اور اتنا شبہ سقوطِ کفارہ کے لئے کافی ہے:

"قال فی البحر: و إنما لم تجب الكفارة بإفطاره عمداً بعد أكله أو شربه أو جماعه ناسياً؛ لأنه ظن فی موضع الاشتباه بالنظير وهو الأكل عمداً؛ لأن الأكل مضاد للصوم ساهياً أو عامداً، فأورث شبهةً، و كذا فی شبهة اختلاف العلماء، فإن مالكاً رحمه الله تعالىٰ يقول بفساد صوم من أكل ناسياً، وأطلقه فشمل ما لو علم أنه لم يفطره بأن بلغه الحديث أو الفتوىٰ أو لا، وهو قول أبی حنيفة، وهو الصحيح. و كذا لو ذرعه القئ و ظن أنه يفطره، فأفطر فلا كفارة عليه، لوجود شبهة الاشتباه بالنظير، فإن القیء والاستقاء متشابهان؛ لأن مخرجهما من الفم، كذا لو احتلم للتشابه فی قضاء الشهوة، وإن علم أن ذلك لا يفطره فعليه الكفارة؛ لأنه لم توجد شبهة الاشتباه، و لو شبهة الاختلاف". ردالمحتار، ص: ۱۵۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار وردالمحتار : ۲/ ۳۸۴، ۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث فی صوم يوم الشک، سعيد)

(و كذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۶۳، ۴۶۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(و كذا فی فتح القدير: ۲/ ۳۲۱، ۳۲۲، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۱، ۴۰۲، كتاب الصوم، مطلب فی حكم الاستمناء بالكف، سعيد) .... =

کیا مفتی کے ذمہ لازم ہے کہ رؤیتِ ہلال کے لئے شاہدوں کو تلاش کرتا پھرے؟

سوال[۴۸۰۳]: عیدین یا رمضان یا کسی دوسرے مہینہ کے چاند دیکھنے والوں پر یہ لازم ہے کہ مفتی کے پاس آ کر گواہی دیں یا خود مفتی کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ محلّہ محلّہ، گھر گھر، بلکہ دیہات جا کر گواہیاں حاصل کرے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خود مفتی کے فرائض میں سے ہے، مفتی کا بیان یہ ہے کہ جب عام طور سے گواہی کا وجوب لوگوں کو بتلا دیا گیا ہے تو اب خود لوگوں کا فرض ہے کہ وہ آ کر گواہی دیں۔ بحوالۂ کتاب تحریر کیا جائے کہ کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

نجم الحسن خیرآبادی، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مفتی کا بیان صحیح ہے، یہاں تک کہ اگر صرف کوئی پردہ دار چاند دیکھے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ آ کر گواہی دے:

" ویجب على الجارية المخدرة أن تخرج في ليلتها بلا إذن مولاها و تشهد، اهـ". درمختار۔ "(قوله: و يجب على الجارية المخدرة): أي التي لا تخالط الرجال، و كذا يجب على الحرة أن تخرج بلا إذن زوجها، و كذا غير المخدرة والمزوجة بالأولىٰ. قال: والظاهر أن محل ذلك عند توقف إثبات الرؤية عليها، وإلا فلا، اهـ". ردالمحتار: ۲/ ۱۲٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۱۱/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۰۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض، رشيديه)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۶، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۴۸، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، غفاريه كوئٹه)

تیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا

سوال[۴۸۰۴] : شرعی شہادت کی بناء پر قاضی شہر نے رؤیتِ ہلال کی تصدیق کردی اور عام اعلان بھی کردیا اور اس اعلان کے مطابق عوام وخواص نے روزے رکھنا بھی شروع کردیئے، تیس روزے پورے ہونے کے بعد جب تیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی نوبت آئی تو مطلع بالکل صاف تھا مگر اس کے باوجود چاند نظر نہیں آیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صبح عید منائی جائے یا نہیں؟

حافظ محمد حمید اللہ، خطیب مسجد ہمایوں کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ہلال رمضان کی رؤیت کے وقت مطلع صاف نہیں تھا، بلکہ ابر تھا اور قاضی کے پاس دو گواہوں نے اپنی رؤیت بیان کی جس پر قاضی نے ثبوتِ رمضان کا اعلان کردیا اور تیس روزے پورے ہونے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود عید کا چاند نظر نہیں، حالانکہ یہ اکتسویں شب ہے تو عید نہ کی جائے بلکہ روزہ رکھا جائے، اگر ایک شخص کی خبر پر ثبوتِ رمضان کا اعلان کیا گیا تھا، پھر تیس روزے ہوجانے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا تو اس شخص کو جس کی خبر پر رمضان کا اعلان کیا گیا تھا شرعی سزا دیجائے، کیونکہ اس نے ہلال رمضان کی خبر غلط دی تھی، ردالمحتار : ۲/ ۹٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ فطر کا ثبوت

سوال[۴۸۰۵] : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹/ رمضان کو

---

(۱) "وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حل الفطر .... ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لايحل". (الدرالمختار).

"قلت: وفي الفيض الفتوىٰ على حل الفطر ووافق المحقق ابن الهمام .... لوقال قائل: إن قبلهما في الصحو: أي في هلال رمضان وتم العدد، لايفطر، وإن قبلهما في غيم أفطروا .... (قوله لايحل): أي الفطر إذا لم ير الهلال، قال في الدرر: ويعذَّر ذلك الشاهد: أي لظهور كذبه".

(ردالمحتار، كتاب الصوم، مبحث صوم يوم الشك: ۲/ ۳۹۰، ۳۹۱، سعيد)

بہت زیادہ ابر تھا، باوجود پوری کوشش کے چاند نظر نہیں آیا، اس لئے جملہ مساجد میں تراویح پڑھی گئی، پھر ریڈیو سے بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ چاند نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد نصف شب گزر جانے پر قاضیٔ شہر کے پاس چار شخصوں نے بیان دیا: ایک نوجوان مستور الحال نے کہا کہ میں نے بازار میں قبل ازمغرب ایک سکنڈ چاند دیکھا، ابر آجانے سے دوسروں کو دکھا نہیں سکا، دوسرے نوجوان داڑھی منڈے نے کہا کہ میں نے لکیر سی دیکھی ہے غالباً وہ چاند تھا، تیسرے شخص نے جو رافضی ہے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، چوتھے شخص نے جو مولوی ہے کہا کہ چاند دیکھنے والے معتبر ہیں۔ ان بیانات پر قاضی نے اعلانِ عید کر دیا اور اہلِ شہر نے عید منا لی، قرب و جوار کے قصبات اور گاؤں میں سے بعضوں نے اس کو تسلیم کیا، اور بعضوں نے تسلیم نہیں کیا، بعض بستیوں میں نصف لوگوں نے عید منائی اور نصف نے نہیں منائی، بعض نے روزے رکھے بعض نے نہیں رکھے اور بعض نے رکھ کر توڑ دیئے بعض نے نہیں توڑے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ میں قاضی کو کیا فیصلہ دینا تھا؟ کیا جو فیصلہ دیا ہے وہ ازروئے شرع صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ روزے کی قضاء ہے یا نہیں؟ اطراف کے لوگوں نے محض سورت کے فیصلہ کی خبر پر عید منائی اور روزہ نہیں چھوڑا اور نہیں توڑا، ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ بڑا انتشار اور اختلاف پیدا ہوگیا ہے، لہٰذا جلد تفصیلی جواب مرحمت فرماویں تاکہ شائع کر دیا جائے اور عوام وخواص مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہوجاویں تاکہ آئندہ اس قسم کی بات اور اختلاف رائے نہ ہو۔ بعض نے منگل کو عید کی ہے، بعض مقامات کی اطلاع ہے کہ بعض اشخاص نے دونوں روز عید کی نماز پڑھی، پہلے روز ایک پارٹی کے ساتھ دوسرے روز دوسری جماعت کے ساتھ۔

یہ سارا اختلاف دراصل دیکھا جائے تو رمضان کے چاند کے بارے میں پاکستان کے ریڈیو نے اطلاع دی تھی اس بنا پر ہوا ہے۔ بعضوں نے روزہ بھی رکھ لیا تھا اور تراویح بھی باجماعت ادا کر لی تھی، ان کے چونکہ تیس روزے ختم ہو رہے تھے اس لئے ان کو بھی سعی یہ تھی کہ دوشنبہ کی عید ہوجانی چاہئے کہ کراچی میں بھی اسی روز عید تھی۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہلالِ عید کے لئے شہادتِ شرعیہ ضروری ہے۔ جو بیانات سوال میں نقل کئے گئے ہیں ان کی حیثیت

مجموعی طور پر شرعی شہادت کی نہیں، صرف پہلا نوجوان صرف ایک سکنڈ چاند دیکھنے والا مستور الحال ایسا ہے کہ بعض احکام میں اس کا بیان شہادت کہلانے کا مستحق ہے، مگر نصاب تام نہ ہونے کی بنا پر صرف اس کے بیان پر ثبوت ہلال کا حکم نہیں دیا جاسکتا (۱)۔ دوسرا نوجوان اولاً: داڑھی منڈا ہونے کی وجہ سے عادل نہیں، مستور الحال نہیں، مقبول الشہادۃ نہیں (۲)، ثانیاً: اس کو چاند کا یقین نہیں بلکہ لکیر سی دیکھی ہے۔ تیسرا شخص رافضی ہے جو مردود الشہادۃ ہے (۳)۔ چوتھے شخص مولوی نے خود چاند دیکھنا بیان نہیں کیا، بلکہ دیکھنے والوں کی توثیق کی ہے، اس لئے قاضی صاحب کا فیصلہ ان بیانات پر درست نہیں (۴)۔

عید پڑھنا درست نہیں، روزہ نہ رکھنا درست نہیں، روزہ کی قضاء لازم ہے، جنہوں نے توڑ دیا ہے ان

---

(۱) "وإن كان بالسماء علةٌ، لاتقبل إلاشهادة رجلين أورجل وامرأتين، ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني، في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۴۷، الفصل الثاني فيمايتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "ولا تقبل شهادة الكافر والفاسق". (المحيط البرهاني: ۲/۵۴۷، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "و لا تقبل شهادة مَن يظهر سب السلف الذين هم الصحابة والتابعون و أبو حنيفة و أصحابه رضي الله عنهم أجمعين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۶۸، الفصل الثاني: من لا تقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۴۸۳، كتاب الشهادات، باب القبول و عدمه، سعيد)

(۴) "فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب". (الدر المختار). "كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أويستفيض الخبر، بخلاف ماإذا أخبرأن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۹۴، كتاب الصوم، قبيل مايفسد الصوم وما لايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۹، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

کے ذمہ بھی قضاء لازم ہے (۱)۔ جنہوں نے اس فیصلہ پر روزہ نہیں توڑا اور عید نہیں منائی انہوں نے درست کیا، جنہوں نے دومرتبہ عید پڑھی انہوں نے بھی بیجا حرکت کی۔ ہمارے اطراف میں انتیس روزے ہوئے پھر اکثر مقامات پر رؤیت ہوئی اور دہلی سے بھی بذریعہ ریڈیو اطلاع آ گئی مگر سہارنپور میں ابر تھا، ریڈیو کی اطلاع کو شرعی شہادت قرار نہیں دیا گیا، کچھ دیر میں شرعی شہادت پہونچی حتی کہ بہت سی مساجد میں تراویح بھی ہوئی اور دوشنبہ کو بالاتفاق عید ہوئی:

"و شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، و لفظ "أشهد" اه". درمختار (۲)۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/ ۶۹ھ۔



(۱) "لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد وهو لغيره، لم يُكفّروا".

(ردالمحتار: ۲/ ۴۰۷، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في التاتار خانيه: ۲/ ۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

باب ما یفسد الصوم و مالا یفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

ندی میں غسل کرتے ہوئے پانی پی لیا

سوال[۴۸۰۶]: ۱......ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ندی پر غسل کرنے کے لئے گیا تو ایک آدمی اس کو پکڑ کر ندی کے اندر لے گیا تیرنا سکھانے کے لئے تو اس نے ندی میں ڈوبتے ہوئے پانی پی لیا کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا؟

سر پر تیل رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال[۴۸۰۷]: ۲......ایک شخص نے صبح کو ۱۰/ بجے دن کو روزہ کی حالت میں اپنے سر پر بھول کر تیل رکھ لیا تھا، کیا روزہ ٹوٹ گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ٹوٹ گیا(۱)۔

۲......باقی رہا، ٹوٹا نہیں، اگر جان کر رکھ لے گا تب بھی نہیں ٹوٹے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "لو أكل مكرهاً أومخطأً، عليه القضاء دون الكفارة.......... المخطئ هو الذاكر للصوم غير القاصد للفطر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فيمايفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۰۱، ۴۰۶، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم أو قبّل أو احتلم ....لم يفطر". (الدرالمختار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰،=

ناک میں دواڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یانہیں؟

سوال[۴۸۰۸]: ایک آدمی کودائمی ناک کی بیماری ہے(ناک ہمیشہ بندرہتی ہے)جس کی وجہ سے دواؤں کا استعمال کرنا ضروری اور لازمی ہے۔اب روزے کی حالت میں اس شخص مذکورکوناک میں دواڈالنے کی اجازت ہے یانہیں؟ نہ ڈالنے کی صورت میں بے حد تکلیف ہوتی ہے اوراکثر منہ سے سانس لینی پڑتی ہے جس سے گلہ اور منہ سوکھ جاتا ہے اور دردہونے لگتا ہے، ناک کے اندر مادّہ جم جاتا ہے اور دواڈالنے کی وجہ سے وہ صاف ہوجاتا ہے۔براہ کرم جواب سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرحالتِ صوم میں ناک میں دواڈالی اوروہ دواجوفِ دماغ میں پہونچ گئی توروزہ ٹوٹ جائے گا،ورنہ نہیں:"أو استعط في أنفه شيئاً .... فوصل الدواء .... حقيقةً إلى جوفه ودماغه". (الدرالمختار). "(قوله: فوصل الدواء حقيقة) أشارإلىٰ أن ماوقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبنيٌّ علىٰ العبارة من أنه يصل، وإلافالمعتبر حقيقة الوصول، الخ". كذا في الشامي: ۲/ ۱٤٠(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

= كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۳،الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۵، الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۰۲،۴۰۳، كتاب الصوم،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۴،الباب الرابع: فيما يفسد وما لايفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۰،الفصل السادس فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح،ص: ۲۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

احتلام اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۰۹]: اگر روزہ رکھا ہوا ہے اور سوتے میں حاجتِ غسل ہوجائے، یا دیدہ ودانستہ صحبت کرلے تو روزہ رہے گا یا نہیں، اگر رہے گا تو کیسا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۱)، ہاں عمداً صحبت کرنے سے فاسد ہوجاتا ہے اور کفارہ وقضاء ذمہ میں لازم ہوتے ہیں (۲)۔ اگر رمضان کے علاوہ کا روزہ ہوتو صرف قضاء لازم آئے گی، کفارہ لازم نہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

انگلی ڈال کر پاخانہ نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۱۰]: ایک آدمی کو قبض کی شکایت ہے، اس نے روزہ کی حالت میں تھوڑی سی انگلی ڈال

---

(۱) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم أو قبل أواحتلم.......... لم يفطر". (الدر المختار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰، باب مایفسد الصوم ومالا یفسده، سعید)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۲، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، امدادیه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۶۱، باب في بيان مالا يفسد الصوم، قديمي)

(۲) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۵، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان ۱/۲۱۲، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۰۹، ۴۱۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "من غير كفارة .... وهي إذا أكل الصائم .... أو أفسد صوم غير أداء رمضان بجماع، أو غيره، لعدم هتك حرمة الشهر، وهي إنما وجبت لهتك حرمته". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۱، ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۴۰۴، ۴۰۵، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

کرخشک پائخانہ نکالا تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اگر فاسد ہوگیا تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خشک انگلی سے یہ کام لیا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

عورت کے اندامِ نہانی میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

سوال [۴۸۱۱]: اگر کسی شخص نے اجنبی عورت کے اندامِ مخصوص میں خواہشاتِ نفسانی کی بناء پر رمضان کے روزہ میں انگلی ڈالی جس سے عورت کے اندامِ مخصوصہ سے خون جاری ہوگیا اور مرد کے اندامِ مخصوص سے صرف مذی کا اظہار رہا تو اس صورت میں مرد کا روزہ ٹوٹا یا نہیں، بصورت ٹوٹنے روزے کے صرف قضاء لازم آئیگی یا کفارہ بھی؟ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے جماع نہیں کیا اور اس کی منی بھی خارج نہیں ہوئی، صرف مذی نکلی ہے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا (۲)۔ اور اگر جماع تو نہیں کیا لیکن ہاتھ وغیرہ لگانے سے انزال ہوگیا یعنی منی خارج ہوگئی تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا لیکن کفارہ لازم نہیں ہوا، بلکہ صرف قضاء لازم ہے (۳)۔ اور اگر جماع کیا ہے تو کفارہ بھی

---

(۱) "ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها، لا يفسد، وهو المختار، إلا إذا كانت مبتلةً بالماء أو الدهن، فحينئذٍ يفسد لوصول الماء أو الدهن". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالا يفسد، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۳۹۷، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۲، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۲) "لأنه لو قبلها بشهوة فأنزل، فسد صومه، لوجود معنى الجماع، بخلاف ما إذا لم ينزل حيث لايفسد، لعدم المنافي صورةً ومعنىً". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد: ۲/۴۷۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركت علميه ملتان)

(۳) "أو أنزل بتفخيذ أو بتبطين أو عبث بالكف أو أنزل من قبلة أو لمس لا كفارة عليه". (مراقي الفلاح،=

لازم ہے خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ھکذا فی مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

کیا مقعد میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

سوال[۴۸۱۲]: روزے کی حالت میں بغرض صفائی اگر کوئی تر انگلی مقعد میں داخل کرے تو اس سے روزے کے فساد کا حکم ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محلِ حقنہ تک تر انگلی پہونچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا:

"إذا دخل إصبعه مبلولةً .... فی دبره، أو استنجی، فوصل الماء إلی داخل دبره أو فرجهاالداخل بالمبالغة فیه. والحد الفاصل الذی یتعلق بالوصول إلیه الفساد قدرُ المحقنه، وقلما یکون ذلك، اه". مراقی الفلاح، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، الطحطاوی، ص: ۲۰۸ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۹ھ۔

= ص: ۲۶۶، باب ما یفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۴، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/ ۲۲، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد، إمدادیه ملتان)

(۱) "إذا فعل الصائم شیئاً منها طائعاً متعمداً غیر مضطر، لزمه القضاء والکفارة، وهی الجماع فی أحد السبیلین .... وإن لم ینزل". (مراقی الفلاح، ص: ۲۶۳، ۲۶۴، باب مایفسد به الصوم وتجب به الکفارة مع القضاء، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۴۰۹، ۴۱۰، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۵، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد، رشیدیه)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۷۲، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی) =

حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل

سوال[۴۸۱۳]: سحری کھانے کے بعد بیوی سے صحبت کرنا یا شرمگاہ میں انگلی ڈالنا یا وہ خود ڈالے، روزہ میں کیسا ہے؟ یا یہ سب کرنے سے روزہ میں کوئی فرق آتا ہے یا قضاء واجب ہے یا کیا؟ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق سے پہلے تو ان چیزوں سے بلکہ صحبت سے بھی روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، اس لئے کہ روزہ صرف سحری کھالینے سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے(۱)، اس لئے پہلے روزہ ہی نہیں، صبح صادق کے بعد اگر بیوی کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی یا بیوی نے خود داخل کی، اگر وہ انگلی خشک ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا، اگر تر تھی تو فاسد ہوگیا، قضاء لازم ہوگی (۲)۔

بوسہ اگر اس طرح لیا کہ اس کی رال لعاب میں نکل گیا تو روزہ فاسد ہوگیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا(۳)، اگر بغیر

= (وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۱) "هو إمساك عن المفطرات حقيقةً أوحكماً في وقت مخصوص، وهواليوم". (الدرالمختار).

قال الشامي: "أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب". (ردالمحتار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۳۱، ۲۳۲، كتاب الصوم، قديمي)

(۲) "أو أدخل إصبعه اليابسة فيه: أي دبره أو فرجها، ولو مبتلّةً، فسد". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴ كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۶، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۳) "ولو أكل ورق شجر إن كان مما يؤكل عادةً، وجبت، وإلا وجب القضاء فقط. وكذا لوخرج البزاق من فمه ثم ابتلعه، وكذا بزاق غيره؛ لأنه مما يعاف منه، ولوبزاق حبيبه أو صديقه وجبت؛ لأنه =

اس کے لیا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا(۱)۔جس کو جماع یا انزال کا اندیشہ ہو اس کو یہ سب نہیں کرنا چاہئے، جس کو اندیشہ نہ ہواس کے لئے بوسہ لینے میں مضائقہ نہیں، مگر اس طرح نہ لے کہ روزہ فاسد ہوجائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۵ھ۔

روزہ کی حالت میں زوجہ کی تقبیل ولمس

سوال[۴۸۱۴]: ۱...... روزہ کی حالت میں زید نے اپنی زوجہ کو گود میں لیا، بوسے لئے، روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟

لمس سے انزال ہونے پر فسادِ صوم

سوال[۴۸۱۵]: ۲...... روزہ کی حالت میں زید نے اپنی بیوی سے دور سے بات کی اور ہاتھ پکڑا کہ انزال ہوگیا۔روزہ رہا یا ٹوٹ گیا، یا کوئی خامی ہوئی؟

ظفر محمد خان، موضع سرسی پوسٹ درا، ضلع کان پور۔

= يتلذذبه .... كما قاله في أواخر الكنز، فصار، ملحقاً بما فيه صلاح البدن". (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۱، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب: جوازالإفطار بالتحري، سعيد)

"ومنه ابتلاع بزاق زوجته أو بزاق صديقه؛ لأنه يتلذذ به". (مراقي الفلاح على نورالإيضاح، ص: ۶۶۷، مايفسد الصوم وتجب به الكفارة، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

(۱) "ولو قبل امرأة، لايفسد صومه يريد به إذا لم ينزل لعدم المنافي صورةً ومعنىً". (الهداية: ۱/ ۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركت علميه)

(۲) "ولا بأس بالقبلة إذا اَمِن على نفسه: أي الجماع أو الإنزال، ويكره إذا لم يأمن؛ لأن عينه ليس يفطر، وربما يصير فطراً بعاقبته فإن امن يعتبر عينه و أبيح له، و إن لم يأمن تعتبر عاقبة". (الهداية: ۱/ ۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفاره، شركة علميه)

(وكذا في الدرالمختار على: ۲/ ۴۱۷، كتاب الصوم باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مكتبه امداديه ملتان) =

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......روزہ نہیں ٹوٹا، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے کہ مبادا نوبت آگے تک پہونچے (۱)۔

۲......روزہ ٹوٹ گیا، قضاء لازم ہوگی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

استمناء بالید کے بعد بیوی سے جماع کرلیا

سوال[۴۸۱۶]: زید نے رمضان کا روزہ رکھنے کی حالت میں قصداً ہاتھ سے ذکر کوحرکت دے کر انزال کردیا پھر یہ سمجھ کرکہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً بیوی سے جماع کیا اور کھایا پیا تو کیا زید پر کفارہ لازم ہوگا یانہیں؟اور بیوی کے قرینہ سے یہ پتہ چلا کہ پہلے تو راضی نہیں تھی، مگر اپنے اصرار پر قائم نہ رہی، بلکہ زید کو قدرت دیدی خفیف طریقہ سے زید کا ڈر کرتے ہوئے۔تو بیوی پر قضاء لازم آئیگی یا کفارہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر روزۂ رمضان کی حالت میں جماع کرتا تو اس پر کفارہ لازم ہوتا مگر رمضان کا روزہ تو پہلے ہی ختم کرچکا جس کی وجہ سے قضاء لازم ہوگئی (۳)، ایسی حالت میں جماع کرنے سے اس پر کفارہ لازم نہیں، البتہ اس

= (وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۷۶،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۱) "وكره قبلة ولمس ومعانقة ومباشرة إن لم يأمن المفسد، وإن أمن لابأس". (الدرالمختار: ۲/ ۴۱۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/ ۴۷۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/ ۴۰۳، ۴۰۶،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/ ۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركت علميه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۷۶، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۵۸،كتاب الصوم،الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، مكتبه غفاريه)

(۳)"واحترز به عما لو فعل مايظن الفطر به، كما لو أكل أو جامع ناسياً، أو احتلم أو أنزل بنظر أو ذرعه=

کی بیوی پر قضاء بھی لازم ہے اور کفارہ بھی لازم ہے، ردالمحتار: ٢/ ١٠٨ (١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١١/ ٧/ ٩٢ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ١٢/ ٧/ ٩٢ھ۔

روزہ میں انجکشن

سوال[٤٨١٧]: میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملہ میں اپنی تسکین کرلوں اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں، امید کہ آپ بذاتِ خود تکلیف وتوجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دارالعلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک میں شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب کی جانب سے ہے اس لئے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس میں لکھا ہے کہ انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا صرف دو استثناء کئے گئے ہیں:

١- اگر زخم کرکے پانی پیٹ میں لیجایا جائے۔

= القئ، فظن أنه أفطر، فأكل عمدًا، فلا كفارة للشبهة". (ردالمحتار: ٢/ ٤١١، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ٦٧٤، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٢٠٦، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، النوع الثاني، ومما يتصل بذلك مسائل، رشيديه)

(١) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين، كذا في الهداية. وعلى المرأة مثل ما على الرجل إن كانت مطاوعةً، وإن كانت مكرهةً فعليها القضاء دون الكفارة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٢٠٥، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، النوع الثاني مايوجب القضاء والكفارة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فيما يفسد الصوم مع الكفارة: ٢/ ٢٥٣، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصوم، نوع آخر: ٤/ ١٠٢، رشيديه)

۴- یا براہ راست دماغ میں دوالے جائی جائے، بقیہ انجکشن کوعمومیت کے ساتھ جائز کہا گیا ہے، اس میں مجھے شبہ گذرتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مزید توجہ کامحتاج ہے۔

اسی رسالہ میں روزے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا''۔ ایک زمانہ میں کھانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ حلق کے راستہ سے کھانا پیٹ میں ڈالا جائے اور پینے کا بھی یہی طریقہ تھا کہ پانی حلق کے راستہ سے پیٹ میں ڈالا جائے، مگر سائنس کی ترقی نے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ کھانا پیٹ میں جاکر کیا کام دیتا ہے، کھانا معدے میں ہضم ہونے کے بعد اس کا جوہر خون بن کر رگوں میں رواں ہوتا ہے، لہذا ایسے مریضوں کو جو منہ سے کھا نہیں سکتے رگوں کے انجکشن کے ذریعہ کھانا پہونچایا جاتا ہے، بلکہ براہ راست خون بھی رگوں میں پہونچادیا جاتا ہے اور عرصہ تک اسی طرح وہ مریض کو وہ جوہر رگوں میں پہونچا کر جو کھانے کا مقصد ہے بلا کھانا کھلائے رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح پانی پینے کا بھی ایک مقصد رگوں کو سیراب کرنا ہے، ایک کافی مقدار پانی کی ہر انسانی جسم میں موجود رہنی ضروری ہے اور اگر وہ موجود نہ رہے تو انسان مرجائے گا، اس لئے ہیضہ کا مرض پانی کی کمی سے ہوتا ہے، دستوں کے راستہ اس کے جسم کا پانی نکل جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے: رگ کاٹ کر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جاتا ہے، واضح ہو کہ رگ کاٹ کر پانی پیٹ میں نہیں ڈالا جاتا ہے بلکہ رگوں میں بھرا جاتا ہے، اگر ناک کے ذریعہ ٹیوب ڈال کر پیٹ میں پانی ڈالا جائے تو ڈالا جاسکتا ہے مگر معدے میں سوئے ہضم ہے اور جب تک پانی تحلیل ہو کر رگوں کو سیراب کرے گا مریض ختم ہوجائے گا، لہذا براہ راست پانی رگوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہ دو مثالیں میں نے دی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انجکشن غذا کا، بعض پینے کا مقصد ادا کرتے ہیں، تمثیل کے لئے حسبِ ذیل باتوں پر نگاہ فرمائی جائے:

(الف) گلوکوز کا ۲۵، ۵۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۵۰۰/سی سی کا رگوں کے ذریعہ انجکشن کھانے کا کام دے گا۔

(ب) رگ کو کاٹ کر دو سیر چار سیر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جائے، یہ طریقہ پینے کا کام دے گا۔

(ج) رگوں کے ذریعہ خون جسم کے اندر ڈال دیا جائے، یہ طریقہ طویل اور پیچیدہ راستے کو ترک کرکے براہ راست غذا کا مقصد پورا کرتا ہے، یہ سب انجکشن ہیں۔ اور عمومیت کے پیشِ نظر سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب جائز

ہیں؟ اور اگر یہ جائز ہیں تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بجائے ۵۰/سی سی گلوکوز انجکشن لے لے، کھانے کا مقصد حل ہوجائے گا اور بلا روزہ کا مقصد پورا کئے روزہ دار کہلائے گا۔

لہٰذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرمادیں، میں جناب والا کی اس عنایت وکرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا۔ والسلام۔

خادم: قاضی محمد عدیل عباسی ایڈووکیٹ بستی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزے کی نقل کردہ تعریف: ''کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا'' (۱)۔ انجکشن سے- چاہے وہ ۵۰/سی سی کا ہو، یا اس سے کم زائد کا- اس تعریف میں خلل نہیں آتا۔

کھانا، پینا بدیہی ہے انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا۔ وہ فائدہ گو پورا نہ سہی لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایرکنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سرسبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہونچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)۔ شدتِ گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگوکر حالتِ صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم صلی

(۱) ''أما تفسيره، فهو عبارة عن ترک الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى غروب الشمس بنية التقرب من الأهل''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳/۵۱، كتاب الصوم، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) ''أو ادهن أو اكتحل، وإن وجد طعمه في حلقه''. (الدر المختار). ''لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر''. (رد المحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد الصوم، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۱)، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا جو بظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے۔

یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں (۲) جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورتِ اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے۔ غرض کہ جو فائدے حلق کی راہ دوا جوفِ معدہ میں پہونچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقۂ علاج طبِ قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں۔

فقہاء ومجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسدِ صوم قرار نہیں دیا۔

آج اس سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ "سبحان اللہ، الحمد للہ" کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے اور جاں نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔ یہ یقین اور اعتقاد بہت زیادہ قوی ہے۔ سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین واعتماد سے کیا اس کو بھی مفسدِ صوم قرار دیا جائے گا، غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: ﴿أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه﴾ الآیه(۳) اور بعض کے متعلق تجربۃً قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث

---

(۱) "أبو بکر بن عبدالرحمن قال: حدثني من رأی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في یوم صائف یصیب علی رأسه الماء من شدة الحر والعطش وهو صائم". (المؤطا للإمام مالک، باب ماجاء في الصیام في السفر، ص: ۳۳۴، میر محمد کتب خانه)

(وسنن أبي داؤد، کتاب الصیام، باب الصائم یصلب علیه الماء من العطش: ۱/ ۳۲۹، إمدادیه ملتان)

(۲) "بھپارا: جوش کی دوا، بھپارا دینا: کسی جوش کی ہوئی چیز سے سینکنا یا بھاپ دینا"۔ (نور اللغات: ۱/ ۶۸۵، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور)

(۳) (الحجرات: ۱۱)

شریف میں مذکور ہے(۱)، کیا یہ بھی مفسد صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۃً اکل وشرب ہے مگر مقصدِ اکل وشرب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسدِ صوم ہے، مثلاً: کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہوگیا(۲) اور اگر بھول کر کھا پی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا، لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا(۳)۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی، مگر روزہ فاسد ہوگیا، مثلاً: کسی روزے دار کو تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ

---

(۱) "عن أنس أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر الناس أن يصوموا يوماً ولا يفطرنّ أحدٌ حتى أذن له، فصام الناس، فلما أمسوا جعل الرجل يجئ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيقول: ظللت منذ اليوم صائماً فائذن لي فأفطر، فأذن له. ويجئ الرجل فيقول ذلک، فيأذن له حتى جاء رجل فقال: يارسول الله إن امرأتين من أهلک ظلتا منذ اليوم صائمتين، فائذن لهما فليفطرا، فأعرض عنه، ثم أعاد، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماصامتا وكيف صام من ظل يأكل من لحوم الناس؟ اذهب فمرهما إن كانتا صائمتين أن يستقيئا". ففعلتا فقاء ت كل واحدة منهما علقةً، فأتى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأخبره، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو ماتتا وهما فيهما لأكلتهما النار". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۷۴، سورة الحجرات، دارالفيحاء)

(۲) "إذا ابتلع سمسة بين أسنانه، لايفسد صومه؛ لأنه قليل. وإن ابتلع عن الخارج يفسد". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسدومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۴۱۵، باب مايفسدالصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۴۸، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۳) "إذا أكل الصائم أوشرب أوجامع ناسياً، لم يفطر، ولافرق بين الفرض والنفل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فيمايفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۰۷، الفصل الخامس فيمالايفسدالصوم، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۷۳، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشديه)

فاسد ہوگیا (۱)۔ سونے میں احتلام سے مقصدِ جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہوگیا روزہ فاسد نہیں ہوا (۲)۔

سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصرِ نماز کا حکم دیا اور اجازتِ افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی اور مسافر سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی (۳)، لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹہ یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کریگا، یا اس کو رخصتِ افطار سے محروم کردیا جائیگا، یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کرسکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کردی گئی ہے اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کرکے اپنے تجویز کردہ مقصدِ قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا اور جو صورت حدودِ قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصدِ قانون کے خلاف قرار دے کر

---

(۱) "(أو طعن برمح فوصل إلى جوفه) وإن بقي في جوفه، كما لوألقى حجر في الجائفة أونفذالسهم من الجانب الآخر، ولوبقي النصل في جوفه، فسد". (الدر المختار علي تنوير الأبصار: ۳۹۷/۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۸۷/۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳۶۶/۲، الفصل الرابع فيمايفسدالصوم ومالايفسد، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أوادّهن أواكتحل أواحتجم أوقبل ولم ينزل، أو احتلم أو أنزل بنظر أوبفكر .... لم يفطر".

(الدرالمختارعلي تنويرالأبصار: ۳۹۵/۲، ۴۰۰، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية ۲۰۴/۱، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳۷۱/۲، الفصل الرابع في مايفسد الصوم ومالايفسد، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "من خرج من عمارة موضع إقامته مسيرة ثلاثة أيام ولياليهابالسيرالوسط .... صلى الفرض الرباعي ركعتين". (الدرالمختار: ۱۲۱/۲، ۱۲۳، باب صلوٰة المسافر، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲، كتاب الصلوٰة، صلوٰةالمسافر، إدارة القران كراچی)

(وكذا في الهداية: ۱۶۵/۱، كتاب الصلوة، باب صلوٰة المسافر، شركت علميه)

حدودِ جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا ہے، بلکہ ۲۵/ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصدِ قانون یہ ہے کہ ۲۵/ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں، سومیں نے ۲۵/ پیسے خرچ کردیئے تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہوگا، بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۸] : بحالتِ صوم انجکشن لگوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۹] : زید کو رمضان شریف میں انجکشن کی ضرورت ہے بوجۂ بیماری، بخار ہو یا پھوڑا یا اَور کوئی صورت ہو تو انجکشن لگوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی صورت جواز کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر حدیث "الفطر مما دخل، ولیس مما خرج". شرح وقایہ، جلد اول: ۱۹۷(۲) سے تعارض ہوگا کہ نہیں؟

شاہ انوار الرحمٰن صاحب۔

---

(۱) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه". (الدر المختار). "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لايفطر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۵،۳۹۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد وفيما لايفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "وقد قال ابن عباس وابن مسعود وعلي رضي الله تعالىٰ عنهم: إن الفطر مما دخل وليس مما خرج".=

الجواب حامداًومصلیاً:

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا(۱)۔"الفطر ممادخل ولیس مماخرج"اول:تو کلیہ نہیں، بلکہ خاص موقعہ کے متعلق ہے، کما یظهر بأدنیٰ تأمل ۔ دوسرے:حصر کے لئے نہیں(۲)۔تیسرے:جومنفذ سے داخل ہووہ مفطر صوم ہے:"والمفطر إنماهوالداخل من المنافذ، اھ". شامی:۲/۱۳٤(۳)۔چوتھے: مطلقاً داخل بھی مفطرِ صوم نہیں، بلکہ جوفِ معدہ میں جو داخل ہووہ مفطر ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۹/ ۸۵ھ

روزہ میں خوشبو کا حکم

سوال[۴۸۲۰]: ہومیو پیتھک میں ایک اصولِ معالجہ یہ بھی ہے کہ شکر کی سادہ گولیوں کی شیشی میں دوا کے دو تین قطرے ڈال کر رکھ دیتے ہیں،جب گولیاں خشک ہو جائیں تو انہیں مریض کو سونگھنے کی ہدایت کریں، اس طرح کہ ناک کے ایک راستہ کو بند کر کے دوسرا راستہ کھول دیں،ایک یا دو مرتبہ سونگھنا کافی ہوتا ہے۔اس عمل سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟

حفیظ اللہ صاحب کھیری، لکھیم پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے یا قصداً سونگھنے سے-خواہ علاجاً ہو یا تنشیطاً-روزہ فاسد نہیں ہوتا،اگربتی،عطر،دواسب کا ایک حکم ہے(۴)،البتہ اگربتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچانا

= أخرجه البيهقي وابن أبي شيبة وعبدالرزاق". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۴۷، كتاب الصوم، باب موجب الإفساد، سعيد)

(۱) مرتخريجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن"۔

(۲)"وهو مخصوص بحديث الاستقاء، أوالفطر فيه باعتبارأنه يعود شئ وإن قل حتى لايحس به". (البحرالرائق: ۲/۴۸٦،باب مايفسد الصوم ومالايفسد ،رشيديه)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، باب مايفسد الصوم و مالايفسده،مطلب: يكره السهر الخ، سعيد)

(۴) "وكذا إذا أدخل الدخان أوالغبارأوريح العطرأوالذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضی خان: =

مفسدِ صوم ہے، کذافی مراقی الفلاح والطحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں ہوا لینا

سوال [۴۸۲۱]: فرض روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور سانس کے مریض کا پمپ کے ذریعہ منہ میں ہوا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)، اِلّا یہ کہ جوفِ معدہ میں دوا پہونچائی جائے (۳)۔ ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ پمپ سے پہونچائی جائے (۴) جبکہ کے اس میں کوئی اَور

= ۲۰۸/۱، الفصل الخامس فیما لایفسدالصوم، رشیدیہ)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۶۶۰، باب مالایفسد الصوم، قدیمی)

(۱) "(أو دخل حلقه دخانٌ بلاصنعه) لعدم قدرته علی الامتناع عنه، فصار کبللٍ بقي في فمه بعد المضمضة لدخوله من الأنف إذا أطبق الفم. وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأیّ صورة کان الإدخال، فسد صومه، سواء کان دخان عنبر أو عود أو غیرهما، حتی من تبخر ببخور فآواه إلی نفسه واشتم دخانه ذاکراً لصومه، أفطر، لإمکان التحرز عن إدخال المفطر جوفه ودماغه". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۶۰، کتاب الصوم، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۹۵/۳، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۷۱۱/۳، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسده، رشیدیه)

(۲) (مر تخریجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن")

(۳) "وفي دواء الجائفة والآمّة أکثر المشایخ علی أن العبرة للوصول إلی الجوف والدماغ، لالکونه رطباً أویابساً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۰۴/۱، الباب الرابع فیما یفسد الصوم وما لایفسد، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۴۰۲/۲، ۴۰۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۶۷۲، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی)

(۴) "أودخل حلقه غبارٌ ولوکان غبار دقیق من الطاحون، أو دخل حلقه ذباب، أودخل أثر طعم الأدویة=

چیز نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہومیو پیتھک دوائی کا سونگھنا

سوال[۴۸۲۲]: ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۹/۱۰ھ۔

روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ واستنشاق

سوال[۴۸۲۳]: ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنے ہاتھ پر سرسوں کے تیل کی مالش کی، پھر وضو کیا، ہاتھوں پر چکناہٹ کا اثر باقی تھا، ایسی ہی چکناہٹ سے انگلیوں سے ناک میں پانی لگایا اور ناک صاف کر کے وضو کرنے کے تھوڑی دیر بعد بھی محسوس ہوا کہ زبان پر بھی چکناہٹ کا اثر محسوس ہوتا تھا، نیز حلق کے اندر

= فیہ فلایفسد الصوم فیھا". (مراقی الفلاح، ص: ۲۶۰، ۲۶۱، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۳۹۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۲۰۳، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیہ)

البتہ آج کل کے جو پمپ استعمال ہوتا ہے، اس میں دوا کے اجزاء ہوتے ہیں، اور ان اجزاء کا معدہ میں پہونچنا یقینی ہوتا ہے، لہٰذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

(۱) "فکذا إذا دخل الدخان أو الغبار أوریح العطر أو الذباب حلقه، لایفسد الصوم". (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریۃ ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم، رشیدیہ)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۶۰، باب فی بیان مالا یفسد الصوم، قدیمی)

بھی اورزبان پربھی اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ پیٹ کے اندر بھی چکناہٹ گئی ہے۔اس کے علاوہ جب سر میں تیل لگا تا ہے تو حلق اورزبان پربھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ایسی حالت میں حلق یازبان پر چکناہٹ محسوس ہوتی ہے تو روزہ میں اس سے کیاخرابی اورفرق ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے روزہ میں فرق نہیں آتا ہے،بعض دفعہ چکناہٹ بہت تیز ہوتی ہے،بغیرکلی اوربغیرناک میں چکنے ہاتھ سے پانی داخل کئے ہوئے بھی محض سانس کے اندرپہونچ کرسراورحلق کومتاثر کردیتی ہے اور جب کہ پانی حلق کے اندرداخل نہیں ہوااورنہ دماغ میں پہونچا تو روزہ پراثر کیوں پڑے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند،۲۰/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارلعلوم دیوبند،۲۰/۹/۸۹ھ۔

روزہ میں اگربتی

سوال[۴۸۲۴]: رمضان شریف میں جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں ایک روزہ دارشخص نے کچھ اگربتیاں اس مقصد سے سلگائیں کہ تمام مسجد میں خوشبو پھیلے،اگربتیاں جلتی رہیں اورخوشبوپھیلتی رہے،نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اچھی خوشبوہونے کی وجہ سے لمبا سانس لے کرخوشبوسونگھی،کسی نے جلتی ہوئی اگربتیوں کوقریب لے کرنہیں سونگھا اورنہ اس کے پاس سونگھنے بیٹھا،تمام مسجد میں خوشبوپھیل رہی تھی،اس خوشبوکولمبا سانس لے کر سونگھا،ایسی حالت میں کیا روزہ داراورنمازیوں کے روزے ٹوٹ گئے؟اورجنھوں نے خوشبوکولمبی سانس لے کر سونگھا تھاان کے روزے کیا ٹوٹ گئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی کا دھواں اگرقصداً سانس لے کردماغ میں پہونچایا ہے تو روزہ فاسد ہوگیا،اگردھواں دماغ میں نہیں پہونچا،صرف خوشبوسونگھی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا (۱)۔ روزہ کی حالت میں اگربتی نہ

---

(۱) "وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيما لايفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۶۰،باب مالايفسد الصوم، قديمي)

سلگائی جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا

سوال[۴۸۲۵]: صائم- رمضان یا غیر رمضان ہے- بحالتِ روزہ اگربتی یا لوبان کا دھواں سونگھے یا سینٹ تو روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سینٹ یا کسی بھی عطر کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۲)۔ اگربتی یا لوبان کا دھواں بالقصد حلق کے راستے سے اندر پہونچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، صرّح به الشامي وغيره في ردالمحتار وغيره من كتب الفقه:

"لوأدخل حلقه الدخان، أفطر أيّ دخان كان، اھ". درمختار: "أي بأيّ صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر ببخور فاٰواه إلى نفسه واشتمّه ذاكراً لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عنه، وهذامما يغفل عنه كثير من الناس، ولا يتوهم أنه كشمّ الورد ومائه والمسك، لوضوح الفرق بين

---

(۱) "أو دخل حلقه غبارأوذباب أودخان ولوذاكراً استحساناً، لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لوأدخل حلقه الدخان أفطر أيّ دخان كان، ولو عوداً أو عنبراً، لوذاكراً لإمكان التحرزعنه، فليتنبه له، كمابسطه الشرنبلالي". (الدرالمختار على تنويرالأبصار: ۳۹۵/۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۷۱۱/۳، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۲) "وكذا إذادخل الدخان أوالغبارأوريح العطرأوالذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۸/۱، الفصل الخامس فيمالايفسد الصوم، رشيديه)

"لايكره للصائم شم رائحة المسك والورد ونحوه ممالايكون جوهراً متصلاً كالدخان".

(مراقي الفلاح، ص: ۶۵۹، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

ھواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله، إمداد. وبه علم حکم شراب الدخان، اهـ". شامی: ۱/۱۳۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/ ۸۸ھ۔

لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم

سوال [۴۸۲۶]: بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں لکھا ہے کہ روزہ کی حالت میں لوبان وغیرہ کی دھونی سلگا کر سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا (۲)۔ کیا یہ حکم لوبان ہی کے لئے ہے یا اگر بتی وغیرہ ہر دھوئیں کے لئے ہے؟ بعض حضرات روزہ میں اگر بتی جلا کر سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو خوشبودار چیز ہے اور خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لوبان وغیرہ غرض جو بھی دھواں خوشبو کے لئے سونگھ کر حلق یا دماغ میں پہونچایا جائے اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا (۳) محض خوشبو (عطر) سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کذا فی الطحطاوی (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۹۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۲۰، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۷۱۱، باب مایفسد الصوم ومالایفسد)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۲۰۹، باب ہفتم، جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے ان کا بیان، دارالاشاعت کراچی)

(۳) "أو دخل حلقه دخان بلاصنعه، لعدم قدرته علی الامتناع عنه. وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأیّ صورة کان الإدخال، فسد صومه، سواء کان دخان عنبر أو عود أو غیرهما".

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح، ص: ۲۲۰، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۹۵، باب مایفسد الصوم، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۷۱۱، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(٤) "لایکره للصائم شم رائحة المسک والورد ونحوه ممالایکون جوهراً متصلاً کالدخان". (مراقی =

نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم

سوال[۴۸۲۷]: روزہ کی حالت میں ایک قسم کا منجن جو تمبا کو اور پرانے گڑ سے تیار کیا جاتا ہے، استعمال کرتا ہے، جس کی اسے عادت پڑی ہوئی ہے، اس کے استعمال سے اس کو تسکین بھی ہوتی ہے، اس منجن میں نشہ بقدرِ تمبا کو ہے۔ کیا ایسے منجن کا روزہ کی حالت میں استعمال جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے پورا پرہیز کرے، اکثر اس کا کچھ حصہ حلق کے اندر پہونچ جاتا ہے، نشہ کا ہونا مستقل وجہ منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۹۴ھ۔

جلق مُفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۲۸]: جلق لگایا گیا اور منی کپڑے وغیرہ میں نہیں لگی تو اس صورت میں صرف اعضائے تناسل دھولینا کافی ہے یا غسل واجب ہے؟ اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

= الفلاح، ص: ۶۵۹، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

"وكذا إذا أدخل الدخان أو الغبار أوريح العطر أوالذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۲۰۸، الفصل الخامس فيمالايفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا فی المحيط البرهانی: ۲/ ۵۵۶، الفصل الرابع فيمايفسد الصوم ومالايفسد)

(۱) "أوذاق شيئاً بفمه وإن كره، لم يفطر". (الدرالمختار). "إن كره إلالعذر كما يأتی". (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۰، كتاب الصوم، سعيد)

"وكره له ذوق شیء، وكذا مضغه بلاعذر، وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم، وإلا فيفطر". (الدرالمختار علی تنوير الأبصار: ۲/ ۴۱۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۴، الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۹، الباب الثالث فيمايكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلق سے اگر منی نہیں نکلی تو روزہ فاسد نہیں ہوا(۱)۔ اگر مذی نکلی ہے تو عضو کا دھولینا اور وضو کرلیا کافی ہے، غسل واجب نہیں، نہ روزہ فاسد ہوا(۲)۔ اگر منی نکلی ہے تو روزہ بھی فاسد ہوگیا اور غسل بھی واجب ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۸۵ھ۔

سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۲۹] : کیا سانپ، بچھو کے کاٹنے اور انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

---

(۱) "(قوله: الاستمناع بالكف): أى كونه لايفسد، لكن هذا إذا لم يُنزل، أما إذا أنزل فعليه القضاء، كما سيصرح به، وهو المختار". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف: ۲/۳۹۹، سعيد)

(۲) "(لا) عند (مذى أو ودى) بل الوضوء منه .... اه". (الدرالمختار). "(قوله: بل الوضوء منه، الخ): أى بل يجب الوضوء منه: أى من الودى ومن البول جميعاً". (ردالمحتار: ۱/۱۶۷، كتاب الطهارة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الرابع فى مايفسد الصوم ومالايفسد: ۲/۲۸۱، قديمى)

(۳) "الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنى، يجب عليه القضاء، وهو المختار". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده: ۲/۴۷۵، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد: ۱/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، مطلب فى حكم الاستمناء بالكف: ۲/۳۹۹، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الرابع مايفسد الصوم ومالايفسد: ۲/۱۸۱، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ نہیں ٹوٹتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صبح صادق کے ایک دومنٹ بعد سحری کھانا

سوال [۴۸۳۰]: سحری کا آخری وقت مثلاً پانچ بجے ہے، ایک شخص مثال کے طور پر چار بج کر پچیس منٹ پر سوکر بیدار رہوا، اس نے جلدی جلدی دو چار لقمے کھائے، جس وقت وہ کھا کر پانی پینے لگا اس وقت پانچ بجکر ایک منٹ یا دومنٹ زیادہ ہوگئے۔ اب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کو یہ چاہئے کہ اس روزہ کو پورا کرے پھر بعد رمضان ایک روزہ جداگانہ اس کے عوض رکھے:

"أو سحراً و جامع شاكاً في طلوع الفجر وهو طالع، لا كفارة عليه للشبهة؛ لأن الأصل بقاء الليل ويأثم إثم ترك التثبت مع الشك، اهـ". مراقي الفلاح ،ص: ۳٦۹، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹٦، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۷، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(۲) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح: ص: ٦۷۵، باب ما يفسد الصوم و يوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد و ما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۴۰۵، ۴۰٦، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۲۵، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركة علميه)

باب قضاء الصوم و کفارته و فدیته

(روزے کی قضاء اوراس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

رمضان میں جہراً کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا

سوال[۴۸۳۱]: رمضان میں وہ لوگ جن پر روزہ فرض ہوتا ہے، علانیہ طور پر روزہ داروں کے سامنے کھاتے پھرتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کیا احترامِ رمضان کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے؟ کیا مریض اور مسافر کو شرعاً اجازت ہے کہ روزہ داروں کے سامنے کھائیں، رمضان میں ہوٹل میں کھانا روزہ داروں کے سامنے فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مریض اور مسافر کو عذر شرعی کی بنا پر (حائضہ ونفساء کی طرح) روزہ داروں کے سامنے نہیں کھانا چاہئے سراً کھائیں۔ بلا عذر شرعی وہ صورت اختیار کرنا جو سوال میں درج ہے سخت جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے، مگر سزا دینا ہر ایک کے بس میں نہیں: "ولو أكل عمداً جهراً بلا عذر يقتل، اهـ". طحطاوی ص:۳۶۳(۱)۔

"يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر، وعلى صبي بلغ، وكافر أسلم بحرمة الوقت بالقدر الممكن، اهـ. أما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك، ولكن لا يجب الإمساك على المريض والمسافر، ولكن لا يأكلون جهراً بل سراً، اهـ". طحطاوی مختصراً، ص:۳۷(۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۶۳، كتاب الصوم، باب مايفسد به الصوم، اهـ، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۸، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح الإمساك، قديمي)

سزا کے لئے قدرتِ قاہرہ ضروری ہے جو کہ امیر المؤمنین کو حاصل ہوتی ہے(۱)۔

جن پر روزہ فرض ہے ان کو کھانا ہوٹل وغیرہ میں کھلانا بھی معصیت اور تعاون علی الاثم ہے: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآیة (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۱ھ۔

روزہ کی قضائے عمری

سوال[۴۸۳۲]: ایک شخص کے فرض روزے باقی ہیں بالغ ہونے کے بعد بہت سے روزے متواتر اور بہت سے غیر متواتر روزے نہیں رکھے، تو روزے اور نمازیں کس طرح قضاء کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جب بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کر کے ہر روز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی قضاء کرے۔ اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزے سے رمضان کی تعیین کرے مثلاً پہلے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں، اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اور روزے کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے، یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں ہے، هكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح (۳)۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً". (الدر المختار). "(وقوله: قادراً): أي على تنفيذ الأحكام وإنصاف المظلوم من الظالم، وسد الثغور، وحماية البيضة وحفظ حدود الإسلام وجر العساكر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الكبرى: ۱/۵۴۸، سعيد)

(۲) (المائدة: ۲)

(۳) "وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلوة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله .... وكذا الصوم الذي عليه من رمضانين إذا أراد قضائه، يفعل مثل هذا". =

روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ

سوال[۴۸۳۳]: ایک شخص کے ذمہ فرض روزے باقی ہیں یعنی جب سے بالغ ہوا تھا، روزے فرض نہیں رکھتا تھا، کئی سال متواتر نہیں رکھے، اب چھ سات سال بالغ ہونے کے بعد سے رکھنے لگا ہے تو ان فرض روزوں کے رکھنے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے سال کی عمر کی فرض نمازیں اور فرض روزے اس پر رکھنے فرض ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جیسے بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کرکے ہر روز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی نماز قضاء کرے اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزہ میں رمضان کی تعیین کردے، پہلے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں۔ اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اس کے بعد دوسرے رمضان کے، اسی طرح رکھے۔ یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں، هكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۵۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۹ھ۔

= (مراقي الفلاح). قال الطحطاوي: "وأما إذا كان من رمضان واحد، فلايحتاج إلى التعيين اتفاقاً".

(حاشيه الطحطاوي، ص: ۴۴۲، باب قضاء الفوائت، قديمي)

وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۷۷،۷۶/۲، باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "وإذا كثرت الفوائت، يحتاج لتعيين كل صلاة يقضيها لتزاحم الفروض والأوقات كقوله: أصلي ظهر الاثنين ثامن عشر جمادى الثانية سنة أربع وخمسين وألف، وهذا فيه كلفة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته لم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصلبه يصير أولاً، فيصح بمثل ذالك وهكذا .... إن شاء فيقول: أصلي آخر ظهر أدركته ولم أصلّه بعد، فإذا فعل كذلك فيما =

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا

سوال[۴۸۳۴]: یہ جو بہت سے لوگوں نے اتوار کے روزے توڑے ہیں یہ رکھے جائیں گے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جبکہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کو یکم شوال تھی تو ایسے روزوں کی قضاء لازم نہیں (۱) اگرچہ بلاتحقیق وتصدیق توڑنا منع تھا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ

سوال[۴۸۳۵]: رمضان المبارک کی انتیسویں شام میں مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آیا اور شب کے ساڑھے نو بجے ریڈیو سے بھی یہ اطلاع ملی کہ ریاست میسور اور بھارت کے دوسرے حصوں میں ہلال نظر نہ آیا۔ رمضان المبارک ۳۰/ کی صبح کو یہ خبر ملی کہ بمبئی میں عید منائی جارہی ہے تو یہاں کے بہت سارے روزہ داروں نے روزہ توڑ دیا اور بہت ساروں نے روزہ نہ توڑا، عید کی نماز دوسرے دن پڑھی گئی، برائے مہربانی اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

= يليه يصير آخر بالنظر لما قبله، فيحصل التعيين ، وكذا (الصوم الذي عليه من رمضانين) إذا أراد قضائه يفعل مثل هذا، الخ." (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ، ص: ۴۴۶، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/ ۷۶، ۷۷، باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم، لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/ ۴۲۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی افواہ پر بغیر تحقیق وتصدیق کے ۳۰/ رمضان کوروزہ توڑنا درست نہیں، لیکن اگر بعد میں تحقیق ہوجائے کہ وہ تاریخ ۳۰/ رمضان کی نہیں بلکہ یکم شوال تھی تو اس روزہ کی قضاء یا کفارہ کچھ لازم نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضاء کا حکم

سوال [۴۸۳۶]: ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنا یا توڑنا کیسا ہے؟ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر سن کر روزہ توڑا ان لوگوں پر صرف قضاء لازم ہے یا نہیں؟ یا کفارہ بھی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا تو یہ کافی نہیں (۲)، البتہ اگر یہ اعلان آئے کہ فلاں جگہ قاضی شرعی یا حاکم مسلم یا رؤیتِ ہلال کمیٹی نے جس کے افراد باعلم اور متبع شریعت ہوں شرعی شہادت لے کر اعلان کردیا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں ایسے مقامات پر معتبر مانا جائیگا کہ اس کے تسلیم کرنے

---

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداء وقضاءً إلافي العيدين وأيام التشريق، فلايلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباًللنهي، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۴۲۸/۲، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح علي نورالإيضاح، ص: ۱۹۶، فصل في العوارض المبيحة، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۶/۲ ،فصل في حكم من أفسد صومه ، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولوسمع من وراء حجاب كثيف لايشف من ورائه، لايجوز له أن يشهد، ولوشهد وفسّره للقاضي بأن قال: سمعته باع ولم أرشخصه حين تكلم لايقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة، إلا إذا أحاط بعلم ذلك؛ لأن المسوغ هوالعلم". (فتح القدير: ۳۸۴/۷، كتاب الشهادات، فصل: يتعلق بكيفية الأداء ومسوغه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے مہینہ ۲۸/ دن یا ۳۱/ دن کا نہ ہو جائے۔

امسال جن لوگوں نے تیسواں روزہ محض ریڈیو کی خبر پر بغیر تحقیق شرائط توڑ دیا ہے انہوں غلط کیا، ان لوگوں کو اس میں جلدی سے کام لینا نہیں چاہیے تھا، لیکن جب بعد میں یہاں شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس دن کے روزہ کی قضاء لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

استحاضہ میں روزہ اور اس کی قضاء

سوال [۴۸۳۷]: گذارش ہے کہ ترجمہ منیۃ المصلی صلوٰۃ الرحمٰن، فصل باب الحیض کے آخری مسئلہ میں یہ عبارت البحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''جو عورت بسبب خون استحاضہ کے بھول گئی، گنتی حیض کی اور وقت حیض الخ .... اور حکم روزے کے واسطے اس کے یہ ہے کہ روزہ رکھے رمضان کے تمام مہینے میں، کیوں کہ ہر روز پاک ہونے کا گمان ہے اور بعد رمضان کے قضاء کرے بیس روزے اور نزدیک بعضوں کے بائیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے کہ یہ حکم اس عورت کا ہے جس کو حیض ہر مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہو اور اگر دو دفعہ آتا ہو یعنی اول مہینہ میں اور آخری مہینہ میں تو وہ عورت قضاء کرے تیس روزے اور نزدیک بعضوں کے چھتیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے''۔ فقط۔

یہ عبارت سلیس حضور فرمادیں کہ طہر کی مدت تو پندرہ روز ہے، پھر قضاء بیس روزوں کی کیونکر اور بائیس کی کیونکر کرے، اگر دس روز حیض میں شمار ہوئے تو دو روز زائد کیسے، اور کل رمضان تو ۲۹/ یا ۳۰/ دن کا ہوتا ہے تو قضاء ۳۲/ دن یا چھتیس دن کی کیونکر ہوئی، اگر تمام مہینہ ناپاکی میں شمار ہوا تو طہر کا زمانہ کب ہوا یعنی

---

(۱) ''لزم نفل شرع فیه قصداً أداء وقضاءً إلا فی العیدین وأیام التشریق، فلایلزم لصیرورته صائماً بنفس الشروع، فیصیر مرتکباً للنهی''. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار: ۲/ ۴۲۸، فصل فی العوارض المبیحة، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۶، فصل فی حکم من أفسد صومه، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۹۱، فصل فی العوارض، قدیمی)

پاکی کتنے روز رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترجمہ منیة المصلّی صلوة الرحمٰن میرے پاس موجود نہیں، البتہ بحر شرح کنز میں ۱/ ۲۱۰ پر یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس میں کچھ دوسرے اقوالِ فقہاء بھی درج ہیں مگر چونکہ آپ نے صرف چار اقوال نقل کر کے ان کی وجہ دریافت کی ہے اس لئے انہیں چار کی وجہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض دس روز ہیں اور اِصالتاً دس روز ماہ رمضان میں حیض کے شمار ہوں گے اور بعد رمضان دس روز کا اعادہ ہوگا، پھر جب انتیس کے ماہ میں دس روزوں کا اعادہ کیا تو اس احتمال کی بنا پر کہ شاید دس روز حیض کے دوسرے دس روزوں کا حکم دیا گیا، لہٰذا بیس روزوں کی قضاء ہوگئی، یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کو یہ علم ہو کہ حیض کی ابتدا رات میں ہوئی، اگر ابتدا دن میں ہوئی ہو تو بائیس روزوں کا اعادہ کرے اس لئے کہ اس صورت گیارہ روزوں کا اَور حکم دیا جائیگا، یہ کل تیس روزے ہوگئے۔ یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں کہ قضاء مسلسل ہو یا ایک ہی ماہ میں ہو:

"وأما الصوم ههنا تصوم كل شهر رمضان، لاحتمال طهارتها كل يوم، وتعيد بعد رمضان عشرين يوماً، وهو على ثلاثة أوجه: الأول: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالليل، فإنها تقضي عشرين يوماً بجواز أن حيضها في كل شهر عشرة أيام، فإذا قضت عشرةً يجوز حصولها في الحيض، فتقضي عشرةً أخرى. والثاني: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالنهار فتقضي اثنين وعشرين يوماً؛ لأن أكثره مافسد صومها صومها في الشهر أحد عشر يوماً، فتقضي ضعفه احتياطاً ا هـ. ولا يخفى أنه يظهر فيما إذا قضته موصولاً أو مفصولاً، ولكن في شهر واحد، ا هـ". بحر (۱)۔

اگر دو دفعہ حیض آتا ہو اور حیض کی ابتدا دن میں ہوئی ہو تو ہر ماہ کے پندرہ روز طہر کے رہیں گے پندرہ روز حیض کے، مگر چونکہ طہر کی ابتداء دن میں بھی ہوسکتی ہے، ایسی حالت میں طہر کے چودہ ہی روز رہ گئے تو گویا کہ رمضان شریف میں چودہ ہی روزے صحیح گئے اور سولہ روزہ فاسد، پس سولہ کی قضاء کرے گی آئندہ ماہ میں، مگر اس

(۱) (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۴، ۳۶۵، كتاب الطهارة، باب الحيض، رشيديه)

میں بھی اسی طرح کے سولہ کے فساد کا احتمال ہے۔

لہذا دوسرے سولہ کا حکم دیا جائے گا تو کل بتیس ۳۲/ ہو جائیں گے :"وإن علمت أن ابتداء حيضها كان بالنهار يقضي اثنين وثلثين يوماً إن قضت موصولاً برمضان؛ لأن أكثر مافسد من صومها عن الشهر ستة عشر يوماً"(۱)۔ اور چھتیس کا قول بحر میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ ربیع الثانی/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ھذا، ۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

حائضہ پاک ہو جائے تو اس کے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۳۸]: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجنے سے قبل پاک ہو جائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لئے واجب ہوگا اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضاء رکھے البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پئے نہیں:"يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". مراقی الفلاح(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

روزہ توڑنے کا کفارہ

سوال[۴۸۳۹]: خباثتِ نفس کی وجہ سے شادی کے بعد رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں

---

(۱) (البحر الرائق : ۱/ ۳۶۶، كتاب الطهارة، باب الحيض، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۸، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح، قديمي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان : ۱/ ۲۱۷، كتاب الصوم، فصل فيمن يجب عليه التشبه و من لا يجب، رشيديه)

(وكذا في الهداية : ۱/ ۲۲۵، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه شركة علميه ملتان)

مباشرت کر لی، ایک مولوی صاحب کے بتلانے پر ۱۲۰/خوراکوں کا حساب لگا کر نقد دوغریبوں کو یکمشت دیدیا، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک دم ادا کرنے سے ادانہیں ہوا، ۳۰/ یوم یا تو کھانا کھلائے یا پونے دو سیر گندم یا اس کے برابر قیمت دینی چاہئے تب کفارہ ادا ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

رمضان المبارک کا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے، کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اگر ضعف یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ غریبوں کو دووقت شکم سیر کھانا کھلائے خواہ دودن ایک وقت کھلائے، خواہ ایک غریب کو دووقت ساٹھ روز تک کھلائے، خواہ ساٹھ غریبوں کو کھانا دیدے ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر یا اس کی قیمت دیدے، ان سب صورتوں میں کفارہ ادا ہوجائے گا (۱)۔

جس میں ساٹھ روزے مسلسل رکھنے کی طاقت ہو اس کے لئے کھانا کھلانا یا غلّہ یا قیمت دینا درست نہیں بلکہ وہ روزہ ہی رکھے گا تب ہی کفارہ ادا ہوگا (۲)۔ غلّہ یا قیمت (صدقۃ الفطر کے برابر) ساٹھ غریبوں کو دینے کے بجائے اگر دوغریبوں کو مجموعہ دیدیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا، اٹھاون کو اَور دیدے، ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر

---

(۱) "إن أباهريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينمانحن جلوس عندالنبى صلّى الله عليه وسلم إذجاءه رجل فقال: يارسول الله! هلكتُ .... "هل تجد رقبةً تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخارى: ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الصوم، قديمى)

"أكل عمداً، قضى، وكفّر ككفارة المظاهر: أى كذا فى الترتيب، فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۱۱، ۴۱۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(۲) "وأمافى كفارة الظهار وكفارة الإفطار فى شهر رمضان إذاعجز عن الإعتاق لفقره، وعجز عن الصوم لكبره، جاز له أن يطعم ستين مسكيناً؛ لأن هذاصاربدلاً عن الصيام بالنص". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۷، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار، رشيديه)

دے تب ادا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

کسی اَور کا تھوک نگلنے سے کفارہ

سوال [۴۸۴۰]: اگر کوئی روزہ دار آدمی اپنے دوست یا اپنی بیوی کا لعاب یا تھوک نگل گیا اس کی وجہ سے قضاء یا کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضاء بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا: "ومنه ابتلاع بزاق زوجته أوصديقه؛ لأنه يتلذذبه، ولاتلزم الكفارة ببزاق غيرهما؛ لأنه يعافه، اه". مراقی الفلاح، ص: ۳٦٥(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/٦/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۲/٦/۹۰ھ۔

روزے کا کفارہ

سوال [۴۸۴۱]: ایک شخص اپنے فرض روزہ کا کفارہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک آدمی کو دونوں وقت کھانا دیتا ہے، اپنے سامنے بٹھا کر نہیں کھلاتا، ساٹھ دن برابر دیتا ہے یا فطرہ بھی دیتا ہے اور کھانا بھی دیتا ہے

---

(۱) "لو أعطى مسكيناً واحداً كله في يوم واحد، لايجزيه إلا عن يومه ذلك .... ولو أعطى ثلاثين مسكيناً كل مسكين صاعاً من حنطة، لايجوز إلا عن ثلاثين، وعليه أن يعطي ثلاثين مسكيناً أيضاً كل مسكين نصف صاع من حنطة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة: ۱/۵۱۳، رشيديه)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ٦٦٧، باب مايفسد الصوم وتجب به الكفارة، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۴۱۰، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيمايفسدالصوم ومالايفسد، رشيديه)

یعنی کسی دن فطرہ کسی دن کھانا دیتا ہے، ہرصورت سے اس کا کفارہ ادا ہوجاتا ہے یانہیں، یا کیا صورت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

روزہ کا کفارہ اولاً غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی قدرت نہ ہوتو دو ماہ تک مسلسل روزہ رکھنا، اگر اس کی قدرت نہ ہوتو ساٹھ مسکینوں کو دووقت کھانا کھلانا (۱)۔ اگر ایک فقیر کو کھانا دے تو اس کی دوصورتیں ہیں: اول یہ کہ اپنے سامنے بٹھا کر کھلائے سواس میں کوئی مقدار متعین نہیں وہ جتنا بھی کھالے صرف اتنی شرط ہے کہ فقیر بالغ ہو یا بلوغ کے بالکل قریب ہواور پہلے سے کھانا کھائے ہوئے نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کھانا یا غلہ وغیرہ دیدے سواس کے لئے ضروری ہے کہ ایک وقت کا کھانا ایک فطرہ سے کم نہ ہو، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين يظاهرون منكم من نسآئهم.......... فتحرير رقبة .... فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا، فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً﴾ (سورة المجادلة: ۳، ۴)

"أكل عمداً قضى وكفر ككفارة المظاهر: أي مثلها في الترتيب: فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستين مسكيناً". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۱۱، ۴۱۲، كتاب الصوم، سعيد)

"أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن جلوس عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل، فقال: يا رسول الله! هلكتُ .... "هل نجد رقبةً تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الصوم، باب: إذا جامع في رمضان، قديمي)

(۲) "والشرط أن يغديهم ويعشيهم غدآءً وعشآءً مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته، أو يغديهم غدآئين من يومين .... ولو أباح الطعام أن يشبعهم ولو بخبز البر من غير أدم والشعير لابد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لايكفي. أو يعطي كل فقير صاع تمر أو صاع شعيراً وزبيبٍ =

مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۴۲]: ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ایک عورت کے ہاں گیا اس کی چھاتی اور اس کے کلّے (۱) کو اپنے ہاتھ سے مس کیا اور اسی حالت میں انزال ہوگیا تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ ٹوٹ گیا، مگر صرف قضاء لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔

"أو أنـزل بتـفـخيـذ أوتبطين أوعبث الكف، أو أنزل من قبلة أو لمس، لا كفارة عليه".

مراقي الفلاح، ص: ۳۹۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة"(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ سہارنپور۔

کفارۂ روزہ میں تتابع ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۴۳]: ایک شخص نے کفارہ کے انسٹھ روزے مسلسل رکھے، ساٹھویں روزہ رکھنے کے دن وہ بیمار پڑ گیا تو کیا از سرِ نو ساٹھ روزے رکھے یا بعد صحت صرف ایک روزہ رکھے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پھر سے ساٹھ روزے مسلسل رکھے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۹۰ھ۔

= أو يعطي قيمته". (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۱) "کلّا: جبڑا، گال"۔(نور اللغات، حصہ سوم، ص: ۸۱۰)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ۲۶۶، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴، الباب الرابع فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(۳) "اعلم أن الصيامات اللازمة فرضاً ثلاثة عشر، سبعة منها يجب فيها التتابع: وهي رمضان و كفارة =

پہلے کا کھلایا ہوا کفارہ میں شمار نہیں

سوال[۴۸۴۴]: زید ایک غریب کو ایک سال سے کھانا کھلا رہا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر زید نے رمضان میں روزے کی حالت میں ایسے فعل کئے جس سے قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوتا ہے مثلاً: قصداً کھانا کھایا یا جماع کرلیا تو کیا اگر زید یہ نیت کرے کہ جو میں نے غریب کو کھلایا ہے اس میں دو مہینہ کفارہ کا ہے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی یا دو ماہ پھر کھلانا پڑے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پہلے کا کھلایا ہوا اب کفارہ میں محسوب نہیں ہوگا جیسے حنث سے پہلے کفارۂ یمین کا ادا کرنا معتبر نہیں، اِفسادِ صوم کے بعد کفارہ کا ادا کرنا ضروری ہے، نیز نیتِ متأخرہ عملِ مقدم میں کافی نہیں، اس کے ذریعہ سے واجب ادا نہیں ہوتا: "لا عبرة بنية متأخرة، اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۲ھ۔

کفارۂ صوم میں ساٹھ مساکین دونوں وقت ایک ہی ہوں یا الگ الگ؟

سوال[۴۸۴۵]: ۱...... روزہ کے کفارہ میں ساٹھ مساکین کو دو وقت (دن رات) کھانا کھلایا جائے گا، یا تیس کو دو وقت کھانا کھلا کر ساٹھ پورے کئے جائیں گے؟ نیز دونوں وقت کھانا کھانے والے ایک ہی ہوں گے یا دن میں اَور رات کو اَور ہو سکتے ہیں؟

کفارۂ صوم میں دینی مدارس کے طلباء کو کھانا کھلانا

سوال[۴۸۴۶]: ۲...... دینی مدرسہ کے مقیم طلباء کو جن کے خورد و نوش کا مدرسہ ذمہ دار ہے، روزہ

= القتل ...... و كفارة الإفطار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۵، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۴۰، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"كفر ككفارة المظاهر". (الدرالمختار). "فلو أفطر و لو لعذر استأنف إلا لعذر الحيض".

(ردالمحتار: ۲/۴۱۲، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب في الكفارة، سعيد)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۷، سعيد)

کے کفارہ کا کھانا کھلایا جاسکتا ہے؟

کفارۂ صوم ادا کرنے کی آسان صورت

سوال[۴۸۴۷] : ۳......اگر دینی مدرسہ کے مقیم طلباء روزہ کے کفارہ کا کھانا نہیں کھا سکتے ہیں دیگر مساکین ہیں تو ان میں تمیز دشوار ہوگی کہ مسکین کون ہیں اور پیشہ ور فقیر کون؟ نیز وقتِ واحد میں جس کا اجتماع دشوار ہوگا، ساٹھ کا دشوار تر، اور اس دشواری میں اَور اضافہ ہوجائے گا۔ اگر دونوں وقت کے کھانے کی شرط ہے کہ مساکین وہی ہیں جو صبح کو کھا چکے ہیں۔ اس حالت میں آسان صورت کیا ہے روزہ کے کفارہ ادا ہونے کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا جائے، دونوں وقت وہی ہوں گے (۱)۔

۲......وہ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو کھلا سکتے ہیں، مگر ان کو بٹھا کر کھلایا جائے، یہ نہ ہو کہ دو روٹی دے کر چلتا کر دیا جائے، بیٹھ کر دو روٹی کھائیں یا کم زیادہ جتنے میں سیر ہوجائیں (۲)۔

۳......مدرسہ میں ایسے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھلانا دشوار نہیں، اس سے بھی زیادہ سہل صورت یہ ہے کہ ایک مسکین کو تجویز کرلیا جائے اس کو دونوں وقت بھلا کر کھلا دیا جائے، جب ساٹھ دن (ایک سو بیس وقت)

---

(۱) "أطعم ستين مسكيناً أو فقيراً، ولا يشترط اجتماعهم، والشرط أن يغدّيهم أو يعشّيهم غداءً وعشاءً مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته أو يغديهم غدآئين من يومين أو يغشيهم عشآئين من ليلتين بشرط أن يكون الذين أطعمهم ثانياً هم الذين أطعمهم أوّلاً، حتى لو غدى ستين، ثم أطعم ستين غيرهم، لم يجز حتى يعيد الإطعام لأحد الفريقين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۲) "والشرط إذا أباح الطعام أن يشبعهم، ولو بخبز البر من غير أدم، والشعير لا بد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لا يكفي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ۳۸۷/۲، الفصل السابع: الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۲۰۳/۱، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

مسلسل کھالے گا تو کفارہ ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۳ھ۔

صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق

سوال[۴۸۴۸]: ۱......ایک شخص کا انتقال ہوا جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضاء ہوئیں کہ اس کو ہوش تھا مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں، اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے اور فی نماز کس مقدار میں؟

۲......مندرجہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضاء ہو گئے ہیں جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضاء ادا کر سکے، ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

۳......ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح کئی نمازوں یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے یا ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

۴......اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے یا محض فقیروں کو دینا چاہئے؟

۵......اگر کسی میت کے ورثاء غریب ومفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو میت کی برأت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقط۔

عبد الکریم سوداگر، زیر جامع مسجد، معرفت حافظ عبد اللہ صاحب مدرس درجہ قرآن شریف، جامع مسجد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر ایسی حالت میں نمازیں قضاء ہوئی ہیں کہ مریض میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اور مرض سے صحت نہیں پائی بلکہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو اس پر ان نمازوں کی قضاء فرض نہیں، نہ اس کی

---

(۱) "ولو أطعم فقيراً ستين يوماً أجزأه؛ لأنه يتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

طرف سے ان نمازوں کا فدیہ دینا ضروری ہے:

"وإن تعذر الإيماء برأسه، وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة، سقط القضاء عنه، وإن كان يفهم في ظاهر الرواية، وعليه الفتوىٰ". درمختار: ١/٧٩٥(١)۔ قال الشامي: "فلو مات ولم يقدر على الصلوة، لم يلزمه القضاء، حتى لايلزمه الإيصاء بها". شامي: ١/٥١٠(٢)۔

٢......ایسی حالت میں روزہ کی قضا بھی ضروری نہیں، لہٰذا فدیہ بھی ضروری نہیں: "لاقضاء للصوم على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة أوالإقامة". بحر: ٢/٢٨٣(٣)۔

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح، اسی طرح ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے: "يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذاحكم الوتروالصوم". درمختار: ١/٧٦٦(٤)۔

٣......ایک نماز کا فدیہ ایک ہی کو دیا جائے، کئی کو نہ دیا جائے: "ولو أدى الفقير أقل من نصف صاع، لم يجز". درمختار: ١/٧٦٨(٥)۔ البتہ کئی نمازوں کا فدیہ ایک کو دینا جائز ہے: "ولو أعطاه

---

(١)(الدرالمختار، باب صلوٰة المريض: ٢/٩٩، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب صلوٰة المريض: ٢/٢٠٣، ٢٠٤، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في صلوٰة المريض: ١/١٣٧، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ٢/٩٩، سعيد)

(٣) (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ٢/٤٩٥، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٢، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصوم في بيان وجوه الأعذار المبيحة للإفطار ومايتعلق بها: ١/٣٤٩، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٤) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب قضاء الفوائت: ٢/١٦٠، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ١/١٢٥، رشيديه)

(٥)(الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٤، سعيد) .... =

الكل، جاز" (۱)۔ اسی طرح کئی روزوں کا فدیہ بھی ایک کو دینا جائز ہے:"ويجوز إعطاء فدية صلوة وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء جملةً". مراقي الفلاح، ص: ٢٥٥ (٢) اور ایک روزہ کا فدیہ کئی کو دینا جائز نہیں (۳)۔

گیہوں وغیرہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے،قال الشامي: ١/٧٦٦ تحت قول الدر: "(نصف صاع من بر): أي أو من دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أوزبيب أو شعير أوقيمته، وهي أفضل عندنا، لإسراعها لسد حاجة الفقير"(٤)۔

۴......غریب مسکین لوگ اس فدیہ کا مصرف ہیں (۵)،مسجد کی مرمت میں اس کو صَرف کرنا جائز نہیں،

= (وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ٢/١٦١، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الصلوٰة، في قضاء الفائتة: ١/٧٧١، إدارة القرآن كراچی)

(١) (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٤، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ١/١٢٥، رشيديه)

(٢) (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل في إسقاط الصلوٰة والصوم، ص: ٤٣٩، قديمي)

(٣) (راجع ،ص: ١٧٧، رقم الحاشية: ٥)

(٤) (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٣، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح،كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر، ص: ٧٢٤، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر: ٢/٥٩٠،المكتبة الغفارية)

(٥) قال العلامة الحصكفيؒ: "مصرف الزكاة والعشر .... هو فقير .... ومسكين .... وعامل .... ومكاتب ومديون .... وفي سبيل الله". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "هو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذروغير ذلك من الصدقات الواجبة". (رد المحتار: ٢/٣٣٩، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

کھانا پکا کر غریب طلبہ کو بطورِ تملیک دیدینا جائز ہے(۱) اسی طرح کپڑے بنا کر دینا بھی جائز ہے(۲) بشرطیکہ طلبہ مستحق ہوں، مالدار نہ ہوں، فقیروں کو دینا بھی جائز ہے(۳)۔

۵......اگر ورثۂ میت کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیں تو نصف صاع کسی فقیر کو دیدیں اور قبضہ کرادیں اس کے بعد وہ فقیر نصف صاع بطورِ ہبہ اس کو دیدے اور ورثا اس پر قبضہ کرلیں، اسی طرح لیتے دیتے رہیں مگر قبضہ ضرور ہوتا رہے، ہر مرتبہ ایک نماز کا فدیہ ادا ہوتا رہے گا(۴)۔ جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ پوری

---

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لا إباحةً کما مر۔ (لا) یُصرف (إلی بناء) نحو (مسجدو) لا إلی (کفن میت وقضاء دینه)". (الدر المختار، کتاب الزکوٰة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکوٰة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، علی ملتقی الأبحر، کتاب الزکوٰة، باب فی بیان أحکام المصرف: ۱/۲۲۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "فلو أطعم یتیماً ناویاً الزکاة، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم کمالو کساه، بشرط أن یعقل القبض". (الدرالمختار، کتاب الزکاة: ۲/۲۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشیدیه)

(۳) "مصرف الزکاة والعشر فقیرٌ، وهو من له أدنی: أی دون نصاب، ومسکین مَن لاشئ له علی المذهب ...... وصدقة الفطر کالزکاة فی المصرف". (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، ۳۶۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثامن فی صدقة الفطر: ۱/۱۹۴، رشیدیه)

(۴) "(وإن لم یف ماأوصی به) المیت (عماعلیه) أو لم یکف ثُلث ماله، أو لم یوص بشیئ، وأراد أحدٌ التبرع بقلیل لایکفی، فحیلته لإبراء ذمة المیت عن جمیع ماعلیه أن (یدفع ذلک المقدار) الیسیر بعد تقدیره لشئ من صیام، أو صلاة أو نحوه، ویعطیه (للفقیر) بقصد إسقاط مایرد عن المیت (فیسقط عن المیت بقدره، ثم) بعد قبضه (یهبه الفقیر للولی) أو للأجنبی (ویقبضه) لتتم الهبة وتملک، (ثم یدفعه) الموهوب له (للفقیر) بجهة الإسقاط متبرعاً به عن المیت (فیسقط) عن المیت (بقدره، ثم یهبه الفقیر للولی) أو للأجنبی (ویقبضه ثم یدفعه الولی للفقیر) متبرعاً عن المیت، وهکذا یفعل مراراً (حتی یسقط =

نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو وہ نصف صاع اگر فقیر کو دینا تھا تب تو اسی کو دیدیں اگر کسی سے قرض لیا تھا تو اس کو واپس کردیں (۱)۔ انشاء اللہ امید ہے کہ میت کی برآءت ہوجائے گی اور ورثہ کا یہ معاملہ بطورِ احسان وتبرع ہوگا، کیوں کہ ان پر مفلس ہونے کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورتِ مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بَری ہے، کیونکہ نماز قضاء کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا، هكذا في كتب الفقه نحو مراقي الفلاح، ص: ٢٥٤ (٢)، وشامی: ١/٧٦٧ (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۲/ رجب/ ۵۲ھ۔

نماز روزہ کا فدیہ

سوال [۴۸۴۹]: ایک شخص کی بحالت بیماری دو وقت کی نمازیں قضاء ہوئیں اور چھ رمضان کے روزے قضاء ہوگئے اور اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب ان روزوں اور نمازوں کا کفارہ کس حساب سے ادا کرنا یعنی فی نماز روزہ کیا فدیہ دیا جاوے اور کفارہ ایک ہی محتاج کو دیدیا جاوے یا کئی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذاحكم الوتر، والصوم". درمختار: ١/١٠١ (٤)، وفي الشامي: ١/٧٦٦: "أي أومن دقيق أو سويق أوصاع تمر أوزبيب أوشعير

= ماكان) بظنه (على الميت من صلاة وصيام) ونحوهمامما ذكرنا من الواجبات، وهذاهو المخلص في ذالك إن شاء الله بمنه وكرمه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نورالإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في إسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۹، قديمي)

(۱) "ولولم يترك مالاً يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم". (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۳۶، فصل في إسقاط الصلوٰة، قديمي)

(۳) راجع، ص: ۱۷۷، رقم الحاشية: ۱، ۲، وايضاً، ص: ۱۸۶، رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۴) (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۷۲، ۷۳، باب قضاء الفوائت، سعيد) .... =

أو قيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير"(۱).

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ہر روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہیں جو صدقۃ الفطر میں دی جاتی ہیں اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے، یہ تمام فدیہ ایک کو دینا بھی جائز ہے اور کئی کو بھی، لیکن ایک فدیہ سے کم دینا جائز نہیں:"ولو أدى إلى الفقير أقل من نصف صاع لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز". درمختار على الطحطاوی: ۱/۳۰۸(۲)۔ "ولو أعطى فقيراً واحداً جملةً، جاز"بحر: ۲/۹۱(۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۷/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد الرحمان غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۹۰ھ۔

فدیہ صوم وصلوۃ

سوال[۴۸۵۰]: ۱...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سنِ بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہو جائے تو آدھا من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطور صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو یا غریب فاقہ کش، سب کے لئے یہی دستور رائج ہے۔ گیہوں کے ٹوکرے فقیر کے سر پر

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۶۰. كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(۱)(ردالمحتار: ۲/۷۲، ۷۳، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلوٰة عن الميت، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۲۷، قديمي)

وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۸۹، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر، غفاريه)

(۲) (باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۲۵. باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۷۷۱. الفصل العشرون في قضاء الفائته، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۷۷۱، الفصل العشرون في قضاء الفائتة، إدارة القرآن كراچی)

چڑھا کر جنازہ کے آگے کر دیتے ہیں۔ بعد نماز جنازہ گیہوں کے ڈھیر کر کے دس بارہ فقیر اور ملاں بیٹھ کر حیلہ کرتے ہیں۔ حیلہ کے وقت ملاں صاحب اس طرح فرماتے ہیں: ''صوم وصلوۃ واجبات جو اس مردے سے قضا ہوئے ہیں اس کی طرف سے یہ کفارہ میں نے قبول کر کے تم کو بخشا''۔

دائرے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں۔ پندرہ بیس مرتبہ یہ الفاظ دائرے میں دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ لیتے ہیں، ملاں صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہونچا دیتے ہیں۔ حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے، بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملاں صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے۔ اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوۃ وغیرہ کا نعم البدل مانتے ہیں۔ متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جاویں تو بعد میں طعنہ تشنیع کی جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ کا جواب مع حوالہ کتب وعبارت فقہ مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں تاکہ ان بدعات سے باز آئیں۔

۲...... ہبہ میں قبضہ شرط ہے یا اشارہ بھی کافی ہے، جائیداد متقوم کا حیلہ کیسا ہے؟

۳...... موافق شرع حیلہ کیا جائے تو کیا اس میں فوت شدہ صوم وصلوۃ کا حساب ضروری ہے؟

۴...... ولیٔ میت فقیر کے سر پر ٹوکرا چڑھا کر قبرستان پہونچا دیتا ہے وہ خود حیلہ میں نہیں بیٹھتا تو کیا یہ ہبہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

۵...... دینے والے کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس ڈھائی من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہوا، بصورت ہذا کفارہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

طریقۂ مذکورہ بدعت وناجائز ہے، اصل بلکہ خلافِ اصولِ شرع ہے(۱)۔ نفسِ ایصالِ ثواب بغیر التزام تاریخ وروزہ وہیئت وغیرہ مستحسن اور باعثِ راحتِ میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز روزہ عبادات

(۱) ''حیلۂ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے، وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے بشرطِ صحتِ نیتِ ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو، ورنہ لغو اور حیلہ تحصیلِ دنیائے دنیہ کا ہے''۔(فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۱۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

کرکے، یا غرباء مساکین کو نقد غلہ کپڑا وغیرہ دیکر، یا مسجد مدرسہ کنواں وغیرہ بنا کر ہو(۱)۔ اور طریقۂ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

اول یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالانکہ جس شیٔ کا استحباب شریعت سے ثابت ہو اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شیٔ ممنوع ہوجاتی ہے چہ جائے کہ بدعت پر اصرار کرنا:

" الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة"(۲)۔ "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، اهـ". سعاية (۳)۔

دوم یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے حالانکہ نفسِ غلہ کا ثواب پہونچانا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ بغیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے، یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

سوم یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ کے تقسیم کئے ہوتا ہے حالانکہ بسا اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں، نابالغ کا حصہ صرف کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں (۴)۔

چہارم: اس میں قبضہ نہیں ہوتا، حالانکہ صدقہ کے لئے قبضہ شرط ہے (۵)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا، للكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیه)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (السعاية المصدر السابق: ۲۶۳/۲)

(۴) "ولا (أي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة .... إلا بإجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶۵۶/۶، سعيد)

(۵) "و تمامها كرهن و صدقة؛ لأن القبض شرط تمامها". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۹۱/۵، سعيد)

پنجم: غلے کی یہ مقدار بھی شرعاً متعین نہیں۔

ششم: یہ مقدار کافی ولازم سمجھی جاتی ہے حالانکہ بعض اوقات صوم، صلوۃ میت کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات اتنی مقدار ہوتی ہے کہ حساب کے اعتبار سے یہ غلہ ناکافی ہوتا ہے، کیونکہ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ واجب ہوتا ہے اور یہی مقدار ہر روزے کے عوض میں ہے(۱)۔

ہفتم: عام طور پر یہ حیلہ ریاکاری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے اسی لئے حساب نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ مقدار مقررہ اور قرآن کریم کے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اسی کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ میت کے ذمہ صوم وصلوۃ کچھ فوت شدہ باقی ہو یا نہ ہو۔ نیز اگر ہو تو کم ہو یا زیادہ ہو، قرآن شریف کو خدا جانے کس قدر کفارہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے:

"و فی البزازية: ويكره نقل الطعام فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراءة للختم. وأطال ذلك فی المعراج و قال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بهاوجه الله تعالىٰ، ولا سيما إذا كان فی الورثة صغار أو غائب، اهـ". ردالمحتار(۲)۔

"فیحترز تقسیم کردن نقد غله وغیره بعد میت از ترکۂ آن بمحتاجاں به نیتِ ثواب جائز است بشرطیکه وارثانش کبار باشد و راضی باشند بدادن، و اگر ورثۂ میت صغار اند، بدون تقسیمِ ترکه تصدق جائز نیست. و بدون ایں چیزها همراهِ جنازه رسم جاهلیت است، از شرع شریف ثابت نیست، و چیزے که نظیرش در اصلِ شرع یافته نمی شود کردن آں چیز مکروه است یا حرام. اَما دادنِ تصدق بفقراء و مساکین برائے ثوابِ میت بے آنکه همراهِ جنازه برند، جائز است، زیرا که برائے ثوابِ میت چیزیکه بمحتاجاں

(۱) "و لو مات وعليه صلوات فائتة، و أوصى بالكفارة، يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، و كذا حكم الوتر والصوم، و إنما يعطى من ثلث ماله". (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلوة عن الميت: ۲/۷۲، ۷۳، سعيد)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

میدھند، مستحب آنست کہ بے روی و ریا و بے تعینِ وقت و روز باشد، اِلّا بدعت می گردد. و دریں صورت دادنِ ایشاں خالی از کراهت نخواهد شد. ﴿والله یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم﴾ ۔رسائل اربعین، ص: ۱۵،۰۰۵، مطبوعه درمطبع محمدی ماه صفر /۱۲۶۱ھ(۱)۔

کفارۂ صوم وصلوۃ میت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ اگر اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تو ایک ثلث ترکے میں ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دے دی جائے، اسی طرح ہر روزہ کے عوض، اور وتر بھی شرعاً مستقل نماز ہے۔ اگر ایک ثلث ترکے میں سے پورا ہو جائے تب تو خیر، ورنہ سب ورثہ کی اجازت سے- بشرطیکہ وہ بالغ ہوں- ایک ثلث سے زائد سے بھی وصیت کو پورا کیا جا سکتا ہے بغیر وصیت صدقہ دینا جائز نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے دیں تب بھی درست ہے اور نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۶۰/۱۲/۱۸ھ۔

مسافر ومریض پر فدیۂ صوم وصلوٰۃ

سوال[۴۸۵۱]: اگر مریض بسببِ مرض روزہ نہ رکھ سکے اور صحت کی قطعاً نوبت نہیں آئی تو ایسی صورت میں اس پر صدقہ واجب ہوگا یا نہیں؟ باوجودیکہ صدقہ کے لئے صحت ضروری ہے تاکہ انہیں ایام کے اعتبار سے صدقہ کی وصیت کر جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا مریض تھا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا تھا اور مرض ہی میں انتقال ہو گیا، روزہ رکھنے کے قابل صحت میسر نہیں ہوئی تو اس کے ذمہ فدیہ کی وصیت لازم نہیں، نہ ورثہ کو فدیۂ صوم دینا واجب ہے: "وكذا حكم الصوم

(۱) (لم أطلع على هذا الكتاب)

(۲) (راجع، ص: ۱۸۳، رقم الحاشية: ۴، و، ص: ۱۸۴، رقم الحاشية: ۱)

فی شهر رمضان إن أفطر فيه المسافر والمريض وماتا قبل الإقامة والصحة، لعدم إدراكهما عدةً من أيام أخر، فلايلزمهما الإيصاء به؛ لأنهما عذرا فی الأداء، فلأن يعذرا فی القضاء أولى"۔زيلعی"(۱)۔ وإذا لم يلزمهما القضاء لايلزمهما الإيصاء به". مراقی الفلاح ۔ مختصراً، ص: ۲٦٢ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مریض پر فدیہ صوم

سوال[۴۸۵۲]: اگر کوئی شخص اختلاطی دورہ میں مبتلا ہو، کیفیت ان کی یہ ہو کہ بغیر دوا کے صحت نہ ہوتی ہو اور نماز میں کبھی اس کی کیفیت یہ ہو کہ چار کی جگہ پانچ اور دوسجدوں کی جگہ تین سجدے، یا چار سجدے کرتا ہو اور رمضان کے روزے میں حالت اس کی غیر ہوتی ہو، حتی کہ ہوش وحواس بھی مختل ہو جاتے ہیں۔ اندریں صورت اس کو رمضان کے روزوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ روزے رکھنے کی طاقت بالکل نہیں ہے اور روزوں کی ادائیگی کی کیا شکل ہونا چاہیے؟ نیز کفارہ کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص میں بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اگر روزہ رکھے تو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہے تو اس کے لئے شرعاً اجازت ہے کہ رمضان شریف میں روزہ نہ رکھے، بلکہ صحت یاب ہو کر قضاء کرے(۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۱۹۱/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۳۷، فصل فی اسقاط الصلوٰة والصوم، قديمی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۷۲/۲، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۳۴۹/۱، كتاب الصوم، فصل فی الأعذار المبيحة للإفطار ومايتعلق بها، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(وكذا فی البحرالرائق: ۴۹۵/۲، فصل فی العوارض، رشيديه)

(۳) "(منها المرض) المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو، يفطر بالإجماع. وإن خاف =

اگر حالتِ مرض میں ہی مرگیا، صحت یاب نہیں ہوا تو اس پر قضاء، فدیہ کچھ واجب نہیں (۱)۔ اگر صحت یاب ہوکر روزوں کی قضاء نہیں کی اور مرگیا تو مرتے وقت اس پر وصیت واجب ہے، ورثہ اس کی طرف سے ایک ثلثِ ترکہ میں سے اس کے روزوں کا فدیہ دیں (۲)۔ ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ، یا اس کی قیمت کسی مسکین، غریب کو دیں یا پیٹ بھر کھانا کھلا دیں (۳)۔ اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ کچھ

= زيادة العلة وامتداده، فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۲۲، ۴۲۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(۱) "(فإن ماتوا فيه): أي في ذلك العذر (فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية، لعدم إدراكهم عدةً من أيام أخَر". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۲۳، ۴۲۴، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۳۵۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/۲۹۲، قديمي)

(۲) "(ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصية بقدر إدراكهم عدةً من أيام أخَر. (وفدى) لزوماً (عنه): أي عن الميت (وليُّه) الذي يتصرف في ماله (كالفطرة) قدراً (بعد قدرته عليه): أي على قضاء الصوم (وفوته) (بوصيته من الثلث)". (الدرالمختار). "(قوله: من الثلث): أي ثلث ماله بعد تجهيزه وإيفاء ديونه". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(۳) "(فيُطعم عنه وليُّه لكل يوم كالفطرة): أي وجب على الوليّ أن يؤدي فدية مافاتها من أيام الصيام كالفطرة عيناً أو قيمةً". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱/۳۶۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض، غفاريه كوئٹه) ...... =

واجب نہیں (۱)۔

اور جو شخص اس قدر بوڑھا ہوگیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں اور یہ بھی توقع نہیں کہ آئندہ اس میں اس قدر طاقت آئے گی، بلکہ روز بروز حالت کمزور ہی ہورہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا تو ایسے شخص کے لئے شرعاً حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں روزوں کا فدیہ دے دے (۲)، اس کی ضرورت نہیں کہ مرتے وقت وصیت کرے اور بعد میں اس کے ورثہ فدیہ دیں۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں فدیہ نہ دیا اور وصیت کی تو طریقۂ مذکورہ کے مطابق فدیہ دے دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/ ۴۲۲، سعيد)

(۱) "وإن لم يوص فتبرع به الورثة، جاز. وإن لم يتبرعوا، لم يلزمهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲/ ۲۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/ ۲۹۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/ ۲۰۷، رشيديه)

(۲) "(قوله: وللشيخ الفاني، وهو يفدي فقط): أي له الفطر، وعليه الفدية، وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع، لعدم وُرود نصٍ فيهم، ووروده في الشيخ الفاني، وهو الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت، ويسمى به (أي يسمّى الشيخ الفاني شيخاً فانياً) إما لأنه قرب من الفناء؛ أو لأنه فنيت قوته". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/ ۵۰۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي يبيح الإفطار: ۱/ ۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/ ۳۱، رشيديه)

(۳) "أو مريض خاف الزيادة الفطر وقضوا ماقدروا بلا فدية ولاءً، وقدم الأداء على القضاء، فإن ماتوا فيه فلا تجب الوصية بالفدية. ولو ماتوا بعد زوال العذر، وجبت، وفدى عنه وليُّه كالفطرة بعد قدرته عليه وفوته بوصية من الثلث. وإن تبرع وليُّه به، جاز. وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي". =

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں؟

سوال[۴۸۵۳]: ۱...... بغرضِ ادائے فدیۂ روزہ اور فطرۂ عید نرخِ بازار معتبر ہے؟ یا کنٹرول ریٹ جس کو دیا جانا مقصود ہے، اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے، بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گواتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگائی جائے۔

فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے

سوال[۴۸۵۴]: ۲...... فدیہ یا فطرہ کسی عالم دیندار شخص کو- جو صاحبِ حاجت ہوں، لیکن خرچ سے پریشان ہوں- دینا انسب ہے یا بالکل مسکین کو؟

فدیۂ صیام شروعِ رمضان میں دے یا اخیرِ رمضان میں؟

سوال[۴۸۵۵]: ۳...... آیا فدیۂ رمضان شریف شروع ہوتے ہی ادا کرنا ضروری ہے یا رمضان کے کچھ دن گذرنے پر بھی دے سکتے ہیں؟ نیت پہلے سے کر لی جائے کہ دوں گا؟ میرے گھر میں اور والدہ دونوں بے حد کمزور ہیں اور بیمار ہیں صحت وقوت بہت کم ہے اور نہ اس کے عود کرنے کی کوئی امید ہے۔

عبدالجلیل اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں، اس لئے بازاری نرخ سے دیں (۱)۔

۲...... دیندار حاجت مند کو دینا افضل ہے (۲)۔

= (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/ ۴۲۲-۴۲۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(۱) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة .... ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار: ۲/ ۲۸۵، ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، سعيد)

(۲) "وكره نقلها إلا إلى قرابة أوأحوج أوأصلح، أوأورع، أوأنفع للمسلمين. وفي المعراج: التصدق =

۳......شیخِ فانی کوفدیہ دینا شروعِ رمضان میں بھی درست ہے، اخیر میں بھی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۵ھ۔

ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف

سوال[۴۸۵۲]: اگر فدیہ کی اجازت ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہر روزہ کا فدیہ روزانہ ہی ادا کیا جائے یا پورے ماہ کے روزوں کا فدیہ یکمشت ختم رمضان پر یا پیشگی ہی ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر ایسا ممکن ہو تو ختمِ رمضان پر پورے ماہ کے فدیہ کے لئے کس قدر غلّہ دینا ضروری ہے؟ آیا بازاری بھاؤ کے اعتبار سے اس کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر قیمت ادا کی جاسکتی ہے تو آیا اس کا غرباء کو ہی تقسیم کرنا ضروری ہے یا کسی غریب عزیز کو بھی دیا جاسکتا ہے یا کسی مدرسہ کو بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس صورت میں فدیہ کا حکم ہے تو فدیہ یکمشت قبل رمضان اور بعد رمضان اور روزانہ جس طرح دل چاہے ادا کیا جاسکتا ہے، کوئی خاص پابندی نہیں۔ ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر غلّہ یا اس کی قیمت ہے، جو بازار کا عام بھاؤ ہو اس سے قیمت لگائی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۵ھ۔

= على العالم الفقير أفضل". (الدر المحتار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۵۳، ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۴۷۲، باب المصرف، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۱) "وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوباً ولو في أول الشهر: أى يخيّر بين دفعها في أوله أو آخره، كما في البحر". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۲۷، فصل في العوارض الخ، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۶۸۸، فصل في العوارض، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۷، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

(۲) "وفدىٰ لزوماً عنه وليُّه الذي يتصرف في ماله كالفطرة قدراً بعد قدرته عليه، وفوته بوصيته من الثلث، الخ". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار: ۲/ ۴۲۴، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

"ثم إن شاء أعطى الفدية في أول رمضان بمرة وإن شاء أخرها إلى آخره". (الفتاوىٰ العالمكيرية: =

کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا

سوال[۴۸۵۷] : کئی روزوں کے فدیہ کا اناج یا قیمت ایک فقیر کو دینا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے:"ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت، وفدى عنه وليه كالفطرة قدراً، اهـ". "(قوله: قدراً): أي التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذلايشترط التمليك هنا، بل تكفي الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هي مثل الفطرة من حيث الجنس وجواز أداء القيمة. وقال القهستاني: وإطلاق كلامه يدل على أنه لودفع إلى فقير جملةً، جاز، ولم يشترط العدد، ولاالمقدار، لكن لودفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، وبه يفتى". شامی: ۱/۱۶۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ،۶۶/۲/۲۷ھ۔

صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۶۶/۲/۲۷ھ۔



= ۱/۲۰۷، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

"لكل يوم نصف صاع من برأو قيمته بشرط دوام عجز الفاني.......... ثم إن شاء أعطى في أول رمضان، وإن شاء أعطى في آخره، ولايشترط في المدفوع إليه العدد". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۲۸۸، فصل في العوارض، قديمي)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۴۲۴، فصل في العوارض، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۲۸۸،فصل في العوارض، قديمي)

(وكذا في التاتارخانيه: ۲/۳۸۶،الفصل السابع الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القران كراچی)

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

ذی الحجہ کے روزے اور قربانی سے کھانے کی ابتداء

سوال[۴۸۵۸]: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا ایک روزہ ہے یا دو رکھنے چاہئے اور دس تاریخ کو کیا یہ ضروری ہے کہ روزہ قربانی کے گوشت سے کھولا جائے؟ فقط واللہ اعلم۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یکم ذی الحجہ سے ۹/ ذی الحجہ تک روزے رکھنا بہت ثواب ہے اور نویں ذی الحجہ کا ان روزوں میں سب سے زیادہ درجہ ہے(۱)۔ مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کو اپنی قربانی سے ابتدا کرے اس سے پہلے نہ کھائے، لیکن اس سے پہلے کھانا بھی مکروہ یا ناجائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" ما من أيام الدنيا أيام أحب إلى الله سبحانه أن يتعبد له فيها من أيام العشر، و إن صيام يوم فيها ليعدل صيام سنة، وليلة فيها بليلة القدر". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲۴، أبواب ماجاء في الصيام، باب صيام العشر، قديمي)

(جامع الترمذي: ۱/۱۵۸، أبواب الصوم، باب ما جاء في صيام العشر، سعيد)

(مشكوة المصابيح: ۱/۱۲۸، باب في الأضحية، قديمي)

(۲) "وفي الكبرى: الأكل قبل الصلوة يوم الأضحى هل هو مكروه؟ فيه روايتان، والمختار أنه لا يكره، لكن يستحب له أن لا يفعل". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۰، الباب السابع عشر في صلوة العيدين، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۸۴، باب صلوة العيدين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۱۷۶، ۱۷۷، باب العيدين، سعيد)

صرف دس محرم کو روزہ رکھنا

سوال[۴۸۵۹]: محرم کے دوروزے جوکہ مسنون ہیں، بجائے دو کے اگر ایک ہی رکھے تو کیا نا جائز ہے یا جائز ؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مکروہ تنزیہی ہے:"وأما القسم السادس و هو المكروه، فهو قسمان: مكروه تنزيهاً ومكروه تحريماً: الأول الذى كره تنزيهاً كصوم يوم عاشورا منفرداً عن التاسع أو عن الحادى عشر، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۳۵۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صوم یوم عاشورا

سوال[۴۸۶۰]: عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے، لیکن مکروہ ہونے کے ساتھ ثواب بھی ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عاشورہ کے فقط ایک روزہ پر کفایت کرنا مکروہ ہے، لیکن ثواب اس کا بھی ملے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

یوم عرفہ ونحر میں شک

سوال **استفتاء** [۴۸۶۱]: اوائلِ ذی الحجہ میں مختلف جگہوں سے ۲۹/ کے چاند کی خبر معلوم ہوئی،

---

(۱) (مراقی الفلاح علی نور الإيضاح: ۲۴۰، فصل فی صفة الصوم، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۲، الباب الثالث فيما يكره و ما لا يكره، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/ ۳۷۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "وأما القسم السادس و هو المكروه، فهو قسمان: مكروه تنزيهاً و مكروه تحريماً، الأول الذى كره تنزيهاً كصوم يوم عاشورا منفرداً عن التاسع أو عن الحادى عشر". (مراقی الفلاح علی نور الإيضاح، ص: ۲۴۰، فصل فی صفة الصوم، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۲، الباب الثالث فيما يكره و ما لا يكره، رشيديه) =

لیکن شرعی ثبوت نہ ہوا، پس اس صورت میں ۹/ ذی الحجہ جس کے متعلق یومِ عرفہ ویومِ نحر ہونے کا شک ہے، نفلی روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جائز وافضل ہے، لمافی الفیض وغیرہ: "لو وقع الشك في أن اليوم عرفة أو يوم النحر، فالأفضل فيه الصوم". شامی: ۸۷/۲(۱)۔

اور عمر کہتا ہے کہ مکروہ ہے، لما في مجالس الأبرار: "ما تردّد بين البدعة والسنة يتركه؛ لأن ترك البدعة لازم و أداء السنة غير لازم". ص: ۱۲۹، مجلس ثامن عشر(۲)۔

"أو كان في شيء وجوه كثيرة يوجب الحل و الجواز، ووجه واحد يوجب الحرمة وعدم الجواز، يرجح جانب الحرمة احتياطاً". مجالس، ص: ۵۵۱، مجلس: ۹۶(۳)۔

نیز عمر یہ بھی کہتا ہے کہ قربانی اس صورت میں دو دن تک کی جائے، تیسرے دن نہ کی جائے، بخلافِ زید کے کہ وہ کہتا ہے کہ بلاتردد تین دن تک کی جائے اور خالد کہتا ہے: بہتر یہ ہے کہ عرفہ مشکوکہ میں روزہ رکھا جائے اور تیسرے دن قربانی نہ کی جائے۔ کس کا قول صحیح ہے؟ جواب مدلل بحوالۂ کتب وعبارت عنایت ہو۔ فقط۔

مولوی محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زید کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، فقہاء نے ہلالِ رمضان کے مسئلہ میں اختلافِ مطالع کو معتبر نہیں مانا۔ ذی الحجہ کے متعلق جو احکام ہیں جیسے: حج، صوم، عرفہ، اضحیہ ان میں معتبر ہے، جب ثبوتِ رؤیت کے باوجود ان مسائل میں صحت کا حکم ہے تو محض شک کی صورت میں نفلی روزہ اور اضحیہ کی ممانعت نہ کی جائے گی۔

"[تنبيه]: يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا

= (وكذا في الدر المختار: ۳۷۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۱) (ردالمحتار: ۳۸۱/۲، كتاب الصوم، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) "إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة مع أنه يمكن التسوية قبل الشروع". (رد المحتار: ۶۴۲/۳، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب إذا تردد الحكم، سعيد)

(۳) "القاعدة الثانية: "إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام".

"فمن فروعها: ما إذا تعارض دليلان، أحدهما يقتضي التحريم والآخر الإباحة، قدّم التحريم".
(الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۱، النوع الثاني من القواعد، القاعدة الثانية الخ، دار الفكر بيروت)

یلزمهم شيء لو ظهر أنه رؤي في بلدة أخرى قبلهم بيوم. وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحجاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر". شامی: ۲/۹۶(۱)۔

اگر کوئی شخص جانبِ احوط وتنزہ کو اختیار کرے اس کی ممانعت نہیں، مگر روزہ یا اضحیہ کی ممانعت کا حکم نہیں کیا جاسکتا محض شک سے حلت وحرمت کے احکام صادر نہیں ہوتے۔ مجالس الابرار کی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر مسئلۂ واحدہ میں دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہوں تب یہ حکم ہوگا، اس قسم کی عبارات شامی وبحر وغیرہ میں بھی موجود ہیں (۲)، مگر صورتِ مسئولہ میں تو عدمِ حرمت پہلے سے متعین ہے اور جو دلیلِ حرمت میں شک ہے: "والیقین لا یزول بالشك" (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولی/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولی/ ۶۹ھ۔

ہمیشہ روزہ رکھنا

سوال [۴۸۶۲]: ایک شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے، جائز ہے یا نہیں اور اس کو ہمیشہ رکھنے کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

الہ بخش محلّہ بازداران سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ہمیشہ روزہ رکھنا اس طرح کہ ایامِ منہیہ میں بھی روزہ رکھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے (۴)، اگر ایامِ منہیہ میں

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم قبيل باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، سعيد)

(۲) "إذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام". (الدرالمختار: ۱/۱۷۶، كتاب الطهارة، سعيد)

(۳) "القاعدة الثانية: اليقين لا يزول بالشك". (الأشباه والنظائر، ص: ۶۰، دار الفكر، بيروت)

(۴) "ويكره صوم يوم العيدين و أيام التشريق، وإن صام فيها كان صائماً عندنا". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

"ويكره أن يصوم يومين لا يفطر بينهما، وكذا صوم الوصال، و هو أن يصوم السنة و لا يفطر =

روزہ نہ رکھے اور تمام سال روزہ رکھے تو اس میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ عادت ہوجاتی ہے عبادت نہیں رہتی، یا اس سے ضعف زیادہ ہوجاتا ہے، كما مر في مراقي الفلاح، ص: ٣٧٤(١) بعض نے کہا ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور یہی مختار ہے، لہٰذا ثواب ہوگا، كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٩(٢)۔

صوم داؤد علیہ السلام افضل ہے، وہ یہ کہ ایک دن روزہ رکھے، دوسرے دن افطار کرے(٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۳/محرم/۵۷ھ۔

تنہا جمعہ کا روزہ

سوال[۴۸۶۳]: یہ جو مشہور ہے کہ صرف جمعہ کے روز نفل روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس سے پہلے یا

= في الأيام المنهية". (فتاوىٰ قاضي خان: ١/٢٠٥، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

(١) "و كره صوم الدهر؛ لأنه يضعفه أو يصير طبعاً له، ومبنى العبادة على مخالفة العادة". (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ٦٤١، فصل في صفة الصوم، قديمي)

(و كذا في الدر المختار: ٢/٣٧٦، كتاب الصوم، سعيد)

(٢) "ويكره صوم الوصال و هو أن يصوم السنة كلها، ولا يفطر في الأيام المنهي عنها، و إذا أفطر في الأيام المنهية المختار أنه لا بأس .... والأفضل أن يصوم يوماً و يفطر يوماً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٢٠١، الباب الثالث فيما يكره للصائم، رشيديه)

(و كذا في فتاوىٰ قاضي خان: ١/٢٠٥، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

(٣) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا عبد الله! .... "قال: صم أفضل الصوم صوم داود: صيام يوم وإفطار يوم، واقرأ في كل سبع ليال مرةً، ولا تزد على ذالك". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، ص: ١٧٩، قديمي)

بعد کا دن ملا لیا جائے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، بعض روایات میں صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے، اس لئے اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد بھی ملا لینا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/ ۶۸ھ۔

کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے؟

سوال[۴۸۶۴]: شعبان کے چاند کا پتہ نہ چلا کہ ۲۹/ کا ہوا یا ۳۰/ کا بوجہ ابر غلیظ ہونے کے، اس وجہ سے شہادت دو ہوئی، بعض نے پیر کو ۲۹/ کا چاند شمار کر کے کیا اور بعض نے منگل کو ۳۰/ شمار کیا اور ابر کی وجہ سے رمضان میں بھی اختلاف ہوا، جس کے اعتبار سے پیر کی شب برات ہوئی ان کے اعتبار سے بدھ کی ۳۰/ ہوئی اور منگل والوں کے لئے جمعرات کی ۳۰/ ہوئی، ایک عالم کے پاس گئے جمعرات کے روزہ کے واسطے دریافت کرنے کے لئے، انہوں نے کہا میں بدھ کو روزہ رکھوں گا تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو یا نہ رکھو اور میں بحیثیت مفتی ہونے کے یوم شک میں روزہ رکھوں گا۔

اب اس شخص کو اطمینان نہ ہوا اور دوسرے عالم کے پاس گیا کہ کوئی اطمینان بخش جواب دیں، انہوں نے شعبان کا چاند بوجۂ عدم رؤیت پورے ۳۰/ دن رجب کے شمار کر کے شعبان کے ایام شمار کئے گئے تو بدھ کی ۲۹/ اور جمعرات کی ۳۰/ ہوئی اور شعبان کی رویت کا ۲۹/ یا ۳۰/ کا ثبوت نہیں ملا اور نہ باہر سے شعبان کے چاند کی رؤیت کی خبر ملی اس وجہ سے شعبان ۳۰/ دن شمار کئے، اب حساب سے بدھ کی ۲۹/ ہوتی ہے، اس عالم نے

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله أو يصوم بعده". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۷۹، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۶۶، كتاب الصوم، باب صوم يوم الجمعة، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۳۶۰، كتاب الصيام، باب كراهة إفراد يوم الجمعة بصوم الخ، قديمي)

جمعرات کو یوم شک قرار دیکر اوراس چاند کو پوراتیس دن کا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ چاند کا کوئی ثبوت نہیں ملا بوجہٗ ابر کے، لہذا اس وجہ سے عالم نے جمعرات کے روزے سے منع کر دیا اوراس کو مکروہ تحریمی قرار دیا، اس نے عالم سے دلیل مانگی تو عالم نے یہ عبارت پڑھی:

" و ینبغی للناس أن یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان، فإن غمّ علیکم الهلال، أکملوا العدة الشعبان ثلاثین یوماً، ثم صاموا. لا یصام یوم الشك، لقوله علیه السلام:" من صام یوم الشك فقد عصیٰ أبا القاسم". فإن علم لیلة الشك لا یصام. "لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤیته وأفطروا لرؤیته، فإن حال بینکم و بینه سحاب، فأکملوا العدة ثلاثین، ولا ستصالوا العدة الشهر استقبالاً"۔

لہذا ان دلائل کی وجہ سے عالم نے رمضان کا روزہ جمعرات کے دن مکروہ تحریمی قرار دیا اور حکم دیا کہ لوگوں سے منادی کرائی جائے کہ جمعرات کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ اب عالم نمبر: ۱، وعالم نمبر: ۲، کے اختلاف کی بنا پر بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھ کر دن میں توڑ دیا عالم دوم کے کہنے پر۔ عالم اول کا کہنا ہے کہ گناہ ہوا اور اس کی کوئی حد نہیں ہوسکتی، عالم دوم نے کہا نہ قضاء ہے نہ کفارہ، وہ دن ہی رمضان کا نہیں۔ اس حالت میں یوم الشک قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ فقط۔

خاکسار عبدالحمید ضلع بجنور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۲۹/ تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے جب چاند نظر نہ آئے، نہ شرعی شہادت حاصل ہو تو مہینہ ۳۰/ کا شمار کرنا چاہئے، محض احتمال کی وجہ سے اگلے روز آئندہ ماہ کی یکم قرار دینا درست نہیں، یہ حکم رجب، شعبان، رمضان وغیرہ ہر ماہ کے لئے عام ہے۔ عالم نمبر: ۱، نے صورتِ مسئولہ میں جو مفتی ہونے کی حیثیت سے یوم الشک میں روزہ رکھا ہے درست ہے اور یہ بھی حکم شریعت کا ہے، لیکن یہ روزہ رمضان کا نہیں، بلکہ خالص نفلی روزہ ہے۔ عالم نمبر: ۱، سے دو قسم کی کوتاہی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے عوام کو بتایا نہیں کہ یہ نفلی روزہ ہے جس سے عوام سمجھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے کہ انہوں نے یوم الشک میں عوام کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا، حالانکہ عوام کے لئے یہ حکم نہیں ہے، بلکہ عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ زوال تک انتظار کرلیں کہ ممکن ہے کہ کہیں سے شہادت آ جائے

پھر اگر زوال تک شہادت نہ آئے تو اس وقت کھائیں پئیں۔ نیز عالم نمبر:۱کو اپنے روزہ کا اولاً اخفاء کرنا چاہئے تھا، اگر اظہار کی ضرورت پر اظہار کرتے تو رمضان ہونے کا شبہ نہ ہوتا۔

عالم نمبر:۲ نے یوم الشک کے روزہ کو مکروہ تحریمی فرمایا یہ صحیح ہے، مگر دو قسم کی کوتاہی ان سے بھی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کیسا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عالم نمبر:۱ نے جو روزہ رکھا ہے وہ بھی مکروہ تحریمی ہے، حالانکہ جمعرات کو زوال کے وقت تک انتظار کا حکم دینا چاہئے تھا، اگر شہادت نہ آتی تب کھانے پینے کا حکم دیتے۔ نیز عالم نمبر:۲ نے یہ بھی تفصیل نہیں کی کہ مفتی کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی نہیں (کیونکہ وہ خالص نفلی روزہ رکھتا ہے) اور عوام کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ وہ اس کو رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھتے ہیں جب کہ ثبوت رمضان کا تہبں ہوا۔ اور لوگوں نے روزہ توڑ دیا خواہ خود توڑ دیا یا عالم نمبر:۲ کے کہنے پر توڑا تو عالم نمبر:۱ نے ان کے ذمہ قضاء وکفارہ کا لزوم کس دلیل سے کیا، ان سے مطالبہ کیا جائے:

"و كره فيه: أي يوم الشك كل صوم من فرضٍ و واجب و صوم ردّد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفلٍ جزم به بلا ترديد بينه و بين صوم اخر، فإنه لا يكره لحديث السرار إذا كان على وجه لا يعلم العوام ذلك ليعتادوا صومه. و إن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كانت، وهو ما إذا ظهر أنه من رمضان فإنه يجزئ عنه، فكأنه لم يشرع ملتزماً بل مسقطاً من الوجه، فلا قضاء عليه لو أفسده. والمختار أن يأمر المفتي العامة بإظهار النداء بالتلوم: أي بالانتظار بلا نية صوم في ابتداء يوم الشك، ثم يأمر العامة بالإفطار إذاذهب وقت إنشاء النية، ولم يتبين الحال، ويصوم فيه نفلاً المفتي والقاضي، اهـ". مراقي الفلاح و طحطاوي مختصراً، ص:۳۵۵(۱)۔

"و لا يصام يوم الشك إلا نفلاً، و يكره غيره، ولو جزم أن يكون عن رمضان، كره تحريماً، والتنفل فيه أحب إن وافق صوماً يعتاده، وإلا يصومه الخواص و يفطر غيرهم بعد

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، ۶۵۰، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

الزوال، به يفتي، اهـ". درمختار: ۲/۱۳٤(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ رمضان/۶۲ھ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ رمضان/۶۲ھ۔

یوم الشک کا روزہ

سوال [۴۸۶۵]: ۲۹/شعبان کو مطلع صاف تھا بالکل اور چاند نظر نہیں آیا، ۳۰/شعبان کو زید نے اس نیت سے روزہ رکھا کہ اگر شہادت کی بنا پر روزہ ہوگیا تو فرض ورنہ نفل۔ بکر نے ۳۰/......شعبان کو بلاتردد نفل روزہ رکھا، کچھ روز بعد شرعی شہادت سے ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید، بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رمضان شریف کا روزہ دونوں سے ادا ہوگیا، بکر کا بلا کراہت اور زید کے روزہ میں اس تردد کی وجہ سے کچھ کراہت آگئی، تاہم قضاء کسی کے ذمہ نہیں:

"وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كان ....

وأما كراهية النفل مع التردد، فلأنه ناوٍ للفرض من وجه، وهو أن يقول: إن كان غداً من رمضان فعنه، وإلا فتطوع، الخ". مراقی الفلاح، ص: ۳۷۷(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۹/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۳۸۱، کتاب الصوم، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالا يكره، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۰۶، ۲۰۷، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، ۶۴۸، کتاب الصوم، فصل فیما یثبت به الهلال، قدیمی)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۸۱، کتاب الصوم، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۰۶، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

صوم یوم الشک

سوال[۴۸۶۶]: امسال رمضان میں جن لوگوں نے رمضان شریف کا روزہ رکھا تھا یعنی ان کے زعم میں ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان ہو چکی تھی، لہذا اس حساب سے ان کے ۳۰/ یوم کے روزے پورے ہو گئے یا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیا ان کو بھی ایک روزہ مثل ان لوگوں کے جنہوں نے اس روز روزہ نہیں رکھا تھا بعد میں بموجب فتویٰ دہلی رکھنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا چاند دیکھے محض شک کی بنیاد پر تیس شعبان کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ ہے، تاہم جن لوگوں نے ایسا کیا، ان کے روزے مکروہ ہو گئے، اب ان کے ذمہ ایک روزہ کی قضاء لازم نہیں:

"و كره فيه: أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب و صوم ردد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفل، جزم به بلا ترديد بينه و بين صوم اخر، فإنه لا يكره، وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كانت". مراقی الفلاح مختصراً، ص: ۳۷۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

چند مخصوص تاریخوں کا روزہ

سوال[۴۸۶۷]: لوگوں میں مشہور ہے کہ سال بھر میں پانچ روزے ایسے ہیں جن کے رکھنے کا ثواب ایک ہزار برس کے روزوں کے برابر ہیں: ۱-۲۷/ رجب کو۔ ۲-۲۵/ ذی قعدہ کو۔ ۳-۱۸ ذی الحج کو۔ ۴-۲۲/ محرم کو۔ ۵-۱۲/ ربیع الاول کو۔ براہ کرم اگر ان روزوں کا ثبوت ہو تب بھی، نہ ہو جب بھی نظام میں شائع

---

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ٦٤٧، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمی)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۰، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالا يكره، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۲۰٦، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

فرمادیں، کیونکہ اس مسئلہ میں ابوتراب کاکوریؒ کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی ہے، انہوں نے بغیر حوالہ کے لکھا ہے جس سے تشویش ہوتی ہے۔

الجواب حامداًو مصلیاً :

۲۷/ رجب، ۲۵/ ذی قعدہ، ۱۸/ ذی الحجہ، ۲۲/محرم، ۱۲/ ربیع الاول، ان پانچ دن کے روزوں کے متعلق کوئی صحیح حدیث کتبِ حدیث میں مذکورنہیں، نہ فقہاء نے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی ہے۔عوام میں ۲۷/ رجب کے متعلق بہت بڑی فضیلت مشہور ہے، مگر وہ غلط ہے، اس فضیلت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس نیت سے روزہ رکھنا بھی غلط ہے "ماثبت بالسنة "وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

گرمی کے روزہ کا ثواب زیادہ ہے

سوال[۴۸۶۸] : کیا روزہ دار اس رمضان میں جس میں روزہ گرمیوں میں پڑے زیادہ ثواب کی امید کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گرمی کے ایام میں روزہ کا ثواب زیادہ ملنا تو اس کلیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے:"أجرك علی قدر تعبك". نیز افطار کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا فرمانا ثابت ہے:"کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إذا أفطر قال: "ذهب الظمأ، و ابتلّت العروق، وثبت الأجر إنشاء الله تعالى، اهـ". ابوداؤد شریف(۲)۔

---

(۱) "ثم اعلم أنا لم نجد فی کتب الأحادیث لا إثباتاً ولا نفیاً مااشتهر بینهم من تخصیص الخامس عشرين من رجب بالتعظیم والصوم والصلوة وتسمیته صوم الاستفتاح و تسمیته بِمَرُیمُ روزه". (ماثبت بالسنة ،ص: ۷۷)

(۲) (سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۲۱، کتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، إمدادیه ملتان)

(فیض القدیر : ۹/ ۴۶۴۴، (رقم الحدیث : ۶۵۸۹)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

روزہ میں جس قدر پیاس کی شدت ہوگی، رگیں خشک ہوجائیں گی اسی قدر اجر زیادہ ملے گا (انشاء اللہ)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بعد عصر نہ کھانے سے روزہ کا ثواب

سوال [۴۸۶۹]: کچھ آدمی عصر ومغرب کے درمیان بالکل کھانا پینا بند کردیتے ہیں، حالانکہ دنیا کے اورکام کرتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ نفل روزہ کا ثواب ملے گا، یہ کہاں تک صحیح ہے اوراس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بالکل جہالت ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا

سوال [۴۸۷۰]: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم:"إذا کانت لیلة النصف من شعبان، فقوموا لیلها، وصوموا یومها، فإن اللّٰہ تعالی ینزل فیها لغروب الشمس إلی السماء الدنیا، فیقول اللّٰہ تعالیٰ: (ألا من مستغفر فأغفرله، ألامن مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلی فأعافیه، ألاکذا ألاکذا)، حتی یطلع الفجر". رواہ ابن ماجه". مشکوۃ

(۱) "هو(أی الصوم) إمساک من المفطرات حقیقةً أو حکماً فی وقت مخصوص وهو الیوم، من شخص مخصوص مع النیة المعهودة". (الدرالمختار). "(قوله: و هوالیوم): أی الیوم الشرعی من طلوع الفجر إلی الغروب". (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۳۷۰، ۳۷۱، سعید)

شریف، ص: ۱۱۵ (۱)۔ ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ: ۱۰۰ پر ہے (۲)۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

"ویجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فى الأسانيد ورواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه فى غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لاتعلق له بالعقائد والأحكام، اه". تدريب الراوى، ص: ۱۹۲ (۳)۔

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔



(۱) (مشكوة المصابيح، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قديمى)

(۲) (ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى صلوة التسبيح، ص: ۱۰۰، مير محمد كتب خانه)

(۳) (تدريب الراوى، ص: ۲۵۲، قديمى)

فصل فی التسحر و الإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

سحری کے لئے اذان

سوال[۴۸۷۱]: سحری تناول کرنے سے پہلے ماہ رمضان شریف میں اذان جگانے اور سحری کھانے کے لئے دی جائے۔ تو کیا یہ اذان بموجب شریعت جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نقارہ وغیرہ کے ذریعہ سونے والوں کو جگادیا جائے، سحری تناول کرنے کے لئے اذان نہ دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۹/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۹/۲۶ھ۔

سحری اور افطاری کے وقت ڈھول بجانا

سوال[۴۸۷۲]: کیا سحری وافطار و نماز جمعہ وعیدین کے لئے جمع ہونے کے واسطے کوئی باجا، یا

---

(۱) "و لیس لغیر الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات و التراویح والعیدین أذان و لا إقامة". (الفتاویٰ العالمكیریة، الباب الثانی فی الأذان : ۱/۵۳، رشیدیه)

(و كذا فی الحلبی الكبیر، ص: ۳۷۲، كتاب الصلوة، فصل فی السنن، سهیل اكیدمی لاهور)

(واللباب فی شرح الكتاب : ۱/۷۴، باب الأذان، قدیمی)

قال ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: " و عند أبی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالیٰ لا یؤذن فی الفجر قبله، لما رواه البیهقی أنه علیه الصلوة والسلام قال: "یا بلال! لا تؤذن حتی یطلع الفجر ". (البحر الرائق : ۱/۴۵۷، كتاب الصلوة، باب الأذان، رشیدیه)

دف، یا نقارہ، یا ڈھول، یا بارود کا گولہ، یا گھنٹہ بجانا درست ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تمام باجے یا کوئی خاص باجا مثلاً دف اور جملہ امور شادی بیاہ بارات نکاح کے لئے جائز ہے، یا صرف وہی امور مثل مذکورہ بالا کے لئے جائز ہے؟ اور مسجد کی چھت یا مسجد کے فرش یا مینار یا برج پر بھی جائز ہے اور افطاری کے وقت قبل اذان یا بعد اذان بجانا چاہئے؟ بعض مقام ایسے ہی ہیں جس جگہ اہلِ ہنود اس رحمتِ عظمیٰ سے منع کرتے ہیں یعنی اذان بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے، اس جگہ یہ نقارہ وغیرہ بجادیا جائے یا عام جگہ؟ اور اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جو موافقت کرے غیر قوم کی، وہ انہیں میں سے ہے۔ تمام باجوں کے ساتھ شیطان ہے یا تمام کاموں کے واسطے فرمایا منادی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سحری کا یا افطاری کا وقت معلوم نہ ہوتا ہو اور روزوں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، بارود کا گولہ بنانا درست ہے (۱)، لیکن مسجد یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے، بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان یا بلند مقام پر چاہیے، کیونکہ یہ چیز احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۲)۔ نماز کے لئے شریعت نے اذان مقرر فرمادی

---

(۱) "یتسحر بقول عدل، وکذا بضرب الطبول، واختلف فی الدیک. وأما الإفطار، فلا یجوز بقول الواحد بل بالمثنی، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا کان عدلاً صدقه .... و بالأولیٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث فی زماننا، لاحتمال کونه لغیره؛ ولأن الغالب کون الضارب غیر عدل، فلا بد حینئذ من التحری فیجوز". (رد المحتار: ۲/۴۰۷، مطلب: جواز الإفطار بالتحری، سعید)

"وقد یقال: إن المدفع فی زماننا یفید غلبة الظن وإن کان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن المؤقت یذهب إلی دار الحکم آخر النهار فیعین له وقت ضربه ویعینه آنفاً للوزیر وغیره، وإذ اضربه یکون ذلک بمراقبة الوزیر وأعوانه للوقت المعین، فیغلب علی الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد، وإلا لزم تأثیم الناس وإیجاب قضاء الشهر بتمامه علیهم، فإن غالبهم یفطر بمجرد سماع المدفع من غیر تحر ولا غلبة ظن، والله تعالیٰ أعلم". (ردالمحتار، مطلب فی جواز الإفطار بالتحری: ۲/۴۰۷، سعید)

(۲) قال القرطبی: "وتصان المساجد أیضاً عن البیع والشراء وجمیع الاشتغال؛ لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم للرجل الذی دعا إلی الجمل الأحمر: "لاوجدت، إنما بنیت المساجد لِمَا بنیت له" .... =

ہے، لہٰذا اس کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں (۱)۔ نماز عید کے وقت کا پہلے سے اعلان کر دیا جائے جب کہ اذان کی ممانعت اس جگہ ہے تو اس قدر بلند آواز سے نہ کہی جائے جس سے نا قابلِ برداشت فتنہ پیدا ہو، لیکن بالکل ترک کرنا بھی نہیں چاہیے، بلکہ کسی قدر درست آواز سے کہہ لیا کریں، آخر تکبیر بھی تو کہتے ہی ہوں گے، اس سے کچھ اور بلند آواز سے کہہ لیں۔ نکاح کے اعلان کے لئے دُف بجانا بغیر ساز کے درست ہے (۲) اور کسی باجے کی کسی کام کے لئے قطعاً اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

= وهذا يدل على أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن". (الجامع أحكام القرآن: ۱۲/ ۱۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"السادس أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۱) قال العلامة النووي رحمه الله: "فقد صح في حديث عبدالله بن زيد بن عبد ربه في سنن أبي داؤد والترمذي وغيرهما أنه رأى الأذان في المنام، فجاء إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخبره به، فجاء عمر رضي الله تعالىٰ عنه فقال: يارسول الله! والذي بعثك بالحق! لقد رأيت مثل الذي رأى -وذكر الحديث- فهذا ظاهره أنه كان في مجلس آخر، فيكون الواقع الإعلام أولاً، ثم رأى عبدالله بن زيد الأذان فشرعه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد ذلك إما بوحي وإما باجتهاده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على مذهب الجمهور في جواز الاجتهاد وليس هو عملاً بمجرد المنام، وهذا مالاشك فيه". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۱/ ۱۶۴، كتاب الصلوة، باب الأذان، قديمي)

(۲) قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ في شرح حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: "واضربوا عليه بالدفوف":

"قال الفقهاء: المراد بالدف ما لاجلاجل له. كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ۶/ ۲۱۲، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

(۳) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "ومما ذكرنا يعلم ما في الاستدلال بها على حرمة الملاهي كالرباب والجنك والسنطير والكمنجة والمزمار وغيرها من الآلات المطربة .... أنه صلى الله =

سحر وافطار کی اطلاع بذریعۂ سائرن

سوال[۴۸۷۳]: شہر سہارنپور میں عرصۂ دراز سے رمضان المبارک میں سحر وافطار کے وقت گولے چھوڑے جاتے ہیں، اب تقریباً آٹھ دس جگہ گولے چھوڑے جاتے ہیں اوران میں تھوڑا لیٹ ٹائم میں فرق ہوجاتا ہےاورتقریباً چالیس روپے روزانہ خرچ ہوتے ہیں، جامع مسجد میں تین سو روپے ہر سال خرچ آتا ہے۔ اور گولا سبزی منڈی میں چھوڑا جاتا ہے، ایسی صورت میں کسی کو چوٹ آجانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ناحق جھگڑا کھڑا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر جامع مسجد کی طرف سے ایک سائرن خریدلیا جائے تو تمام شہر کو آواز پہونچ جائے اور سحر وافطار صحیح طریقہ پر ہوجائے اور رقم بھی بچ جائے۔ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہاں سحر وافطار کی اطلاع جامع مسجد کے ذمہ ہے تو موجودہ انتشار کا دفعیہ، جھگڑے سے تحفظ سائرن سے ہوجائے تو ذمہ دارانِ جامع مسجد کے مشورہ سے سائرن خرید سکتے ہیں، اس کو مسجد سے باہر کسی سہ دری وغیرہ میں رکھا جائے، اگر رائے متفق نہ ہوتو اہلِ وسعت اس کا انتظام کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۴۰۱ھ۔

جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں اس سے سحری کے لئے جگانا

سوال[۴۸۷۴]: لاؤڈ اسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، کچھ قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لئے جگانا جائز ہے یانہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے یانہیں؟ اور

= تعالیٰ علیہ وسلم قال: "لیکونن فی أمتی قوم یستحلون الخزّ والخمر والمعازف" وھو صریح فی تحریم جمیع آلآت اللھو المطربۃ". (روح المعانی: ۷۶/۲۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "یتسحر بقول عدل، وکذا بضرب الطبول، واختلف فی الدیک. وأما الإفطار فلا یجوز بقول الواحد بل بالمثنی، و ظاھر الجواب أنہ لا بأس بہ إذا کان عدلاً صدقہ .... و بالأولیٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث فی زماننا، لاحتمال کونہ لغیرہ؛ ولأن الغالب کون الضارب غیر عدل، فلا بد حینئذ من التحری فیجوز". (رد المحتار: ۴۰۷/۲، مطلب: جواز الإفطار بالتحری، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱۹۵/۱، کتاب الصوم، الباب الأول فی تعریفہ، رشیدیہ)

لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے یا کھانا کھاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح فحش گانے گا کر سحری کے لئے جگانا ممنوع ہے، احترامِ رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہ بھی ناجائز ہے، شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے(۱)، اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہل علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۱۳۹۰ھ۔

غروبِ شمس کی علامت کیا ہے؟

سوال[۴۸۷۵]: افطار غروبِ شمس کے بعد فوراً ہونا چاہئے، لیکن غروبِ شمس ہے کیا؟ کیا شمس کی طرفِ اعلیٰ کا آنکھ سے غائب ہونے کا نام ہے، یا کہ غروبِ شمس کے لئے ظلمت من المشرق بھی ضروری ہے جس طرح شامی جلد:۲، میں شرط لگائی ہے؟

---

(۱) "اختلفوا فی التغنی المجرد، قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً، والاستماع إليه معصية، وهو اختيار شيخ الإسلام .... قال رحمه الله تعالیٰ: السماع والقول والرقص الذی يفعله المتصوّفة فی زماننا حرامٌ لايجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء والمزامير سواء .... وسئل أبويوسف رحمه الله تعالیٰ عن الدف أتكرهه فی غير العرس بأن تضرب المرأة فی غير فسق للصبی؟ قال: لا أكرهه، وأما الذی يجیئ منه اللعب الفاحش للغناء، فإنی أكرهه، كذا فی محيط السرخسی". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو وسائر المعاصی والأمر بالمعروف: ۵/ ۳۵۱، ۳۵۲، رشيديه)

(۲) "أدی إلی رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغی أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثتُه أو استقرضتُه من رجل، كذا فی الينابيع .... آكل الربا وكاسب الحرام أهدی إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۲، ۳۴۳، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس وقت جرمِ شمس غائب ہوتا ہے جب ہی مشرق سے ظلمت ظاہر ہوتی ہے، چونکہ ہر شخص کی نظر جرمِ شمس پر نہیں پڑتی اس لئے ظہورِ ظلمت کو اس کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک حسّی چیز ہے جس کو ہر شخص پہچان لیتا ہے، شامی کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟ اور نمک وادرک سے افطار کرنا

سوال [۴۸۷۶]: ہمارے یہاں لوگ نمک وادرک سے یا چاول، ادرک ونمک سے افطار کرتے ہیں اور اس کو شریعت سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کہیں جاتے ہیں اور لوٹنے میں راستہ میں افطار کرنا ہوگا، یہ سمجھ کر تھوڑا چاول ونمک باندھ لیتے ہیں۔ اسے ایک صاحب نے بے بنیاد اور بدعت کہا ہے اور کہا ہے کہ افضل خرما سے، پھر میٹھی چیز سے، پھر پانی سے افطار کرنا ہے۔ ان صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمک یا ادرک یا چاول سے افطار کو سنت یا مستحب سمجھنا اور اس کو حکمِ شرعی تصور کرنا غلط اور بے اصل ہے، ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور سے افطار کرنا سنت سے ثابت ہے اور اگر کھجور میسر نہ آئے تو خشک چھوارے سے، وہ بھی نہ ہو تو پانی سے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "و يستحب السحور و تأخيره و تعجيل الفطر". (الدر المختار). "أي إلا في يوم غيم، ولا يفطر مالم يغلب على ظنه غروب الشمس، وإن أذن المؤذن، بحر عن البزازية. و فيه عن شرح الجامع لقاضيخان: التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم. قال في الفيض: و من كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لا يفطر مالم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله".

(رد المحتار ۲/ ۴۱۹، ۴۲۰، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "عن سلمان بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كان =

بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار

سوال [۴۸۷۷]: ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ اکثر وبیشتر آم، امرود، وبیر وغیرہ کی بیع پھول اور پھل آنے سے قبل کردی جاتی ہے، اس قسم کے پھل کھانا حرام یا مکروہ ہے، حضرت تھانویؒ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کے پھل نہیں کھاتے تھے، مگر دور حاضر کے علماء وصلحاء واتقیاء کی اکثریت اس قسم کے کھانے سے قطعاً احتراز نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اس کو بلا تکلف کھاتے ہیں اور ناجائز بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ تو کیا اس کی وجہ سے کچھ گنجائش نکل آئی ہے اور حرمت میں کچھ تخفیف ہوگئی ہے؟ نیز رمضان المبارک میں اس قسم کے پھلوں سے افطار کرنا کیسا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ: "رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع" (۱) کے تحت فضائل رمضان المبارک میں رقمطراز ہیں کہ: "اس سے مراد مالِ حرام سے افطار کرنا ہے" (۲)۔ کیا ثمراتِ مذکورہ سے روزہ افطار کرنا تو اس میں داخل نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ بیع باطل ہے (۳)، جس پھل کے متعلق پختہ معلوم ہو کہ اس کی بیع باطل ہوئی ہے، اس کا کھانا جائز

= أحدكم صائماً فليفطر على التمر، فإن لم يجد التمر فعلى الماء، فإن الماء طهور". (سنن أبي داود: ۱/۳۲۸، كتاب الصيام، باب ما يفطر عليه، إمداديه ملتان)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من وجد تمراً فليفطر عليه، و من لا، فليفطر على ماء، فإن الماء طهور". (جامع الترمذي: ۱/۱۴۹، كتاب الصوم، باب ما يستحب عليه الإفطار، سعيد)

(۱) (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الغيبة والرفث للصائم، كتاب الصيام: ۱/۱۲۱، قديمي)

(۲) (فضائل أعمال، فصل أول، ص: ۲۶۰، كتب خانه فيضي لاهور)

(۳) قال ابن عابدين: "قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار: ۴/۵۵۵، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً وما لايدخل، سعيد)

وفي التكملة: "أن تباع الثمار قبل ظهورها، و هذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل =

نہیں، نہ افطار میں نہ بغیر رمضان کے۔ حضرت تھانوی کے متعلق یقین ہے کہ وہ ایسا پھل نوش نہیں فرماتے تھے، مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ پھل بالکل ہی نوش نہیں فرماتے تھے۔ اگر کاشت کی زمین کو سال دو سال کے لئے اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی پیداوار درست ہے(۱)، بہت سے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں، اس لئے پھل کو کلیۃً ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۹۰ھ۔

نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ بعد

سوال[۴۸۷۸]: رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب کی نماز کی جماعت میں کتنی دیر کی تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے لئے افطار کے فوراً بعد کھڑا ہونا چاہیے، کچھ کہتے ہیں کہ محلے کے لوگوں کے آنے کے بعد دس منٹ تک انتظار کیا جاسکتا ہے۔ برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اذان و جماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ پابندِ جماعت افطار سے فارغ ہوکر کلی وغیرہ کرلیں اور شروعِ جماعت سے شریک ہوسکیں۔ جو لوگ اپنے مکان پر افطار کرتے ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں اور اپنے انتظار میں تمام حاضرینِ مسجد کو نہ روکے رہیں، آپس کی مصالحت سے وہاں کے

= أو لا". (تكملة فتح الملهم: ۱/ ۳۹۳)

"عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان الناس .... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما كثرت عنده الخصومة في ذلك: "فأما لا، فلا تبايعوا حتى يبدوا صلاح الثمر". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۳۹، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل بدو الصلاح)

(۱) قال الشیخ المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: "اس کے جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپے ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دیدیں اور پھلوں کی جو آخری مدت ہے وہ اجارہ کے لئے متعین کی جائے تو اس طرح پھلوں کا درخت پر رکھنا جائز ہوگا"۔ (کفایت المفتی: ۸/ ۳۴، کتاب البیوع، باب بیع باطل و فاسد، دارالاشاعت)

اعتبار سے ۵، ۱۰/ منٹ جیسا مناسب ہو تجویز کرلیں، اس میں نزاع نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء ثابت نہیں ہے

سوال [۴۸۷۹]: بعض لوگ ماہِ رمضان المبارک میں افطار سے قبل ایک جگہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک روزہ دار دعاء کراتا ہے اور سب لوگ آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رائج تھا، یا بعد کے بزرگوں نے رائج کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ایسے وقت اس طرح اجتماعی دعاء کی جائے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہائے مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اگر امام صاحب تعلیم کے لئے ایک دو دفعہ دعاء کرادیں پھر روزہ دار اپنی اپنی جداگانہ دعاء کرلیا کریں تو بہتر ہے اور اس اجتماعی دعاء کو ترک کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۹۰ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء کرنا

سوال [۴۸۸۰]: حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی کتاب فضائل رمضان، ص: ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ''

---

(۱) مغرب کی نماز کو زیادہ دیر مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً: کھانا حاضر ہو، یا سفر کی حالت میں ہو تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا افطار کے وقت پانچ دس منٹ کا وقفہ بطریقِ اولیٰ جائز ہے:

"(و) أخر (المغرب إلى اشتباك النجوم): أي كثرتها (كره): أي التأخير لا الفعل؛ لأنه مأمور به (تحريماً) إلا بعذر كسفر، وكونه على أكل". (الدرالمختار).

"(قوله: وكونه على أكل): أي لكراهة الصلوة مع حضور طعام تميل إليه نفسه. ولحديث: "إذا أقيمت الصلوة وحضر العشاء، فابدؤا بالعشاء". رواه الشيخان". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، ۱/ ۳۶۹، سعيد)

بعض روایات میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے'' اس وقت کی بعض دعاء مخصوص لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''کسی دعاء کی تخصیص نہیں، اجابتِ دعاء کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دعاء فرمائیں، یاد آجائے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے''(۱)۔

اب یہاں پر سوال یہ ہے کہ ہم لوگ پورے گاؤں کے ۶۰، ۷۰/ آدمی ہیں جو ایک ساتھ جمع ہو کر مسجد میں ایک دسترخوان پر روزہ افطار کرتے تھے، اکثریت جاہلوں کی ہے جن کو صحیح طریقہ پر آدابِ رمضان بھی نہیں معلوم ہیں، روزہ افطار کی دعاء بھی سوائے دو چار آدمی کے کسی کو نہیں معلوم ہے اور سب اپنا اپنا افطار لے کر ٹھیک افطار کے وقت مسجد میں پہونچتے تھے۔ اسی حالت میں امام صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایسا متبرک وقت دعاء کی مقبولیت کا ضائع ہو جائے عوام سے یہ کہہ کر کہ بھائی یہ وقت بہت متبرک ہے دعاء کرلو، اور دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ امام صاحب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا اور دل ہی دل میں دعاء مانگا اور عوام نے بھی آمین کہا، اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ امام صاحب نے محض اس خیال سے ایسا کیا تاکہ عوام کے ذہن نشین ہو جائے کہ اس وقت دعاء مانگنے کی بڑی فضیلت ہے۔ لہذا تفصیل سے جواب دیا جائے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ بتلانے کے لئے امام صاحب نے دعاء کرادی ٹھیک کیا ہے، مگر اجتماعی حیثیت سے اس دعاء کی پابندی نہ کریں، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کو متنبہ کرتے رہا کریں کہ اس وقت دعاء قبول ہوتی ہے، ہر شخص اپنی اپنی حاجت کے لئے دعاء مانگ لے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



---

(۱) (فضائل أعمال، ص: ۲۵۴، کتب خانه فیضی، لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر .... الخ". (سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته: ۱/۱۲۶، مير محمد كتب خانه كراچى)

باب المتفرقات

تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا

سوال[۱۱۴۸۸]: ایک اشتہار ارسال ہے (اس کو دیکھ کر فتویٰ عطا کریں) شرعِ محمدی میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ جو مسلمان ماہِ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے وہ ہرگز مسلمان نہیں، وہ خنزیر سے بدتر ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کرنا چاہئے اور ان سے تعلقات منقطع کر دینا چاہئے۔ اس اشتہار کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رمضان المبارک کا روزہ اسلام کا عظیم الشان رکن ہے، اس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے: ﴿كتب عليكم الصيام﴾ (۱) ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾(۲) بلاعذرِ شرعی کھلے بندوں رمضان المبارک میں سگریٹ پیتے پھرنا انتہائی جسارت اور رمضان المبارک کی حق تلفی اور اللہ پاک کی قانون شکنی ہے جس کا وبال دنیا میں بھی سخت ہے اور آخرت میں بھی عذاب سخت ہے(۳)، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے بیان فرمودہ ارشادات سنائے جائیں اور نہایت شفقت و دلسوزی سے خوف دلایا جائے، اہلِ

---

(۱) (سورة البقرة :۱۸۳)

قال الجصاص :"فالله تعالىٰ أوجب علينا فرض الصيام بهذه الآية؛ لأن قوله تعالىٰ : ﴿كتب عليكم﴾ معناه فرض عليكم". (أحكام القرآن للجصاص : ۱/۲۲۲، باب فرض الصيام ، قديمى)

(۲) (سورة البقرة :۱۸۵)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :" من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصةٍ رخصها الله له، لم يقض عنه صيام الدهر ". (سنن أبي داؤد : ۱/۳۳۳، كتاب الصوم ، باب التغليظ فيمن أفطر عمداً، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذى : ۱/۱۵۳، ۱۵۴ كتاب الصوم ، باب ما جاء فى الإفطار متعمداً ، سعيد)

قلب حضرات کے وعظ کرائے جائیں جس سے ان کی اصلاح ہو سکے، لیکن اگر کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے اور ان پر لعنت کی جائے گی اور ان کو اسلام سے خارج مانا جائے گا تو اس سے اصلاح کی توقع نہیں اور یہ طریقہ قرآن وحدیث کے موافق نہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا(۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''ایک مومن کی عزت اللہ پاک کے نزدیک خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے''(۲) لہذا ایسا رویہ اختیار نہ کیا جاوے کہ وہ صرف کلمہ پر اکتفاء کر کے بیٹھ جاویں اور اسلام کے بقیہ ارکان کی بھی فکر نہ کریں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاوے کہ ان کو اسلام سے خارج کر کے کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے، دونوں غلط طریقے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۹ھ۔

بے روزہ کے حق میں سخت الفاظ

سوال[۴۸۸۲]: مولوی صاحب نے عید کے روز نماز پڑھانے سے قبل روزہ نہ رکھنے والے کو برا بھلا کہا اور نماز کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ بعد نماز مولوی صاحب نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ روزہ داروں کی نماز مکروہ ہوگی، یہ ہماری غلطی ہے کہ جس آدمی نے روزہ نہیں رکھا ہے اس کو پچھلی صف میں کھڑا کر دیتے، کیونکہ یہ لوگ روزہ نہیں رکھے، روزہ بھر انہوں نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (النحل: ۱۲۵)

"یقول تعالیٰ آمراً رسوله محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :أن یدعو الخلق إلی اللہ بالحکمة و قوله :﴿وجادلهم بالتی هی أحسن﴾: أی من احتاج منهم إلی مناظرة وجدال، فلیکن بالوجه الحسن".

(تفسیر ابن کثیر :۲/ ۷۸۱، مکتبه دار الفیحاء بیروت)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع قال: "یا معشر من قد أسلم بلسانه و لم یفض الإیمان إلی قلبه! لا تؤذوا المسلمین، ولا تعیّروهم، و لا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخیه المسلم تتبع اللہ عورته، و من یتبع اللہ عورته، یفضحه و لو فی جوف رحله". قال: و نظر ابن عمر یوماً إلی البیت أو إلی الکعبة فقال: ما أعظمک وأعظم حرمتک، والمؤمن أعظم حرمةً عند اللہ منک". (جامع الترمذی :۲/۲۳، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی تعظیم المؤمن ،سعید)

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ بھی فرض ہے(۱)اور نماز بھی فرض ہے(۲)،اگر کسی موقع پر روزہ کا بیان کیا گیا ہے اور نماز کا نہیں کیا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر نماز میں روزہ دار پچھلی صف میں ہوں اور بے روزہ پہلی صف میں ہوں تو اس سے روزہ داروں کی نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ نماز یا روزہ یا کسی اَمر دینی کام کے لئے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو نرم الفاظ میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے(۳)،سخت الفاظ کہنا مثلاً یہ کہ ''بے روزہ لوگ خنزیر کھاتے رہے ہیں'' اس سے اکثر اوقات اچھا اثر نہیں ہوتا،لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کی طبیعت میں نصیحت کرنے والے کی طرف سے غیظ پیدا ہوجاتا ہے اور جو کچھ نماز روزہ پہلے کرتے تھے وہ بھی ترک کردیتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت

سوال[۴۸۸۳]: ایک شخص صحبت کرتا ہے اور سوجاتا ہے، سحری میں اٹھ کر ہاتھ دھوکر اور کلی غرغرہ وغیرہ کرنے کے بعد کھانا کھالیتا ہے اور پھر سوجاتا ہے، صبح اٹھ کر نہالیتا ہے، اس صورت میں روزہ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور نہانے کا وقت کب تک رہے گا یعنی کس وقت نہانا افضل ہے؟ یہ بات عورت اور مرد کے لئے برابر ہے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام﴾ (البقرة: ۱۸۳)

قال الجصاص: "فالله تعالیٰ أوجب علینا فرض الصیام بهذه الآیة؛ لأن قوله تعالیٰ: ﴿کتب علیکم﴾ معناه فرض علیکم". (أحکام القرآن للجصاص: ۱/۲۴۲، باب فرض الصیام، قدیمی)

"و أنواعه فرض و واجب و نفل، والفرض نوعان: معینٌ کرمضان، و غیر معین کالکفارات". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۴، کتاب الصوم، الباب الأول فی تعریفه، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوٰة واٰتوا الزکاة وارکعوا مع الراکعین﴾ (البقرة: ۴۳)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (نحل: ۱۲۵)

"یقول تعالیٰ آمراً رسوله محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أن یدعو الخلق إلی اللہ بالحکمة، و قوله: ﴿وجادلهم بالتی هی أحسن﴾: أی من احتاج منهم إلی مناظرة و جدال، فلیکن بالوجه الحسن". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۸۱، مکتبه دار الفیحاء بیروت)

یا کوئی تفریق ہے؟ کیونکہ وہ کھانا وغیرہ پکاتی ہے۔

ناظم علی سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کا روزہ اس صورت میں صحیح ہے کوئی خرابی نہیں، نماز فجر سے پہلے پہلے دونوں نہالیں، نماز قضا نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۵ھ۔

سحری کھانے کے بعد تأخیر سے غسلِ جنابت

سوال [۴۸۸۴]: زید نے رمضان شریف میں سحری کھانے سے قبل اپنی اہلیہ سے قربت کی اور آٹھ بجے دن کو غسل کیا اور روزہ رکھا، کیا روزہ میں کوئی خامی ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ درست ہو گیا (۲) لیکن نماز قضا کرنے کا گناہ بہت بڑا ہوا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/ ۱۰/ ۹۱ھ۔



---

(۱) "أو أدخل ذكره في بهيمة من غير إنزال أو مس فرج بهيمة أو قبلها .... أو أصبح جنباً وإن بقي كل اليوم ...... لم يفطر". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۹۹، ۴۰۰، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، ص: ۲۶۱، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۷۵، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت"۔)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ذكر الصلوة يوماً، فقال: من حافظ عليها، كانت له نوراً و برهاناً و نجاةً يومَ القيٰمة. و من لم يحافظ عليها، لم تكن له نوراً ولا برهاناً و لا نجاةً، و كان يوم القيٰمة مع قارون و فرعون و هامان و أبَيّ بن خلف". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۹، كتاب الصلوة، قديمي)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے؟

سوال[۴۸۸۵]: فرض اعتکاف، سنت اعتکاف، نفلی اعتکاف کی وضاحت فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض اعتکاف کوئی نہیں، نذر مان لینے سے واجب ہوتا ہے، رمضان میں ایک عشرہ کا اعتکاف سنت ہے، بقیہ جب دل چاہے نفلی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۶]: رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے یا سنتِ مؤکدہ، اگر سنتِ مؤکدہ ہے تو اس میں روزہ رکھنا شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ اگر معتکف نے رات سمجھ کر سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ اس روز کا روزہ نہ ہوگا، اب جب کہ روزہ نہ ہوا تو کیا اعتکاف بھی فاسد یا ختم ہو جائے گا، اس پر اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "و ینقسم إلی واجب و هو المنذور تنجیزاً أو تعلیقاً، و إلی سنة مؤکدة و هو فی العشر الأخیر من رمضان، و إلی مستحب وهو ما سواهما". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۵۲۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۷۰۰، ۷۰۱، باب الاعتکاف، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱) اگر بغیر روزہ کے یہ اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہیں ہوگا، بلکہ نفل بن جائے گا، البتہ اگر ایک دن روزہ نہ رکھا تو صرف ایک دن کے اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی، شامی: ۲/۱۲۹، ۲/۱۳۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۸۷]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ مؤکدہ ہے یا نہیں؟ اگر مؤکدہ ہے تو جمعہ کے لئے جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے معتکف وہاں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اعتکاف فاسد تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کے لئے جمعہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں میں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو (۳)۔ گاؤں والوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ مؤکدہ ہے، لہٰذا اس

---

(۱) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدر المختار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "و مقتضى ذلك أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير، حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو سفر ينبغي أن لا يصح عنه، بل يكون نفلاً، فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية .... أما على قول غيره، فيقضي اليوم الذي أفسده، لاستقلال كل يوم بنفسه". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، ۲۱۳ كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۱، باب الاعتكاف، قديمي)

(۳) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة، هو ما له إمام و مؤذن أديت فيه الخمس، أولا. و عن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد) ....=

کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آوے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا اعتکاف ہر مسجد ہر شہر میں ضروری ہے؟

سوال [۴۸۸۸]: کتنی آبادی پر ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، مثلاً: جیسے مدراس، کلکتہ، دہلی، بمبئی وغیرہ میں ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، یا کئی آدمیوں کو بیٹھنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ایک آدمی اعتکاف کرے (۲)۔ اس سنت علی الکفایہ کی طرف سے بہت غفلت ہے جو کہ بہت بڑی محرومی ہے، اگر محلّہ یا شہر میں ایک بھی معتکف ہے تو کافی ہو جائے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)
(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۲۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) ''معتکف صرف حاجتِ شرعیہ اور حاجتِ طبعیہ کے لئے نکل سکتا ہے، جب کہ جمعہ اس پر فرض نہیں تو جمعہ کے لئے نکلنا بغیر حاجت کے نکلنا ہے اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

(۲) اس مسئلہ کے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ علامہ شامی کی ایک تشبیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہونا چاہیے، انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لہٰذا جیسا کہ تراویح ہر مسجد میں ہوتی ہے ایسے ہی اعتکاف ہونا چاہیے:

''(وسنة مؤكدة) .... أي سنة كفاية''. (الدرالمختار). ''(قوله: أي سنة كفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين''. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

وقال: تحت قوله: ''(والجماعة فيها سنة على الكفاية): أفاد أن أصل التراويح سنة عين .... وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحدمنها، أومن المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول .... حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة، فقد تركوا السنة وأساءوا''. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۴۴، باب التراويح، سعيد)

(۳) ''الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك. في بلدة لأساؤا''. (جامع =

عورت کا اعتکاف گھر پر نفلی ہے یا سنت؟

سوال[۴۸۸۹]: گھر پر عورت کا اعتکاف نفل ہوگا یا سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نفلی اعتکاف بھی کرسکتی ہے، سنت بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گنہگار رہے؟

سوال[۴۸۹۰]: اگر کسی بستی سے کوئی صاحب معتکف نہ ہوئے تو صرف بالغ مرد گناہگار رہوں گے یا مرد، عورت، بالغ، نابالغ لڑکے بھی گنہگار رہوں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نابالغ مکلّف نہیں (۲) اس پر گناہ نہیں، عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے، بلکہ اپنے مکان میں ایک جگہ متعین کر کے وہیں اعتکاف کرے (۳)۔ کسی نے بھی نہ کیا تو سب بالغ ترکِ سنت کے وبال میں گرفتار

= الرموز: ۱/۳۷۶، فصل فی الاعتکاف، مطبع کریمیہ)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "و للمرأة الاعتکاف فی بیتها، و هو محل عیّنته المرأة للصلوة فیه". (مراقی الفلاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتکاف، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان: ۱/۲۲۱، فصل فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۲) "و أما شروطه: و منها الإسلام، والعقل، والطهارة عن الجنابة والحیض". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۵، کتاب الاعتکاف، فصل فی شرائط صحته، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۵۲۲، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(۳) "و للمرأة الاعتکاف فی بیتها، و هو محل عیّنته المرأة للصلوة فیه". (مراقی الفلاح، ص: ۶۹۹، =

ہوں گے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کا اعتکاف

سوال[۴۸۹۱]: نابالغ بچہ معتکف ہوا، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اعتکاف کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء

سوال[۴۸۹۲]: زید رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکافِ مسنون کرتا ہے، اگر اعتکاف کرنے سے قبل یہ نیت کرلے کہ رمضان کی فلاں تاریخ کو ایک روز یا ایک شب کے لئے باہر سفر میں جاؤں گا اور جائے

= باب الاعتكاف ، قديمی)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم ، الباب السابع فی الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا فی فتاوىٰ قاضی خان : ۱/۲۲۱، فصل فی الاعتكاف ، رشيديه)

(۱) " الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترک فی بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز : ۱/۳۷۶، فصل الاعتكاف ، مطبع كريميه)

(وكذا فی مجمع الأنهر : ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف ، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۲) "وأما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف ، فيصح من الصبی العاقل؛ لأنه من أهل العبادة، كما يصح منه صوم التطوع ". (بدائع الصنائع :۳/۵، فصل: شرائط صحته ، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف ، قديمی)

(وكذا فی رد المحتار على الدر المختار : ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف ، سعيد)

اعتکاف سے نکلوں گا تو کیا اس صورت میں اعتکافِ مسنون ادا ہو جائے گا اور اعتکاف سے باہر نکلنا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح اعتکاف مسنون ادا نہیں ہوگا (۱) اور باہر نکلنے سے اعتکاف باقی نہیں رہے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رُکنے کی اجازت نہ ہو

سوال [۴۸۹۳]: مسجد سرکاری احاطہ میں ہے، صرف نماز اذان کی اجازت ہے، وہاں رات کو رکنے کی اجازت نہیں ہے، ایسی صورت میں اعتکاف ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب وہاں رات کو رہنے کی اجازت نہیں تو اعتکاف کیسے کرے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والصحیح أنه سنة مؤكدة؛ لأن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واظب علیه فی العشر الأخیر من رمضان، والمواظبة دلیل السنة". (تبیین الحقائق: ۲/ ۲۲۰، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمیه بیروت)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/ ۵۲۳، باب الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعید)

(۲) "وإن خرج من غیر عذر ساعةً، فسد اعتكافه فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، سواء كان الخروج عامداً أو ناسیاً". (الفتاویٰ العالمكیریة: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۲۲۲، كتاب الصوم، فصل فی الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/ ۴۴۷، باب الاعتكاف، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/ ۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشیدیه)

(۳) تمام تر احکامِ شرعیہ کے لئے اپنا اپنا محل متعین ہے، لیکن جب محل صالح نہ ہو تو احکامِ شرعیہ (جو کہ حال ہیں) ان کا وقوع اور=

اعتکاف سے روکنا

سوال[۴۸۹۴]: کوئی جاہل معتکف صاحب کو ممانعت کرے اور کہے کہ اس مسجد سے چلے جاؤ، یہاں اعتکاف کی ضرورت نہیں۔ تو ایسے نامعقول کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے وجہ دریافت کرکے اس کا شبہ رفع کردیا جائے، اگر وہ محض عناداً کہتا ہو تو اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں، اس کا شرعی حکم آپ نے خود ہی لکھ دیا کہ وہ جاہل نامعقول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا

سوال[۴۸۹۵]: اعتکاف میں مسجد کے دائیں رخ پر کھڑکی دریچہ نہیں ہے، جہاں ہوا اور روشنی کی تنگی ہے اور بائیں طرف بڑے بڑے دروازے موجود ہیں جہاں ہوا اور روشنی کی کافی سہولت ہے تو معتکف دائیں سمت کو چھوڑ کر بائیں جانب اپنا حصار کا پردہ باندھنے میں افضل واَولیٰ کا معاملہ رہتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں کافی توسع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

=لزوم متعذر ہو جاتا ہے، مثلاً: صومِ نذر وغیرہ کے لئے ماہ رمضان کے علاوہ تمام سال صالح ہے، لیکن اگر کسی نے رمضان کے مہینے میں روزہ کی نذر مانی تو وہ صحیح نہیں، کیونکہ ماہِ رمضان صومِ نذر کا محل نہیں، بلکہ اس کا اپنا وظیفہ ہے کہ اس میں روزہ اصالۃً فرض ہے، اسی طرح جب مسجد میں رات گذارنے کی اجازت نہیں تو وہ صالح للاعتکاف نہیں، کیونکہ اعتکاف میں دن کی طرح رات کا بھی مسجد کے اندر گذارنا ضروری ہے:

"هو لغةً: اللبث، وشرعاً: (لبث) .... (ذكر) .... في (مسجد جماعة) .... فاللبث هو الركن، والكونُ في المسجد والنيةُ شرطان". (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، سعيد)

(۱) "أما تفسيره فهو اللبث في المسجد مع نية الاعتكاف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، باب الاعتكاف، سعيد) .... =

بستی کی مختلف مسجدوں میں سے کسی ایک جگہ اعتکاف

سوال[۴۸۹۶]: موضع کرست ایک بڑی بستی ہے، زیادہ مسلم آبادی ہے، البتہ اس کے مزرعہ جات کافی ہیں جو اکثر ہندو آبادی ہے، بعض مزرعوں میں مسلم آبادی ہے اور وہ بھی مخلوط ہے، نیز یہ مزرعہ کرست سے کوئی ۶، ۷/ فرلانگ، کوئی چار فرلانگ، کوئی دو فرلانگ پر آباد ہیں، اگر کرست میں کوئی معتکف ہو تو مسلم آبادی مزرعہ جات کی رمضان المبارک کے اعتکاف سے سبکدوش ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مزرعہ میں معتکف ہو تو خاص کرست اور مزرعہ جات سبکدوش ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ سب آبادیاں دیکھنے میں جداگانہ معلوم ہوتی ہیں تو ایک آبادی کا اعتکاف دوسری کے لئے کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

جو مسجد وقف نہ ہو اس میں اعتکاف

سوال[۴۸۹۷]: جو مسجدیں وقف نہیں ہیں ان میں رمضان المبارک کا اعتکاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں اعتکاف کے لئے مسجد کی شرط کیسی ہے(۲)؟

= (وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے''۔ (فتاوی دارالعلوم: ۶/ ۵۰۳، باب الاعتکاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں .... باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔ (إمداد الأحكام: ۲/ ۱۴۵، باب الاعتكاف، عنوان: معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔)

(۱) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، و قيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/ ۳۷۲، فصل الاعتكاف، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اعتکاف کے مسائل، ص: ۸۲۲، دارالاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف موقوفہ مسجد ہی میں کیا جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف

سوال[۴۸۹۸]: ویران مسجد یا عیدگاہ میں ایک صاحب نے اعتکاف کیا، مسجد میں کوئی نہ بیٹھا۔کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جاتا ہے جہاں اذان، جماعت پنجگانہ کا اہتمام ہو، اگر ویران مسجد میں بھی

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وأنتم عاكفون فی المساجد ﴾ (سورة البقرة: ۲/۱۸۷)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "و فی تقیید الاعتکاف بالمساجد دلیل علی أنه لا یصح إلا فی المسجد؛ إذ لو جاز شرعاً فی غیره، لجاز فی البیت وهو باطل بالإجماع .... و روی عن الإمام أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه مختص بمسجدٍ له إمام و مؤذن راتب". (روح المعانی: ۲/۶۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یعتکف العشر الأواخر من رمضان. قال نافع: و قد أرانی عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه المکان الذی کان یعتکف فیه رسول الله: صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من المسجد". (أبوداود، کتاب الصیام، باب: أین یکون الاعتکاف: ۱/۳۳۴، دار الحدیث)

"وأما شروطه: ومنها مسجد الجماعة، فیصح فی کل مسجدٍ له أذان و إقامة، هو الصحیح". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف: ۱/۲۱۱، رشیدیه)

"أما حقیقته الشرعیة، فهی اللبث المخصوص: أی فی المسجد". (رد المحتار کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۱، سعید)

اعتکاف کیا تو ہو جائے گا، عیدگاہ میں کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف

سوال[۴۸۹۹]: ایک مسجد جو نو تعمیر ہے اس کے پیچھے حصہ میں شمال کی جانب ایک تین کھونٹا (۲) چھوٹا کمرہ ہے جس کا دروازہ مسجد کے اندر ہی کو ہے۔ متولی مسجد نے بیان کیا: یہ مسجد تعمیر ہوتے وقت یہ حصہ مسجد ہی کی نیت سے تعمیر ہوا، مگر صف سیدھی کرنے کی وجہ سے مشیرانِ کمیٹی نے اس حصہ کو علیحدہ کر دیا اور طے ہوا کہ اس میں مسجد وغیرہ کا سامان رکھ دیا جایا کرے گا۔ اس حجرہ میں معتکف اعتکاف کے لئے بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی دروازہ باہر کو نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے کسی حصہ کو جو نماز کے لئے ہو کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کر دینا اور نماز کو وہاں سے ختم کر دینا جائز نہیں، حجرہ کی بظاہر ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد سے خارج ہے، مسجد نہیں ہے، امام یا متولی یا سامان کے لئے بنایا گیا ہے، اس لئے اس حجرہ میں اعتکاف نہ کیا جائے (۳)۔ ہاں! اگر دروازہ یا دیوار توڑ کر مسجد میں شامل کر لیں تو پھر وہاں اعتکاف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۶/۹۰ھ۔

---

(۱) "و روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أنه لا يجوز إلا في مسجد تصلى فيه الصلوات كلها". (بدائع الصنائع: ۳/۱۸، فصل في شرائط صحته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) "کھونٹا: کونہ، گوشہ، زاویہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "(وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه): أي المسجد (جاز) كمسجد القدس (ولو جعل لغيرها أو) =

مسجد بارش سے ٹپکتی ہوتو معتکف کیا کرے؟

سوال[۴۹۰۰]: مسجد بارش سے بےحد ٹپکتی ہے جب کہ نماز پڑھنا ہی دشوار ہے، لوگوں کو ٹھیک کرانے کی کوئی فکر نہیں ہے، اذان نماز ہوتی ہے، لیکن زور سے بارش ہوتی ہوتو معتکف کا سونا کیا گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھنا دوبھر ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی علاج تو یہ ہے کہ چھت درست کرائی جائے اور ہر مسجد و ہر محلہ میں اعتکاف کا انتظام کیا جائے، مسجد مذکور میں اعتکاف کی گنجائش نہ ہوتو دوسری مسجد میں منتقل ہوجائے، بحالتِ عذر اس کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه، لا) يكون مسجداً". (الدرالمختار).

"(قوله: أو جعل فوقه بيتاً، الخ) ظاهره أنه لافرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذالم يكن وقفاً على مصالح المسجد، وبه صرح في الإسعاف، فقال: و إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد).

"في الهداية: الاعتكاف مستحب، والصحيح أنه سنة .... وهو اللبث في المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف، أما اللبث فركنه، والنية شرطه .... وجوازه يختص بالمساجد". (الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف: ۲/۴۱۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

دوسرے محلّہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی

سوال [۴۹۰۱]: ۱...... ایک محلّہ کا کوئی آدمی اگر دوسرے محلّہ کی مسجد میں عشرۂ اخیرۂ رمضان کا اعتکاف کرے تو کیا اس کے اعتکاف کرنے سے اس مسجد کے محلّہ والوں سے اعتکافِ مسنون ادا ہو جائے گا، یا اس مسجد کے محلّہ والوں ہی میں سے کسی کا معتکف بننا ضروری ہے؟

امام کے ذریعہ سنت اعتکاف کی ادائیگی

سوال [۴۹۰۲]: ۲...... ایک محلّہ کا کوئی آدمی دوسرے محلّہ کا امام ہو تو ان امام صاحب کو اپنی امامت کے محلّہ والوں میں سے شرعاً شمار کیا جائے یا نہیں؟ نیز ان کے لئے امامت کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اس محلّہ والوں سے اعتکافِ مسنونہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... جس محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرے گا اس مسجد سے متعلق سنت اعتکاف ادا ہو جائے گی، مگر اہلِ محلّہ کو چاہئے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے محلّہ سے بلا کر اعتکاف کرا کے خود محروم نہ رہیں (۱)۔

۲...... یہ امام صاحب جس محلّہ کی مسجد کے امام صاحب ہیں، بحقِ اعتکاف اسی محلّہ کے شمار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۵ھ۔

---

(۱) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/۳۷۶، فصل الاعتكاف، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "هذا كله لبيان الصحة .... وأما أفضل الاعتكاف ففي المسجد الحرام، ثم في مسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم في المسجد الأقصى، ثم في الجامع. قيل: إذا كان يصلي فيه بجماعة، فإن لم يكن ففي مسجده أفضل، لئلا يحتاج إلى الخروج، ثم ما كان أهله أكثر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

معتکف بیت الخلاء کے لئے نکل کر کتنا کام کرسکتا ہے؟

سوال[۴۹۰۳]: معتکف کا بیت الخلاء کرکے گھر میں جانا، بیوی بچوں سے بات چیت کرنا، کوئی کتاب اٹھا کر لانا، کاغذات حساب وغیرہ کے اٹھا کر لانا، باہر سے آئی ہوئی ڈاک پڑھنا، مہمانوں سے بات چیت کرنا، جو باہر سے آئے ہوں سلام دعاء خیر وعافیت دریافت کرنا، کپڑے بدلنا، نہانا اور کپڑے دھونا، خطوط کے جواب لکھنا وغیرہ پر عمل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیت الخلاء سے فارغ ہوکر ان کاموں کے لئے مستقلاً مکان پر نہ ٹھہرے، چلتے چلتے ضروری بات سلام ودعاء مہمان سے کرسکتا ہے، بقیہ اشیاء مکان سے لاسکتا ہے(۱)، ڈاک مسجد میں لاکر پڑھے، مسجد میں ہی جواب لکھے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا کن مجبوریوں کی وجہ سے مسجد سے نکلنا درست ہے؟

سوال[۴۹۰۴]: بعض حالتوں میں معتکف کا مسجد سے نکلنا ضروری ہوجاتا ہے، ان حالتوں میں

---

(۱) "لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض أو لصلوة الجنازة من غير أن يكون لذلك قصد، فإنه جائز". (البحر الرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۸، فصل في ركن الاعتكاف و محظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه: يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها، بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی کی کیا سبیل ہوگی؟ معتکف کا انتقال ہوگیا، پاگل ہوگیا، پولیس پکڑ لے گئی، مسجد میں آگ لگ گئی، فساد ہوگیا، جان کے خوف سے مسجد سے بھاگ گیا، طبیعت خراب ہوگئی، پیشی مقدمات کی آگئی، بیوی یا بچہ کا انتقال ہوگیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہر مسجد ومحلّہ میں اعتکاف کا اہتمام ہو اور کسی ایک کو اس قسم کا حادثہ پیش آجائے تو بقیہ کا اعتکاف تو پورا ہوجائے گا اور سنت علی الکفایہ ادا ہوجائے گی۔ مسجد میں آگ لگنے یا فساد ہونے سے اگر وہاں سے نکل کر فوراً دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا ضرورت کے لئے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا

سوال [۴۹۰۵]: معتکف بیت الخلاء کے لئے گھر جارہا تھا، راستہ میں دوستوں سے ہنسی مذاق کی بات چیت کھڑے ہوکر کی، یا چلتے چلتے کی۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لغو ہنسی مذاق کہیں بھی نہ کرے، ضروری بات چلتے ہوئے کرلے، خارج مسجد بات کرنے کے لئے کھڑا نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/ ۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "و أما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف .... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا =

معتکف کا خارجِ مسجد تراویح کے لئے جانا

سوال[۴۹۰۶] : ۱......جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہوتو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہوتو اس صورت میں اس صحن میں تراویح پڑھتے وقت معتکف تراویح کے لئے صحن میں جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہوتو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آیا صحیح ہے یا غلط؟

ایضاً

سوال[۴۹۰۷] : ۲......اور اگر نہیں نکل سکتا ہوتو تمام مصلی مسجد میں پڑھیں یا صحن میں؟ حالانکہ سخت گرمی کی حالت ہے اور مصلی اندر پڑھنے کی حالت میں بہت بے چین رہتے ہیں تو باہر پڑھنے میں کسی قسم کا نقص تو نہیں ہوگا؟

غلام محمد، حاجی یوسف، نورگت، موضع ترکیسر پوسٹ خاص، ضلع سورت۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر اعتکاف واجب ہے تو تراویح کے لئے ایسی جگہ جانے سے فاسد ہوجائے گا (۱)۔ ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ جانے کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اجازت ہے (۲)۔ اور نفلی اعتکاف اس سے منتہی ہوجاتا ہے۔

= عند عدمها". (حاشية الطحطاوی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۵، قديمی)

(وكذا فی رد المحتار على الدر المختار : ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف ، سعيد)

(وكذا فی النهر الفائق : ۲/۴۸، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۱) "(وحرم عليه): أی على المعتكف اعتكافاً واجباً (الخروجُ، إلا لحاجة الإنسان............ اهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثانی عشر فی الاعتكاف: ۲/۳۱۲، قديمی)

(۲) "لوشرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم، جاز ذلک، فليحفظ". (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۸، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثانی عشر فی الاعتكاف: ۲/۳۱۲، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فی الاعتكاف: ۱/۲۱۳، رشيديه)

اعتکافِ مسنون کو بھی بعض فقہاء نے واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے(۱)۔

۲......تمام مصلی اگر صحن میں (جو کہ خارج مسجد قرار دیا ہے) پڑھیں گے تو ۲۷/ درجہ ثواب میں کمی رہے گی، مسجد میں پڑھنے سے نفسِ نماز کا ثواب مستقلاً ۲۷/ درجہ زیادہ ملے گا(۲) اور گرمی کے تحمل اور معتکف کی رعایت وغیرہ امور کا ثواب مزید ملے گا، یا صحن داخلِ مسجد کیا جائے یا پنکھے وغیرہ سے ہَوا کا انتظام کیا جاوے۔

---

(۱) سنت اعتکاف کا واجب اعتکاف کے ساتھ الحاق کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء نے نیت میں واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے، جیسے سوال کے جملہ: ''اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہو تو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں''۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے جواب میں اسی مذکورہ جملہ کے جواب کہ: ''ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اجازت ہے''۔ سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر اعتکاف مسنون میں کسی جگہ کے لئے نکلنے کی نیت کرے تو بظاہر گنجائش ہے:

''(وحرم عليه) : أى على المعتكف اعتكافاً واجباً، أما النفل فله الخروج، لأنه منه لامبطل كما مر (الخروج الالحاجة الإنسان)''. (الدرالمختار).

''(قوله: إما النفل): أى الشامل للسنة المؤكدة، قلت: قد منا ما يفيد اشتراط الصوم فيها بناءً على أنها مقدر بالعشر الأخير، ومفاد التقدير أيضاً اللزوم بالشروع، تأمل. ثم رأيت المحقق ابن الهمام قال: ومتقضى النظر لوشرع فى المسنون أعنى العشر الأواخر بنيته، ثم أفسده أن يجب قضاء ه .... وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبى يوسف''. (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

''ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم، يجوز له ذلك''. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الثانى عشر فى الاعتكاف: ۲/۲۱۳، قديمى)

(۲) ''(وإن صلى) أحد (فى بيته بالجماعة) حصل لهم ثوابها، وأدركوا فضلها، ولكن (لم ينالوا فضل الجماعة) التى (فى المسجد) لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته وإظهار شعائر الإسلام. (وهكذا فى المكتوبات): أى الفرائض لوصلى جماعةً فى بيت على هيئة الجماعة فى المسجد، نالوا فضيلة الجماعة، وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجةً، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد''. (الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، باب ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

تراویح کا مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۹/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

معتکف کا وضو کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۰۸]: اگر معتکف کا وضو ٹوٹ جائے اور پانی مسجد سے باہر ہو اور کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گھر جا کر وضو کرے اور فوراً واپس آ جائے: "و لا بأس بأن يدخل بيته للوضوء، ولا يمكث بعد الفراغ". مجمع الأنهر(۲) لیکن یہ حکم واجب وضو کا ہے، مستحب وضو کے لئے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وأما سننها: فمنها الجماعة والمسجد، لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدر ما صلى من التراويح صلى بجماعة في المسجد، فكذا الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم صلوها بجماعة في المسجد، فكان أداؤها بالجماعة في المسجد سُنّة.

ثم اختلف المشايخ في كيفية سنة الجماعة والمسجد أنها سنة عين أم سنة كفاية: قال بعضهم: إنها سنة على سبيل الكفاية، إذا قام بها بعض أهل المسجد في المسجد بجماعة، سقط عن الباقين". (بدائع الصنائع، كتب الصلوة، صلوة التراويح: ۱/ ۶۴۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مبحث الصلوة التراويح: ۲/ ۴۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، تراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"لا بأس بأن يدخل بيته، ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه) .... =

کیا معتکف سحر وافطار، استنجا اپنے مکان پر کرے؟

سوال[۴۹۰۹]: معتکف کا مکان مسجد سے چند قدم پر ہے، معتکف سحر وافطار، چھوٹا بڑا استنجا، غسل وغیرہ گھر کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹا بڑا استنجا تو بہرحال مسجد سے باہر ہی ہوگا (۱)۔ غسلِ جنابت بھی باہر کرے گا (۲)، سحر وافطار کی مسجد میں اجازت ہے اس کے لئے باہر نہ جائے (۳)، کوئی لانے والا نہ ہو تو مکان سے جا کر لے آئے (۴)،

= (و كذا في التاتار خانيه: ۲/۴۱۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط وغسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلا خلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "و لو احتلم المعتكف، لا يفسد اعتكافه؛ لأنه لا صنع له فيه، فلم يكن جماعاً ولا في معنى الجماع، ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوّث المسجد، فلا بأس به، وإلا فيخرج فيغتسل، و يعود إلى المسجد". (بدائع الصنائع: ۳/۳۲، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية الآتية)

(۴) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد مَن يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمى)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

10

استنجا کے لئے اگر اپنے گھر ہی کا عادی ہوتو وہاں چلا جایا کرے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہوتو معتکف ندی پر وضو کر لے

سوال[۴۹۱۰]: مسجد میں وضو کے لئے پانی کا انتظام نہیں،قریب ۵۰،۶۰/ قدم پر ندی ہے،سب لوگ ندی سے وضو کر کے آتے ہیں۔معتکف بھی ہر نماز کا وضو کرنے ،غسل کرنے ،کپڑے دھونے جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک دفعہ جائے آئندہ کے لئے پانی لیتا آئے ،فرشِ مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرلیا کرے، جب پانی ختم ہوجائے اور کوئی لانے والا نہ ہوتو خود چلا جائے ،کپڑے بھی لاکر مسجد کے کنارے بیٹھ کر دھوئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط و غسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلا خلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف ، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق : ۲/۴۶، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۲) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد مَن يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط ". (البحرالرائق : ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف قديمي)

(و كذا في النهر الفائق : ۲/۴۷، باب الاعتكاف ، امداديه ملتان)

وضو،اذان،سگریٹ کے لئے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا

سوال[۱۱۹۴] : ۱.....معتکف اذان دینے کے لئے مسجد کی حد سے باہر جاسکتا ہے یانہیں؟

۲.....اور مسجد میں کسی برتن میں اس طرح وضو کرنے پر قادر ہونے کے باوجود کہ تلویثِ مسجد لازم نہ آوے، معتکف وضو کرنے کے لئے باہر جاسکتا ہے یانہیں؟

۳.....اور جو سگریٹ پینے کا عادی ہو وہ سگریٹ پینے کے لئے باہر جاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....مؤذن مینارہ پر چڑھ کر اذان دے اور اس کا دروازہ خارج مسجد ہو تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، کذا فی البدائع :۲/۱۱۵(۱)، ورد المحتار:۲/۱۸۱(۲)، والبحر:۲/۳۰۳(۳)، والفتح: ۲/۱۱۱(٤)، لیکن حدِ مسجد سے باہر جاکر اذان دینے کا حکم میں نے نہیں دیکھا، البتہ سکب الأنہر: ۱/۲۵۲، میں خروج للأذان کی اجازت دی ہے اور منارہ کی قید نہیں لگائی (۵)۔

---

(۱) "و لو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد؛ لأن المئذنة من المسجد ". (بدائع الصنائع: ۳/۲۹، فصل فی رکن الاعتکاف ، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول، أو شرعيةً كعيد، وأذان لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد .... والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن وغيره ". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف ، سعید)

(۳) "و صعود المئذنة إن كان بابها فی المسجد، لا يفسد الاعتكاف ، وإن كان الباب خارج المسجد، فكذالک فی ظاهر الرواية ". (البحر الرائق :۲/۵۲۹، باب الاعتکاف ، رشیدیه)

(۴) "و صعود المئذنة إن كان بابها من خارج المسجد، لا يفسد فی ظاهر الرواية، وقال بعضهم: هذا فی حق المؤذن؛ لأن خروجه للأذان معلوم، فيكون مستثنى، أما غيره فيفسد اعتكافه، و صحح قاضی خان أنه قول الكل فی حق الكل ". (فتح القدير :۲/۳۹۲، باب الاعتکاف ، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۵) "ولا يخرج المعتكف من معتكفه إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كالبول والغائط .... أو شرعية كالعيد والأذان". (سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۲۵۲، باب الاعتکاف ، بیروت)

۲......مسجد میں اس طرح وضو کرنے کے متعلق "لا بـأس بـه " کالفظ مذکور ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں، بلکہ باہر بھی جا سکتا ہے (۱)۔

۳......اگر بغیر سگریٹ کے گذارہ نہیں تو اس کے لئے بھی جا سکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لئے جائے تو یہ کام بھی کرے، پھر منہ خوب مسواک سے صاف کر کے آ جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۸۸ھ۔

بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا

سوال[۴۹۱۲]: معتکف کو دست لگنے لگے، اس وجہ سے ۱۵، ۲۰/ بار دن میں گھر جانا پڑتا ہے۔کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۹۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قديمي)

"ويحرم فيه السؤال ...... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار). "ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره .... وكذالك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر أوبه جرح له رائحة". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۶۶۱، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

(۳) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط و غسل أو شرعيةً كعيد". .... =

معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا یا عیادت کرنا

سوال[۴۹۱۳]: معتکف کو شرکتِ جنازہ وعیادتِ مریض کے لئے اگر ضرورت ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر آتشزدگی ہو تو اس کو بجھانا جب کہ اپنے گھر کے جلنے کا بھی خوف ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حالتِ اعتکاف میں شرکتِ جنازہ اور عیادتِ مریض کے لئے اگر مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف باقی نہیں رہے گا، البتہ بغیر اس کے جائے کام نہ چلے تو گنہگار نہیں ہوگا: "یفسد لو لعیادة مریض أو شهود جنازة وإن تعين عليه، إلا أنه لا يأثم كما في المرض". شامی: ۲/۱۳۳ (۱)۔

اس کی مثال اس طرح سمجھئے جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سامنے کوئی نابینا ہے جو کنویں میں گرنے کے قریب ہے اور کوئی خبردار کرنے والا نہیں تو یہ نمازی فوراً جا کر بچائے یا آواز دے کر کہہ دے تو یہ گناہ گار نہیں ہوگا، البتہ نماز فاسد ہو جائے گی وہ باقی نہیں رہے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

= (الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

"ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وكذا الأجنبي إذا خاف أن يسقط من سطح أو تحرقه النار، أو يغرق في الماء، واستغاث بالمصلي، وجب عليه قطع الصلوة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۰۹، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة، رشيديه)

دیہاتی معتکف کونماز جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۱۴]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ موکدہ ہے یانہیں؟ اگر موکدہ ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے معتکف جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے وہاں جا کر نماز جمعہ پڑھ سکتا ہے یانہیں؟ موکدہ اعتکاف ساقط تو نہیں ہوگا؟

فرزند علی سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اعتکاف کے لئے شہر یا شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۱)۔ گاؤں والے پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ موکدہ، لہٰذا اس کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آئے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۷ھ۔

معتکف کونماز جنازہ کے لئے باہر نکلنا

سوال[۴۹۱۵]: معتکف مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے، اتفاقاً جنازہ حاضر ہوا، اب محلّہ والے بوجۂ تبرک معتکف صاحب سے نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، ان میں سے کوئی اچھی طرح نماز پڑھانا نہیں جانتا۔ شرعی اعتبار سے معتکف نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یانہیں؟ فقط۔

محمد یونس سلہٹی، ۴/ رجب/ ۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس أولا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار على التنوير: ۲/ ۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الايضاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان "اعتکاف کے لئے شرائط جمعہ"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوۃ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے:"ولو خرج لجنازة، يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه". هنديه، ص: ۲۱۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/رجب/۵۶ھ۔

جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟

سوال[۴۹۱۶]: جمعہ، الوداعی جمعہ، عیدین کی نماز بالا خانوں، چھتوں، سیڑھیوں اور سڑکوں تک پر ہوتی ہے، معتکف کہاں کہاں تک چل پھر کر آجا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوجگہ نماز کے لئے مخصوص کردی گئی ہے وہ مسجد ہے، معتکف کو اس جگہ میں رہنے کا حکم ہے (۲) اور عید کی نماز سے تو پہلے ہی اعتکاف ختم ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح :بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتكاف، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "ثم الاعتكاف لايصح إلا في مسجد الجماعة لقول حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: "لااعتكاف إلا في مسجد جماعة" وعن أبي حنيفة رحمه الله: أنه لايصح إلا في مسجد يصلي فيه الصلوات الخمس؛ لأنه عبادة انتظار الصلوة فيختص بمكان تؤدى فيه". (الهداية: ۱/۲۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

غسلِ سنت وتبرید کے لئے معتکف کا خروج

سوال[۴۹۱۷]: معتکف کوغسلِ سنت یا غسلِ تبرید کے لئے مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

ناکارہ خلائق کمترین: نجم الحسن غفرلہ، از تھانہ بھون، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزئیہ صراحۃً نہیں ملا، ''اشعۃ اللمعات'' (۱) میں ''اورادِ احسانی'' سے مطلقاً خروج للغسل کو نقل کیا ہے، غسل واجب ہو یا سنت ہو، لیکن ''اورادِ احسانی'' بذاتِ خود ایک مجموعہ موضوعات ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسلِ تبرید یا غسلِ مسنون کے لئے مستقلاً نہ نکلے، بلکہ قضائے حاجت کے لئے نکلے تو استنجا کرتے وقت غسل بھی کرلے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

اعتکاف میں غسل

سوال[۴۹۱۸]: حالتِ اعتکاف میں آرام وٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا جائز ہے؟ اگر غسل کرے تو مسجد کے اندر یا باہر؟

(الف) کنواں، غسلخانہ، وضو کی جگہ مسجد کے حدود میں ہے یا باہر؟

---

(۱) "وکان لایدخل البیت إلالحاجة الإنسان وبود آنحضرت صلی الله علیه وسلم که برنمی آمد از مسجد، مگر برائے حاجتِ انسانی از بول وغائط، وهمچنیں غسل جنابت از جهت وجوب خروج از مسجد نزد جنابت، وهمچنیں برائے نماز جمعه، غسل جمع روایتے صریح درآن از اصول نمی یابم جز آنکه در شرحِ اوراد گفته است که بیرون می آمد برائے غسل فرض باشد یا نفل. متفق علیه".

(أشعة اللمعات، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۱۲۰، مکتبه نوریه رضویه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

غسل کرنا درست ہے، مسجد ہی میں کسی ٹب وغیرہ بڑے برتن میں لے کر(۱)، اگر غسل خانہ میں استنجا کرنے جائے تو وہاں بھی جلدی سے کرسکتا ہے(۲)۔

(الف) عامۃً یہ چیزیں حدود مسجد سے خارج ہوتی ہیں، بلا ضرورت معتکف کو وہاں جانا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اعتکاف میں حدث

سوال[۴۹۱۹]: اعتکاف میں جاگتے اورسوتے بار بار حدث ہوتا ہوتو بار بار وضو کرنا ہوگا اورایسی حالت میں تفسیر وفقہی کتب کا دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باوضو رہنا مستحب ہے(۳) واجب نہیں۔ تفسیر وفقہ کی کتب کا مطالعہ بھی باوضو مستحب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وحرم عليه الخروج إلالحاجة الإنسان طبيعةً كبول وغائط وغسل لو احتلم، ولا يمكنه الاغتسال في المسجد". (الدرالمختار). "فلو أمكنه من غير أن يتلوّث المسجد، فلا بأس به: أى بأن كان فيه بركة ماء .... أو اغتسل في إناء بحيث لايصيب المسجد الماء المستعمل". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في التاتار خانيه: ۲/۴۱۲، الفصل الثانى عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاوىٰ قاضى خان: ۱/۲۲۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به، وإلا فيخرج ويغتسل ويعود إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۳۲، باب الاعتكاف، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "(الوضوء) مندوب في نيف وثلاثين موضعاً .... فمنها عند استيقاظ من نوم والمداومة عليه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۸۹، كتاب الطهارة، سعيد)

(۴) "مندوب في أحوال كثيرة كمس الكتب الشرعية". قال الطحطاوى: "(قوله: كمس الكتب =

بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح

سوال[۴۹۲۰]: مجھے خروجِ ریح کا مرض ہے، خروجِ ریح آواز اور بغیر آواز دونوں طرح سے ہوتا ہے تو اس حالت میں کیا میں اعتکاف کرسکتا ہوں؟ اگر اس بستی میں ایسے شخص کے سوا کوئی اور شخص اعتکاف سنت علی الکفایہ میں معتکف ہونے والا نہ ہو تب بھی اس کو اعتکاف کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، مسجد میں احداث مکروہ ہے(۲)، جس کا یہ حال ہو کہ اس کو ریاح سے نجات نہ ہو تو اس کو احترامِ مسجد کے پیشِ نظر اعتکاف سے احتیاط چاہئے، خاص کر جب کہ کوئی دوسرا اعتکاف کرنے والا موجود ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۹ھ۔

معتکف کا اخراجِ ریح کے لئے بیت الخلاء جانا

سوال[۴۹۲۱]: معتکف اگر ہوا خارج کرنے کے لئے بیت الخلاء جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہوجائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۲ھ۔

= الشرعية) نحو الفقه والحديث والعقائد، فيتطهر لها تعظيماً. قال الحلواني: إنما نِلْنا هذا العلم بالتعظيم، فإني ما أخذتُ الكاغذ إلا بطهارة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۸۳، فصل في أوصاف الوضوء، قديمي)

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلاة، قديمي)

(۲) "و إذا فسا في المسجد لم ير بعضهم به بأساً، و قال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(۳) "وإذا فسا في المسجد لم ير بعضهم به بأساً، و قال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو =

معتکف کے لئے تمبا کو کھانا

سوال[۴۹۲۲]: معتکف تمبا کو پان مسجد میں کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کھا سکتا ہے جب کہ بد بودار نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا بیڑی سگریٹ پینا

سوال[۴۹۲۳]: زید بیڑی سگریٹ کا بہت ہی عادی ہے، بغیر پئے رہ نہیں سکتا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بہ حالتِ اعتکاف مسجد کے باہر بیڑی سگریٹ استعمال کرے یا مسجد میں رہ کر ہی؟ اور زید کے علاوہ مسجد میں معتکف بننے کو کوئی تیار نہیں ہے تو اس صورت میں اس کو معتکف بنایا جائے یا ترک کردیا جائے؟ نیز حاجتِ انسانی کے اندر کیا کیا چیزیں داخل ہیں؟ تفصیل درکار ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کی فضیلت بھی بہت ہے اور منفعت بھی بہت ہے، اس کی طرف اہتمام سے توجہ کی جائے۔ جب قضائے حاجت (پاخانہ پیشاب) کے لئے رات کے وقت مسجد سے باہر جائے تو وہاں یہ حاجت (بیڑی

= الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، كتاب الطهارة، يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في آداب المساجد، رشيديه)

(۱) "ويكره..... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار). "ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أوغيره، الخ". (ردالمحتار: ۱/۶۶۱، ۶۶۲، باب مايفسد الصلوٰة، أحكام المساجد، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا؛ فإن الملئكة تتأذى مما يتا ذى منه الإنس". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قديمي)

سگریٹ) بھی پوری کرتا آئے (۱) وضواور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرے، بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۱۴ھ۔

معتکف کے لئے امورِ مباحہ

سوال [۴۹۲۴]: معتکف کوکبھی پردہ سے باہر یعنی مسجد کے جماعت خانہ میں بھی نماز سنت ونفل و تلاوت قرآن یا کسی کتاب کا دیکھنا کیسا ہے اور جماعت خانہ میں کتاب کا سنانا، اذان دینا، تکبیر کا کہنا، وعظ کہنا، عمدہ اخبار کا دیکھنا اور دینی مضامین کا ترجمہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب درست ہے، البتہ اذان بلند مقام پر کہنا مستحب ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبولٍ و غائط، و غسل لو احتلم، .... وشرعيةً كعيد، و أذان". (الدرالمختار: ۴۴۸/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۲) "و أكل، و نوم (أي يكره)، إلا لمعتكف و غريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار).

"ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره ...... و كذلك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر، أو به جرح له رائحة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶۶۱/۱، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۶۸/۱، باب المساجد و مواضع الصلوٰة، قديمي)

(۳) "ويكره تحريماً صمت وتكلم إلا بخير كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه السلام وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين و كتابة أمور الدين". (الدرالمختار:=

ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال[۴۹۲۵]: اعتکاف کی حالت میں ہاتھ دھونے کا پانی اور دستر خوان پر ہڈی یا کھجور کی گٹھلی وغیرہ مسجد کے باہر پھینک سکتا ہے، اسی طرح بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد ہی سے گٹھلی پانی وغیرہ باہر پھینک سکتا ہے اور مسجد ہی سے بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا

سوال[۴۹۲۶]: باہر کے حضرات ملاقات کے لئے آئیں تو ان سے بات چیت خیریت اور دوسرے غائب حضرات کے حالات معلوم کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کرسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۹۲۷]: بیت الخلاء جاتے ہوئے کسی کی خیریت پوچھ سکتے ہیں، اگر کوئی اپنی خیریت معلوم

= ۲/۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص:۷۰۸، باب الاعتکاف، قدیمی)

(۱) "ویکره تحریماً صمت وتکلم إلا بخیر وهو مالا إثم فیه، ومنه المباح عند الحاجة إلیه لاعند عدمها، الخ". (الدرالمختار: ۲/۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۷۰۵، باب الاعتکاف، قدیمی)

کرے، سلام کا اشارہ کرے تو جواب دیناوغیرہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آتے جاتے سلام کرنا جواب دینا خیریت بتانا پوچھنا سب درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا

سوال[۴۹۲۸]: معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنواسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بنواسکتا ہے، البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

اعتکاف کی حالت میں تقبیل وجہ

سوال[۴۹۲۹]: معتکف نے محض دلداری کی خاطر بلاشہوت اپنی بیوی کے رخسار کو چوم لیا تو مطلق بوسہ لینا مفسدِ اعتکاف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا درست نہیں، لیکن اس سے نہ اعتکاف فاسد ہوا نہ روزہ فاسد ہوا، قضا بھی واجب نہیں (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۴۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال المفتی رشید احمد رحمة الله علیه: ''اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں''۔(احسن الفتاویٰ: ۴/۵۰۶، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) "و حرم الوطء و دواعیه، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تباشروهن و أنتم عاکفون فی المساجد﴾ فالتحق به =

معتکف کا مسجد میں چار پائی بچھانا

سوال[۴۹۳۰]: معتکف مسجد میں چار پائی بچھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز چار پائی پر لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟ اور مکانوں میں جو عورتیں اعتکاف کرتی ہیں وہ اپنے اعتکاف کرنے کی جگہ پر چار پائی بچھا سکتی ہیں یا نہیں اور بقیہ پورے مکان میں بغرضِ ضرورت آ جا سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معتکف اپنے اعتکاف کی جگہ چار پائی بچھا سکتا ہے اور اس پر لیٹ سکتا ہے(۱)، مگر آج کل عرفاً مسجد میں چار پائی بچھانا خلافِ احترام سمجھا جاتا ہے، اس لئے احتیاط چاہئے۔ عورت کو اپنی اعتکاف کی جگہ یہ اشکال نہیں، عورت اگر بلاضرورتِ شرعیہ وطبعیہ اپنے اعتکاف کی جگہ سے نکل کر مکان میں کسی اَور جگہ جائے گی تو اس کا اعتکاف باقی نہیں رہے گا:

"وللمرأة الاعتكاف في مسجد بيتها، و هو محل الصلوة فيه، و لا تخرج منه إذا اعتكفت، فلو خرجت بغير عذر، يفسد واجبه، و ينتهي نفله". كذا في مراقي الفلاح والطحطاوي (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

= اللمس، والقبلة؛ لأن الجماع محظور فيه، فيتعدى إلى دواعيه .... و لو أمنى بالتفكر أو بالنظر، لايفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۵، ۷۰۶، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في الدر المختار: ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان إذا اعتكف، طرح له فراشه، أو يوضع له سريره و راء أسطوانة التوبة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲۸، باب ما جاء في الاعتكاف، باب في المعتكف يلزم مكاناً، مير محمد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۵، ۴۶، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا

سوال[۴۹۳۱]: امرأۂ معتکفہ مسجدِ بیت میں کھانا پکا سکتی ہے یا نہیں؟ اذان اور وضو کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے تو ''کافی'' کی اس عبارت کے خلاف ہے:"و یخرج لغائط أو بول أو جمعة". شامی، ج: ۲۔ جواب مع حوالات دیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کا کوئی کھانا پکانے والا نہ ہو تو مسجدِ بیت میں کھانا پکا سکتی ہے، مسجدِ بیت پر تمام احکام مسجد کے جاری نہیں ہوتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۸۸ھ۔

معتکف کا حوض سے پانی لینا

سوال[۴۹۳۲]: اگر حمام مسجد کے فرش سے الگ ہو تو معتکف وضو کے لئے حوض سے پانی لے سکتا ہے یا نہیں، جب کہ مسجد کے اندر کوئی آدمی ہی نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی پانی لانے والا نہیں ہے تو لا سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) چونکہ مسجدِ بیت دوسرے احکام میں مسجدِ شرعی کے حکم میں نہیں ہے اور چونکہ مسجدِ شرعی میں سونا، کھانا پینا وغیرہ معتکف کے لئے جائز ہے، اسی طرح اگر مسجدِ بیت میں کھانا پکایا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں:

"وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد".

(البحر الرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتکاف، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتکاف، امدادیہ ملتان)

(و کذا فی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتکاف، قدیمی)

(۲) "ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أو نفلاً". (الفتاویٰ التاتارخانیہ، الفصل الثانی عشر فی =

معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائک باہر مجمع کو خطاب کرنا

سوال[۴۹۳۳]: کیا معتکف مائک کے ذریعہ باہر کے جلسۂ عام میں مسجد میں بیٹھے بیٹھے خطاب کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتا ہے جب کہ وہ خطاب دینی واصلاحی مضامین سے متعلق ہو(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا

سوال[۴۹۳۴]: کیا وجہ ہے کہ معتکف اگر کاروبار کی یا دنیاوی باتیں کرتا ہے تو اعتکاف نہیں ٹوٹتا، لیکن حکیم صاحب مریضوں کو نبض دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں تو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد دنیاوی باتوں، کاروبار، معاملات کے لئے نہیں بنائی گئی، نہ مطب کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے یہ سب چیزیں مسجد میں مکروہ ہیں، مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ضرورت کے موقعہ پر کوئی دوسرا آدمی کام کرنے والا نہیں، اور مثلاً دوکاندار مسجد میں نماز کے لئے آیا اس سے معتکف نے کہہ دیا کہ فلاں چیز اپنی دکان سے ہمارے مکان پر بھجوادو تو اس کی اجازت ہے، اسی طرح کوئی مریض اتفاقیہ آیا اس کو حکیم صاحب نے دوا تجویز

= الاعتکاف: ۲/۳۱۳، قدیمی)

(۱) "لكنه يلازم القرآن، والذكر والحديث والعلم و دراسته و سير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقصص الأنبياء عليهم السلام و حكايات الصالحين". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۹، ۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

کردی جوان کےمطب سےمل گئی تو مضائقہ نہیں، مگر مستقل یہ مشغلہ وہاں اختیار نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا خارجِ مسجد بات چیت کرنا

سوال[۴۹۳۵]: کیا معتکف کا مسجد میں پیشاب یا پاخانہ کی جگہ تک راستہ میں بات کرنا جائز نہیں، اگر بات کرے گا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا اور اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، اگر ایک آدھ بات کرلی تو کیا اس صورت میں بھی اعتکاف کا بطلان لازم آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا: "و لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة شرعية، أو طبعية: أى يدعو إليها طبع الإنسان، و لو ذهب بعد أن خرج إليها لعيادة مريض، أو صلوة جنازة من غير أن يكون لذلك قصداً، جاز، بخلاف ما إذا خرج لحاجة الإنسان و مكث بعد فراغه، فإنه ينتقض اعتكافه عند الإمام، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲/۴۳۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وقيّده في الظهيرية بأن يجلس لأجله، فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. و في صلاة الجلالي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد و إن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۶۲، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۵۰۷، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/ ۱۷۷۳، البحث الخامس آداب المعتكف، رشيديه)

معتکف کا قرآن پاک پڑھانا

سوال[۴۹۳۶]: معتکف قرآن مجید ناظرہ پڑھا سکتا ہے یانہیں جب کہ بچے پہلے سے بھی پڑھتے ہوں؟

محمد عاصم، مکتبہ اسلامیہ، ڈاکخانہ گجیز کچہری، کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

پڑھا سکتا ہے(۱) لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اعتکافِ مسنون توڑ دینے سے اس کی قضاء

سوال[۴۹۳۷]: رمضان المبارک میں بالخصوص عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف شروع کردینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے یانہیں؟ اگر چھوڑ دے تو قضاء لازم ہوگی یانہیں؟ صلوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کہ نوافل شروع کردینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے، چھوڑ دینے پر قضاء لازم ہوتی ہے یانہیں؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کہ عشرۂ اخیرہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وحضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے لئے خیمے مسجد میں لگادیئے تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام خیموں کو مسجد سے باہر کردیا اور توڑ دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما أنا بمعتكف"، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا لازم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ظاہر نظیر کا یہی تقاضا ہے جو آپ نے کہا، تاہم "الأشباه والنظائر" سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ مؤکدہ

---

(۱) "وأما آدابه .... ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم .... اهـ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۴۰۷، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (الدر المختار: ۱/۶۵۶، =

کو شروع کر کے اگر توڑ دے تو اس کی قضاء لازم نہیں (۱)، عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف بھی سنتِ مؤکدہ ہے، گو علی الکفایہ ہے:

"و مقتضى النظير أنه لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر بنيته، ثم أفسده أن يجب قضاءه تخريجاً على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في الشروع في نفل الصلوة ناوياً أربعاً، لا على قولهما". فتح القدير: ۲/۱۰۸(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۸ھ۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء واَدا اعتکاف ایک ساتھ

سوال [۴۹۳۸]: زید نے رمضان شریف میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، تین دن اعتکاف کے بعد اچانک خبر آگئی کہ حج بیت اللہ کے سفر میں جانا ہے جس کی وجہ سے مجبوراً اعتکاف توڑ کر جانا پڑا، تو اب اس عشرہ کی قضاء کرنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز قضاء کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر امسال رمضان کے اخیر عشرہ میں قضا و اَدا کو مدغم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

احوط تو یہی ہے کہ بعد رمضان پورے عشرہ کا اعتکاف کر لے اور اس عشرہ کے روزے بھی رکھے، لیکن

= كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة و مايكره فيها، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۲۱، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/ ۴۱۹، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

(۱) "إذا شرع في صلوٰة رقطعها قبل إكمالها، فإنه يقضيها إلا الفرض و السنن". (الأشباه و النظائر).

قال الحموي: "وأما في السنة، فلأنها وإن وجبت بالشروع إلا أنه أفسدها في الوقت فيؤديها .... أنه لو شرع في سنة من السنن أو التراويح، لا يلزمه المضي و لا قضاءها إذا أفسد". (شرح الحموي: ۲/ ۱۹، كتاب الصلوة، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (فتح القدير: ۲/ ۳۹۳، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

یہ حکم وجوبی نہیں، جس دن اعتکافِ مستون توڑا ہے اس دن کی قضاء بھی کافی ہے(۱)۔ گذشتہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کوتوڑے ہوئے مسنون اعتکاف کی قضاء کے لئے امسال رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کافی نہیں، وہ اس میں ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۸/ ۸۷ھ۔

اعتکاف میں غسلِ میت کے لئے نکلنا، مستورات کا اعتکاف ٹوٹ جانے پر قضا کا حکم

سوال[۴۹۳۹]: میں ۲۰/ رمضان المبارک کو اعتکاف میں بیٹھ گئی، ۲۲/ رمضان المبارک کو ۱۱/ بجے دن میں میری بھتیجی کی وفات ہوگئی جس میں اپنے بھائی کے گھر جو چند گز کے فاصلہ پر ہے، چلی گئی اور بھتیجی کو غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ گھر سے چلا گیا واپس میں اپنے گھر چلی آئی اور پھر اعتکاف میں بیٹھ گئی، اپنے بھائی کے گھر جب تک رہی ان لوگوں کو صبر دلاتی رہی اور سمجھاتی رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ میرا اعتکاف صحیح ہوا کہ نہیں؟ یہاں کے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اعتکاف صحیح نہیں ہوا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بھتیجے کے انتقال پر وہاں جا کر غسل وکفن کرنا اوران لوگوں کو صبر دلانا بہت اجر وثواب کی چیز ہے، لیکن اعتکاف سے نکلنا اس مقصد کے لئے بھی درست نہیں (۲)، تاہم اعلیٰ بات یہ ہے کہ آپ دس روز کا اعتکاف

---

(۱) "و لو شرع فيه ثم قطع، لا يلزمه القضاء في رواية الأصل، و في رواية الحسن: يلزمه. و في الظهيرية: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أنه يلزم يوماً". (التاتارخانية: ۲/ ۴۱۴، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

"فلو شرع في نفله ثم قطعه، لا يلزمه قضاؤه .... و ما في بعض المعتبرات: أنه يلزم بالشروع مفرّعٌ على الضعيف". (الدر المختار: ۲/ ۴۴۴، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في الهداية: ۱/ ۲۲۹، باب الاعتكاف، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "فإن خرج ساعةً بلا عذر فسد...... و عن هذا فسد إذا عاد مريضاً، أو شهد جنازةً تعينت إلا أنه لا =

مستقل کرلیں، اس میں روزہ بھی رکھیں، حالات اس کی اجازت نہ دیں تو جس روز وہاں جانا ہوا، صرف ایک روز کا اعتکاف اور روزہ رکھ کر کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

نفلی اعتکاف

سوال[۴۹۴۰]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے، شامی: ۲/۱۲۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں

سوال[۴۹۴۱]: اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایۃ میں جو پابندی یا حقوق ہیں وہ مستحب اعتکاف میں بھی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ پابندیاں نفلی اعتکاف میں بھی ہیں، مگر ایک تو اس میں روزہ کی قید نہیں، اور اعتکافِ مسنون رمضان

= يأثم، بل يجب عليه الخروج ...... فالظاهر أن العذر الذی لا يغلب مسقطٌ للإثم لا البطلان". (النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا فی رد المحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فی فتاوىٰ قاضی خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء")

(۲) "هو لبث ذكرٍ فی مسجد جماعة بنية، وهو ثلاثة أقسام　　مستحب فی غيره من الأزمنة، هو =

شریف کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے، اس میں روزہ بھی ہوتا ہے، دوسرے بلاضرورت جب مسجد سے معتکف نکلے گا تونفلی اعتکاف جس کی کوئی مدت معین نہیں کی تھی وہ ختم ہوجائے گا، فاسد نہیں ہوگا، اعتکافِ مسنون ایسی حالت میں فاسد ہوجاتا ہے، شامی : ۲/ ۱۳۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے لفظوں میں اعتکاف کی نیت

سوال [۴۹۴۲] : نفلی اعتکاف گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوجاتا ہے تو مسجد میں جاتے وقت یعنی داخل ہوکر کیا نیت کرنی چاہئے جو روزانہ اعتکاف کا ثواب مل جایا کرے۔ لفظوں میں نیت کا طریقہ بتلا دیجئے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

''میں جتنی دیر تک مسجد میں ٹھہروں اللہ کے لئے معتکف ہوں''۔ اس نیت سے مسجد میں داخل ہوجایا کرے، بس جتنی دیر تک وہاں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملے گا، گھنٹہ بھر ٹھہرے یا کم وبیش (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

= بمعنى غير المؤكدة". (الدر المختار: ۲/ ۴۴۰، ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۸۴، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، غفاريه)

(۱) "(وشرط الصوم) لصحة (الأول): أي النذر اتفاقاً (فقط) .... (وحرم عليه): أي على المعتكف اعتكافاً واجباً، أما النفل فله الخروج؛ لأنه مُنهٍ له لا مبطل (الخروج إلا لحاجة الإنسان)". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۲، ۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذافي التاتار خانية: ۲/ ۴۱۰، ۴۱۳، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأقله نفلاً ساعة من ليل أو نهار عند محمد، وهو ظاهر الرواية عن الإمام، لبناء النفل على المسامحة، و به يفتى". (الدر المختار: ۲/ ۴۴۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد) .... =

نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں

سوال[۴۹۴۳]: کیا اعتکاف نفلی بھی ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی مسجد میں جاوے اور یہ نیت کرلے کہ میں جب تک مسجد میں رہوں گا میرا اعتکاف ہے، کیا اس کو نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا؟ کیا نفلی اعتکاف گھر میں بھی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اس طرح نیت کرنے سے نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا (۱)، مرد کو اس طرح گھر میں ثواب نہیں ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کرکے لیٹنا

سوال[۴۹۴۴]: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو بوجہ کمزوری لیٹ جاتا ہوں مسجد میں اعتکاف کی نیت سے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے انتظار میں سنتیں پڑھ کر یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو کچھ دیر کے لئے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں (۳)، خاص کر اعتکاف کی نیت کرکے، مگر اسی طرح ہو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے، لفظوں میں اعتکاف کی نیت")

(۲) "ومقتضاه أنه يندب للرجل أيضاً أن يخصص موضعاً من بيته لصلوته النافلة، أمّا الفريضة والاعتكاف فهو في المسجد كما لا يخفى، الخ". (ردالمحتار: ۲/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(۳) "وقيل في ذلك (أي الاضطجاع بعد ركعتي الفجر) مثل قول مالك: إن هذا الاضطجاع من =

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں کہ:

معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟

سوال[۴۹۴۵] : ۱...... معتکف مسجد میں مخصوص ایک ہی جگہ بیٹھے یا ہر جگہ بیٹھ سکتا ہے؟

معتکف کا خارجِ مسجد اذان پڑھنا

سوال[۴۹۴۶] : ۲...... معتکف مسجد میں یا خارج مسجد اذان پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۴۷] : ۳...... معتکف ایسے گاؤں میں ہے جس میں شرعاً جمعہ درست نہیں تو وہ نماز جمعہ کے لئے شہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۹۴۸] : ۴...... اگر کوئی شخص شہر میں ایسی جگہ معتکف ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اسی شہر میں دوسری جگہ نمازِ جمعہ کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟

اعتکاف ہر مسجد میں ہو یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے؟

سوال[۴۹۴۹] :۵...... گاؤں اور شہر کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے یا فقط ایک ہی مسجد میں کافی ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ایک جگہ بیٹھنا لازم نہیں، مسجد کے کسی بھی حصہ میں جانے کی اجازت ہے، مثلاً اندر گرمی ہو تو صحن

= سنن العادة له صلى الله عليه وسلم لا من سنن العبادة، فلا نرى به بأساً لمن فعله راحةً، ولو فعله اقتفاءً بعادته الشريفة صلى الله عليه وسلم، رجَونا له الأجر فى ذلك، كماهو حكم سائر عاداته صلى الله عليه وسلم أنه لو فعله أحد اقتفاءً به فى عاداته كان مأجورًا، ونكرهه لمن فعله استناناً وتحتماً". (إعلاء السنن: ۷/ ۲۲، كتاب الصلوة، باب النوافل والسنن، تتمة فى حكم الاضطجاع بعد ركعتى الفجر، إدارة القرآن كراچى)

میں بھی آ سکتا ہے(۱)۔

۲......معتکف کو اذان پڑھنے کی اجازت ہے، اگر وہ مؤذن ہے تو اذان کی متعینہ جگہ (خارج مسجد) بھی اذان پڑھ سکتا ہے(۲)۔

۳......جب کہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے تو اس کو اعتکاف کی جگہ سے نکل کر شہر میں جمعہ کے لئے جانے کی اجازت نہیں (۳)۔

۴......جو شخص شہر کی کسی مسجد میں معتکف ہو جہاں جمعہ نہیں ہوتا وہ جمعہ والی مسجد میں جمعہ کے لئے جائے اور نماز پڑھ کر واپس آ جائے بلا ضرورت دیر نہ لگائے (۴)۔

۵......اچھا تو یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کیا جائے، ہر محلّہ میں کسی مسجد میں اعتکاف کر لیا جائے تب

---

(۱) قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن : ''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے''۔(فتاوی دار العلوم : ۶/۵۰۳، باب الاعتکاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں...... باقی اوقات میں جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔(إمداد الأحكام: ۱۴۵/۲، باب الاعتکاف، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "و لو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف، و إن كان باب المئذنة خارج المسجد، والمؤذن وغيره فيه سواء ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

"وحرم عليه الخروج إلالحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط .... أو شرعيةً كعيد و أذان، لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد ". (الدرالمختار مع رد المحتار : ۴۴۵/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق : ۴۶/۲، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اعتکاف کے لئے شرائط جمعہ'')

(۴) "و يخرج لجمعة حين تزول الشمس، إن كان معتكفه قريباً من الجامع بحيث لو انتظر زوال الشمس، لا تفوته الخطبة والجمعة ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار : ۴۴۵/۲، باب الاعتكاف ، سعيد)

(و كذا في فتاویٰ قاضي خان : ۲۲۱/۱، ۲۲۲، فصل في الاعتكاف ، رشيديه)

بھی کافی ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

اعتکاف اور مسجد کے متعلق ضروری مسائل

اعتکاف سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل کا شرعی حکم کیا ہے، تحریر فرمائیں:

اخراجِ ریح معتکف مسجد میں کرے یا باہر جائے؟

سوال[۴۹۵۰]: ۱.....اگر ریح کا غلبہ ہو تو اس کو خارج کرنے کے لئے معتکف مسجد سے باہر جائے یا احاطۂ مسجد ہی میں کرے؟

ایک قدم مسجد کے اندر، دوسرا باہر ہو تو اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۵۱]: ۲.....اگر ایک قدم ہے مسجد کے اندر اور ایک دوسرا باہر تو اعتکاف ٹوٹ گیا یا نہیں؟

کتاب یا قرآن پاک پڑھنے کے لئے معتکف کا مسجد کا تیل جلانا

سوال[۴۹۵۲]: ۳.....معتکف مسجد کا تیل کتاب یا کلام مجید پڑھنے کے لئے جلاسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) اس کے لئے صریح جزئیہ تو نہیں ملا، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف بھی تراویح کی طرح ہر مسجد میں ہونا چاہئے: قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: سنة على الكفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض، سقط الطلب عن الباقين، فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر. ولو كان سنة عين، لأثموا بترك السنة إثماً دون إثم ترك الواجب". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

و قال أيضاً: "(قوله: والجماعة فيها سنة على الكفاية)، أفاد أن أصل التراويح سنة عين، .... و هل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة، أو مسجد واحد منها، أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول، واستظهر الثاني، و يظهر لي الثالث، لقول المنية: حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة، فقد تركوا السنة، وأساءوا". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۵، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

ایضاً

سوال[۴۹۵۳]: ۴......معتکف مسجد میں دیا سلائی سے چراغ روشن کرے یا چراغ جلانے کو باہر جائے؟

معتکف کا کھانا کھانے کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۵۴]: ۵......معتکف اپنا کھانا مکان پر جا کر کھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ لانے والا موجود نہ ہو؟

گرم پانی لینے کے لئے معتکف کا باہر جانا

سوال[۴۹۵۵]: ۶......اگر گرم پانی دور ہے اور سرد پانی نزدیک تو گرم پانی لینے جا سکتا ہے یا نہیں؟

گرمی یا سردی کی وجہ سے وضو کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال[۴۹۵۶]: ۷......احاطۂ مسجد میں گرمی زیادہ ہے یا سردی زیادہ ہے تو وضو کے لئے باہر سایہ میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

۸......مسجد کی چٹائی یا دیواروں پر تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

پانی لانے کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال[۴۹۵۷]: ۹......اگر پاس موجود ہو تو پھر بھی خود پانی لا سکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا

سوال[۴۹۵۸]: ۱۰......کیا حالتِ اعتکاف میں حجامت بنوا سکتا ہے یا نہیں؟

ابتدائے اعتکاف کا وقت

سوال[۴۹۵۹]: ۱۱......۲۰/ تاریخ کو اذان مغرب ہو جائے تب بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

سعید احمد خان کھیڑوی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......حدود مسجد سے باہر جانے کی ضرورت نہیں، کذا فی الدر المختار: ۱/٦٨٧ (١)۔

۲......نہیں:"قوله: الخروج الخ المراد بالخروج انفصال قدميه". طحطاوی، ص: ٤٧٥ (٢)۔

۳......اوقاتِ نماز میں جب تک چراغ جلنے کا عرف ہو، جلاسکتا ہے اور اس کے بعد تیل دینے والوں کی اجازت سے جلاسکتا ہے (۳)۔

۴......مسجد میں دیا سلائی جلانے کو فتاویٰ رشیدیہ: ۲/۱۱۳ میں حرام لکھا ہے (۴)۔ اگر بدبودار نہ ہو تو مضائقہ نہیں، فتاویٰ رشیدیہ، ص: ٦ (٥)۔

---

(۱) "وإذا فسا في المسجد لم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (ردالمحتار: ۱/۱۷۲، کتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل السادس في آداب المسجد، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۴۷۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أو كان ذلك معتاداً في ذلك الموضع". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۱۰، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوٰة ومالايكره، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۲۰، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۴۲۲، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۴) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۰۱، باب: مساجد کے احکام کا بیان، سعید)

(۵) مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''چراغ خارج مسجد روشن کر کے لے جاوے، یا موم کی دیا سلائی سے روشن کرے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۱۸)

۵.....کھا سکتا ہے، کذا فی البحر : ۲/۳۰۳، شرط مذکور کے ساتھ(۱)۔

۶.....اگر سرد پانی سے وضو کرنے میں زیادہ دقّت ہوتی ہے اور حدوث مرض یا ازدیادمرض کا اندیشہ ہے تو جا سکتا ہے(۲)۔

۷.....زیادہ دقت کی حالت میں جا سکتا ہے جب کہ تحمل نہ ہو(۳)۔

۸..... چٹائی پر اگر غبار ہو تو اس سے تیمّم درست ہے(۴)، دیوارِ مسجد سے بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے(۵)۔

۹.....نہیں، هكذا يفهم ممافي البحر : ۲/۳۰۳۔ اگر دوسرے سے منگا سکتا ہے تو خود جانا جائز نہیں(۶)۔

---

(۱) "وفي الفتاوى الظهيرية: وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص:۷۰۴، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۲) "فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ولانهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان : ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، باب الاعتكاف ، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسجنة المنعقدة من الأرض........... وبالحجر عليه غبار".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶، ۲۷، الباب الرابع في التيمم، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان : ۱/۲۱، فصل فيما يجوز به التيمم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸، ۳۹، باب التيمم، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) "ويكره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد أو بحائطه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۶۵، باب التيمم، فصل في المسجد، رشيديه)

(۶) "وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج =

۱۰...... بال بنواسکتا ہے(۱)، حجامت بنوانا- جس میں خون نکلتا ہے- منع ہے(۲)۔

۱۱...... غروب آفتاب سے کچھ پہلے اعتکاف کی جگہ میں آجانا چاہیے، کیونکہ عین غروب کے وقت مہینہ ختم ہونے پر اعتکاف ختم ہوجائے گا، پس اگر کوئی ۲۰/ تاریخ کو بعد غروب بنیتِ اعتکاف مسجد میں آیا تو جس قدر دیر کر کے آیا ہے اتنا وقت ایک عشرہ میں سے کم ہوجائے گا اور ایک عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

اعتکاف کے ۶۴/ مسائل

برائے کرم حسبِ ذیل مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کریں، تمام سوالات ماہِ رمضان المبارک کے

= لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لاضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعدالغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذالم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/ ۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۱) قال المفتي رشيد احمد رحمة الله عليه: "اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۵۰۶، باب الاعتکاف، سعید)

(۲) "فلايجوز الاستصباح بدهن نجس فيه ولا البول والفصد". (الدرالمختار). "وأما الفصد فيه في إناء، فلم أره، وينبغي أن لافرق اهـ: أي لافرق بينه وبين البول". (ردالمحتار: ۱/ ۶۵۶، باب مايفسد الصلوٰة، سعيد)

(۳) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية". (الدرالمختار: ۲/ ۴۴۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف، قديمي)

آخری عشرہ کے اعتکاف کے بارے میں ہیں۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۶۰]: ۱......رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرض ہے یا سنت؟

معتکف کون کون ہوسکتا ہے؟

سوال[۴۹۶۱]: ۲......معتکف، نیچے لکھے آدمیوں میں سے کون کون ہوسکتا ہے؟ ۱-غلام۔ ۲-کوڑھی۔ ۳-اندھا۔ ۴-اجہل۔ ۵-مخنث (ہیجڑا)۔ ۶-سدا سہاگن۔ ۷-بے نمازی۔ ۸-بے روزہ دار۔ ۹-گونگا، بہرہ۔ ۱۰-نیم پاگل۔ ۱۱-فقیر۔ ۱۲-مجذوب۔ ۱۳-مقروض۔ ۱۴-فاسق وفاجر۔ ۱۵-حاملہ جب کہ دن قریب ہوں۔

معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم

سوال[۴۹۶۲]: ۳......معتکف کا مسجد میں بیٹھنا ضروری ہے یا مسجد ہوتے ہوئے گھر میں بھی بیٹھ سکتا ہے؟

عورت کے اعتکاف سے مردوں سے سقوطِ اعتکاف

سوال[۴۹۶۳]: ۴......کوئی صاحب مسجد میں معتکف نہ ہوئے ایک عورت گھر پر معتکف ہوگئی۔ کیا حکم ہے؟

مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف

سوال[۴۹۶۴]: ۵......مسجد میں عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک مقرر ہے، اس حصہ میں ایک عورت معتکف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے اعتکاف سے بستی کا بوجھ اتر جائے گا یا نہیں؟

کیا اعتکاف کے لئے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں؟

سوال[۴۹۶۵]: ۶......اعتکاف کیلئے مسجد، اذان، نماز جماعت شرط ہے یا جس مقام میں نہ ہو یا چند مسلمان نمازی روزہ دار ہوں یا گاؤں میں چند مکان مسلمانوں کے ہوں، نہ نماز پڑھتے ہوں، نہ روزہ رکھتے

ہوں، وہاں بھی اعتکاف ضروری ہے یا نہیں؟

۲۴/ رمضان کومعتکف کا انتقال ہوجائے

سوال[۴۹۶۶]: ۷......معتکف کا ۲۴/ رمضان المبارک کوانتقال ہوگیا، کیا حکم ہے؟

دوآدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت

سوال[۴۹۶۷]: ۸......بغرض مجبوری دوصاحب پانچ پانچ یوم معتکف ہوئے کیا حکم ہے؟

معتکف کی چہل قدمی کے لئے احاطۂ مسجد میں حدود

سوال[۴۹۶۸]: ۹......مسجد کا احاطہ کافی لمبا چوڑا ہے، معتکف کہاں تک چل پھر سکتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت

سوال[۴۹۶۹]: ۱۰......پاخانہ آتے جاتے معتکف لوگوں سے بات چیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کتنی دیر تک اور کس قسم کی بات چیت کرسکتا ہے؟

معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال[۴۹۷۰]: ۱۱......مسجد کے احاطہ میں پھل، پھول، سبزی لگی ہے معتکف اس کی دیکھ بھال کرسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا

سوال[۴۹۷۱]: ۱۲......مسجد سے ملحق باغ ہے، معتکف مسجد میں بیٹھے بیٹھے چلتے پھرتے باغ کی نگرانی کرسکتا ہے؟ پرندوں کو بھگاتے کے لئے ڈوری کھینچ یا چلاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا

سوال[۴۹۷۲]: ۱۳......تعمیرِ مسجد کا کام مسجد میں جاری ہے، معتکف مزدوری سے یا فی سبیل اللہ کام کرسکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں ماہواری یا شوہر کی ہمبستری کا حکم

سوال[۴۹۷۳] : ۱۴...... عورت گھر پر معتکف تھی، ماہواری خون جاری ہوگیا، یا شوہر نے جبراً صحبت کرلی، نہا کر پھر معتکف ہوگئی کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے گھر جا کر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۷۴] : ۱۵...... معتکف گھر پاخانہ کرنے گیا، پاخانہ میں اس کی عورت تھی اس کو دیکھ کر دماغی توازن کھو بیٹھا اور صحبت کرلی، بعد فراغت غسل کر کے معتکف ہوگیا۔ کیا حکم ہے؟ جب کہ دوسرا کوئی معتکف نہیں ہے۔

حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا

سوال[۴۹۷۵] : ۱۶...... معتکف کی بیوی کھانا دینے مسجد میں آئی، معتکف نے بوسہ لے لیا۔ کیا حکم ہے؟

حالتِ اعتکاف میں پاگل ہوجانے اور مسجد سے بجبوری نکلنے کا حکم

سوال[۴۹۷۶] : ۱۷...... معتکف ۲۴/ رمضان کو پاگل ہوگیا، کیا حکم ہے؟ معتکف پاخانہ، پیشاب کے علاوہ یہ حالتِ مجبوری کن کن حالات میں مسجد سے نکل سکتا ہے؟

حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت

سوال[۴۹۷۷] : ۱۸...... معتکف کے قریبی عزیز کا انتقال ہوگیا جنازہ میں شرکت کرسکتا ہے یانہیں؟ یا نماز جنازہ مسجد کے باہر ہورہی ہے، شرکت کرسکتا ہے یانہیں؟

معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا

سوال[۴۹۷۸] : ۱۹...... معتکف کی بیوی یا بچے کا انتقال ہوگیا تجہیز وتکفین کا انتظام معتکف کرتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا شادی میں شرکت کرنا

سوال[۴۹۷۹] : ۲۰..... معتکف کی یا کسی عزیز کی یا لڑکی کی شادی ہے شرکت کرسکتا ہے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا

سوال[۴۹۸۰] : ۲۱..... مسجد میں پانی نہیں، معتکف وضوکرنے یا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

پانی نہ ہوتو غسلِ جنابت میں تیمّم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

سوال[۴۹۸۱] : ۲۲..... معتکف کو غسل کی حاجت ہوگئی مسجد میں پانی نہیں ہے، کیا حکم ہے، تیمّم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

معتکف کا سحری یا افطاری لینے گھر جانا

سوال[۴۹۸۲] : ۲۳..... معتکف کا ایک دن سحر وافطار نہیں آیا، کھانا لینے گھر جاسکتا ہے یا نہیں؟

کیا معتکف مقدمہ کے لئے جا کر اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا سکتا ہے؟

سوال[۴۹۸۳] : ۲۴..... ۲۸/ رمضان کو معتکف کی مقدمہ کی پیشی آگئی، کیا حکم ہے؟ کسی دوسرے کو بٹھا کر جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا علاج کے لئے باہر جانا

سوال[۴۹۸۴] : ۲۵..... معتکف سخت بیمار ہوگیا علاج کو باہر جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لئے دوسری مسجد جانا

سوال[۴۹۸۵] : ۲۶..... حافظ صاحب معتکف ہوگئے، تراویح پڑھانے دوسری مسجد میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

وعظ کے لئے معتکف کا کسی مجلس میں جانا

سوال[۴۹۸۶]: ۲۷..... عالم صاحب معتکف ہوگئے، وعظ کہنے دوسری مسجد یا دینی مجلس میں یا شارع عام پر جا سکتے ہیں یا نہیں؟

معتکف کا میٹنگ میں جانا

سوال[۴۹۸۷]: ۲۸..... معتکف سیاسی آدمی ہیں، ایک میٹنگ ہے کلام کرنا ہے اور ضروری ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لئے جانا

سوال[۴۹۸۸]: ۲۹..... کیا معتکف رائے شماری میں ووٹ دینے جا سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر سے مصافحہ کے لئے جانا

سوال[۴۹۸۹]: ۳۰..... معتکف کے پیر صاحب پاس والے گاؤں ریل یا موٹر سے گزر رہے ہیں، معتکف سلام ومصافحہ کو جا سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر کی ملاقات کے لئے جانا

سوال[۴۹۹۰]: ۳۱..... معتکف اپنے مقامی پیر صاحب سے ملاقات کو روزانہ، ہفتہ میں یا عشرہ میں جا سکتا ہے؟

معتکف کا اپنی بیوی کو علاج کے لئے لے جانا

سوال[۴۹۹۱]: ۳۲..... معتکف کی بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی علاج کو لے جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کی حکومت کی طرف سے طلبی ہونے پر کیا کرے؟

سوال[۴۹۹۲]: ۳۳..... معتکف کو حاکم یا افسر نے طلب کیا، کیا حکم ہے؟

صلح کرانے کے لئے معتکف کہاں تک جا سکتا ہے؟

سوال[۴۹۹۳]: ۳۴..... لڑائی جھگڑے میں صلح وصفائی کو جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جا سکتا ہے تو کتنی

دور اور کتنی دیر کو جاسکتا ہے؟

معتکف کا دم کرانے کے لئے دوسرے گاؤں جانا

سوال[۴۹۹۴]: ۳۵...... معتکف سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کا عمل جانتا ہے، پاس والے گاؤں میں کسی کو سانپ نے کاٹ لیا، لوگ بلانے آئے، جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزانہ دوا لینے شفا خانہ جانا

سوال[۴۹۹۵]: ۳۶...... معتکف روزانہ صبح اپنی بیوی کی دوا لینے شفا خانہ جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا

سوال[۴۹۹۶]: ۳۷...... مسجد کے پڑوس میں آگ لگ گئی، معتکف آگ بجھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لئے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا

سوال[۴۹۹۷]: ۳۸...... مسجد میں آگ لگ گئی معتکف پانی ڈھونے آگ بجھانے کو کنویں پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گذارے؟

سوال[۴۹۹۸]: ۳۹...... مسجد کسی حادثہ میں شہید ہوگئی، معتکف باقی دن دوسری مسجد یا مسجد نہ ہوتو گھر پورے کرسکتا ہے؟

گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا

سوال[۴۹۹۹]: ۴۰...... معتکف پاخانہ کرنے گیا، راستہ میں نقدی یا ضروری کاغذات گر گئے، تلاش کرنے جاسکتا ہے؟

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا

سوال[۵۰۰۰]: ۴۱...... معتکف نے جوتے مسجد سے باہر اتار دیئے، چوری کئے جانے کا ڈر ہے

اب اٹھانے باہر جاسکتا ہے؟

معتکف کا ہوٹل یا گھر چائے پینے جانا

سوال[۵۰۰۱]: ۴۲...... معتکف چائے کا شدت سے عادی ہے، ایک دن گھر سے نہیں آئی، ہوٹل یا گھر چائے پینے جاسکتا ہے؟

معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا

سوال[۵۰۰۲]: ۴۳...... معتکف علمائے کرام کا وعظ سننے دوسری مسجد یا دینی مجلس یا شارع عام پر جاسکتا ہے؟

معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا

سوال[۵۰۰۳]: ۴۴...... معتکف طالب علم ہے، سبق سنانے مدرسہ جاسکتا ہے؟

معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال[۵۰۰۴]: ۴۵...... معتکف کے گھر چوری ہوگئی، رپورٹ لکھانے جاسکتا ہے؟

بیڑی پینے کے لئے بار بار نکلنے کا حکم

سوال[۵۰۰۵]: ۴۶...... معتکف کثرت سے بیڑی پیتا ہے بار بار جانا پڑتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا

سوال[۵۰۰۶]: ۴۷...... معتکف نے کپڑے سوکھنے ڈالے، ہوا میں اڑ گئے، اٹھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا

سوال[۵۰۰۷]: ۴۸...... معتکف نہ تو روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے، کیا حکم ہے؟

کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا

سوال[۵۰۰۸]: ۴۹...... معتکف دن بھر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں لوگوں سے مسجد میں بات چیت

کرتا ہے، ویسے نماز روزہ کا پابند ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لئے مسجد میں فون لگانا

سوال[۵۰۰۹]: ۵۰..... معتکف نے مسجد میں فون لگوالیا ہے دن بھر اپنے کاروبار، بیوی بچوں سے باخبر رہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا

سوال[۵۰۱۰]: ۵۱..... معتکف گھر پاخانہ جاتے ہوئے دو بالٹی پانی گھر لے جاتا ہے، واپسی پر دو بالٹی مسجد میں لیتا آتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا

سوال[۵۰۱۱]: ۵۲..... معتکف صبح پاخانہ کرنے جاتا ہے تو راستہ میں اپنی دوکان کا تالہ کھول دیتا ہے اور پاخانہ کر کے مسجد آجاتا ہے، نوکر دن بھر کاروبار چلاتے ہیں، شام کو جب پاخانہ کرنے جاتا ہے تو نقدی سنبھال کر ڈال دیتا ہے اور پاخانہ کر کے مسجد آجاتا ہے۔

معتکف کا پڑھانے کے لئے مدرسہ جانا

سوال[۵۰۱۲]: ۵۳..... مولانا صاحب معتکف ہیں لیکن بچوں کو عربی سبق دینے روزانہ مدرسہ ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا

سوال[۵۰۱۳]: ۵۴..... حکیم صاحب معتکف ہیں لیکن مسجد میں روزانہ صبح ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں۔

ٹیوشن پڑھانے کے لئے معتکف کا نکلنا

سوال[۵۰۱۴]: ۵۵..... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، دو بچوں کو ٹیوشن پڑھانے ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا

سوال[۵۰۱۵] : ۵۶...... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، مسجد میں چند بچوں کو ہندی یا انگریزی پڑھاتے ہیں۔

معتکف کا قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال[۵۰۱۶] : ۵۷...... معتکف صبح پاخانہ کر کے گھر سے واپس آیا تو بیلوں کو کھولتا لے آیا اور کھلیان میں رات میں بند کر کے مسجد آ گیا، شام کو پاخانہ جاتے وقت کھلیان سے لے گیا اور گھر باندھ کر کے پاخانہ کر کے مسجد آ گیا، کیا حکم ہے؟

مسجد کے بیت الخلاء کے باوجود قضائے حاجت کے لئے گھر جانا

سوال[۵۰۱۷] : ۵۸...... مسجد میں پاخانہ ہے، معتکف کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے گھر کے پاخانہ کے علاوہ کہیں پاخانہ نہیں اترتا، کیا معتکف اپنے گھر پاخانہ کرنے جا سکتا ہے؟

قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعا پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟

سوال[۵۰۱۸] : ۵۹...... معتکف پاخانہ پیشاب کو جب جب مسجد سے باہر نکلے، واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعاء پڑھے یا پہلے دن داخل ہوتے وقت کی دعاء آخر تک کافی ہے؟

بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم

سوال[۵۰۱۹] : ۶۰...... معتکف بھول سے مسجد سے باہر چلا گیا، کیا حکم ہے؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے نکلنا

سوال[۵۰۲۰] : ۶۱...... معتکف اپنے محلّہ کی مسجد میں بیٹھ گیا، نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۲۱] : ۶۲...... معتکف اپنے گاؤں کی مسجد میں بیٹھ گیا وہاں جمعہ نہیں ہوتا بلکہ جمعہ پاس

والے دوسرے گاؤں میں ہوتا ہے نماز جمعہ ادا کرنے جا سکتا ہے یا نہیں؟

پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۲]: ۶۳...... معتکف کو پولیس یا کوئی آدمی کسی چکر میں جبراً پکڑ لے گیا، بعد دو گھنٹہ کے چھوڑ دیا، کیا حکم ہے؟

جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۳]: ۶۴...... مسجد کے قریب میں جھگڑا ہو گیا، معتکف کو جان کا خوف ہے، مسجد چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرے دن امن ہو گیا تو معتکف اب معتکف رہا یا اعتکاف ٹوٹ گیا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱)۔

۲...... بدن سے اگر رطوبت نکلتی یا بدبو آتی ہے یا لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں تو اس کو مسجد میں نہیں آنا چاہیئے، نہ وہ مسجد میں اعتکاف کرے(۲)۔

۵- اپنی حالت بدل کر توبہ کرے تو اعتکاف بھی مسجد میں کرے(۳)۔ ۶- کا بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) "و سنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدر المختار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "و يحرم فيه السؤال ...... و رفع صوت بذكر و أكل و نوم ...... و أكل نحو ثوم، و يمنع منه". (الدر المختار). قال الشامي: "و كذالك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر أو به جرح له رائحة، و كذلك القصاب و السماك و المجذوم، والأبرص أولى بالإلحاق." (رد المحتار: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۱، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب الغرس في المسجد، سعيد)

"فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه، و قد كرهه شيخنا العمادي في هديته إلحاقاً له بالثوم و البصل بالأولى". (الدر المختار: ۶/ ۴۶۰، كتاب الأشربة، سعيد)

(۳) "هل يصح (الاعتكاف) من الخنثى في بيته؟ لم أره، و الظاهر لا، لاحتمال ذكوريته؛ لأنه على تقدير =

۷- جب مسجد میں اعتکاف کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا۔

۸- جب مسجد میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرے گا تو روزہ بھی رکھے گا (۱)۔

۱۰- اگر مسجد کا احترام نہ کرے تو مسجد میں نہ آئے نہ وہاں اعتکاف کرے (۲)۔۱۲- کا بھی یہی حکم ہے۔۱۴- مسجد میں فسق و فجور نہ کرے تو اعتکاف بھی کرلے۔

۱۵- گھر میں اعتکاف کرسکتی ہے، باقی لوگوں کے اعتکاف میں کیا اشکال ہے (۳)۔

۳...... مرد کا اعتکاف گھر میں نہیں ہوتا وہ مسجد ہی میں ہوتا ہے (۴)۔

= أنوثته يصح في المسجد مع الكراهة، و على تقدير ذكورته لا يصح في البيت بوجه ". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۱، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۵، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) "و مقتضى ذلك، أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير" (رد المحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "أخرجه المنذري مرفوعاً: "جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم، و بيعكم و شراء كم، و رفع أصواتكم، و سلّ سيوفكم، و إقامة حدودكم .... اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۵۶، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

قال الفقيه: "إنما يصير للعبد منزلة عند الله تعالىٰ إذا عظّم أوامره، وعظّم بيوته و عباده، و المساجد بيوت الله، فينبغي للمؤمن أن يعظّمها، فإن في تعظيم المساجد تعظيم الله تعالىٰ". (تنبيه الغافلين، ص: ۱۶۷، باب حرمة المساجد، حقانيه)

(۳) "والمرأة تعتكف في مسجد بيتها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۱۱، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "الاعتكاف ...... و هو اللبث في المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف ...... والأفضل اعتكاف الرجل=

۴..... عورت کا اعتکاف صحیح ہو جائے گا لیکن مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہیں ہوگی (۱)۔

۵..... عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے بلکہ گھر میں کرے، لیکن اس کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہ ہوگی (۲)۔

۶..... اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جہاں اذان اور پنجگانہ جماعت کا اہتمام ہو، ویران جنگل کی مسجد یا عیدگاہ میں نہیں، جہاں بھی مسلمان ہوں ان کو اذان و جماعت کا اہتمام لازم ہے، جہاں مسجد نہ ہو وہاں اعتکاف مسنون نہیں (۳)۔

۷..... اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، اس کی نیت پورے عشرہ کے اعتکاف کی تھی اس کا اس کو اجر ملے گا (۴)۔

= في الجامع". (التاتارخانية: ۲/۴۱۰، ۴۱۱، فصل في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۳، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(۱) "ولو خرجت واعتكفت في مسجد الجماعة، جاز اعتكافها .... وعن أبي حنيفة: إن شاءت اعتكفت في مسجد بيتها، وإن شاءت في مسجد جماعة، إلا أن مسجد بيتها أفضل من مسجد حيّها".

(التاتارخانية: ۲/۴۱۱، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) "هو (أي الاعتكاف) لُبث ذكر الخ". (الدرالمختار). "(قوله: ذكر) قيد به، وإن تحقق اعتكاف المرأة في المسجد مَيلاً إلى تعريف الاعتكاف المطلوب؛ لأن اعتكاف المرأة فيه مكروه كما يأتي، بل ظاهر ما في غاية البيان أن ظاهر الرواية عدم صحته، الخ". (ردالمحتار، باب لاعتكاف: ۲/۴۴۰، سعيد)

(۳) "وأما شروطه ..... ومنها مسجد الجماعة، فيصح في كل مسجد له أذان وإقامة، هو الصحيح".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۱۰، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال فيما يروي عن ربه =

۸......اس طرح سنت ادا نہیں ہوئی (۱)۔

۹...... جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے وہاں تک اجازت ہے، بلا وجہ وہاں بھی تفریح کرتا نہ پھرے (۲)۔

۱۰...... جب ضرورت ہو بات کرسکتا ہے، بات کرنے کے لئے نہ نکلے، نہ ٹھہرے، ایسی بات بھی نہ کرے جو مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہو (۳)۔

۱۱...... جو حصہ نماز کے لئے ہے وہ مسجد ہے وہاں سے پانی وغیرہ دیدے تو مضائقہ نہیں باہر

= تبارک و تعالیٰ: "إن ربکم عزوجل رحیم، من همّ بحسنة فلم یعملها، کتبت له حسنة، فإن عملها کتبت له عشر إلی سبعمأة أضعاف کثیرة. و من همّ بسیئة فلم یعملها کتبت له حسنة، فإن عملها کتبت له واحدة أو یمحوها الله عزوجل، و لا یهلک علی الله إلا هالک". (تفسیر ابن کثیر. ۲/ ۲۶۳، جمعیة إحیاء التراث، ومکتبه دار الفیحاء دمشق)

(۱) "و ینقسم (أی الاعتکاف) إلی واجب .... و إلی سنة مؤکدة، و هو فی العشر الأخیر من رمضان". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱/ ۳۴۷، ۳۴۸، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۵، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "(و لا یخرج منه) من معتکفه، فیشمل المرأة المعتکفة، إلا لحاجة شرعیة کالجمعة و العیدین ..... أو حاجة طبعیة کالبول والغائط" (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۶، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "و أما التکلم بغیر خیر، فلا یجوز لغیر المعتکف. والکلام المباح مکروه ..... والظاهر أن المباح عند الحاجة إلیه خیر لا عند عدمها". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۴، ۷۰۵، باب الاعتکاف، قدیمی)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۵۰، باب الاعتکاف، سعید)

(و کذا فی النهر الفائق: ۲/ ۳۸، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

نہ نکلے (۱)۔

۱۲...... مسجد میں چلّا نا منع ہے (۲)، بغیر چلّائے نگرانی کرسکتا ہے (۳)۔

۱۳...... اگر مسجد سے باہر نہ جانا پڑے تو کرسکتا ہے (۴)۔

۱۴...... پہلا اعتکاف ختم ہوگیا (۵)، دوسرا شروع ہوا، اگر عشرۂ اخیرہ میں ایسا ہوا تو سنت ادا نہ ہوئی (۶)۔

۱۵...... یہ بھی نمبر: ۱۴ کی طرح ہے۔

۱۶...... ایسا کرنا ممنوع ہے، مگر صرف اتنی بات سے اعتکاف ختم نہیں ہوا (۷)۔

۱۷...... وہ مکلّف نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس کو صحت دے (۸)۔

---

(۱) "و أكل المعتكف و شربه و نومه و عقده البيع لما يحتاجه لنفسه أو عياله، لا تكون إلا في المسجد لضرورة الاعتكاف، حتى لو خرج لهذه الأشياء، يفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۸، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۳)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) "يحتمل أن تكون الزوجة معتكفةً في مسجد بيتها، فيأتيها فيه زوجها، فيبطل اعتكافها" (ردالمحتار: ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۶) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشية: ۱)

(۷) "وحرم الوطء و دواعيه .... فالتحق به اللمس والقبلة". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۸) "و أما شروطه ..... و منها الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض". (الفتاوى العالمكيرية: =

۱۸......شرکتِ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۱۹......اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اعتکاف باقی نہ رہے گا اگر چہ ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا اس کے ذمہ لازم ہوا اور اس سے گنہگار نہ ہو(۱)۔

۲۰......نہیں (۲)۔

۲۱......جا سکتا ہے (۳)۔

۲۲......تیمّم کر کے باہر نکلے اور غسل کرے (۴)۔

۲۳......اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو جا سکتا ہے (۵)۔

= ۱/۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۱) "و عن هذا فسد إذا عاد مریضاً أو شهد جنازةً تعینت، إلا أنه لا یأثم، بل یجب علیه الخروج".

(النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۴۱، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشیة: ۲)

(۳) "فلا یخرج المعتکف من معتکفه لیلاً و لا نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غیر عذر ساعةً، فسد اعتکافه" (الفتاویٰ العالمكیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۲۱، کتاب الصوم، فصل فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۴) "و لو احتلم المعتکف، لا یفسد اعتکافه؛ لأنه لا صنع له فیه، فلم یکن جماعاً ولا فی معنی الجماع، ثم إن أمکنه الاغتسال فی المسجد من غیر أن یتلوث المسجد، فلا بأس به، و إلا فیخرج، فیغتسل، و یعود إلی المسجد". (بدائع الصنائع: ۳/۳۲، فصل فی رکن الاعتکاف، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكیریة: ۱/۲۱۳، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(۵) "وأکله و شربه و نومه و مبایعته فیه، یعني یفعل المعتکف هذه الأشیاء فی المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتکافه؛ لأنه لا ضرورة إلی الخروج حیث جازت فیه .... وقیل: یخرج بعد الغروب =

۲۴......اگر جائے گا تو اعتکاف باقی نہ رہے گا اور دوسرے شخص کے بٹھانے سے اس کے اعتکاف میں پیوند نہیں لگے گا (۱)۔

۲۵......باہر جانے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا (۲)۔

۲۶......ان کا بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۲۷......ان کا بھی یہی حال ہے۔

۲۸......اس کا اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔

۲۹......مثل نمبر: ۲۸۔

۳۰......ایضاً

۳۱......ایضاً

۳۲......ایضاً

۳۳......ایضاً

۳۴......ایضاً

۳۵......ایضاً

= للأكل والشرب، و ينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۰۳ ۵، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۴۰۷، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "و أما مفسداته. فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً و نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة انفاً)

۳۶......ایضاً

۳۷......ایضاً

۳۸......ایضاً

۳۹......دوسری مسجد میں اعتکاف پورا کرے(۱)۔

۴۰......اس کی بھی گنجائش ہے۔

۴۱......صحن کے متصل ہی تو ہوں گے، اٹھا لے۔

۴۲......گنجائش ہے اگر کوئی اَور انتظام نہ ہو، بہتر یہ ہے کہ وہاں سے لاکر مسجد میں پئے (۲)۔

۴۳......مثل نمبر: ۲۸۔

۴۴......ایضاً

۴۵......ایضاً

۴۶......گنجائش ہے اگر بغیر اس کے گذارہ نہیں (۳)۔

۴۷......مثل نمبر: ۲۸۔

۴۸......معتکف ترکِ فرض کی وجہ سے سخت گناہگار رہے (۴)۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد، أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/ ۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(۲) (راجع، ص: ۲۸۱، رقم الحاشية: ۵)

(۳) صرف بیڑی سگریٹ کے لئے نکلنا درست نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی حقانیہ: ۴/ ۲۰۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۵۰۵، میں ہے، البتہ کسی ضرورت سے نکلے راستے میں بیڑی وغیرہ کا استعمال کرے كما تقدم تخريجه تحت عنوان: "معتکف کو بیڑی سگریٹ پینا"۔

(۴) "عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بين العبد و بين الكفر =

۴۹......اعتکاف تو ہو جائے گا مگر اس کے اصلی منافع مرتب نہ ہوں گے (۱)۔

۵۰......حسبِ ضرورت باخبر رہنے سے مضائقہ نہیں (۲)۔

۵۱......درست ہے مگر مسجد کی بالٹی کو اس طرح گھر کے لئے استعمال نہ کرے (۳)۔

۵۲......گنجائش ہے، اگر کوئی اَور انتظام نہیں (۴)۔

۵۳......مثل نمبر: ۲۸۔

۵۴......ایضاً

۵۵......ایضاً

۵۶......اعتکاف تو فاسد نہیں ہوتا مگر منافعِ اعتکاف بھی پورے حاصل نہیں ہوتے (۵)۔

= ترک الصلوة". (مشكوة المصابيح: ۱/۵۸، كتاب الصلوة، الفصل الأول، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصة و لا مرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۷۷، كتاب الصوم، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۲۸۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۸، رقم الحاشية: ۳)

(۳) "و لا يحمل الرجل سراج المسجد إلى بيته، ويحمل من بيته إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية. ۱/۱۱۰، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة و ما لا يكره، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۲۰، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۴۲۳، الفصل الرابع في المسجد و أوقافه، رشيديه)

(۴) "لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض، أو لصلوة الجنازة، من غير أن يكون لذلك قصد، فإنه جائز". (البحر الرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۸، فصل في ركن الاعتكاف و محظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۵) "ويفسق معتاد المرور :: ومن علم الأطفال"

" الذى في القنية: أنه يأثم، ولا يلزم منه الفسق، ولم ينقل عن أحد القول به، ويمكن أنه بناء =

10

۵۷......گنجائش ہے اگر کوئی اور انتظام نہیں (۱)۔

۵۸......جاسکتا ہے (۲)۔

۵۹......پہلی دعاء کافی ہے، ہر دفعہ پڑھ لینا بھی بہتر ہے۔

۶۰......اعتکاف ختم ہوگیا (۳)۔

۶۱......جاسکتا ہے (۴)۔

= على أنه بالإصرار عليه يفسق". (ردالمحتار: ۶/۴۲۸، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۲۱، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۲۸۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعةً كبول و غائط و غسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلاخلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۳) "و إن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، سواء كان الخروج عامداً أو ناسياً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(۴) "و لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة شرعيةً كالجمعة والعيدين، أوحاجة طبعيةً". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۶، فصل في ركن الاعتكاف ومحظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

۶۲......نہیں (۱)۔

۶۳......مثل نمبر: ۲۸۔

۶۴......ایضاً۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔



(۱) جب معتکف کے گاؤں کی مسجد میں جمعہ ادا نہیں ہوتا تو گویا معتکف پر جمعہ فرض نہ ہوا، جب فرض نہیں ہے تو حاجتِ شرعیہ میں سے نہ ہوا اور معتکف کو بغیر حاجتِ شرعیہ اور طبعیہ کے نکلنا درست نہیں ہے:

"و أما مفسداته: فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً و نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

کتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

بیوی پر حج فرض ہے یا شوہر پر؟

سوال[۵۰۲۴]: بیوی پر حج فرض ہے یا نفل؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شرائط موجود ہیں تو بیوی پر بھی حج فرض ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۸۸ھ۔

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا

سوال[۵۰۲۵]: کیا عورتوں پر حج کرنا فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جائیں؟

---

(۱) "شرائط الوجوب، و هي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا .... الإسلام، و بقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية، والبلوغ، والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الفساد، وعدم النية عن الغير". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/ ۴۵۸، سعيد)

"فرض مرةً على الفور بشرط حرية و بلوغ وعقل و صحة وإسلام و قدرة زادٍ و راحلة فضلت عن مسكنه". (كنز الدقائق، كتاب الحج، ص: ۷۳، رشيديه)

"(شرائط الوجوب) و هي التي إذا وجدت جميعها وجب الحج على صاحبها، وإذا فقد واحد منها، لا يجب أصلاً". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، النوع الأول، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، جب وہ خود مالدار ہوگی تب حج فرض ہوگا، شوہر اس کو از خود کرادے تو اس کا احسان ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۳/۵/۹۱ھ۔

ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے

سوال[۵۰۲۶]: زید ایک چھوٹا زمیندار تھا، زمینداری ختم ہونے کے بعد معاوضہ میں اس کو کچھ روپیہ کے پونڈ ملے تھے، جس کو اس نے فروخت کرکے نقد روپے کی صورت میں اپنے پاس محفوظ کرلیا ہے۔ اس کے پاس چند بیگھے کاشتکاری بھی ہے جس کی پیداوار اسی کے خورد ونوش کے لئے بمشکل کفایت کرتی ہے، بقیہ تمام ضروریاتِ زندگی کے اخراجات کے لئے نقد روپیہ میں سے کفایت اور تنگی ترشی کے ساتھ خرچ کرتا رہتا ہے۔ زید ضعیف آدمی ہے اس کے لڑکے پاکستان میں ہیں، جو اس کی کچھ مدد نہیں کرسکتے۔ اس کی بیوی اور یہ دونوں اپنے مکان میں رہتے ہیں۔ فی الحال زید کے پاس اس قدر رقم ہے کہ وہ حج کے اخراجات کو برداشت کرسکتا ہے اور زکوۃ

---

(۱) "قال المزني: قال الشافعي: فرض الله تبارک و تعالیٰ الحج علی کل حر بالغ استطاع إلیه سبیلاً بدلالة الکتاب والسنة". (الحاوی الکبیر، کتاب الحج: ۵/۳، المکتبه التجاریه مصطفی أحمد الباز)

"شروط الوجوب: وهی التی إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعید)

(وکذا فی إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مکتبه مصطفی محمد صاحب المکة التجاریة الکبری بمصر)

"ویجوز الدفع لزوجة الغنی الفقیرة، الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب المصرف من کتاب الزکوة، ص: ۷۲۰، قدیمی)

"ویدفع إلی امرأة غنی إذا کانت فقیرةً". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۸۹، رشیدیه)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غنائے زوج کی وجہ سے زوجہ غنی نہیں ہوتی، لہذا شوہر کے غنی ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھی ادا کرسکتا ہے اگر اس کے اوپر عائد ہوتی ہے، مگر یہ بات کہ اس کے پاس جو رقم ہے اس کی مثال ایک ایسے حوض کی سی ہے کہ جس میں پانی آنے کا راستہ نہ ہو مگر نکلنے کا راستہ ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر جلد پانی باہر خارج ہو جائے گا اتنا ہی جلد حوض خشک ہو جائے گا۔

زید کی ضعیف العمری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی امید نہیں کہ وہ کوئی کمائی کرسکتا ہے، بس یہ پسماندہ رقم اس کی زندگی کا ظاہری سہارا ہے، اگر موت نے اسے جلد یاد نہ کیا تو جس قدر روپیہ جلد ختم ہو جائے گا اتنا ہی جلد وہ قوم وملت پر ناخوشگوار بوجھ بن کر رہ جائے گا اور اگر روپیہ ختم ہونے سے پہلے انتقال کر گیا تو بقیہ روپیہ اس کے ورثاء کے حصہ میں آ جائے گا، دونوں صورتوں کا امکان ہے، معلوم نہیں کیا پیش آئے۔ بہرحال ان احوال میں کیا زید پر حج فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات میں اس پر حج فرض ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۶/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۶/ ۹۰ھ۔

صاحبِ وسعت پر حج فرض ہے

سوال [۵۰۲۷]: زید کے گھر میں کافی دولت ہے مگر حج کو نہیں جاتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے اوپر ذمہ داری بہت ہے، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"و من كان صحيح البدن، قادراً على المشي، و له زاد، فقد استطاع إليه سبيلاً، فيلزمه فرض الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/ ۵۲، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن مسكنه و ما لا بد منه، و عن نفقة عياله إلى حين عوده". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/ ۱۶۴، قديمي)

(و كذا في الهداية، كتاب الحج، ص: ۱/ ۲۳۱، ۲۳۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کے پاس اتنی دولت ہے جس سے اس کے اوپر حج فرض ہے تو وہ گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

روپیہ حج کے لئے تھا اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے؟

سوال[۵۰۲۸]: کہ ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ وہ حج بیت اللہ کر سکے، مگر پھر بعض دقتوں کی وجہ سے اپنی سکونت دوسری جگہ اختیار کر لی، اب وہاں چونکہ مکان بنانا پڑا اس لئے وہ روپیہ خرچ ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شخص پر اس وقت جب کہ اس کے پاس کافی روپیہ موجود تھا اس وقت اس کے ذمہ حج فرض ہوگیا تھا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکان کی ضرورت حج سے پہلے ہی پیش آ گئی اور اس مجبوری کی وجہ سے مکان بنالیا گیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا تھا، اگر وقتِ حج یعنی جس وقت کہ لوگ آس پاس سے حج کے لئے جارہے تھے اس وقت تو مکان کی ضرورت نہ تھی، بلکہ بعد میں ضرورت پیش آئی اور اس میں روپیہ خرچ کرلیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا تھا:

قال ابن نجیم: "لولم یکن له مسکن و لا خادم وعنده مال یبلغ ثمن ذلك و لا یبقی بعده قدر ما یحج به، فإنه لا یجب علیه الحج؛ لأن هذا المال مشغول بالحاجة الأصلیة، إلیه

---

(۱) "و عن أبي أمامة رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة أو سلطان جائر أو مرض حابس، فمات و لم یحج، فلیمت إن شاء یهودیاً وإن شاء نصرانیاً". (مشکوة المصابیح: ۱/۲۴۰، کتاب المناسک، الفصل الثالث، قدیمی)

"وعن علي رضي الله عنه: قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من ملک زاداً و راحلةً تبلغه إلیٰ بیت الله، ولم یحج، فلا علیه أن یموت یهودیاً أو نصرانیاً". (مشکوة المصابیح: ۱/۲۲۲، کتاب المناسک، الفصل الثاني، قدیمی)

(و جامع الترمذي: ۱/۱۶۷، باب ما جاء من التغلیظ في ترک الحج، سعید)

أشار في الخلاصة، اهـ". بحر: ۲/۳۱۳(۱)۔ "هذا محمول على ماقبل حضور الوقت الذى يخرج فيه أهل بلده، فلو حضر تعين أداء النسك عليه، فليس له أن يدفعه عنه إليه، كماذكره ملا على قارى فى شرحه على باب المناسك". منحة الخالق: ۳۱۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، صحیح عبداللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج ؟

سوال[۵۰۲۹]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا مگر اس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی ہے تو اس صورت میں پہلے حج کرے یا لڑکی کی شادی؟ جب کہ شادی کرنے میں حج کو ملتوی کرنا پڑے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی وجہ سے حج کو مؤخر یا ملتوی نہ کرے، آج کل کے رسم ورواج نے شادی کے لئے جو پابندیاں

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۴۹، رشيديه)

(۲) (منحة الخالق على البحر الرائق كتاب الحج: ۲/ ۵۴۹، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة. حتى لو ملك الزاد والراحلة فى أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو فى سعة من صرف ذلك إلىٰ حيث أحب، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج أثم، وعليه الحج، كذا فى البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول فى تفسير الحج و فرضيته و وقته و شرائطه، الخ: ۱/ ۲۱۹، رشيديه)

"والذى رأيته فى الخلاصة هكذا: وإن لم يكن له مسكن و لا شىء من ذلك، و عنده دراهم تبلغ به الحج و تبلغ ثمن مسكن و خادم و طعام و قوت، وجب عليه الحج، وإن جعلها فى غيره أثم، اهـ. لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده، كما صرح به فى اللباب. أما قبله، فيشترى به ما شاء؛ لأنه قبل الوجوب". (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/ ۴۶۲، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، فصل فى شرائط فرضيته: ۳/ ۵۳، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

لازم کردی ہیں وہ اکثر ایسی ہیں جو شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعاً ناجائز ہیں۔ شادی کا مسنون طریقہ تحفۃ الزوجین وغیرہ اردو رسائل میں دیکھنا چاہئے، اگر طریقۂ مسنونہ پر شادی کی جائے تو حج کو ملتوی یا مؤخر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال [۵۰۳۰]: بالغہ لڑکی بغیر شادی شدہ گھر میں موجود ہو اور والدین حج کو جانا چاہتے ہیں تو بالغہ کی شادی کرنا افضل ہے یا حج کو جانا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حج فرض ہے اور لڑکی کی حفاظت کا انتظام بھی ہے تو اس کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

استطاعت سے پہلے حج کا حکم

سوال [۵۰۳۱]: ایک مسکین نے مسکینی کی حالت میں کسی طرح حج کرلیا اب وہ مالدار ہوگیا تو کیا

---

(۱) "وفي الينابيع: إن كان له مقدار ما يحج به و عزم على التزوج، ذكر ابن شجاع عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه يحج و لا يتزوج". (التاتارخانية: ۲/۳۳۳، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب، إدارة القرآن كراچی)

قال العلامة الحصكفي. "و في الأشباه: معه ألف و خاف العزوبة، إن كان قبل خروج أهل بلده، فله التزوج، و لو وقته لزم الحج". (الدر المختار: ۲/۴۶۲ كتاب الحج، سعيد)

"إذا وجد ما يحج به و قد قصد التزوج، يحج به و لا يتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالىٰ على عبده، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج")

حج فرض دوبارہ ادا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اپنی ہی طرف سے حج کیا ہے تو اب مالدار ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں (۱)۔ اگر حج بدل کیا ہے تو اب مالدار ہوکر اپنا حج کرنا ضروری ہے،البحر : ۲/۳۳۵، ۳/۷٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و قد قدمنا من الشرائط: الوقت، أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره، و أفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر، هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج، فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون فيها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها و صرفها إلى غيره، لا شيء عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق: ۲/۵۵۰، کتاب الحج، رشیدیه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج: من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو في سعة من صرف ذلك إلىٰ حيث أحب. وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج، أثم، وعليه الحج، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/٤۰۹، كتاب الحج، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ثم الصحيح من المذهب في من حج عن غيره أن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه، و لهذا لا يسقط به الفرض عن المأمور، و هو الحاج، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۵۷، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/٤۲٤، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دارالكتب العلميه بيروت)

"لو حج الفقير نفلاً، يجب عليه أن يحج حجاً ثانياً". (البحر الرائق: ۳/۱۲۳، باب الحج عن الغير، رشيديه)

حج اکبر

سوال[۵۰۳۲]: قال الله تعالیٰ: ﴿ وأذانٌ من الله و رسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر، أن الله بری، من المشركين و رسولُه﴾(۱) اس آیت کریمہ میں حج اکبر سے کیا مراد ہے؟ کیا اس میں اقوال مختلف ہیں قول راجح کیا ہے؟ یوم عرفہ، وجمعہ کو حج اکبر کا سمجھنا کیا کسی امام فن کا قول ہے یا محض شیخ اکبر کا قول؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"يوم الحج الأكبر" کی تعیین میں مفسرین کے دوقول ہیں: ایک یہ کہ اس سے یوم عرفہ مراد ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے یوم النحر مراد ہے، کما فی الإكليل: ۳/ ۳۳٤(۲)۔ حافظ عماد نے اپنی تفسیر میں سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: "قال: يوم الحج الأكبر اليوم الثانی من يوم النحر" مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ: "يوم الحج الأكبر أيام الحج كلها" تفسير ابن كثير: ۲/ ۳۳۵(۳)۔

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے: "العمرة الحج الصغرى" أحكام القرآن: ۳/ ۹۹(٤) جس کا حاصل یہ ہے کہ "الأكبر" کی قید احتراز عن العمرۃ کے لئے

---

(۱) (سورة التوبة: ۳)

(۲) الإكليل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ردالمحتار کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے:

"قال العلامة نوح فی رسالته المصنفة فی تحقيق الحج الأكبر: قيل: إنه الذی حج فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو المشهور، وقيل: يوم عرفة جمعةً أو غيرها، وإليه ذهب ابن عباس وابن عمر وابن الزبير وغيرهم -رضی الله تعالىٰ عنهم أجمعين- ، و قيل: يوم النحر، وإليه ذهب علیّ وابن أبی أوفیٰ والمغيرة بن شعبة-رضی الله تعالىٰ عنهم أجمعين- و قيل: إنه أيام منى كلها، و هو قول مجاهد، وسفيان الثوری، الخ". (ردالمحتار، باب الهدی، مطلب فی الحج الأكبر: ۲/ ۶۲۲، سعيد)

(۳) (تفسير ابن كثير، سورة التوبة: ۲/ ۳۳۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) "يوم الحج الأكبر لما كان يوم عرفة أو يوم النحر، و كان الحج الأصغر العمرة، وجب أن يكون أيام الحج غير أيام العمرة، فلا تفعل العمرة فی أيام الحج .... (الحج عرفة) و هذا يدل على أن يوم الحج الأكبر هو يوم عرفة، و يحتمل أن يكون يوم النحر؛ لأن فيه تمام قضاء المنسك والتفث، ويحتمل أيام منى على ما روی عن مجاهد. و خصه بالأكبر؛ لأنه مخصوص بفعل الحج فيه دون العمرة الخ".=

ہے، اسی لئے ایامِ حج میں عمرہ منع ہے۔

جس دن پر قرآن پاک میں "یوم الحج الأکبر" کا اطلاق کیا گیا ہے مفسرین کی بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا، مگر اس کا یہ مطلب کہ ہر وہ حج جو جمعہ کے روز ہو وہ حجِ اکبر ہے جیسا کہ مشہور ہے میں نے ائمۂ مجتہدین کے اقوال میں نہیں پایا، البتہ جو حج جمعہ کے روز ہو اس کی فضیلت کسی اور دن کے حج پر ستر ۷۰/ درجہ ہے اس کی تصریح طحطاوی، ص: ٤٠٣ (١)، زیلعی: ٢/٢٦(٢) اوراوجز، ص: ٢٢٧(٣) وغیرہ میں مذکور ہے۔ عوام جمعہ کے روز والے حج کو حجِ اکبر کہتے ہیں، العرف الشذی، ص: ٣٤٠، میں اس کی تردید موجود ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حجِ مبرور اور مقبول میں فرق

سوال [۵۰۳۳]: حجِ مبرور اور حجِ مقبول میں کیا فرق ہے؟ اور حجِ نفل مقبول یا مبرور ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقبول ومبرور کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، مبرور وہ ہے کہ جس حج میں کوئی جنایت نہ

= (أحكام القرآن، للجصاص، سورة براءة: ۳/۱۲۰، قديمى)

(۱) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة، الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل: العمرة سنة، ص: ۷۴۰، قديمى)

(۲) "عن طلحة بن عبيد الله أنه عليه الصلاة والسلام قال: "أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم جمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة". (تبيين الحقائق، باب الإحرام: ۲/۲۹۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة". (أوجز المسالك، باب حج يوم الجمعة هل له مزية: ۳/۲۲۷، المكتبة اليحيويه سهارنفور يوبى هند)

(۴) "الحج الأكبر فى عرف الحديث هو الحج، وأما الحج الأصغر فالعمرة، لا ما هو متعارف فى عامة الناس من أن الحج الأكبر الذى يكون يوم عرفة فيه يوم الجمعة". (العرف الشذى على جامع الترمذى: ۱/۱۸۹، سعيد)

کی جس سے دم یا کفارہ لازم آئے (۱)، مقبول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (۲)۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنایت کے باوجود قبول ہوجائے تو وہ مقبول ہے مبرور نہیں ہے، کبھی جنایت سے پاک وصاف ہونے کے باوجود قبول نہیں ہوتا ہے مثلاً ناجائز روپیہ سے حج کیا تو وہ مبرور ہے مقبول نہیں (۳)۔ مقبول ومبرور کا جمع ہونا ظاہر ہے کبھی ایک دوسرے کے معنیٰ میں بھی استعمال کرتے ہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۴ھ۔

بیوی کو حج کے لئے ساتھ لیجانا کب ضروری ہے؟

سوال[۵۰۳۴]: زید حج بیت اللہ کے لئے جارہا ہے اس کی بیوی کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود ہیں جو کرایہ وغیرہ کے لئے کافی ہوگا مگر زادِراہ کا روپیہ اس کے پاس نہیں ہے، اس کی بیوی زید سے تقاضا

---

(۱) "وهو (أی الحج المبرور) مالا جناية فيه". (فيض البارى، باب فضل الحج المبرور: ۶۲/۳، خضر راه بک ڈپو دیوبند الهند)

"فعلى هذا يخرج الحج من أن يكون مبروراً بارتكاب الجناية عمداً مرةً بعد أخرى وإن كفّر عنها صاحبها .... و من فعل شيئاً مما يحكم بتحريمه، فقد أخرج حجه أن يكون مبروراً". (البحر الرائق، باب الجنايات: ۲۳/۳ رشيديه)

(۲) "والقبول المترتب عليه الثواب يبتنى علىٰ أشياء: كحل المال والإخلاص كما لو صلى مرائياً أوصام و اغتاب، فإن الفعل صحيح لكنه بلا ثواب". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

(۳) "ولذا قال فى البحر: و يجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فى الحديث، مع أنها يسقط الفرض عنه معها، و لا تَنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

"و يجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۲۲۰/۱، رشيديه)

(۴) "المبرور المقبول، و قال غيره: الذى لايخالطه شيء من الإثم، و قال القرطبى: الأقوال التى ذكرت فى تفسيره متقاربة المعنى". (فتح البارى، باب فضل الحج المبرور: ۳۸۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

کرتی ہے کہ آپ گھر رہنے کی صورت میں میرے نان ونفقہ کا انتظام کریں گے وہی روپیہ مجھے دیدیجئے تاکہ آپ کے ہمراہ میں بھی حج کو چلوں۔ تو کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی پر حج فرض ہوجاتا ہے؟ کیا زید کی بیوی اپنے مطالبۂ نان ونفقہ میں حق بجانب ہے؟ کیا زید پر واجب ہے کہ بیوی کے زادراہ کا انتظام کرکے اپنے ہمراہ حج کے لئے لیجائے؟ اگر زید زحمت کی وجہ سے بیوی کو ساتھ لیجانے سے گریز کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید حج کو جارہا ہے اور بیوی کے پاس خرچ راہ اور کرایہ آمدورفت موجود ہے تو بیوی کا نان ونفقہ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر بیوی نہ جاتی تو زید کے ذمہ لازم تھا کہ اس کو نان ونفقہ دیکر جاتا، البتہ ساتھ جانے کی صورت میں وہ نان ونفقہ لازم ہوگا جو حضر میں لازم ہوتا۔ سفر کی وجہ سے جس قدر نان ونفقہ زائد خرچ ہوگا اس کی ذمہ داری زید پر نہیں۔ زید کے ذمہ لازم ہے کہ اس کو ساتھ لیکر جائے جب کہ بیوی کا حج فرض ہو:

"ولو حجت معه فلها نفقة الحضر لا السفر .... وعن الثاني لو أرادت حجة الإسلام يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالإنفاق عليها كما في المحيط، اه" سكب الأنهر: ۱/۴۹۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ولو حجت معه) فرضاً أو نفلاً (فلها نفقة الحضر) بالاتفاق؛ لأنها كالمقيمة في منزله، فما زاد علىٰ نفقة الحضر يكون في مالها؛ لأنه بإزاء منفعة لها، لا نفقة السفر و لا الكراء .... وعن الثاني: لو أرادت حجة الإسلام، يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالإنفاق عليها، كما في المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲/۱۸۱، باب النفقة، المكتبه الغفاريه كوئته)

"وأما إذا حج الزوج معها، فلها النفقة إجماعاً، و تجب عليه نفقة الحضر دون السفر، ولا يجب الكراء. أما إذا حجت للتطوع فلا نفقة لها إجماعاً إذا لم يكن الزوج معها، هكذا في الجوهرة النيرة. وإن حجت مع زوجها حجةً نفلاً كانت لها نفقة الحضر لا نفقة السفر، هكذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۴۶، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۳۸، باب النفقة، مكتبه شركة علميه ملتان)

حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کس کو ساتھ لیجائے؟

سوال[۵۰۳۵]: میں حج کو جارہاہوں دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اپنی والدہ، بیوی اور والد میں سے کس کو اپنے ہمراہ لے جانے کا پہلے حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو بہتر ہے، خدا جانے پھران کو ساتھ جانے کے لئے محرم میسر آئے یا نہ آئے (۱)۔ ویسے آپ والد صاحب اور اہلیہ میں سے جس کو دل چاہے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۱ھ۔

بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ کیا شوہر کے حق میں مانع ہے؟

سوال[۵۰۳۶]: سائل نے اپنی بیوی سے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو حج کرادے گا، لیکن بیوی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مروجہ قانون کے مطابق اس کو اجازتِ سفر مل جائے تو کیا یہ امر سائل کے حج میں مانع ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیوی کا اس پوزیشن میں نہ ہونا آپ کے لئے حج سے مانع نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرةؓ قال: "جاء رجل إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أبوك".

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة: ۲/۸۸۳، قديمي)

(و كذا في الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين أيهما أحق به: ۲/۳۱۲، قديمي)

(۲) "قال المزني: قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: فرض الله تبارك و تعالىٰ الحج علىٰ كل حر بالغ استطاع إليه سبيلاً بدلالة الكتاب والسنة". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۵/۳، المكتبة التجارية، مصطفى احمد الباز)

"شروط الوجوب: و هي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، و إلا فلا". (رد المحتار، =

کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہوجائے گا؟

سوال[۵۰۳۷]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا تھا مگر کسی طرح اس کا مال ضائع ہوگیا جس سے حج کو جانے کی طاقت جاتی رہی تو اب حج اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کے پاس مال بقدرِ حج ایسے وقت تھا کہ لوگ حج کو نہیں جارہے تھے بلکہ ابھی وقتِ حج میں دیر تھی اور وقتِ حج آنے سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہوگیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں، اگر زمانۂ حج میں مال تھا اور اس نے ارادہ کرلیا تھا مگر بغیر اس کے اختیار کے مال ضائع ہوگیا تب بھی اس کے ذمہ حج نہیں، اگر اس نے خود اپنے اختیار سے ایسی جگہ خرچ کردیا جہاں شریعت کی طرف سے خرچ کرنے کا امر نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج لازم ہوگیا، بحر: ۳۳۸/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكة)

(۱) "وقد قدمنا أن من شرائط الوقت أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك مابه الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره . وأفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل البلدة إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها وصرفها إلى غيره، لاشئ عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۰/۲، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة، حتى لوملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن أهل بلده لايجب عليه الحج . فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلى غيره فإن صرفه إلى غير الحج، أثم، وعليه الحج، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۲۱۹/۱، رشيديه) .... =

روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی

سوال[۵۰۳۸]: عرصہ ۲۶/ سال کا ہوا جب زید پر حج فرض ہوا، اس رقم سے زید نے کھانڈ (چینی) خرید لی، چونکہ حج کے جانے میں زیادہ دن تھے، قسمت کی بات کہ اس دوران میں کھانڈ سرکاری گرفت میں آ گئی اور جو روپیہ تھا وہ سب ختم ہوگیا اور زید حج سے محروم رہ گیا۔ اب قدرت نے پھر موقع عنایت فرمایا ہے، لڑکے اپنے پیسے سے حج بیت اللہ کو بھیج رہے ہیں، اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جو زید کی حج کی فرضیت ماضی میں ہو چکی تھی وہ پیسہ ختم ہونے کے بعد فرضیت ختم ہوگئی یا باقی رہے گی؟ اور اگر باقی رہی تو کیا لڑکوں کے حج کرانے سے وہ فرضیت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟ تو پھر کیا صورت اختیار کیا جائے کہ جس سے حج بھی ہو جائے اور فرضیت بھی نہ رہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

روپیہ محفوظ نہیں رکھا، تجارت میں لگا دیا جس کی وجہ سے وہ ضائع ہوگیا، اس لئے فریضۂ حج ختم نہیں ہوا، بلکہ ذمہ میں باقی ہے، لڑکے اگر پیسے دے رہے ہیں اور اس سے حج کریگا، فریضۂ حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/ ۴۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "وقد قدمنا أن من الشرائط الوقت: أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره . و أفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج . والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبُعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها و صرفها إلى غيره لا شيء عليه، كذا في فتح القدير".

(البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۵۰، رشيديه)

"بخلاف ما لو ملّكه مسلماً، فلم يحج حتى افتقر، حيث يتقرر الحج في ذمته ديناً عليه".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/ ۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/ ۴۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج

سوال[۵۰۳۹]: سائل کی مالی حیثیت اتنی ہے کہ بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد اور اہل وعیال کے خرچہ کے بعد بہ آسانی حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں، تو کیا حج فرض ہو جاتا ہے، گو کہ حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں حج فرض ہوگا:

"تلك القدرة الفاضلة عن نفقته ونفقة عياله إلى حين عوده، و قيل: بعده، وقيل: بشهر". طحطاوی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

قحط کی حالت میں حج

سوال[۵۰۴۰]: عبدالرشید کی ایک لڑکی شادی شدہ ہے، لیکن داماد لڑکی کو بہت زدوکوب کرتا ہے، ہر چند سمجھایا مگر باز نہیں آیا۔ اب عبدالرشید حج کو جانا چاہتا ہے مگر ڈر یہ ہے کہ سفرِ حج میں اگر کچھ ہو گیا تو لڑکی یتیم ہو جائے گی اور اس کی زندگی بھیانک گزرے گی، اسی طرح اس علاقہ میں قحط پڑ رہا ہے تو پھر حج کو چلا جاوے یا اس وقت ملتوی کر دے، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی مذکورہ حالت کی بناء پر حج فرض کو ترک ہرگز نہ کرے، اسی طرح بارش نہ ہونے کی وجہ سے ترک نہ کرے(۲)، اِلّا یہ کہ وقتِ حج سے پہلے پہلے اپنا روپیہ غرباء کو صدقہ کر دے تا کہ قحط زدہ غریبوں کی امداد

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الحج، ص: ۷۲۸، قدیمی)

"لأن الشرط في وجوب الحج زاد و راحلة، و نفقة أهله في ذهابه و عوده، و لا اعتبار بما بعده". (الحاوی الکبیر، کتاب الحج: ۵/۷، المکتبة التجاریه، مصطفی أحمد الباز)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۶۴، قديمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ و لله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً ﴾ (آل عمران: ۹۷) .... =

ہوجاوے تو حج خود ہی امسال لازم نہیں رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرضۂ فرم کیا مانعِ حج ہے؟

سوال [۵۰۴۱]: فرم کا قرضہ حج سے مانع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مانع نہیں، بلکہ مالی حیثیت یہ ہے کہ اہل وعیال کا خرچہ ادا کرنے کے بعد حج کا خرچہ پاس ہو (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

= "والحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن، الخ". (الهداية، كتاب الحج: ۱/ ۲۳۱ مكتبه شركة علميه ملتان)

"شروط الوجوب: وهى التى إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/ ۴۵۸، سعيد)

(۱) "السابع: الوقت وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها، فلا يجب إلا على القادر فيها أو فى وقت خروجهم، فإن ملكه: أى المال قبل الوقت، فله صرفه حيث شاء، ولا حج عليه. وإن ملكه فيه، فليس له صرفه إلى غير الحج، الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۳۹، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/ ۲۱۹، رشيديه)

(۲) "(فضلاً عمالا بدمنه) كما فى الزكاة". (الدرالمختار). "(قوله: كما مر فى الزكاة): أى من بيان ما لابد منه من الحوائج الأصلية كفرسه وسلاحه وثيابه وعبيد خدمته وآلات حرفته وأثاثه وقضاء ديونه وأصدقته، كما فى اللباب وغيره. المراد قضاء ديون العباد، ولذا قال فى اللباب أيضاً: وإن وجد مالاً، وعليه حج وزكاة يحج به، قيل إلا أن يكون المال من جنس ماتجب فيه الزكوة فيصرف إليها".

(ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/ ۴۶۱، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"شروط الوجوب، وهى التى إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فى من حج بمال حرام: ۲/ ۴۵۸، سعيد)

"و لذا قلنا: لا يستقرض ليحج إلا إذا قدر على الوفاء، كما مر". (ردالمحتار، كتاب الحج، =

مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے؟

سوال[۵۰۴۲] : ۱...... مثلاً کئی بھائی مشترکہ زندگی گزارتے ہیں اور سب کماتے ہیں کوئی تجارت سے، کوئی زراعت سے مگر تجارت کرنے والے بھائی زیادہ کماتے ہیں کہ سب کا اخراجات مشترکہ اٹھانے کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ رہتا ہے کہ گھر کا ہر فرد حج کرسکتا ہے۔ اور مشترکہ گھر جس میں نصاب سے کم کماتے ہیں حسبِ ذیل قسم کے لوگ شامل ہیں: اس تاجر کے بھائی اور ان کی بیویاں اور اس کے والدین اور اس تاجر کے بالغ لڑکے غیر شادی شدہ۔ تو شرعاً ان میں کس پر حج فرض ہوگا اور کس پر نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۴۳] : ۲...... خاندان مشترکہ میں سوال نمبر: ا کی نوعیت کے لوگ شامل ہوں اور روپیہ صرف تین یا چار آدمی کے ہوں کہ حج کے لئے کفیل ہوتا ہو اور سب کے لئے کفالت نہیں کرتا تو کیا ان میں چار آدمیوں پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں خاندان کے کن لوگوں کو پہلے جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... جب سب بھائی الگ الگ کماتے ہیں تو ہر ایک اپنی کمائی کا مالک ہے، جس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ حج روپیہ ہو اس پر حج فرض ہے(۱)۔ ان کا ایک ساتھ مشترکہ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا یہ آپس کی ہمدردی ہے۔ جن کا کمایا ہوا روپیہ ہے اگر وہ پہلے حج کرلیں پھر نمبر وار دوسروں کو حج

= مطلب فی قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/ ۴۶۲، ۴۶۳، سعید)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة، دون الإعارة والإباحة .... وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذاقدروا على الزاد والراحلة، فاضلاً عن المسكن وما لابد منه". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۶۴، قديمی)

کرائیں تو سب کو یہ سعادت حاصل ہو جائے گی۔ نابالغ پر حج فرض نہیں، اگر وہ حج کرلیں تو ثواب کے وہ بھی مستحق ہوں گے، مگر بالغ ہونے پر اگر فرض ہوا ہو تو پھر ادا کرنا ہوگا (۱)۔

۲..... نمبر: ۱ سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

کیا اپنے حج کے لئے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے؟

سوال [۵۰۴۴]: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لئے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے، مگر لوگ کہتے ہیں پہلے والد کو حج کرانا چاہئے، بعد میں خود کرے۔ اب اس کو کیا کرنا چاہئے جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جا سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو خود اپنا حج کرنا چاہئے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرادے تو عینِ سعادت ہے۔ یہ بات کہ "جب تک والد کو حج نہ کرائے، اپنا حج بھی نہ کرے" شرعی مسئلہ نہیں، بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "فمنها البلوغ، و منها العقل، فلا حج على الصبي، والمجنون؛ لأنه لا خطاب عليهما، فلا يلزمهما الحج، حتى لو حجا، ثم بلغ الصبي وأفاق المجنون، فعليهما حجة الإسلام، و ما فعله الصبي قبل البلوغ يكون تطوعاً، و قد روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "أيما صبي حج عشر حجج، ثم بلغ، فعليه حجة الإسلام". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الفصل الأول، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، ۴۵۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"والقدرة زاد وراحلة .... ولو لم يكن له زاد و لا راحلة، لا يجب عليه". (حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/۲۳۵، كتاب الحج، دار الكتب العلمية بيروت)

حج کے ارکان

سوال[۵۰۴۵]: اگر کسی مسلمان نے حج کی نیت سے احرام کی چادریں باندھیں، عرفات میں وقوف کیا اور طوافِ زیارت بھی کرلیا تو کیا اس کا حج ہوگیا؟ اور اس کو حج کا پورا پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کے دو رکن ہیں: وقوفِ عرفات اور طواف زیارت، بحالتِ احرام ادا کرلینے سے حج ادا ہوجائے گا(۱)۔ بقیہ امورِ حج میں واجب، سنت اور مستحب ہیں جن کے ترک سے صدقہ وغیرہ لازم ہوتا ہے یا تو ثواب میں کمی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حکومتِ سعودیہ کے حکم پر دو دن پہلے حج

سوال[۵۰۴۶]: اس سال ۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو رویتِ ہلال بروز پنجشنبہ اور یکم ذی الحجہ جمعہ کو ہوئی، اس حساب سے یومِ عرفہ سنیچر کو تھا یہی دن وقوفِ عرفات یوم الحج تھا، کیا یہ حج صحیح ہے؟ ۱۰/ ذی الحجہ کو منیٰ میں

---

(۱) "قال الإمام ابن الهمام: الظاهر أنه عبارة عن الأفعال المخصوصة من الطواف والوقوف في وقته محرماً بنية الحاج سابقاً: أي على الأفعال". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۷۱، مكتبه مصطفى محمد مصر)

"(هوالإحرام) و هو شرط للحج من وجه، و لذا يجوز قبل الوقت، و ركن له من وجه".

.... "و هو شرط للحج: أي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، و عند الأئمة الثلاثة هو ركن ....

(والوقوف بعرفة): أي في وقته و لو ساعةً (وأكثر طواف الزيارة): أي في محله و هما ركنان للحج".

"قوله و هما ركنان، إلا أن الوقوف أقوى من الطواف .... فإنه لا وجود للحج إلابوجود ركنيه". (مناسك الملا على القاري، فصل في فرائضه، ص: ٦٦، مكتبه إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۸/۲، رشيديه)

جوقربانیاں دی گئیں، صحیح ہوئیں؟ کیاان حجاج کا فریضۂ حج جوان پرفرض تھاادا ہوگیا؟ یہ اَور بات ہے کہ بہ نیتِ حج ابتدائے سفرہی سے یہ حجاج ثواب کے مستحق ہوگئے؟ اگر یہ حج نہیں ہوا کیونکہ حکومتِ سعودیہ کے حکم پرخاص یومِ حج سے دو دن پہلے ہواتو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومتِ سعودیہ میں جہاں تک مجھےعلم ہے رؤیت ہلال کا خاص کر حج سے متعلق بہت اہتمام کیا جاتا ہے، جہاں بھی رویت ہوئی فوراً محکمہ میں شہادت لی جاتی ہےاورتمام علاقہ کےقضاۃ ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھراس ثبوت وشہادت پر پوری جرح اور گفتگو ہوتی ہے، پھرسب کوسامنے رکھ کرملکرخود فیصلہ کرتے ہیں اور باضابطہ اس کی اطلاع دی جاتی ہےاوراعلان کیاجاتا ہے، خطبات دیئے جاتے ہیں، منیٰ، عرفات، مزدلفہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں، اس اہم فریضہ کی اس کی شان کے مطابق اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۸/ ذی الحجہ کومنیٰ روانگی ہوتی ہے، ۹/ ذی الحجہ کوعرفات میں وقوف ہوتا ہے، آفتاب غروب ہونے پر وہاں سے واپسی ہوتی ہے، مزدلفہ میں مغرب وعشاء پڑھتے ہیں، پھر۱۰/ ذی الحجہ کوفجر بھی وہیں غلس میں ادا کی جاتی ہے، پھرمنی میں آکر رمی، اضحیہ، حلق کرتے ہیں پھرطوافِ زیارت ۱۰/کو یا ۱۱/کو یا ۱۲/کو جب جب موقع ہوکرتے ہیں۔ اضحیہ کا سلسلہ بھی تین دن جاری رہتا ہے یہ عام نظم ہے، اپنے کسی ملک کی رویت اگراس سے مختلف ہوتو اس کی وجہ سےتمام حجاج کے حج اورقربانی کوغلط کہنا، یااس کومداخلت فی الدین قراردیناغلط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "و لا عبرة باختلاف المطالع، و قيل: يعتبر .... والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، كما أن دخول الوقت و خروجه يختلف باختلاف الأقطار، حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، بل كلما تحركت الشمس درجةً، فتلك طلوع فجر لقوم، و طلوع شمس لآخرين، وغروب لبعض، ونصف ليل لغيرهم". (تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ١/٣٢١، مكتبه امداديه ملتان)

"و قيل: يختلف ثبوته باختلاف المطالع، واختاره صاحب التجريد و غيره، كما إذا زالت =

سرکاری روپیہ سے حج

سوال[۷۰۴۵]: حکومتِ ہند موسمِ حج میں حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے ویلفیئر آفیسر بنا کر کسی کو منتخب کر کے اس کے تمام مصارف برداشت کرتی ہے اوراس کے لئے بقدرِ ضرورت تمام رقم پیشگی دیدیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کر لیتے ہیں۔اس کا یہ حج کیسا ہوگا؟ اس کا وہ حج فرضیتِ حج میں شمار ہوگا یا نفل؟ کیا حکومت نے جب رقم دی اس وقت وہ صاحبِ نصاب شمار نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کوئی شخص خود صاحبِ نصاب نہیں جس سے اس پر حج فرض ہو یعنی زادِ راہ پر قادر نہیں مگر وہ پیدل پہونچ جائے، یا کوئی شخص اس کو اپنے ساتھ لے جائے، یا کسی نے اس کو روپیہ دے دیا جس سے وہ وہاں پہونچ گیا اور حج ادا کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا(۱)، پھر غنی ہو جانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا(۲)۔

= الشمس عند قوم و غربت عند غيرهم، فالظهر على الأولين لا المغرب، لعدم انعقاد السبب في حقهم".

"(قوله: واختار صاحب التجريد) و هو الأشبه و إن كان الأول أصح، كذا في السيد. قوله: (كما إذا زالت، الخ) قال في شرح السيد: لأن انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما في دخول الوقت و خروجه، حتى إذا زالت الشمس في المشرق، لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر و غروب الشمس، بل كلما تحركت درجةً، فتلك طلوع الفجر لقوم وطلوع الشمس لآخرين، و غروب لبعض و نصف ليل لآخرين، و هذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة، عيني". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب، فصل فيما يثبت به الهلال، ص: ۶۵۶، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصوم، رؤية الهلال: ۳۵۵/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۶/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۵۷/۳، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲) "والفقير إذا حج ما شياً ثم أيسر، لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۷/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی) .... =

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کے لئے جو شرائط ہوں ان کی تحصیل مقصود نہیں، بلکہ جب ان کا حصول ہوجائے خواہ کسی طریقے سے ہو تو بھی کافی ہے، مثلاً: نماز کے لئے طہارت شرط ہے، ایک شخص بلا اختیار نہر میں گر گیا، پانی اس کے بدن پر پہونچ گیا اور بہہ گیا، پھر اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز ہوجائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اپنے قصد سے وضو نہیں کیا، اس لئے اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ادا ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

والدہ کے روپیہ سے حج

سوال [۵۰۴۸]: میں خیریت سے رہ کر اس سال فریضۂ حج کے لئے اپنی والدہ محترمہ کا محرم بن کر ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میری عمر غالباً ۱۸/ سال ہے، مجھ سے بڑے ایک بھائی ہیں جن کی عمر تقریباً ۲۱/ سال ہے۔ میرے اس مسئلہ کا حل فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خرچ کا روپیہ آپ کی ملک کردیا جائے، یا پہلے سے آپ کے پاس اتنا ہو کہ جس میں آپ حج کرسکیں تو پھر والدہ محترمہ کے ساتھ جانے اور حج کرنے سے آپ کا حج ادا ہوجائے گا۔ اگر والدہ محترمہ اپنے روپیہ سے آپ کو ساتھ لے جائیں اور حج کرلیں تب بھی حج ادا ہوجائے گا۔ اس فکر میں نہ رہیں کہ بڑے بھائی نے حج نہیں کیا تو میں کیسے حج کرلوں، آپ کا حج ہر حال میں ادا ہوجائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(۱) "إنما يراعى حصولها (أى شرائط) لا تحصيلها". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها: ۱/۱۳۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

"أما إذا كان شرطاً لحكم، لا تشترط النية في هذا الشرط؛ لأن الشرط يراعى وجوده مطلقاً، لا وجوده قصداً .... انه لو سال عليه المطر، فغسل أعضاء وضوء ه أو جميع البدن أجزأه عن الوضوء والغسل". (الأشباه والنظائر، لاثواب إلا بالنية: ۱/۶۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(۲) "(و منها القدرة على الزاد والراحلة) "بطريق الملك، والإجارة دون الإعارة، والإباحة، سواء=

سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا

سوال[۵۰۴۹]: زید ایک سرکاری ہسپتال میں کمپونڈر ہے،اس سال حکومتِ ہند کی جانب سے وہ بحیثیتِ ملازم سعودی عرب چار ماہ کے لئے بھیجا جارہا ہے، اس مدت میں اس کو تنخواہ کے ساتھ دیگر سہولتیں بھی حکومت کی طرف سے حاصل رہے گی، مثلاً سفرخرچ وغیرہ۔ زمانۂ حج میں وہ سعودی عرب میں مقیم رہے گا، ایسی صورت میں اگر وہ فریضۂ حج ادا کرے گا۔ تو کیا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا؟ یا صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں دوبارہ اپنے ذاتی مصارف سے حج کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرکار کے دیئے ہوئے مصارف سے حج کرے گا تب بھی فریضۂ حج ادا ہوجائے گا (۱)، پھر

= كانت الإباحة من جهة مَن لا منّة له عليه كالوالدين والمولودين، أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيديه)

"(قوله: ذي زاد وراحلة) أفاد أنه لا يجب إلا بملك الزاد وملك أجرة الراحلة، فلا يجب بالإباحة أو العارية، كما في البحر، وسيشير إليه". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۸، رشيديه)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۶، رشيديه)

"فإذا تحمل الحرج وقع موقعه كالفقير إذا حج، والعبد إذا حضر الجمعة فأداها، ولأنه إذا وصل إلى مكة، صار كأهل مكة، فيلزمه الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۷، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"في اللباب: الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات، فهو كالمكي .... ونظيره ماسنذكره في باب الحج عن الغير من أن المأمور بالحج إذا واصل إلى مكة، لزمه أن يمكث ليحج حج الفرض عن نفسه، لكونه صار قادراً علىٰ ما فيه، كماستعلمه إن شاء الله". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۶۰، سعيد)

صاحبِ استطاعت ہونے سے دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۹/ ۸۹ھ۔

کافر کے روپیہ سے حج کرنا

سوال [۵۰۵۰]: کافر کے روپیہ سے حج کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس نے ہبہ کردیا ہے تو کرسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۱۱/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

مالِ حرام سے حج

سوال [۵۰۵۱]: مالِ حرام سے حج کرنا چاہئے کہ نہیں؟

---

(۱) "والفقير إذا حج ما شيأ ثم أيسر لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۲، رشيديه)

(۲) "وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، و قبول هداياهم كل ذلک جائز إذا كانوا ذمة لنا، وكذالک إذا كانوا أهل حرب، الخ". (إعلاء السنن، باب الهدية للمشركين و قبول الهدية منهم: ۱۶/۱۴۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"قال العبد الضعيف: إن الهبة والصدقة والهدية والعطية معانيها متقاربة". (إعلاء السنن، باب فی قبول الهبة: ۱۶/۶۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

" وأهل الذمة فی حكم الهبة بمنزلة المسلمين؛ لأنهم التزموا أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات: ۴/۴۰۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، تاہم اگر کرلیا جائے گا تو فریضہ ادا ہوجائے گا لیکن حجِ مقبول کا ثواب حاصل نہ ہوگا (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

جائز وناجائز مخلوط مال سے حج

سوال[۵۰۵۲]: ایک شخص نے ارادۂ حج بیت اللہ شریف کے لئے پونجی جمع کی جو اس وقت حج کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس نے چند ایک کتب دینیات مطالعہ کیں جس سے اس نے اپنی غلطیاں محسوس کیں اور اس کو شک ہے کہ ایسی پونجی سے حجِ بیت اللہ شریف شاید واجب نہ ہو، لہٰذا معلوم ہو کہ پونجی جمع شدہ ایسی رقوم سے ہے:

۱- شخصِ مذکور آج سے ۷، ۸/ سال پہلے کمیٹی گھر میں ملازمت لال ٹین جلانے کی ۶، ۷/ سال کرتا رہا اس میں حسبِ دستور سب ملازم تیل کی بچت کرتے ہیں، چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کیا اور تیل فروخت کرکے رقم جمع کرتا رہا، لیکن معلوم نہیں ہے کہ ایسی کتنی رقم اس نے جمع کی ہے، لیکن رقم تیل فروخت شدہ تنخواہ سے زائد ہوا کرتی تھی۔

---

(۱) "ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لایقبل الحج بالنفقه الحرام، کما ورد فی الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، ولا تنافِیَ بین سقوطه وعدمه قبوله، فلا یثاب لعدم القبول، ولا یعاقب عقاب تارک الحج". (ردالمحتار: ۲/۴۵۶، مطلب فی من حج بمال حرام، سعید)

"و یجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل الحج بالنفقةالحرام مع أنه یسقط الفرض معها وإن کانت مغصوبةً، کذا فی فتح القدیر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب المناسک، الباب الأول فی تفسیر الحج و فرضیته الخ: ۱/۲۲۰، رشیدیه)

"و قدرة زاد و راحلة .... فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام، لکن لو حج به، جاز؛ لأن المعاصی لا تمنع الطاعات، فإذا أتی بها لا یقال: إنها غیر مقبولة، کما فی مکروهات صلاة الخزانة. ذکره القهستانی". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

۲- نیز یہ شخص حافظِ قرآن شریف ہے جو عرصہ ۱۶، ۱۷/ سال سے ماہ رمضان المبارک کے موقعہ پر لوگوں کو مسجدوں میں سنایا کرتا ہے، بعد ختمِ قرآن کریم پر رسم کے طور پر لوگوں سے معقول رقم حاصل کرتا ہے جس کی بچت وہ جمع کر کے اسی پونجی میں جمع کر لیتا ہے۔

۳- یہ شخص تمام رقوم پس انداز کو ڈاکخانہ سرکاری میں آج تک جمع رکھتا ہے جس پر اس کو ہر سال سود ملتا ہے جو اصل رقم میں شامل ہو جاتا ہے۔

۴- انہیں رقوم پیدا شدہ سے اس نے چند ایک زیوارات خانہ داری اور ایک معمولی مکان رہائشی بھی بنایا ہے۔ لہذا کیا ایسے پیسہ سے حجِ بیت اللہ شریف واجب ہے؟ اگر نہیں تو ایسی رقم کا صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے؟

۵- اور کیا وہ شخص نمبر ۲ یعنی قرآن کریم کا سنانا اور اس پر بغیر طلب کئے اجرت کا حصول ہو جائے فی سبیل اللہ تو لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مل جانے پر صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے، یا انکار لازمی ہے؟ والسلام۔

نور محمد، دفتر جنگلات لاہور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، و يورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفه رحمة الله عليه، وقوله أرفق؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب. و هذا إذا كان له مال غيرها استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه، وإلا فلا زكوة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعدية، اهـ". الدرالمختار: ۳۸/۲(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مال ناجائز طریقہ سے جمع کیا ہے اس کو منہا کرنے کے بعد اگر حج کے لئے کافی ہو تو حج فرض ہوگا، ورنہ حج فرض نہ ہوگا۔ اور جو مال حرام جمع کیا ہے اس کا اصل مالک کو، اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر نہ مالک موجود ہوں، نہ اس کے ورثہ موجود ہوں تو بہ نیتِ گلوخلاصی

(۱) (الدر المختار، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً فنوى بذالک أداء الزكاة إليه: ۲/ ۲۹۰، ۲۹۱، سعيد)

اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے(۱)۔

رقم نمبرا: چوری ہے (۲)۔ رقم ۲: بھی ناجائز ہے کہ یہ قرآن شریف رمضان شریف میں سنانے کی اجرت ہے (۳)۔ رقم :۳، اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے (۴)، تاہم اس کی واپسی ڈاکخانہ میں ہرگز جائز نہیں، اگر زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو غرباء پر اس کو صدقہ کردیا جائے (۵)، ورنہ اپنے پاس رکھنے میں بھی گنجائش ہے۔۴: یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ رقم ناجائز کا ضمان ادا کردیا جائے (۶)۔

۵: قرآن کریم سنانے پر کوئی رقم لینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے، لأن المعروف كالمشروط، البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی غرض سے سناتا ہو اور اس کے ذہن

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(۲) "هي لغةً أخذ الشيء من الغير خفيةً". (ردالمحتار، كتاب السرقة: ۸۲/۴، سعيد)

(۳) "أقول: المفتي به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة، كما صرح به في التاتارخانية". (ردالمحتار، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل و نحوه: ۵۶/۶ سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱۳/۱، ۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "قوله: لا ربوا بين أهل الحرب، أقول: قد طال النزاع في هذه المسئلة قديماً و حديثاً، فقال إبراهيم النخعي، وأبو حنيفة، والثوري، ومحمد: إنه لا ربوا بين أهل الحرب و أهل الإسلام في دار الحرب، وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد و مالك بخلافه". (إعلاء السنن، باب الربوا في دار الحرب بين المسلم والحربي: ۳۳۳/۱۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

(۵) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكفالة: ۱۲۳/۳، إمداديه ملتان)

(۶) "إذ لو اختلط بحيث لا يتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بَدَلَه، كما حققناه قبيل باب زكاة المال، فتأمل". (ردالمحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

میں بھی نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کردی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا اور پھر کوئی شخص از خود کچھ خدمت کردے تو اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کر کے حافظ کو دینے کا جیسا رواج ہے یہ ہرگز درست نہیں، لینے والا اور دینے والا سب گناہ گار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ۶/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

ناجائز آمدنی سے حج کرنا

سوال[۵۰۵۳]: ہندہ کے پاس صرف ایک پختہ عمارت جس کی قیمت تقریباً ۱۶/ ہزار روپیہ ہے حلال اور حرام پیسے سے عمارت کی تعمیر ہوئی ہے یعنی رشوت اور غیر رشوت کے پیسے سے رشوت کا روپیہ ۳/ گنا لگا ہے۔ اس صورت میں عمارتِ مذکور بیچ کر حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ حوالۂ حدیث مع کتب مدلل تحریر فرمادیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کو چاہئے کہ کسی سے قرض لیکر اسی سے حج کرے (کسی محرم کے ساتھ)، پھر عمارتِ مذکورہ کی قیمت سے وہ قرض ادا کردے تاکہ حج بلاشبہ حلال مال سے ادا ہو (۲)، لیکن عمارتِ مذکورہ کی قیمت بلکہ خالص حرام مال

(۱) "(و یجبر المستأجر علی دفع ماقبل) فیجب المسمی بعقد وأجر المثل إذا لم تذکر مدة، شرح وهبانية من الشركة. (ويجس به) به يفتي (ويجبر على) دفع (الحلوة المرسومة) هي ما يهدى للمعلم على رء وس بعض سور القرآن سميت بها؛ لأن العادة إهداء الحلاوى". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين: "وقال العيني في شرح الهداية: والآخذ والمعطي آثمان". (مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل، الخ: ۲/ ۵٦، سعيد)

(۲) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/ ۲۲۰ رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، المقدمه، الفصل الأول، مكتبه مطصفى محمد بيروت)

سے بھی اگر حج ادا کیا تو فریضۂ ساقط ہو جائے گا اور حرام مال اس میں خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔

"قال في البحر: و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تَنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يُثاب لعدم القبول، و لا يعاقب عقاب تارك الحج، اهـ". رد المحتار: ۲/۱۹۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ربیع الثانی / ۶۷ھ۔

حج کے لئے رقم ناکافی ہو تو اپنا دوسرا انتظام کرنا

سوال [۵۰۵۴]: زید نے فریضۂ حج ادا کرنے کی نیت کی ہے، یہ سفر رمضان سے ۵/ ماہ قبل کا ہوگا، حکومت سے ۱۵۷۵/ روپئے ملیں گے جس کے ۹۲۹/ ریال ملیں گے جب کہ صرف حج کا خرچہ ۹۴۶/ ریال بتلایا گیا ہے، یہ رقم سفر میں بالکل ناکافی ہے۔ کیا اس کے لئے جائز ہوسکتا ہے کہ سعودی عرب میں اخراجات کی کفایت کے لئے اپنے طور پر کوئی دوسرا انتظام کرے؟ برائے کرم فوری جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنے طور پر دوسرے انتظام کی اجازت ہے، مگر قانونی تحفظ کا لحاظ کرلیا جائے کہ کوئی مصیبت نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: "﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾" فجعل ذلك رخصةً في التجارة في الحج، و قد ذكرنا ما روي فيه في سورة البقرة". (أحكام القرآن، للجصاص، سورة الحج، باب التجارة في الحج: ۳/۳۴۵، قديمي) ......=

غیر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتے ہوئے حج کرنا

سوال[۵۰۵۵]: خالد نے عمر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے تو اگر خالد حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کے غصب کا گناہ مستقل ہے(۱) مگر حج ادا ہو جائے گا، اگر حرام روپیہ سے حج کیا ہے تو وہ مقبول نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

= "و ككراهيتهم فى التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ .... ﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿تبتغوا فضلاً من ربكم﴾: أى تبتغوا رزقاً بالتجارة فى الحج. و قد نزلت هذه الآية رداً على كراهيتهم ذلك". (حجة الله البالغة، كره الجاهلون التجارة فى موسم الحج: ۲/۱۴۸، قديمى)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبعين أرضين". متفق عليه" (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمى)

(۲) "و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدر المختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص الخ.......... ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة فى الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون الفعل صلاةً، لأن الفرض لا يمكن اتصافه بالحرمة، و هنا كذالك، فإن الحج فى نفسه مأمور به، وإنما يحرم من حيث الإنفاق، و كأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فيه، فإن الحج عبادة مركبة من عمل البدن والمال كما قدمناه، و لذا قال فى البحر: ويجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فى الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، و لا تنافى بين سقوطه و عدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، و لا يعاقب عقاب تارك الحج، الخ". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد) .... =

1

حرام آمدنی والے کو بوقت حج اپنے گروپ میں شامل کرنا

سوال[۵۰۵۶]: ۱......ایک شخص ریاست نیپال میں چمڑا اور شراب کی بھٹی وغیرہ کا ٹھیکہ لیتا ہے وہ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتا ہے، کچھ لوگ اسی گاؤں یا آس پاس کے ہیں وہ بھی جارہے ہیں، ان لوگوں کا شخص مذکور سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے نہ کاروبار کا نہ رشتہ کا۔ شخص مذکور یا اس کی اہلیہ اس گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے یا چاہتی ہے اس کی اہلیہ کا محرم اس کا بھائی ہے وہ بھی اس گروپ میں ہے اور بھائی کا اپنی بہن کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گروپ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ دورانِ سفر قیامِ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کھانا و رہائش وغیرہ ایک ساتھ ہو، کیا ایسے گروپ میں شامل ہوکر حج کیا جاسکتا ہے؟

حرام آمدنی والا اگر کہے کہ میں نے قرض لیا ہے یا حلال آمدنی ہے تو کیا اس کا قول معتبر ہے؟

سوال[۵۰۵۷]: ۲......اگر شخص مذکور یہ کہتا ہے کہ وہ حج حلال کمائی سے کررہا ہے حرام کی کمائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو کیا اس کی اس بات کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور پھر اس کو گروپ میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حج ادا ہوجائے گا (۱) مگر حرام مال ان کی شرکت میں نہ کھائیں (۲)۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشيديه)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناجائز اور حرام چیز کے ارتکاب سے نفسِ حج میں کوئی خرابی نہیں آتی بلکہ حج ادا ہوجائے گا لیکن دوسرے ناجائز فعل کا گناہ مستقل ہوگا۔

(۱) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه يسقط الفرض معها، وإن كانت مغصوبةً، كذا في فتح القدير" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(۲) "وفي الذخيرة: سئل أبوجعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ في دينه أن لا يأكل، و يسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً". (ردالمحتار، فصل في البيع: ۶/۳۸۶، سعيد) .... =

۲......اگراس کے پاس حلال آمدنی کا ذریعہ بھی ہے یا وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ قرض لیا ہے تو اس کا قول صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

فرضیتِ حج کے لئے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں

سوال[۵۰۵۸]: زید کے پاس صرف مکہ معظّمہ تک جانے آنے کا خرچ ہے تو ایسی صورت میں زید کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوگا، یا مدینہ طیبہ کے سفرخرچ ہونے تک حج کوملتوی رکھے، پھر جب بھی حرمین تک کا خرچ میسر آجائے اس وقت جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس مکہ معظّمہ تک جاتے اورآنے اور حج کرنے کا خرچ موجود ہواس کے ذمہ حج لازم ہوگا، بحر: ۲/۳۳٤(۲)، پھر مدینہ طیبہ کے لئے کوشش کرے اور اللہ سے دعاء کرے، اگر گنجائش ہوجائے تو وہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل کرے، حج کو اس انتظار میں مؤخر نہ کرے کہ جب مدینہ طیبہ کا خرچ بھی پاس ہوگا تب حج کرے گا(۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "آكل الربا و كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه و غالب ماله حرام، لا يقبل و لا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی الهدايا و الضيافات: ۱/۳۴۳، رشيديه)

(۱) "فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا فی الينابيع". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی الهدايات والضيافات: ۱/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۵۴۴، كتاب الحج، رشيديه)

(۳) "(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك .... و تفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، و هو ما سوى مسكنه و لبسه و خدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهباً و جائياً وراكباً، لا ماشياً، و سوى ما يقضی به ديونه و يمسك لنفقة عياله و مرمة مسكنه و نحوه إلى وقت انصرافه، كذا فی محيط السرخسی". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷ كتاب المناسك، رشيديه) ...... =

حج سے گناہ کی معافی

سوال[۵۰۵۹]: جس پر حج واجب ہو چکا اور اس نے حج کیا تو حدیث شریف کے لحاظ سے اس کے لئے شفاعت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب ہوجاتی ہے اور اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں جیسے کہ ماں کے پیٹ سے دوبارہ پیدا ہو، حج کے بعد جو کچھ گناہ بقیہ عمر میں ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اس سے بازپرس یعنی حساب وکتاب پیدائش سے تا موت کا ہوگا یا حج کے بعد سے موت تک جتنے گناہ کئے محض اس کی سزا بھگتنی ہوگی اور پیشتر کے گناہ بوجۂ حج کے معاف ہوجائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن گناہوں کے معافی کی بشارت حج کرنے پر دی گئی ہے حج کرنے سے ان کی بازپرس نہیں ہوگی کیونکہ وہ معاف ہوچکے ہیں اور بعد حج جو گناہ کئے ہیں ان کی معافی گذشتہ حج سے کسی حدیث میں مذکور نہیں، لہٰذا اگر توبہ نہیں کی تو ان کی بازپرس ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۵۲/۳، كتاب الحج، دار الكتب العلميه بيروت لبنان)

(۱) "قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين، ولو حقاً لله تعالیٰ كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و يزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق، ليأخذ كل حقه". (الفقه الإسلامي وأدلته، و هل الحج أفضل من الجهاد؟: ۱۲/۳، مكتبه حقانيه)

"وأما قوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من قضى نسكه، وسلم من لسانه و يده، غفر له ما تقدم من ذنبه". (مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، ص: ۴۸۷، إدارة القرآن کراچی)

"وعنه صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال لابن عمر: "أما علمت أن الإسلام يهدم ما قبله، و أن الهجرة تهدم ما قبلها، و أن الحج يهدم ما قبله". رواه مسلم". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علی القاری، باب شرائط الحج، ص: ۱۹، مصطفى محمد بمصر)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حج سے قبل کئے ہوئے گناہ حج سے معاف ہوجاتے ہیں لیکن حج کے بعد کئے گئے =

حج کے ذریعہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

سوال[۵۰۶۰]: میری بیوی نیک صالح اوروفا شعار ہے، میں حج کو گیا تھا، بیوی کو کہا کہ گھر سے باہر نہ نکلنا وہ ایک دفعہ سینما گئی، ایک دفعہ عرس میں گئی اور ایک دفعہ کہیں اَور میرے بھائی نے اس کو بہت مارا، میری حج سے واپسی پر مجھے قصہ سنایا، اس کا بھائی مجھے لینے بمبئی آئے تھے، میں نے اس سے کہا کہ اپنی بہن کو اپنے گھر لے جا، وہ اس کو لے گیا، ۸، ۹/ ماہ سے اپنی زوجہ کی شکل نہیں دیکھی، اس کو میں نے کہا بھیجا ہے کہ تو حج کو جا کر آ جا تب میں تجھے گھر میں رکھوں گا، اس سے پہلے تو گھر میں نہیں آسکتی اور تو میری صورت نہیں دیکھ سکتی اور میں تیری صورت نہیں دیکھ سکتا، میرا یہ حج کی شرط لگانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ حج کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس پر حج فرض ہے تو ضرور حج کو بھیجنا چاہیئے (۱)، اگر یہ توقع ہو کہ حج کے ذریعے سے ہی اس کی اصلاح ہوگی بغیر اس کے اصلاح نہ ہوگی تو پہلے حج کرالیا جائے، اگر اس کو ندامت ہے اور اپنی غلطی پر شرمندہ ہے تو حج سے پہلے بھی بلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲۹/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲۹/ ۱۳۸۸ھ۔

کیا حج سے قضا نمازیں معاف ہو جائیں گی؟

سوال[۵۰۶۱]: زید نے اپنی عمر میں بہت سی نمازیں چھوڑ دیں اب وہ حج کرنے جارہا ہے تو کیا حج کرنے سے اس کی نمازیں (جو نمازیں نہیں پڑھی ہیں) معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے بعض احباب تو یہی کہتے ہیں اور ثبوت میں حدیث پیش کرتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حج کرنے سے دین معاف نہیں ہوتا، نہ اللہ کا دین اور نہ بندے کا دین، مثلاً اگر کسی ذمہ کسی قرض ہوتو

= گذشتہ حج سے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (آل عمران: ۹۷)

حج کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی کے ذمہ کچھ فرض نمازیں ہوں یا فرض روزے ہوں یا فرض زکوۃ ہو تو حج کرنے سے یہ نماز، روزہ، زکوۃ کچھ بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ اللہ کا دین ہے(۱) دین کا معاف نہ ہونا حدیث شریف میں موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجِ ثانی کے لئے پانچ سال کی قید

سوال[۵۰۶۲]: حکومتِ ہند نے حج کے سلسلہ میں یہ قید لگارکھی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی حج کرنے کے بعد پانچ برس تک حج کو نہیں جاسکتا ہے، ایسی قید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ایک حلف نامہ بھرنا پڑتا ہے

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، أفأ قضيه عنها؟ قال: "نعم، فدين الله أحق أن يقضى".
(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم: ۱/۲۶۲، قديمي)
(والصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب قضاء الصوم عن الميت: ۱/۳۶۲، قديمي)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "القتل في سبيل الله يكفر كل خطيئة" فقال جبريل: إلا الدين، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إلا الدين".
(جامع الترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في ثواب الشهيد: ۱/۲۹۳، سعيد)

"قال في البحر الرائق: فليس معنى التكفير كما يتوهمه كثير من الناس أن الدين يسقط عنه، و كذا قضاء الصلاة، والصوم، والزكاة؛ إذ لم يقل أحد بذلك". (ردالمحتار، مطلب في تكفير الحج الكبائر: ۲/۶۲۳، سعيد)

"قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، و لا قائل بسقوط الدين ولو حقاً لله تعالىٰ كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و يزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق، ليأخذ كلٌ حقه". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب: و هل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۲، حقانيه پشاور)
(وكذا في مناسك الملاعلي القاري، باب المتفرقات: ۲۸۶، إدارة القرآن كراچي)

کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ پانچ برس میں سے کسی سال بھی حج کو نہیں گیا ہوں۔ کیا اس پابندی میں توریہ کی کوئی شکل ہوسکتی ہے؟ یہ شخص گذشتہ دو سال پہلے حج بدل میں جاچکا ہے، اب اپنا حج فرض ادا کرنا چاہتا ہے، مگر یہ حلف والی شرط درپیش ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی پابندی لگانے کا کوئی شرعاً حق نہیں۔ جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹے حلف نامہ پر دستخط کرنا گناہ ہے(۱)، اگر توریہ میں یہ نیت کرے کہ گذشتہ پانچ سال میں اپنے حج فرض کو نہیں گیا تو نیت صحیح ہوسکتی ہے جب کہ اپنا حج فرض ادا نہیں کیا (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۹ھ۔

حج کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حج نہیں کیا

سوال[۵۰۶۳]: حج کے درخواست فارم میں اس بات کا بھی اقرار ہوتا ہے کہ پانچ سال کے اندر حج نہ کیا ہو، اگر کوئی شخص جاچکا ہے تو کیا یہ شخص دھوکا دینے والا کہلائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من حلف علی یمین صبر وهو فیها فاجر، یقتطع بها مال امرئ مسلم لقی اللہ یوم القیامة وهو علیه غضبان". (صحیح البخاری، کتاب الأیمان والنذور: ۹۸۷/۲، قدیمی)

(و کذا فی جامع الترمذی، أبواب البیوع، باب ماجاء فیمن حلف علی سلعته کاذباً: ۲۳۰/۱، سعید)

(۲) "(قوله: ویورّی) التوریة أن یظهر خلاف ما أضمر فی قلبه، إتقانی. قال فی العنایة: فجاز أن یراد بها ههنا اطمئنان القلب، و أن یراد الإتیان بلفظٍ یحتمل معنیین". (رد المحتار، باب، مطلب: بیع المکره فاسد، و زوائده مضمونة بالتعدی: ۱۳۴/۶، سعید)

"والتوریة أن یظهر خلاف ما یضمر، فجاز أن یکون المراد بها ههنا اطمئنان القلب، وجاز أن یکون الإتیان بلفظ یحتمل معنیین". (فتح القدیر، کتاب الإکراه، فصل: ۲۴۱/۹، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں کیا شبہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

حج عرضی میں یہ قید کہ ''میں نے اتنی مدت سے حج نہیں کیا''

سوال[۵۰۶۴]: گذشتہ چند سالوں سے حکومت کے حج بیت اللہ کمیٹی کوٹہ مقرر کردینے کی وجہ سے مغل لائن لمیٹڈ نے حج کے فارم میں ایک دفعہ اس طرح بڑھادی ہے کہ ''اس سے قبل آپ نے کسی سال حج کیا تھا''؟ فارم بھرنے سے قبل زندگی میں جس نے ایک مرتبہ حج بھی کیا ہو (خواہ نفلی ہو یا حج فرض) اب اگر وہ خانہ پری کے وقت صحیح حقیقت کہہ دیتا ہے کہ میں اس سے قبل فلاں سال حج کر چکا ہوں تو پھر مغل لائن والے ایسی عرضی کو ہر سال قرعہ ایسے اندر پہلے سال والی عرضیوں کی فہرست میں ڈال دیتے ہیں، اب ہر سال ہر صوبہ سے اس کے مقرر کوٹہ سے زیادہ عرضیاں آتی ہیں جو ہر سال واپس کی جاتی ہیں۔

چنانچہ وہ عرضیاں جو کہ تین چار سال سے مسلسل رد ہو رہی ہیں ان کو قرعہ اندازی میں ستر فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا ہے (بشرطیکہ عرض میں مذکورہ بالا دفعہ اس طرح پر کی گئی ہو کہ ''میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا ہے'') اور جس عرضی میں صحیح حقیقت لکھ دی گئی ہو ایسی عرضی کو اگر چہ وہ تین چار سال سے مسلسل رد ہو رہی ہو تب بھی پہلے سال والوں کو فہرست میں ڈال کر قرعہ اندازی میں بیس تیس فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا

---

(۱) ''من غش فلیس منا''. قال العلامة المناوی: ''من غش'': أی خان، والغش ستر حال الشیء ''فلیس منا'': أی من متابعینا''. (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۸۷۹): ۱۱/۵۹۲۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکة المکرمة، الریاض)

''(قوله: و نهینا عن غدر) عدل عن قول الهدایة و غیره، و ینبغی للمسلمین أن لا یغدروا؛ لأن المشهور عند المتأخرین استعمال ''ینبغی'' بمعنی: یندب، الخ''. (ردالمحتار، کتاب الجهاد، مطلب: لفظ: ینبغی یستعمل فی المندوب وغیره عند المتقدمین: ۴/۱۳۰، سعید)

''وأصل الخدع أظهار أمر وإضمار خلافه''. (فتح الباری، باب الحرب خدعة: ۶/۱۵۸، دارالمعرفة بیروت)

ہے جس کی بنا پر ان کی عرضی منظور ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا ہے۔

علاوہ ازیں اب تو یہ بھی سنا جا رہا ہے کہ جو ایک مرتبہ حج کر چکا ہو اس کی عرضی کو قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اس صورت میں تو ہمیشہ کے لئے اس کی عرضی کی نامنظوری قطعی اور یقینی ہے۔ مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر اکثر لوگ جو زندگی میں ایک مرتبہ حج کر چکے ہیں وہ اپنے فارم میں یہی لکھ دیتے ہیں کہ ''میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا''۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کے پیش نظر اگر یہ صورت اختیار نہیں کرتا تو اس کے لئے دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کی اور کوئی دوسری شکل نہیں ہے اور دوسرے لوگ اس طرح عذر بیانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنی گاڑھی کمائی سے رقم بچا کر دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے جانا ایک مسلمان کا خالص مذہبی معاملہ ہے، مگر حکومت نے زرِ مبادلہ بچانے کے لئے کوٹہ سسٹم کر کے پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہی بات ہے کہ یہ کوٹہ سسٹم اور اس طرح کی پابندیاں تو شریعتِ اسلامیہ کے بالکل مخالف ہے، لہٰذا دوبارہ زیارتِ حرمین شریفین کی تمنا اور شوق میں صحیح حقیقت چھپا کر اس طرح خانہ پری کی شرعاً اجازت اور گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج عظیم عبادت ہے جس کے ذریعہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۱)۔ جھوٹ گناہ ہے، عبادت کے

---

(۱) ''قال: سمعت أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من حج لله فلم يرفث ولم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه''.

قال العلامة العيني: ''من حج أو اعتمر'' وفي رواية الترمذي من حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: ''تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة، وليس لحج المبرور ثواب دون الجنة'' .... قوله: ''رجع كيوم ولدته أمه'': أي رجع مشابهاً لنفسه في البراء من الذنوب''. (عمدة القاري، باب فضل الحج المبرور: ۹/۱۳۵، ۱۳۶، إدارة الطباعة المنيرية)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۵/۳۸۱، ۳۸۲، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب: وهل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۱، ۱۲، حقانيه پشاور)

لئے گناہ کی اجازت نہیں (۱)، ویسے بھی خلافِ قانون چیز کا ارتکاب اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو قرینِ دانشمندی نہیں (۲)۔ بعض حضرات نے ایسا کیا ہے اوران کا روپیہ واپس نہیں ہوا، بلکہ معلوم ہونے پر جرم کی وجہ سے ضبط ہو گیا اوران کا نام مستقلاً درج کرلیا گیا کہ یہ دروغ حلفی کے مجرم ہیں، سخت قوانین بننے کی وجہ بھی ہماری ہی اعمال وسیئات ہیں۔

اگر حج کو جانے والے واقعۃً حج وعبادت ہی کی نیت سے جائیں اور وہاں کے آداب کی رعایت رکھیں تو غالباً سخت گیری کی نوبت نہ آئے، مگر جب وہاں سے خلافِ قانون سامان چھپا کرلائیں اور رشوت کے باوجود مخبری ہوکر کسٹم پر پکڑے جاتے ہیں تو بڑی ذلت ہوتی ہے اور دوسرے حجاج بھی بدنام ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اخلاص دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة، قدّم رفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، و لذا قال عليه السلام: "إذا أمرتكم بشئ فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه". وروى في الكشف حديثاً: "لَترك ذرةٍ مما نهى الله عنه أفضل من عبادة الثقلين". ومن ثَمّ جاز ترك الواجب دفعاً للمشقة، و لم يسامح في الإقدام على المنهيات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/۲۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۳۰)، ص: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۳۳)، ص: ۸۱، الصدف پبليشرز كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أطيعوا الله و أطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ .... و إنما أشار لهم بذلك إلى أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباري، كتاب الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۳/۱۲۳، دارالمعرفة، بيروت)

(كذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولى الأمر: ۲/۲۹۸، قديمی)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أي يتبع، و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولي الأمر، و في ط، عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبةٌ، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

جھوٹا اندراج کر کے حجِ ثانی کرنا

سوال[۵۰۶۵]: سائل نے ۱۹۶۰ء میں حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، امسال پھر حج کی خواہش ہے، ارادہ ہے کہ کلکتہ سے جہاں میرے ایک چچازاد بھائی بسلسلۂ تجارت مقیم ہیں، وہاں سے حج کی درخواست دوں، مگر ایک دشواری یہ ہے کہ درخواست کے فارم میں ایک سوال یہ چھپا ہوتا ہے کہ کیا آپ نے اس سے پہلے کبھی حج کیا ہے''؟ اگر جواب اثبات میں دیا جائے تو درخواست منظور ہونے میں دشواری ہوتی ہے، بلکہ منظور ہونے کی امید ہی نہیں رہتی ہے، اگر نفی میں جواب دیں تو یہ جھوٹ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حج کا شرف حاصل کرنے کے لئے اتنا جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں معذور قرار دیا جا سکتا ہوں جب کہ جھوٹ کو جھوٹ اور غلط سمجھتا ہوں؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سوال مذہبی معاملات میں مداخلت ہے، لہذا اس سوال کے آگے (×) نشان اس نیت سے بنادے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دیتا، وہ سمجھیں گے کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔

حاجی عبدالجلیل صاحب، مدن پورہ، ۱۴۸/ ۱۳۱، ہاؤس: D/۳۱/۱۴۸، بنارس یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر بھر کا سوال نہیں ہوتا، بلکہ پانچ سال کا سوال ہوتا ہے، آپ نے پانچ سال میں حج نہیں کیا ہے، پس آپ کا اس میں انکار لکھ دینا صحیح ہوگا، جھوٹ نہیں۔ نیز جب آپ کلکتہ سے جا رہے ہیں تو وہاں سے آپ نے کبھی بھی حج نہیں کیا، یہ بات بھی صحیح ہے، جھوٹ کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "(قوله: و يورّى) التورية أن يظهر خلاف ماأضمر فى قلبه، إتقانى. قال فى العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (ردالمحتار، باب، مطلب: بيع المكره فاسد و زوائده مضمونة بالتعدى: ۶/ ۱۳۴، سعيد) .... =

دروغ حلفی کرکے حجِ ثانی کرنا

سوال[۵۰۶۶]: حج کے لئے یہ پابندی ہے کہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ سال تک وہ حج کے لئے نہیں جا سکتا، حکومت نے اس سلسلہ میں ایک حلف نامہ بھی جاری کیا ہے اگر ان پابندیوں کے باوجود کسی صورت میں ہم حج کے لئے چلے جائیں تو گناہ تو نہیں ہوگا اور حج ادا ہوگا کہ نہیں؟ حلف نامہ میں غلط بیانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

حافظ محمد کلیم، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دروغ، زبانی ہو یا تحریری، بہرحال دروغ ہے اور دروغ حلفی اس سے بھی زیادہ قبیح اور شنیع ہے (۱)، حجِ بدل کے لئے ایسے آدمی بھی بسہولت مل سکتے ہیں جن کے لئے حلفیہ دروغ بیانی کی ضرورت نہیں اور قانونی رکاوٹ بھی ان کے لئے نہیں ہوگی۔

= "والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها هاهنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۹/ ۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين القضائية، النية في اليمين: ۲/ ۵۹۲، حقانيه پشاور)

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الصدق برٌّ، وإن البر يهدى إلى الجنة، وإن الكذب فجورٌ، وإن الفجور يهدى إلى النار". (الصحيح لمسلم، باب قبح الكذب و حسن الصدق و فضله: ۲/ ۳۲۵، قديمى)

"قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الكبائر أو سئل عن الكبائر، فقال: "الشرك بالله، وقتل النفس، و عقوق الوالدين". فقال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"؟ قال: "قول الزور". (صحيح البخارى، باب عقوق الوالدين من الكبائر: ۲/ ۸۸۴، قديمى)

پھر قانون کی مخالفت تو اَور بھی خطرناک ہے، جعل کھل جانے پر مال، عزت دونوں کا خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا قرینِ دانشمندی نہیں (۱)۔ تاہم حجِ فرض ادا ہو ہی جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أى يتبع و لا تجوز مخالفته ...... التعليل بوجوب طاعة ولى الأمر، و فى ط عن الحموى: إن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فى غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يومٍ، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الأحكام، باب: السمع و الطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۲۳/۱۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى أحكام القرآن، للعلامه الجصاص رحمه الله تعالىٰ عليه، باب فى طاعة أولى الأمر: ۲۹۸/۲، قديمى)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بغیر محرم کے بڑھیا کو سفر حج کرنا

سوال[۵۰۲۷]: ۱...... ایک ساٹھ سالہ بوڑھی عورت حج کو جانا چاہتی ہے، مگر کوئی محرم ساتھ نہیں ہے، ایک بڑے میاں جو اس عورت کے محرم تو نہیں مگر ان کی عمر بھی ساٹھ سے زیادہ ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ عورت ان بڑے میاں کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

۲...... مذکورہ بالا صورت میں اگر بڑے میاں عورت کو ساتھ لیجانے سے انکار کردیں مگر وہ عورت دورانِ سفر میں ان بڑے میاں کے قافلے کے ساتھ لگ جائے تو اب ایسی صورت میں بڑے میاں کو اس عورت کی خبر گیری کرنی چاہئے، یا اس کو کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... بوڑھی عورت کو بھی بغیر شوہر یا کسی محرم کے سفر نہیں کرنا چاہئے، بحر: ۲/۳۳۹(۱)۔

۲...... جب وہ ساتھ لگ ہی گئی ہے تو اس کی خبر گیری لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و يشترط في حج المرأة من سفر زوج، أو محرم بالغ ...... وأطلق المرأة، فشمل الشابة والعجوز، لإطلاق النصوص". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۲، رشيديه)

"وسواء كانت المرأة شابةً أو عجوزاً؛ أنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم، لأن ما روينا من الحديث لا يفصل بين الشابة والعجوز، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچى) ...... =

بوڑھی عورت کا بلا محرم کے حج کرنا

سوال[۵۰۶۸]: مسماۃ ہندہ عمر ۵۵/ سالہ ہے، پردہ نشین بیوہ ہے، وارثوں میں صرف ایک لڑکا جو کہ ملازم ہے، لڑکے کی ایک لڑکی جو کہ غیر شادی شدہ ہے اس کے علاوہ دو بچے چھوٹے و بیوی بھی موجود ہے۔ اس صورت میں ہندہ غیر کفو کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز نہیں جب تک کوئی محرم ساتھ نہ ہو، حج کے لئے بھی سفر کرنا گناہ ہے، تاہم اگر حج کیا تو حج بھی ادا ہو جائے گا: "الرابع: المحرم، أو الزوج لامرأة بالغة، و لو عجوزاً، ومعها غيرها من النساء الثقات والرجال الصالحين، اهـ". غنية المناسك: ۱۰ (۱)۔ "أشاربه إلى أن مااستفيد من المقام من عدم جواز السفر للمرأة إلا بزوج أو محرم خاصٌّ بالحرة، اهـ". رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

عورت کو بلا محرم سفر حج کرنا

سوال[۵۰۶۹]: زید اپنی والدہ کو حج میں بلانا چاہتا ہے جس میں زید کی والدہ کو صرف بمبئی سے جدہ تک بذریعۂ ہوائی جہاز بغیر محرم سفر کرنا ہوگا اور واپسی میں زید خود ساتھ رہے گا۔ کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

(۱) (غنية الناسك، باب شرائط الحج، وأما شرائط وجوب الأداء خمسة على الأصح، ص: ۲۶، إدارة القرآن كراچى)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۴۶۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ شرعی (۴۸ میل) کے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے عورت کو اجازت نہیں، خواہ کسی سواری سے ہو، ہے تو وہ سفرِ شرعی ہی، اس پر احکام شرعی مرتب ہوتے ہیں مثلاً نماز کا قصر کرنا وغیرہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۰۷۰]: میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ جن کی عمر پچاس برس کی ہے اوران پر حج فرض ہو چکا ہے، فریضۂ حج ادا کرنے کی تڑپ رکھتی ہے، لیکن میں ایک خاص عذر کی وجہ سے مجبور ومعذور ہوں، ان کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا اور نہ کوئی محرم موجود ہے جو ان کے ساتھ سفرِ حج کر سکے۔ حسنِ اتفاق سے نواب بسالت جاہ حیدرآبادی مدظلہ العالی اوران کی اہلیہ محترمہ اوران کی والدہ محترمہ حج کو جارہے ہیں۔ آیا بصورتِ ہذا ان بزرگوں خواتین کے ساتھ میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ سفرِ حج کو جانا چاہتی ہیں؟ میں اس پر راضی ہوں۔ آیا بصورت ہذا ازروئے شرع شریف اپنا فریضہ حج ادا کرسکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب از مدرسہ حقانیہ بنگلور

الجواب حامداً ومصلیاً:

واضح ہو کہ سفرِ حج چونکہ مہتم بالشان اور مقدس سفر ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یخلون رجل بامرأۃ، و لا تسافر امرأۃ إلا و معہا محرم". متفق علیہ (۲)۔

---

(۱) "والمراد سفر خاص، و ھوالذی تتغیر بہ الأحکام من قصر الصلاۃ، وإباحۃ الفطر، وامتداد مدۃ المسح إلی ثلاثۃ أیام، و سقوط وجوب الجمعۃ، والعیدین، والأضحیۃ، وحرمۃ الخروج علی الحرۃ من غیر محرم، عن العنایۃ". (ردالمحتار، باب صلاۃ المسافر: ۲/۱۲۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱/۱۳۸، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۶، رشیدیہ)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، کتاب المناسک، الفصل الأول، ص: ۲۲۱، قدیمی) .... =

اور ہدایہ میں ہے: "و يعتبر في المرأة أن تكون لها محرمٌ تحج معه، أو زوج، و لا يجوز لها أن تحج بغيرهما، إذا كان بينها و بين مكة ثلاثة أيام"(۱)۔

اور مرقات شرح مشکوۃ میں ہے: "ولهذا قال أبو حنيفة وأحمد رحمهما الله تعالى. و قال مالك رحمه الله تعالى: يلزمها إذا كان معها جماعة النساء. وقال الشافعي رحمه الله تعالى: يلزمها إذا كان معها امرأة ثقة. و قال الشمني: مذهب مالك: إذا وجدت المرأة صحبة مأمونة، لزمها الحج؛ لأنه سفر مفروض كالهجرة. و مذهب الشافعي: إذا وجدت سفرة ثقات، فعليها أن تحج معهن"(۲)۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عورت مطلق سفر یا سفرِ حج اس وقت کرسکتی ہے جب کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا کوئی محرم موجود ہو"۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر معتبر عورتیں یا ایک عورت ساتھ ہو اور امن ہو تو عورت بلا محرم بھی حج کرسکتی ہے۔

اب صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ صاحبہ اگر مضطرب ہیں اور مضطر ہیں اور شوہر کی اجازت ہے مگر وہ خود جا نہیں سکتا اور کوئی محرم بھی نہیں ہے تو از روئے قرآن شریف حالتِ اضطراری میں جائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فمن اضطر غير باغ و لا عاد فلا إثم عليه﴾(۳)۔ اس صورت میں فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کسی مسئلہ میں سختی ہو اور امام مالک کے مذہب میں سختی نہ ہو تو مذہبِ مالک پر عمل کرنے کی اجازت خود فقہ حنفی دیتا ہے، بلکہ اس پر فتویٰ حنفی دے سکتا ہے جیسا کہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں مذہبِ حنفی کے خلاف مذہبِ مالکی پر فتویٰ حنفی علماء دیتے ہیں، دیکھو رد المحتار، باب الرجعة میں ہے:

= (والصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره: ۱/۴۳۴، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۳۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۵/۳۸۶، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (سورة البقرة: ۱۷۳)

"فالأولى الجمع بين مذهبين: مذهب أبي حنيفة و مذهب مالك رحمهما الله تعالىٰ؛ لأنه كالتلميذ لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، لذا مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالك رحمه الله تعالى ضرورةً"(۱)۔

اور ایک جگہ ہے: "وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالك "(۲)۔

غرض تقلیدِ مالکیہ میں صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحب عالی جناب نواب بسالت جاہ مدظلہ کی والدہ محترمہ اوران کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ فریضۂ حج کی غرض سے سفر کرسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ ابوالکمال **محمد** حبیب اللہ باقوی ندوی حنفی قادری، مفتی دارالافتاء مدرسہ حقانیہ عربیہ بنگلور۔

(دار العلوم دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے پاس اگر اپنے حج کے لئے روپیہ کافی ہو اور شوہر یا کوئی محرم بھی جانے والا ہو تب تو اس کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوتا ہے ورنہ فرض نہیں ہوتا، بلکہ حجِ بدل کے لئے وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے جس کی تنفیذ ایک تہائی ترکہ سے لازم ہوتی ہے، عورت بوڑھی ہو یا جوان اور قافلہ میں دوسری عورتیں ہوں یا نہ ہوں سب کا حکم یہی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

دوسرے بعض حضرات نے ہجرت و اسارت پر قیاس کرتے ہوئے عورت کو دوسری قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کی اجازت دی ہے، مگر حنفیہ نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جس کی اجازت نہیں ہے اور قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے جو شرعاً حجت نہیں ہے۔ اضطرار کا یہاں کوئی محل ہی نہیں کہ حرام شیٔ کی حرمت مرتفع ہوجائے اس لئے کہ اضطرار جان کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے، یا ایمان کے تحفظ، یہاں حج کے لئے نہ جانے میں جان کا کوئی خطرہ نہیں، نہ ایمان میں کوئی نقص آتا ہے، کیونکہ محرم نہ ہونے کی وجہ سے جانا

---

(۱) (ردالمحتار، باب الرجعة، مطلب: مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالك رحمه الله تعالىٰ ضرورة: ۴۱۱/۳، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود: ۲۹۶/۴، سعید)

فرض نہیں، بخلافِ زوجۂ مفقود کے کہ وہاں نفقہ کا انتظام نہ ہونا اور در بدر بھیک مانگنا، نامحرموں کی ملازمت کرنا، عصمت کا محفوظ نہ رہنا، حرام کاری میں مبتلا ہونا، دین اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کرنا، یہ امور قبیحہ، شنیعہ ضرور ایسے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے سے ان سب کا سدِ باب ہو جاتا ہے۔

صورت مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کو سفرِ حج نہ کرنے سے کسی امر قبیح شنیع کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے، سب سے حفاظت ہے۔ ہاں! سفر کرنے سے حدیث پاک کی مخالفت ہے، اپنے امام کے مذہب کی مخالفت ہے اور سفر بھی سفرِ حج ہے جس کی بنیاد ہی گناہوں کو معاف کرانا ہے، گناہ معاف کرانے کے لئے مستقلاً گناہ کا راستہ اختیار کرنا ویسے بھی دانشمندی سے بعید تر ہے:

"(ومحرم أو زوج لامرأة في سفر): أي ونشرط محرم إلى آخره، كما في الصحيحين: "لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا و معها محرم". وزاد مسلم في رواية: "أو زوج". و روى البزار: "لاتحج امرأة إلا و معها محرم". فقال رجل: يا رسول الله! إني كتبت في غزوة وامرأتي حاجة؟ قال: "ارجع، فحجّ معها". فأفاد هذا كله أن النسوة الثقات لاتكفي قياساً على المهاجرة و المأسورة؛ لأنه قياس مع النص، و مع وجود الفارق، فإن الموجود في المهاجرة والمأسورة ليس سفراً؛ لأنها لا تقصد مكاناً معيناً، بل النجاة خوفاً من الفتنة، حتى لو وجدت مأمناً كعسكر المسلمين، وجب أن تقر، ولأنه يخاف عليها الفتنة، و تزاد بانضمام غيرها إليها، ولهذا تحرم الخلوة بالأجنبية، وإن كان معها غيرها من النساء.......... وأطلق المرأة، فتشمل الشابة والعجوز، لإطلاق النصوص".

كذا في البحر الرائق: ٢/ ٣١٤، ٣١٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

رضاعی بھائی کے ساتھ حج

سوال[۵۰۷۱]: رسولن اور خلیل دودھ شریک بھائی بہن ہیں اور رشتہ میں بھی چچازاد بھائی بہن ہیں، رسولن کا کوئی محرم نہیں کہ جس کے ساتھ وہ حج کو جائے۔ کیا وہ خلیل کے ہمراہ حج کو جا سکتی ہے؟

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الحج: ٢/ ٥٥١، ٥٥٢، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جاسکتی ہے، درمختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا

سوال [۵۰۷۲]: میری ہمشیرہ میرے خسر اور ساس کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، ان کا کوئی محرم نہیں ہے، کیا یہ ہمشیرہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ ان کا حج ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کا خسر آپ کی ہمشیرہ کا محرم نہیں، ان کے ساتھ سفر حج کرنے کی اجازت نہیں اگر چہ فریضہ ادا ہوجائے گا، لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ بھی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۷/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "(و) مع (زوج أو محرم) ولو عبداً أو ذمياً أو برضاع". (الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

"قوله: (ومحرم أو زوج لامرأة في سفر): أي و يشرط محرم إلى آخره، لما في الصحيحين: "لا تسافرا المرأة، إلا و معها محرم .... والمحرم مَن لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو مصاهرة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۱، رشيديه)

(بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(ومع زوج أو محرم) و هو مَن لا يحل له نكاحها على التأبيد للمرأة، و لو عجوزةً، إن كان بينها وبين مكة مسافة سفر، وإلا فلا يحتاج، و لا تحج بلا أحدهما فإن حجت، جاز مع الكراهة". (الدر المنتقى في شرح الملتقى: ۱/۲۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"إنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم .... ثم صفة المحرم: أن يكون ممن لا يجوز نكاحها على التأبيد، إما بالقرابة أو الرضاع أو الصهرية، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۶، دار الكتب العلميه بيروت) ....=

بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۰۷۳]: زید کی عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف امسال حج کو جانے پر بضد ہے اور اس کے حقیقی برادر بھی حج کو جارہے ہیں، زید اپنے خانگی حالات کی وجہ سے اس سال اجازت دینے سے روکتا ہے، یعنی زید کی بیوی اپنے شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی ہے۔ زید کی بہن نے بھی اپنے حج کی درخواست دے رکھی ہے اگر خدا کو منظور ہو تو زید کا مکان تنہا رہ جائے گا اور اس کے مکان پر سوائے ان دونوں کے اور کوئی قابلِ اطمینان آدمی نہیں ہے۔ تو زید کی بیوی اپنے برادر کے ساتھ زید کی بلا اجازت حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

اور زید کی بیوی اپنے حقوق کا اور خداوندی حقوق یعنی صوم وصلوۃ میں پاکی ناپاکی کا خیال نہیں رکھتی ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور کے پانچویں حصہ میں صفحہ: ۶۳ تا ۷۰ میں تحریر فرمایا ہے اور دیگر حوالہ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ کے صفحہ: ۶۷/ میں نامحرم بہنوئی ونندوئی وغیرہ وغسل آنے پر ہفتہ تا چالیس یوم تک بغل وغیرہ کے بال دور کرنا، بدن کو صاف ستھرا کرنا، تحت تحریر فرمایا ہے۔ جب اس عورت کو دو دو، تین تین ماہ ہوجاتے ہیں بغیر کسی مجبوری کے تو اس عورت پر کیسا گناہ ہوا، صغیرہ یا کبیرہ؟ اب اس کو حج کے لئے اس صورت میں اجازت دی جائے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں اس کے ساتھ اس کے بھائی وغیرہ جو اس کے ساتھ حج کو جائیں گے تو ان کا یہ حج ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس عورت کی ملک میں اتنا روپیہ ہے کہ اس پر حج فرض ہوجائے اور ساتھ جانے والا محرم بھی موجود ہے تو اس کو ضرور اجازت دیدی جائے، شوہر کو حق نہیں کہ وہ اس حالت میں وہ حج سے اس کو روکے(۱)۔ وہ

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

(۱) "ولو كان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا، وعندالشافعي: ليس لها أن تخرج بغير إذن زوجها .... ولنا أنها إذا وجدت محرماً، فقد استطاعت إلى حج البيت سبيلاً؛ لأنها قدرت على الركوب والنزول، وأمنت المخاوف؛ لأن المحرم يصونها". =

اگر ناپاکی سے پاک نہیں ہوئی، خدا اور شوہر کے حقوق کو ادا نہیں کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے، اس کو توبہ لازم ہے(۱) اور اس کی فہمائش کی جائے اور وعید سنائی جائے اور بتایا جائے کہ خدا کے گھر جانے کے لئے پاکی کا اہتمام کرے، نماز وغیرہ کی پابند ہو جاوے، شوہر کی نافرمانی چھوڑ دے۔ امید ہے کہ وہ سفر حج کی برکت سے اس کی مزید اصلاح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔



= (بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل فی شرائط فرضیته: ۵۵/۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

"وإذا وجدت محرماً، و لا یأذن لها زوجها أن تخرج، فلها أن تخرج بغیر إذنه فی حجة الإسلام دون التطوع". (التاتارخانیة، کتاب المناسک، شرائط الوجوب: ۴۳۵/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا فی مجمع الأنهر، کتاب الحج: ۲۶۳/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "ویستحب حلق عانته و تنظیف بدنه بالاغتسال فی كل أسبوع مرة، والأفضل یوم الجمعة، وجاز فی كل خمسة عشر، و كره تركه وراء الأربعین". (الدر المختار).

"(قوله: و كره تركه): أی تحریماً، لقول المجتبی: "و لا عذر فیما وراء الأربعین، و یستحق الوعید". (رد المحتار، فصل فی البیع: ۴۰۶/۶، ۴۰۷، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الكراهیة، الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وقلم الأظفار: ۳۵۷/۵، ۳۵۸، رشیدیه)

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسنن حج کا بیان)

وقوفِ مزدلفہ

سوال[۵۰۷۴] : ۱......اگر ہجوم کی وجہ سے عورتیں اور ضعیف مرد- جسے ہجوم کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ہو- مزدلفہ کا قیام نہ کریں تو دم واجب نہیں ہوگا، مگر یہ بھی مغرب وعشا کی نمازیں مزدلفہ میں ملاکر عشاء کے وقت پر پڑھ کر منیٰ کو روانہ ہوں تو نہیں ہے۔ کیا بالکل ہی مزدلفہ نہ جائیں؟ اور جہاں مغرب کا وقت ہو مغرب کی نماز پڑھیں اور عشاء کے وقت عشاء کی نماز پڑھیں تو کیا یہ بلا کراہت جائز ہے؟

ایضاً

سوال[۵۰۷۵] : ۲......اگر تندرست مرد عورتوں اور بوڑھے مردوں کیساتھ کسی وجہ سے مزدلفہ نہ ٹھہریں تو اس کو دم دینا ہوگا، ایسی صورت میں عورتیں اور بوڑھے مرد کس طرح تنہا عرفات سے منیٰ اپنے خیمہ میں جاسکتے ہیں؟ اگر دوسرے تندرست آدمی بھی ان معذوروں کو لیکر عرفات سے منی جاکر ان کو وہاں چھوڑ کر واپس آنا چاہیں تو آج کل بہت ہجوم کی وجہ سے مزدلفہ میں آنا اور قیام کرنا مشکل ہوجائے گا اور دوسرے ساتھیوں کو تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔ بہتیری عورتیں تنہا منیٰ میں رہیں گی، آج کل فتنہ کے زمانہ میں ان کی عزت و آبرو کا ڈر ہے، بعض عورتیں تنہائی میں گھبراتی ہیں اور عورتوں اور بوڑھے مردوں کو جس طرح بھی ہو مزدلفہ کا قیام کرانا چاہئے۔ اور اگر ان کو منی میں پہنچانا ضروری ہوتو پھر ساتھی تندرست مرد اور عورت بھی مزدلفہ کا قیام بوجۂ مجبوری ترک کردیں۔

کیا یہ ترکِ قیامِ مزدلفہ مجبوری میں جائز ہوگا؟ ورنہ معذور اور غیر معذور سب ایک ہی جگہ مزدلفہ میں رہیں اور صبح صادق میں قیام کر کے مزدلفہ سے روانہ ہوجائیں۔

منیٰ سے روانگی

سوال[۵۰۷۶]: ۳......اس کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہے بوڑھے ضعیف مردوں اور عورتوں کے لئے، لہذا دس ذی الحجہ کو ضعیف مرد اور عورت رات میں-جبکہ ہجوم کم ہوجاتا ہے- قیام کریں صبح صادق سے پہلے پہلے تک، اس طرح گیارہ، ذی الحجہ کو قیام مغرب کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کو تقریباً سب ہی حجاج کرام منی سے واپس ہوجاتے ہیں، اگر مستورات کا ساتھ ہو تو مناسب بھی یہی ہے کہ بارہ ذی الحجہ میں منیٰ کو واپس جائے۔

اکثر معلمین خیمے بناتے ہیں، دور دور کہیں ایک خیمہ نظر آتا ہے جو تیرہ ذی الحجہ کو قیام کرنے والوں کے لئے رہ جاتا ہے۔ بارہ ذی الحجہ کو اول اپنے خیمہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مستورات کو لے کر جائیں اس وقت ہجوم کم ہوجاتا ہے اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ چھوڑ دیتے ہیں ورنہ صبح صادق سے پہلے تک منیٰ چھوڑنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر مستورات یا ضعیف مردوں کی وجہ سے آفتاب غروب ہوجائے تو ایسی صورت میں مکروہ وقت خیال نہ کریں اس سے فارغ ہوتے ہی روانہ ہوجائیں۔ کیا یہ مناسب اور درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......صبح صادق سے سورج نکلنے تک ذرا سی دیر بھی وقوف کرلیا خواہ سوتے یا جاگتے بلکہ وہاں سے گزرنے سے بھی وقوف ہوکر واجب ادا ہوجائے گا (۱)، صبح صادق سے پہلے مزدلفہ سے نکلنے سے واجب ادا نہیں ہوگا اور ترکِ واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ اگر رات کو مزدلفہ نہیں پہنچ سکا حتی کہ صبح صادق ہوگئی اس وقت ہی پہنچا تو اس پر دم لازم ہے (۲)۔

---

(۱) "وأما ركنه: فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره، بأن كان محمولاً وهو نائم أو مغمى عليه، أو كان على دابة لحصوله كائناً بها". (بدائع الصنائع، فصل في الوقوف بمزدلفة: ۸۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما ركنه فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو فعل غيره، بأن كان محمولاً بأمره أو بغير أمره، وهو نائم أو مغمى عليه أو مجنون أو سكران، إن نواه أو لم ينو، علم بها أو لم يعلم" (ردالمحتار، مطلب في الوقوف بمزدلفة: ۵۱۱/۲، سعيد)

(۲) "و هذا الوقوف من الواجبات عندنا و ليس بركن، حتى لو تركه أصلاً يلزمه الدم، و لكن يجزيه=

سورج نکلنے میں جب دو رکعت کی مقدار وقت باقی رہ جائے اس وقت تک ٹھہرنا سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن ضعیف مرد اور عورت اگر صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر پڑھ کر منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے تو ان کے لئے اجازت ہے، بلکہ جو زیادہ ضعیف ہو اور برداشت نہ کر سکیں وہ اگر اندھیرے ہی میں صبح صادق سے بھی پہلے روانہ ہو جائیں تو ان پر عذر کی وجہ سے دم لازم نہیں آئے گا (۱)۔ اگر وقوفِ مزدلفہ نہ کرنا ہو تو نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے جمع نہ کی جائے (۲)۔

۲... بہتر یہی ہے کہ سب مزدلفہ میں قیام کریں، ضعیفوں کی وجہ سے زیادہ نصرت ہوگی: "هل تنصرون إلا بضعفائكم" (۳)۔ اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو ان ضعیفوں کی نگرانی وحفاظت کی خاطر جو تندرست

= الحج .... فقال: إذا أسفر النهار بحيث لم يبق إلىٰ طلوع الشمس إلا مقدار ما يصلي ركعتين يذهب. و في الخلاصة: و من لم يكن هذه الليلة بالمزدلفة، عليه دم إن لم يأتها قبل طلوع الشمس جبراً لنقصان". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الحج، الوقوف بمزدلفة، والذهاب إلىٰ منى: ۲/۴۵۹، ۴۶۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"فمن دفع من جمع قبل نصف الليل و لم يعد في الليل، فعليه دم .... والمستحب الاقتداء برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المبيت إلى أن يصبح، ثم يقف حتى يسفر". (أوجز المسالك، الوقوف بعرفة والمزدلفة: ۳/۵۷۶، المكتبة اليحيوية سهارنفور يو بي، هند)

(۱) "قال الحنفية: إن فات الوقوف، فإن كان لعذر فلا شيء عليه؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قدم ضعفة أهله، و لم يأمرهم بالكفارة، وإن كان فواته لغير عذرٍ فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب من غير عذر، وأنه يوجب الكفارة". (الفقه الإسلامي و أدلته، حكم فوات الوقوف بالمزدلفة عن وقته: ۳/۸۹، المكتبة الحقانية بشاور)

(۲) "والحاصل أن من عزم علىٰ عدم المرور بالمزدلفة تلك الليلة، فعليه أن يصلي كل صلاة في وقتها لعدم استكمال شروط الجمع، اهـ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، فصل في الجمع بين الصلاتين بها، يستحب التعجيل في هذا الجمع، ص: ۱۴۵، مصطفى محمد صاحب المكة)

(۳) "عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم". (الصحيح للبخاري، كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب: ۱/۴۰۵، قديمي)

اس وقوف سے پہلے (رات ہی میں) چلا جائے تو وہ دم دیدے (۱)۔

۳......ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن دم واجب نہیں ہوگا اور مستورات وضعفاء کی رعایت سے کراہت میں بھی تخفیف ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۳۳۹، رقم الحاشیه: ۲)

"و قالت الأحناف: الواجب هو الحضور بالمزدلفة قبل فجر يوم النحر، فلو ترك الحضور لزمه دم، إلا إذا كان له عذر، فإنه لا يجب عليه الحضور، و لا شئ عليه حينئذ". (فقه السنة، المبيت بالمزدلفة والوقوف بها: ۱/ ۷۲۵، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا فى إعلاء السنن، باب وجوب الوقوف بمزدلفة و لزوم الدم بفواته بلا عذر الخ: ۱۰/ ۱۳۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(۲) "يرجع من منىٰ إلىٰ مكة قبل غروب الشمس من اليوم الثانى عشر بعد الرمى عند الأئمة الثلاثة، وعند الأحناف: يرجع إلىٰ مكة مالم يطلع الفجر من اليوم الثالث عشر من ذى الحجة، لكن يكره النفر بعد الغروب لمخالفة السنة، و لا شئ عليه". (فقه السنة، متى يرجع من منى: ۱/ ۷۳۶، دارالكتاب العربى بيروت)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما كان يصلى الظهر والعصر والمغرب والعشاء والصبح بمنى، ثم يغدو إذا طلعت الشمس إلىٰ عرفة".

"ثم يغدو إذا طلعت الشمس من منىٰ إلى عرفة" قال الباجى: و هو السنة. و قدروى ابن المواز عن مالك: يغدو الإمام والناس إذا طلعت الشمس إلىٰ عرفة إلا من كان ضعيفاً .... وقال محمد بعد أثر الباب: هكذا السنة، فإن عجل أو تأخر فلا بأس إن شاء الله تعالىٰ، و هو قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (أوجز المسالك، باب الصلوٰة بمنى يوم التروية والجمعة بمنى و عرفة: ۳/ ۲۲۰، ۲۲۱، المكتبة اليحيويه سهارنفور)

(وكذا فى مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، فصل: فإذا دخل مكة: ۱/ ۲۸۲، دار إحياء التراث العربى بيروت لبنان)

متمتع اور قارن پر کیا دودم ہیں؟

سوال[۵۰۷۷]: قارن ومتمتع کوایک ہی قربانی واجب ہے یا دو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک قربانی تو دمِ قران، یا دمِ تمتع واجب ہے(۱)، پھر اگر وہاں پہونچ کر مقیم ہوجائے اور صاحبِ نصاب ہوتو ایک قربانی صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہوگی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "دم القارن شاة أو بدنة، أو سبع بدنة، و هو دم شكر لتوفيق الجمع بين العبادتين". (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع في القارن: ۲/۵۲۲، إدارة القرآن كراچی)

"و يجب الدم على المتمتع شكراً لماأنعم الله تعالىٰ عليه بتيسير الجمع بين العبادتين، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشيديه)

"وعلى المتمتع دم إذا وجد ذلك ...... أدناه شاة وإنه دم شكر، الخ". (التاتارخانية، الفصل العاشر في المتمتع: ۲/۵۳۱، إدارة القرآن كراچی)

"اتفق العلماء على أن المتمتع والقارن يلزمهما إذا أحرما بالحج الهدى ... ودم القران والتمتع شكراً، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب دم التمتع والقران: ۳/۲۲۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في مناسك الملاعلي القاري، المعروف بالمنسك المتوسط، فصل في هدى القارن والمتمتع: ۲۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأما الأضحية فإن كان مسافراً، فلايجب عليه، و إلا كالمكي، فتجب كما في البحر". (ردالمحتار، مطلب في رمى الجمرة العقبة: ۲/۵۱۵، سعيد)

"(وإنما تجب) التضحية دون الأضحية ...... (على حر) ...... (مسلم) ...... (مقيم)، فلا تجب على المسافر ...... موسر؛ لأن العبادة لاتجب إلا على القادر، و هو الغني دون الفقير، ومقداره ماتجب فيه صدقة الفطر". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۲/۵۱۶ دار إحياء التراث العربي بيروت)

احرام سے حلال ہونے کے لئے چند بالوں کا منڈانا

سوال[۵۰۷۸]: ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعدارکانِ حج میں دس ذی الحجہ کے بعداور متمتع اور قارن کوقربانی کرنے کے بعد مرد کوسارے سر کے بال استرے سے منڈوانا چاہئے، یا سارے سر کے بال انگلی کے ایک پور کے برابر کٹوانا ہوں گے؟ اگر سر کے بال انگلی کے ایک پور یعنی انملہ کے برابر بڑے نہیں تو سارے سر کے بال کوکم ازکم چوتھائی سر کے بالوں کواسترے سے منڈوانا پڑے گا تاکہ احرام اتر جائے اور ممنوعاتِ احرام حلال ہوجائیں، مگرآج کل لاکھوں کی تعداد حج میں ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ سر کے بال کے صرف چند بال کٹوا لیتے ہیں، لہذا نہ توان کا احرام اترتا ہے اور نہ بیوی کے لئے حلال ہوتے ہیں جس کودیکھ کرصدمہ ہوتا ہے، کثرت سے مرد اس میں مبتلا ہیں۔ توکیاکسی امام کے نزدیک اس طرح سر کے چند بال کاٹنے سے مرد کا احرام اتر جاتا ہے اور بوجۂ مجبوری حنفیہ بھی ایسا کرسکتے ہیں؟ ورنہ یہ کوتاہی عام ہے اور کوئی مانتانہیں، لہٰذا اکثریت کا گناہِ عظیم سے بچانے کے لئے کوئی گنجائش ہوسکتی ہوتو ان کے لئے بتلا دیا جائے تاکہ وہ بال منڈوانے کوغیرضروری نہ سمجھیں بلکہ اس گنجائش پرعمل کریں اورحلال ہوجائیں، یہ رواج ہوگیا کہ چند بال کٹواتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رواج غلط ہے اورخلافِ شرع ہے، اس چیز کے اختیار کرنے پرعوام کوکس نے مجبور کیا، خاص کرجبکہ فقہاء نے اس سلسلہ میں بہت وسعت دی، مثلاً: چوتھائی سر کے بال منڈوانا، یا کترواناب بھی کافی ہے، ایک انگل سے کچھ زیادہ بال کٹادینا بھی کافی ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جڑ ہی سے کاٹا جائے یعنی احرام سے ان صورتوں میں بھی حلال ہوجائے گا اگرچہ صرف چوتھائی سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوگا۔ اگر کسی دوا، صابون وغیرہ سے سر کے بال کوختم کردے تب بھی کافی ہے۔ اگر سر پر بال ہی نہیں تو صرف استرہ پھیر لینا بھی کافی ہوگا، اگر سر پرزخم ہوتواسترہ بھی نہ پھر سکے تو اس سے یہ واجب ہی ساقط ہے(حلق وقصر)(۱)۔

---

(۱) "(قوله: و حلقه أفضل): أی هو مسنون، و هذا فی حق الرجل، و یکره للمرأة؛ لأنه مثلة فی حقها كحلق الرجل لحيته. و أشار إلى أنه لو اقتصر علىٰ حلق الربع جاز كمافی التقصير، لكن مع الكراهة لتركه السنة، فإن السنة حلق جميع الرأس أو تقصير جميعه، كما فی شرح اللباب و القهستانی. قال فی النهر: و إطلاقه أی إطلاق قول الكنز: (والحلق أحب) يفيد أن حلق النصف أولىٰ من التقصير، ولم أره اهـ. =

ان سب کے باوجود اگر عوام غلط راستہ بلا کسی مجبوری کے اختیار کرلیں تو وہ خود ذمہ دار ہیں ان کی وجہ سے حکم شرعی کو نہ بدلا جائے گا، مثلاً: داڑھی منڈانے، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، سود لینے، سود دینے کا عام رواج ہوجائے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، بلکہ وعیدات وترغیبات کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی ورنہ شریعت عوام کے لئے کھلونا بن جائے گی۔ (العیاذ باللہ)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے

سوال[۵۰۷۹]: قصر میں پورے سر کے بال چھوٹے کرانے ضروری ہیں یا ربعِ رأس کا قصر کافی ہے، اگر کسی کے سر پر پیٹھے ہوں تو وہ بال کتنے چھوٹے کرائے، جو شرعی قصر کا مصداق بن سکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ربعِ رأس بھی کافی ہے، ایک انگلی بال کٹانے سے قصر معتبر ہوجائے گا، حلق افضل ہے: ''ثم یحلق أو یقصر، والحلق أفضل، و یکفی فیه الربع. والتقصیر أن یأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة''. مراقی الفلاح، ص: ۴۴۳ (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

= قلت: إن أراد أنه أولیٰ من تقصیر الکل، فهو ممنوع لما علمت، أو من تقصیر النصف أو الربع فهو ممکن'' (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فی رمی الجمرة العقبة: ۲/ ۵۱۶، سعید)

''ثم یحلق أو یقصر، والحلق أفضل، و یکفی فیه ربع الرأس، والتقصیر أن یأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة''. (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الحج، ص: ۷۳۶، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی مقدار الواجب فی الحلق: ۳/ ۱۰۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الحج، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الحج، ص: ۷۳۶، قدیمی)

''ثم یحلق، و هو أفضل من تقصیر، أو یقصر بأن یأخذ من شعره قدر الأنملة وجوباً، وتقصیر =

عورتیں حلال ہونے کے لئے کتنے بال کہاں کے کاٹیں؟

سوال[۵۰۸۰]: حج کے بعد قربانی کے وقت مرد سر منڈاتے ہیں اور عورتیں اپنی انگلی کے پھیر کے اتنے بال تراشتی ہیں تو جب عمرہ کرتے ہیں تو حج کے بعد جتنے بال کاٹتے ہیں اتنے بال عمرہ کے بعد بھی کاٹنا چاہئے یا اس سے بھی کم بال کاٹ سکتے ہیں؟ اور یہ کہ نیچے کے بال کاٹے جائیں یا پیشانی کے بال بھی کاٹے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک انگلی کے برابر یعنی ایک انگلی کی تہائی کی مقدار تمام سر کے بال کاٹ دیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الكل مندوب، والربع واجب". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/۲۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

(و كذا في بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب في الحلق: ۳/۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "و لا حلق على المرأة، لما روى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ليس على النساء حلق، وإنما عليهن تقصير". و روت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، أنه نهى المرأة أن تحلق رأسها". و لأن الحلق في النساء مثلة، ولهذا لم تفعله واحدة من نساء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و لكنها تقصر، فتأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة، لما روى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سئل فقيل له: كم تقصر المرأة؟ فقال: "مثل هذه". وأشار إلى أنملته". (بدائع الصنائع، فصل في أحكام الحلق والتقصير: ۳/۱۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما المرأة، فلا حلق عليها، و لكنها تقصر بأخذ شيء من أطراف الشعر مقدار أنملة، والأفضل لها أن تقصر من كل شعرة مقدار أنملة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك الحلق والتقصير: ۲/۵۴۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وجوب الحلق أو التقصير في الحج والعمرة: ۱۰/۱۷۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

محرم کو حلال ہونے کے لئے حلق وقصر خود کرنا

سوال[۵۰۸۱]: محرم اپنا احرام کھولنے کے وقت حلق یا قصر خود کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرام سے باہر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سر کا حلق یا قصر کسی غیر محرم کے پاس کرائے۔

محمد یونس افریقی، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلق یا قصر خود بھی کرسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط

سوال[۵۰۸۲]: "اشتراط الإحلال بغیر ذبح عند الإحرام وقت الإحصار". مفتی بہ قول کے مطابق صحیح اور معتبر ہے یا نہیں؟ بصورتِ مذکورہ احصارِ شرعی پیش آگیا تو ہدی ذبح کئے بغیر احرام سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط کارآمد نہیں، بغیر ہدی ذبح کئے حلال نہیں ہوگا:

"مالم یذبح لا یحل، و هو قول عامة العلماء، سواء شرط عند الإحرام الإحلال بغیر ذبح

---

(۱) "(و إذا حلق): أی المحرم (رأسه)، أی رأس نفسه (أو رأس غیره): أی و لو کان محرماً (عند جواز التحلل): أی الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسک (لم یلزمه شیء) -الأولی: لم یلزمهما شیء- وهذا حکم یعم کل محرم فی کل وقت". (مناسک الملا علی القاری، فصل فی الحلق والتقصیر، ص: ۲۳۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

" و إذا حلق: أی المحرم رأسه أو رأس غیره و لو کان محرماً عند جواز التحلل: أی الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسک، لم یلزمه شیء". (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصل فی واجباته، ص: ۵۰، مطبعة مصطفی محمد مصر)

عند الإحصار أو لم يشترط، و يجب أن يواعد يوماً معلوماً يذبح عنه، فيحل بعد الذبح و لا يحل قبله، اه". فتاوی عالمگیریة (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے؟

سوال [۵۰۸۳]: حج کا احرام باندھنے کے بعد جب منیٰ کا ارادہ کرکے جاتے ہیں تو جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرکے جانا ضروری ہے یا بغیر طواف کے بھی جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طواف فرض یا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الإحصار: ۱/۲۵۵، رشيديه)

"و ما لم يذبح لا يحل، و هذا قول عامة العلماء، سواء كان شرط عند الإحرام الإحلال بغير ذبح عند الإحصار أو لم يشترط .... و يجب أن يواعدهم يوماً معلوماً يذبح فيه، فيحل بعد الذبح، ولايحل قبله". (بدائع الصنائع، فصل في حكم الإحصار: ۳/۱۹۱ ۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، باب الإحصار: ۱/۱۹۱، قديمی)

(۲) "وروى الحسن عن أبي حنيفة: أن المتمتع إذا أحرم بالحج يوم التروية أو قبله، فإن شاء طاف وسعى قبل أن يأتي إلى منى وهو أفضل. وروى هشام عن محمد أنه إن طاف وسعى، لابأس به، ووجه ذلك أن هذا الطواف ليس بواجب، بل هو سنة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج والترتيب، اهـ: ۲/۱۲۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب المتمتع: ۲/۵۳۸، سعيد)

"(السابع: طواف التطوع): أي النافلة، و إلا فطواف التحية أيضاً تطوع، و هو لا يختص بوقت: أي بزمان دون زمان لجوازه في أوقات كراهة الصلاة عندنا أيضاً، الخ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب: أنواع الأطوفة، ص: ۹۷، مكتبه مصطفى محمد مصر)

دوگانہ طواف اوقات مکروہہ میں

سوال[۵۰۸۴]: طواف کے بعد دورکعت کا پڑھنا کیا ہر وقت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اوقات میں نمازِ فرض کا پڑھنا منع اور نفل کا پڑھنا مکروہ ہے: سورج نکلتے وقت، جس وقت سورج سر پر ہو، سورج ڈوبتے وقت، صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے، مغرب کی نماز سے پہلے، خطبہ کے وقت، جماعت شروع ہوجانے کے بعد، ان اوقات میں ان دورکعت کا پڑھنا بھی منع ہے، بحر: ۱/۲۶۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دوگانۂ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا

سوال[۵۰۸۵]: اگر طواف کے بعد دورکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے تب یاد آئے تو کیا کرے؟ آیا اس دوسرے طواف کو چھوڑ کر دورکعت پڑھے یا دوسرا طواف بھی پورا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسرے طواف کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو اس کو چھوڑ کر دورکعت پڑھ لے۔ اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آئے تو یہ طواف پورا کرلے، اس کے بعد دورکعت پہلے طواف کے لئے پڑھے اور

---

(۱) "و يدخل في الواجب ركعتا الطواف، فلا تصح فی هذه الأوقات الثلاثة، اعتبرت واجبةً في حق هذا الحكم و نفلاً في كراهتها بعد صلاة الفجر والعصر احتياطاً فيهما". (البحر الرائق: ۱/۴۳۴، كتاب الصلاة، رشيديه)

(وأيضا البحر الرائق: ۲/۵۸۵، باب الإحرام، رشيديه)

"ثم صلى شفعاً في وقت مباح". (الدرالمختار). "لما مر في أوقات الصلاة من أن الواجب و لو لغيره كركعتي الطواف والنذر، لا تنعقد في ثلاثة من الأوقات المنهية: أعني الطلوع والاستواء والغروب". (ردالمحتار: ۲/۴۹۹، مطلب في طواف القدوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۲۶، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، رشيديه)

دورکعت دوسرے طواف کے لئے ،منحہ: ۲/۲۵٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طوافِ زیارت بحالتِ احرام

سوال[۵۰۸٦]: دسویں ذی الحجہ کورمی اورقربانی کے بعد اگر دیر ہونے کے سبب حجامت نہ بنوائے یا حجام نہ ملے تو ایسی صورت میں طوافِ زیارت کو جاسکتا ہے، احرام کے ساتھ یا بلا احرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس نے حجامت نہیں بنوائی، یعنی نہ حلق کیا نہ قصر تو وہ احرام سے حلال نہیں ہوا، بحالتِ احرام ہی طوافِ زیارت کرلے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

نفل طواف کے بعد استلام

سوال[۵۰۸۷]: کیا حجرِ اسود کا استلام دورکعت طواف کے بعد بھی کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طواف کے بعد سعی ہے اس کی دورکعت کے بعد استلام کے لئے جاتے وقت حجرِ اسود کا استلام کیا

---

(۱) "فروع: طاف ونسي ركعتي الطواف، فلم يتذكر إلا بعد شروعه في طواف آخر، فإن كان قبل تمام شوط، رفضه. وبعد إتمامه، لابل يتم طوافه الذي شرع فيه". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج ، باب الإحرام: ۲/۵۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۸۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف القدوم: ۲/۴۹۹، سعيد)

(۲) "ولو لم يحلق حتى طاف بالبيت، لم يحل له شئ حتى يحلق، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/۲۳۲، رشيديه)

"لكن لا شئ على من طاف قبل الرمي والحلق". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، باب شرائط طواف زيارة: ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

جائے گا اور جس کے بعد سعی نہیں اس کی دو رکعت کے بعد استلام بھی نہیں، منحہ: ۲/۲۵۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

متعدد طوافوں کے بعد نفل

سوال[۵۰۸۸]: اگر کوئی شخص چند طواف مسلسل کرے اور پھر ہر طواف کے لئے دو دو رکعت مسلسل پڑھے تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ جن اوقات میں طواف کی دو رکعت کا پڑھنا مکروہ ہے ان اوقات میں اس طرح مسلسل طواف کرنا اور پھر بعد میں ہر طواف کے لئے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں، منحہ: ۲/۳۵۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "قال في شرح اللباب: والأصل أن كل طواف بعده سعي، فإنه يعود إلى استلام بعد الصلوة، ومالا فلا، على ماقاله قاضي خان في شرحه: إن هذا الاستلام لإفتتاح السعي بين الصفا والمروة، فإن لم يرد السعي بعده، لم يعد عليه". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۸۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في السعي بين الصفا والمروة: ۲/۵۰۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الإحرام، ص: ۲۷۶، ۲۷۷، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "قال في السراج: و يكره الجمع بين أسبوعين أو أكثر من غير صلوة بينهما عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، سواء انصرف عن وتر أو شفع . و قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يكره إذا انصرف عن وتر نحو أن ينصرف عن ثلاثة أسابيع أو خمسة أو سبعة".

"قوله: (و لم أر، الخ) قال في اللباب في فصل مكروهات الطواف: والجمع بين أسبوعين أو أكثر من غير صلاة بينهما إلا في وقت كراهة الصلاة، و هو مؤيد لما قاله المؤلف أيضاً، تأمل". (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۵۸۱، كتاب الحج، باب الإحرام، رشيديه) ....=

ایامِ معلومات کی تشریح

سوال[۵۰۸۹]: "وقد روی ابن أبی شیبة من وجه اخر عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما: أن المعلومات یوم النحر وثلثة أیام بعده. ورجح الطحاوی هذا، لقوله تعالی: ﴿ویذکروا اسم اللّٰه فی أیام معلومات علی ما رزقهم﴾الخ". فتح الباری: ۲۲۶/۲ ۔ ابن ابی شیبہ کی مکمل سند مطلوب ہے، پوری سند تحریر فرمادیں۔

امام طحاوی کا بیان طحاوی میں نہیں ملتا، امام طحاوی نے جو چار دن کی قربانی کو قرآن کی آیت سے ترجیح فرمائی ہے، یہ بیان امام طحاوی کا کونسی کتاب میں ہے؟ اس کتاب کا نام وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں مصنف ابن ابی شیبہ کا مکمل نسخہ موجود نہیں، نہ مطبوعہ، نہ قلمی، جس قدر ہے اس میں یہ روایت موجود نہیں (۱)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ کی کونسی کتاب سے یہ روایت لی، معلوم نہیں ہو سکا، تلاش سے بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

اغلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو غلط ہوا، وہ اس طرح کہ "أیام معلومات" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

= "و یکره له الجمع بین الأسبوعین بغیر صلاة بینهما فی قول أبی حنیفة و محمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ، سواء انصرف عن شفع أو وتر، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة: ۲۲۷/۱، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۴۴۹/۲، کتاب المناسک، تعلیم أعمال الحج، السعی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(۱) قد تتبعت فلم أجده فی مصنف ابن أبی شیبة.

لکن رواه العلامة ابن حزم فی محلاه فقال: "روینا من طریق محمد بن المثنی، ناعبید اللّٰه بن موسیٰ، نا ابن أبی لیلی عن الحکم ابن عتیبة عن مقسم عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: "الأیام المعلومات یوم النحر، وثلاثة أیام بعده". (المحلی بالآثار، کتاب الأضاحی، مسألة: ۹۸۳، اختلاف العلماء فی تحدید وقت الأضحیة ونهایة: ۴۱/۶، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الأضاحی: ۲۳۸/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

ایک قول یہ بھی ہے:"یوم النحر و ثلثة أیام بعده" اس سے ذہن اس طرف چلا گیا کہ یہی ایامِ ذبح بھی ہیں۔
حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ نے أحکام القرآن: ۲۸۷/۳ میں لکھا ہے:

"فروی عن علیّ وابن عمر رضی الله عنهم: أن المعلومات یوم النحر و یومان بعده، واذبحْ فی أیها شئت. قال ابن عمر رضی الله عنهما: المعلومات أیام النحر، والمعدودات أیام التشریق. وذکر الطحاوی عن شیخه أحمد ابن أبی عمران عن بشر بن ولید الکندی القاضی قال: کتب أبوالعباس الطوسی إلی أبی یوسف یسئله عن أیام المعلومات، فأملی علی أبی یوسف جواب کتابه: اختلف أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فیها، فروی عن علی و ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم أنها أیام النحر، وإلی ذلك أذهب؛ لأنه قال: ﴿علی ما رزقهم من بهیمة الأنعام﴾ وذلك فی أیام النحر.

وعن ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما والحسن وإبراهیم رحمهما اللّٰه تعالیٰ أن المعلومات أیام العشر، والمعدودات أیام التشریق. وروی معمر عن قتادة مثل ذلك. و روی ابن أبی یعلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿واذکروا اللّٰه فی أیام معلومات﴾ یوم النحر وثلثة أیام بعده. وذکر أبو الحسن الکرخی أن أحمد القاری روی عن محمد عن أبی حنیفة أن المعلومات العشر. وعن محمد أنها أیام النحر الثلثة: یوم الأضحی و یومان بعده، اهـ"(۱)۔

علاوہ ازیں اَور بھی بعض امور ایسے ہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ تصانیفِ طحاوی میں موجود نہیں، بلکہ اس کے برعکس موجود ہے، غالباً کسی دوسرے نے لکھا ہے، اس کے اتباع میں حافظ نے بلا تحقیق کے نقل کر دیا ہے۔

ایامِ ذبح کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ بھی ہے:"یوم النحر ثلثة أیام بعده" اس کے استدلال میں جبیر بن مطعم کی روایت پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:"إن النبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم قال: "کل فجاج منیٰ منحر، فی کل أیام التشریق ذبح"۔

---

(۱) (أحکام القرآن، للجصاص، باب الأیام المعلومات: ۳۴۵/۳، ۳۴۶، قدیمی)

مگر جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو عبد الرحمٰن بن ابی حسین روایت کرتے ہیں اور بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے:" لم يلق ابن أبي حسين جبير ابن معطم فيكون منقطعاً" ۔اسی روایت کو سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے، مگر بیہقی نے لکھا ہے:"سليمان بن موسى لم يدرك جبير بن مطعم، فيكون منقطعاً"۔

ابن عدی نے کامل میں دوسری سند سے لیا ہے:"عن معاوية بن يحيىٰ الصدفي عن الزهري عن ابن المسيب عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيام التشريق كلها ذبح"، مگر نسائی، ابن معین، علی ابن المدینی نے معاویۃ بن یحییٰ کی تضعیف کی ہے، حتی کہ ابن ابی حاتم نے"كتاب العلل" میں فرمایا ہے:"قال أبي: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد". یہ سب بحث عینی: ۱۰/۶۳، میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

یوم القر کی تشریح

سوال[۵۰۹۰]: "إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". مشکوۃ شریف، ص: ۲۳۲، جب کہ قربانی کے تین دن ہیں تو لفظ"يوم القر" کا کیا مطلب ہے؟ کیا حاجیوں کے لئے قربانی کے تین دن نہیں ہیں؟ اگر ہیں، لفظ"يوم القر" کیوں فرمایا؟ اس حدیث سے تو صاف یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کا صرف ایک ہی دن ہے، دوسرا دن آرام کرنے کا۔

---

(۱) "العبارة المذكورة بأسرها: "ورواه البزاز في مسنده، وقال: ابن أبي حسين لم يلق جيربن مطعم، فيكون منقطعاً؛ لأنه يرجحه فإن قلنا: أخرجه أحمد أيضاً والبيهقي عن سليمان بن موسى لم يدرك جبير بن معطم، فيكون منقطعاً، فإن قلت: أخرج ابن عدي في الكامل عن معاوية بن يحيى الصَّدَفي عن الزهري عن ابن المسيب رضي الله تعالىٰ عنه عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيام التشريق كلها ذبح". قلت: معاوية بن يحيى ضعّفه النسائي وابن معين وعلي ابن المديني، وقال ابن أبي حاتم في كتاب العلل: فإن هذا حديث موضوع بهذا الإسناد". (البناية في شرح الهداية للعيني، باب الأضحية: ۱۱/ ۳۰، ۳۱ رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". مشکوۃ شریف، ص: ۲۳۲(۱)۔ اس میں تو حصر نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک روز ہی ہوسکتی ہے اس کے بعد درست نہیں۔ "یوم القر" کو یوم القر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قال ابن المنظور الأفريقي في لسان العرب: ۳۹۶/۶۔

"ويوم القر اليوم الذي يلي عيد النحر؛ لأن الناس يقرون في منازلهم. و قيل: لأنهم يقرون بمنىٰ عن كراع: أي يسكنون ويقيمون .... و قال أبو عبيد: أراد بيوم القر الغد من يوم النحر، و هو حادي عشر ذي الحجة، سُمّي يوم القر؛ لأن أهل الموسم يوم التروية و يوم عرفة و يوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قروا بمنىٰ، فسمي يوم القر، اهـ"(۲)۔

مجمع البحار: ۱۳۱/۲، میں علامہ پٹنی نے لکھا ہے:"أفضل الأيام يوم النحر، ثم يوم القر وهو حادي عشر ذي الحجة؛ لأنهم يقرّون فيه بمنى: أي يسكنون و يقيمون، اهـ"(۳)۔ ایسا ہی تقریباً تاج العروس في شرح القاموس: ۳۸۷/۳ میں ہے(۴)۔

شروح مشکوۃ: مرقاۃ: ۲۳۷/۳، لمعات (۵) طیبی: ۴۳٤/۳ (٦) میں بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے:

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الهدى، الفصل الثاني، ص: ۲۳۲، قديمي)

(۲) (لسان العرب: ۸۲/۵، دارصادر بيروت)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۲۴۵/۴. مجلس دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد الدكن الهند)

(۴) و في الحديث: "أفضل الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". و هو الذي يلي يوم النحر؛ لأنهم يقرّون فيه بمنى عن كراع. وقال غيره: لأنهم يقرون في منازلهم. وقال أبو عبيد: و هو حادي عشر ذي الحجة، سمي به؛ لأن أهل الموسم يوم التروية و يوم عرفة و يوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قرّوا بمنى، فسمي يوم القر". (تاج العروس في جواهر القاموس: ۳۹۴/۱۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (أشعة اللمعات، كتاب المناسك، باب الهدى، الفصل الثاني: ۳۵۲/۲ مكتبه نوريه رضوية سكهر)

(۶) (شرح الطيبي، باب الهدى: ۳۰۶/۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

"یوم القر بفتح القاف و تشدید الراء: أی یوم القرار، بخلاف ما قبله و ما بعده من حیث الانتشار. قال بعض الشراح: هو الیوم الأول من أیام التشریق، سمی بذلك؛ لأن الناس یقرّون یومئذ فی منازلهم بمنیٰ، و لاینفرون عنه بخلاف الیومین الأخیرین اهـ "(۱)۔

وجہ تسمیہ سے دور کا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ قربانی کا صرف ایک دن ہے۔

یوم الترویہ میں مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ پہنچے، یومِ عرفہ میں منیٰ سے چل کر عرفات گئے، بعد غروب وہاں سے چل کر مزدلفہ آئے، شب میں ٹھہر کر یوم النحر میں منیٰ آئے، وہاں رمی جمرۂ عقبہ، اضحیہ، حلق سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ آئے، طواف زیارت اور سعی کر کے جب ہی اسی روز منیٰ پہونچ گئے، یہ تین روز مسلسل چلنا پھرنا ہوا، درمیان میں کوئی دن قرار کا نہیں ملا، ۱۱/ کو منیٰ میں قرار پکڑا کہ نہ مکہ مکرمہ جانا ہے، نہ مزدلفہ میں، نہ عرفات میں، اس لئے یہ دن یوم القر ہے۔ امام طحاویؒ نے حدیث روایت کی ہے: "بسنده:

"عن عبد الله بن قُرط رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أحب الأیام إلی الله عزوجل یوم النحر، ثم یوم القر". فقدمت إلیٰ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بدنات خمساً أو ستاً، فطفقن یزدلفن إلیه، فلما وجبت جنوبها، قال کلمةً خفیةً لم أفقهها، فقلت للذی کان إلیٰ جنبی: ماقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قال: قال: "من شاء اقتطع، اهـ". مشکل الآثار: ۱۳۲/۲ (۲)۔

ابوداؤد شریف میں بھی بتغیر بعض الالفاظ (۳)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی حضرت نبی کریم صلی

---

(۱) (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب الهدی: ۵۳۰/۵، رشیدیه)

(۲) (شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من قوله: "من انتهب فلیس منا". (رقم الحدیث: ۱۳۱۹): ۳۲۰/۳ مؤسسة الرسالة بیروت)

(۳) "عن عبد الله بن قرط رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: قال: "إن أعظم الأیام عند الله یوم النحر، ثم یوم القر". و هو الیوم الثانی، قال: و قرب لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بدنات خمس أو ست، فطفقن یزدلفن إلیه بأیتهن یبدأ، فلما وجبت جنوبها، قال: فتکلم بکلمة خفیة لم أفهمها فقلت: ماقال؟ قال: "من شاء اقتطع". (سنن أبی داؤد، باب الهدی إذا عطب قبل أن یبلغ: ۲۴۵/۱، دار الحدیث ملتان)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم القر میں فرمائی ہے۔

سیوطیؒ نے اس کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے ان میں زیادہ وضاحت ہے: "أخرج الطبرانی وأبو نعیم والحاکم و صححه عن عبد اللّٰه بن قرط قال: قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی یوم القر بدنات خمس أو ست، فطفقن یزدلفن إلیه، بأیتهن یبدأ. اهـ". خصائص کبری: ۳۹/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔



(۱) (الخصائص الکبری، باب ما وقع فی حجة الوداع من الآیات والمعجزات: ۲/۶۶، المکتبة الحقانیه پشاور)

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

استلام حجرِ اسود کا ثبوت

سوال [۵۰۹۱]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا حج کے موقع پر نہ مسنون ہے نہ واجب نہ فرض، کلام پاک میں بھی اس کا ذکر نہیں، نہ حدیث میں وارد ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے، بلکہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ کیا یہ قول درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حجرِ اسود کو بوسہ دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ ان صاحب کا انکار کرنا حدیث، فقہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، تمام کتب فقہ میں جہاں بھی حج کا ذکر کیا گیا ہے، حجرِ اسود کو بوسہ دینا مذکور ہے:

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين يقدم مكة إذا استلم الركن الأسود أول ما يطوف يخبّ ثلاثة أطواف من السبع". بخاري: ۲۱۸/۱ (۱)۔

"إن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال للركن: أما والله! إني لأعلم أنك حجر، لا تضر ولا تنفع، لولا أني رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استلمك ما استلمتُك فاستلمه". بخاري: ۲۱۸/۱ (۲)۔ "واللفظ له". لمسلم، ص: ۴۱۲/۴۱۳ (۳)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، باب استلام الحجر الأسود حين يقدم مكة أول ما يطوف ويرمل ثلثاً: ۲۱۸/۱، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، باب الرمل في الحج والعمرة: ۲۱۸/۱، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف: ۴۱۲/۱، ۴۱۳، قديمي)

"عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فی الحجر: "واللّٰه! لیبعثنه اللّٰه یوم القیامة له عینان یبصر بهما، و لسان ینطق به، یشهد علیٰ من استلمه بحق". رواه الترمذی(۱) وابن ماجه(۲) والدارمی". مشکوة، ص: ۲۲۷(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

حجر اسود کا استلام

سوال[۵۰۹۲]: سنگِ اسود جو پتھر کعبہ شریف میں نصب ہے، اس کے کیا خواص ہیں؟ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد کعبہ ڈالی تب پتھر تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کہاں سے آیا؟ اس کا بوسہ لینا اور چومنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پتھر جنت سے آیا ہے(۴)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، اس وقت اس

---

(۱) (جامع الترمذی، کتاب الحج، باب: ۱/۱۹۰، سعید)

(۲) (سنن ابن ماجة، أبواب المناسک، باب استلام الحجر، ص: ۲۱۱، قدیمی)

(۳) (مشکوٰة المصابیح، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی، ص: ۲۲۷، قدیمی)

(۴) "وعنه، قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنة، و هو أشد بیاضاً من اللبن، فسوّدته خطایا بنی آدم". "رواه أحمد والترمذی، و قال: هذا حدیث حسن صحیح".

قال الملا علی القاریؒ: "و فی روایة أحمد عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه، و النسائی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "الحجر الأسود من الجنة". و فی روایة میمونة عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه: "الحجر الأسود من حجارة الجنة". وفی روایة أحمد وابن عدی، والبیهقی، عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "الحجر الأسود من الجنة، و کان أشد بیاضاً من اللبن حتی سوّدته خطایا أهل الشرک". و فی روایة الطبرانی عنه: "الحجر الأسود من حجارة الجنة، و ما فی الأرض من الجنة غیره، و کان أبیض کالماء، و لولا مسه من رجس أهل الجاهلیة ما مسه ذو عاهة، إلا برئ". (مرقاة المفاتیح، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی: ۵/۴۶۹، ۴۷۰، (رقم الحدیث: ۲۵۷۷)، رشیدیه)

"و قد وردت فیه أحادیث: فمنها: حدیث عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه =

پتھر کو اس جگہ نصب کیا تھا، اس کا بوسہ لینا ثواب ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

حجرِ اسود کہاں سے آیا؟

سوال[۵۰۹۳]: سنگِ اسود کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا جو دیوارِ ملتزم کعبہ پر نصب ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا ہے، جس وقت آیا تھا نہایت روشن تھا، بنی آدم کی

= مرفوعاً: "إن الحجر و المقام ياقوتتان من ياقوت الجنة، طمس الله نورهما، و لو لا ذلک لأضائا مابين المشرق والمغرب". .... ومنها: حديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بياضاً من اللبن، فسوّدته خطايا بنى آدم". (فتح البارى، باب ما ذكر فى الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دار المعرفة بيروت)

(وجامع الترمذى، كتاب الحج، باب ما جاء فى فضل الحجر الأسود والركن والمقام: ۱/۱۷۷، ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى)

(۱) "و عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الحجر: "والله! ليبعثنه الله يوم القيامة، له عينان يبصر بهما، و لسان ينطق به، يشهد على من استلمه بحق". رواه الترمذى وابن ماجة والدارمى". (مشكوة المصابيح للتبرزى، كتاب الحج، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثانى، ص: ۲۲۷، قديمى كتب خانه كراچى)

"و فى صحيح ابن خزيمة أيضاً عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "إن لهذا الحجر لساناً و شفتين يشهدان لمن استلمه يوم القيامة بحق". (فتح البارى، باب ما ذكر فى الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دار المعرفة بيروت)

"و قد علمت أن استلام الحجر والركن اليمانى يعم التقبيل، فقد دل علىٰ سنية استلامه". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۵۷۹، رشيديه)

خطاؤں نے اس کو سیاہ کردیا۔ اخبار مکہ (۱)، شروحِ حدیث: فتح الباری (۲) وغیرہ اور کتبِ تفسیر میں تفصیل مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رکنِ یمانی کی تعریف

سوال [۵۰۹۴]: ۱...... رکن یمانی کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا؟

۲...... معبودِ حقیقی کے خلیفہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سنگِ اسود کو جنت سے لائے تھے، یا جہاں بیت اللہ شریف بنا ہے، یا زمین کی نشانی کے واسطے آسمان سے خدائے برتر نے یہ پتھر پھینکا کہ اس جگہ تعمیر کعبہ کی جائے۔ کیا حقیقت ہے؟

---

(۱) "عن عبد الله بن لبيد قال: بلغني أن ابن عباس رضى الله عنهما قال: لما أهبط الله سبحانه آدم عليه السلام إلى الأرض أهبطه إلى موضع البيت الحرام وهو مثل الفلك من رعدته، ثم أنزل عليه الحجر الأسود يعني الركن وهو يتلألأ من شدة بياضه فأخذه فضجه إليه أنساً به .... اهـ". (أخبار مكه، ذكر هبوط آدم إلى الأرض و بناءه الكعبة: ۱/ ۳۹، دار الثقافة مكة المكرمة)

(۲) "ومنها حديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بياضاً من اللبن، فسودته خطايا بني آدم". (فتح الباري: ۳/ ۵۹۰، كتاب المناسك، باب ما ذكر في الحجر الأسود، قديمي)

(وكذا في مشكاة المصابيح: ۱/ ۲۲۷، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "فلما بنيا القواعد فبلغا مكان الركن، قال إبراهيم لإسماعيل: يا بنيّ! اطلب لي حجراً حسناً أضعه ههنا .... فانطلق يطلب له حجراً، فجاءه بحجر .... و جاء جبريل بالحجر الأسود من الهند، وكان أبيض ياقوته بيضاء مثل الثغامة، وكان آدم هبط به من الجنة، فاسودّ من خطايا الناس .... اهـ".

(تفسير ابن كثير: ۱/ ۲۴۵، ۲۴۶، سورة البقرة، دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في جامع البيان في تفسير القرآن (تفسير الطبري): ۱/ ۴۳۱، سورة البقرة، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جنت سے آیا ہے(۱)۔

۲......اس کا جواب نمبر:۱، میں آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

حجرِ اسود کا استیلام

سوال[۵۰۹۵]: ۱......سنگِ اسود کے معاملہ میں جھگڑا تھا جس کو اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طے فرمایا۔ سنگِ اسود کو بوسہ دیا، کیا یہ سنت قیامت تک جاری رہے گی؟ بوسہ دینے کی وجہ کیا تھی؟

۲......مشہور روایت ہے: اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب کہ سنگ اسود کے پاس بڑا ہجوم آپس میں دھڑ وپکڑ وغیرہ میں مصروف تھا کہ: ''سنگِ اسود! تو ایک پتھر ہے، اگر اللہ کے محبوب نے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بوسہ نہ دیتا'' کیا توحید پر کچھ اثر ہو رہا تھا؟

۳......دیگر قوم کا کہنا ہے کہ قومِ مسلم سنگِ اسود کو چومتی ہے اور ہمارے پتھر چومنے کو بُرا کہتی ہے، سوال کرنے والے کو کیا دلیل پیش کی جائے جب کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بزرگوں کی قبر چومتا ہے اور سر جھکاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اللہ ورسولہ اعلم۔

۲......تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ نافع یا ضار ہے، جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار

---

(۱) ''عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما مررت بالركن اليماني إلا وجدت جبريل عليه قائماً"......... وأخبرني جعفر بن محمد بن علي بن حسين بن علي و قد مررنا قريباً من الركن اليماني و نحن نطوف دونه، فقلت: ما أبرد هذا المكان؟ فقال: قد بلغني أنه باب من أبواب الجنة''. (أخبار مكة، استيلام الركن اليماني و فضله: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

''وكان الله عزوجل استودع الركن أبا قبيس حين غرق الله الأرض زمن نوح، و قال: إذا رأيت خليلي يبني بيتي فأخرجه له''. (أخبار مكة، ما ذكر من بناء إبراهيم عليه السلام الكعبة: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

سمجھتے تھے(۱)۔

۳...... محض چومنا اس عقیدت کے ساتھ جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اظہار فرمادیا، ہرگز پرستش نہیں، بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار سمجھتے ہیں اوران کوسجدہ کرتے ہیں (۲)۔ جوگروہ قبروں کو چومتا اوران کے سامنے سر جھکاتا ہے، وہ غلط کار ہے، خلافِ شرع کرتا ہے، وہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۵ھ۔

مقاماتِ اجابت

سوال[۵۰۹۲]: حج میں کون کون سے خاص مقامات ہیں جہاں دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملتزم کے پاس، تحت المیزاب، بیت اللہ میں، زمزم پیتے وقت، مقام ابراہیم کے پیچھے، صفا ومروہ پر، سعی میں، عرفات میں، مزدلفہ میں، رمی کے وقت، بیت اللہ پر نظر پڑتے وقت، بحر: ۲/۳۷۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: رأیت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قبّل الحجر ثلاثاً، ثم قال: إنک حجر لا تضر و لا تنفع، و لولا أنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قبّلک ما قبّلتُک، ثم قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فعل مثل ذلک". قال الطبری: إنما قال: ذلک عمر؛ لأن الناس کانوا حدیثی عهدٍ بعبادة الأصنام فخشی عمر أن یظن الجهال أن استیلام الحجر من باب تعظیم بعض الأحجار کما کانت العرب تفعل فی الجاهلیة، فأراد عمر أن یعلّم الناس أن استیلامه اتباع لفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، لا لأن الحجر ینفع و یضر بذاته کما کانت الجاهلیة تعتقده فی الأوثان" (فتح الباری: ۳/۵۹۰، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، قدیمی)

(۲) (راجع المصدر السابق من فتح الباری)

(۳) "وفی رسالة الحسن البصری التی أرسلها إلی أهل مکة: أن الدعاء هناک یستجاب فی خمسة=

میزابِ رحمت کے نیچے دیوار کا التزام

سوال[۵۰۹۷]: ۱......حطیم میں بیت اللہ شریف کی دیوار جو میزاب رحمت کے نیچے ہے اس کا بھی التزام جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات اس کو مشروع کہتے ہیں، بحوالہ قرۃ العین :۲۳۶۔

منجاء پر وقوف شعارِ روافض ہے

سوال[۵۰۹۸]: ۲......اسی طرح مکانِ منجاء جو کہ پشتِ کعبہ میں رکنِ یمانی سے بائیں طرف چار ہاتھ کی مقدار تک ہے، اس کا التزام بھی مکروہ ہے، اگر چہ ایسا کرنا روافض کا شعار ہو گیا ہے، وہ اس جگہ دعاء کے لئے وقوف کرتے ہیں۔ بہرحال جائز تو ہے اور اکثر کے علم میں نہیں ہے کہ یہ روافض کا شعار ہے۔ لہٰذا کیا ہم حنفی اس جگہ التزام بلاکراہت کر سکتے ہیں؟

طواف میں شاذ وران کو مس کرنا

سوال[۵۰۹۹]: ۳......بیت اللہ شریف کے تین طرف کی دیوار کے نیچے (سوائے حطیم کی طرف کے) ایک انچ کے برابر پشتہ بنا ہوا ہے جس کو "شاذ وران" بھی کہتے ہیں، ہم حنفیوں کے نزدیک بیت اللہ شریف

= عشر موضعاً في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب، وفي البيت، وعند زمزم، و خلف المقام، و على الصفا، وعلى المروة، و في السعي، و في عرفات، و في مزدلفة، و في منى، و عند الجمرات الثلاث. و زاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۷۱۲، رشيديه)

"و هو من مواضع الإجابة، و هي بمكة خمسة عشر نظمها صاحب النهر، فقال:

دعاء البرايا يستجاب بكعبة — وملتزم والموقفين كذا الحجر

طواف و سعي مروتين و زمزم — مقام و ميزاب جمارك نعتبر

زاد في اللباب: و عند رؤية الكعبة، و عند السدرة، والركن اليماني، و في الحجر، و في منى في نصف ليلة البدر". (الدر المختار، مطلب في إجابة الدعاء: ۲/۵۰۷، ۵۰۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۷، ۷۳۸، قديمي)

سے باہر ہے، مگر امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ میں داخل ہے۔

اگر بیت اللہ میں شاذروان داخل ہے تو رکنِ یمانی کو چلتے ہوئے ہاتھ لگانے سے اتنا حصہ بیت اللہ کے اندر طواف کرتے وقت ہوگا، لہٰذا طواف بھی نہیں ہوگا، یا کوئی عضو شاذروان کے اوپر سے گھوم جائے تو اس عضو کی طواف میں کوئی نقص رہے گا، یا ہم حنفیہ کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ لہٰذا یہاں ٹھہر کر ہاتھ لگانا چاہئے یا چلتے ہوئے ہی رکنِ یمانی پر ہاتھ لگائیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... میزابِ رحمت کے نیچے حطیم میں دعاء مقبول ہونا قوی کتبِ فقہ میں منقول ہے(۱) مگر اس جگہ کا التزام اس طرح منقول نہیں، ترک احوط ہے(۲)۔

۲...... جو امر فی نفسہ مندوب ہو مگر وہ روافض کا شعار بن جائے تو اس سے بھی اجتناب چاہئے (۳)۔

---

(۱) "وفي رسالة الحسن البصري التي أرسلها إلى أهل مكة: أن الدعاء هناك يستجاب في خمسة عشر موضعاً: في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب و في البيت .... وزاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو: تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۶۱۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۴۶، ۷۴۷، قديمى)

(۲) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رُفعت عن رتبتها". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۲۰، سعيد)

(۳) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". رواه أحمد و أبو داؤد". قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "من تشبه بقوم": أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار. ولما كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، حقانيه) =

۳......اس سے طواف میں نقص نہیں آئے گا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

آبِ زمزم

سوال[۵۱۰۰]: آبِ زمزم کو دوسرے پانیوں سے کچھ امتیاز حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث پاک میں اس کی فضیلت وارد ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیر رگڑنے کی جگہ سے شدید

= قال العلامة المناويّ: "وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية من الاعتقادات وإرادات وأمور خارجية من أقوال وأفعال، قد تكون عبادات و قد تكون عادات .... فأمر بمخالفتهم في الهدى الظاهر في هذا الحديث .... و قد يحمل منهم في القدر المشترك الذي شابههم فيه، فإن كان كفراً أومعصيةً أوشعاراً لها، كان حكمه كذالك، الخ". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۹۳): ۱۱/ ۵۷۴۳، نزار مصطفى البابي مكة المكرمة)

(۱) "والمكان و هو حول البيت داخل المسجد: أي و لوعلى السطح لا خارجه، و لو لم يكن حجاب جدار .... ولا مفسد للطواف، وإنما يبطله الردة". (مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط صحة الطواف، ص: ۲۳۳، إدارة القرآن كراچي)

"مكانه أن يقع حول البيت في المسجد بقوله تعالىٰ: ﴿وليطّوّفوا بالبيت العتيق﴾ والطواف بالبيت هو الطواف حوله، فيجوز الطواف في المسجد الحرام قريباً من البيت أو بعيداً عنه بشرط أن يكون في المسجد، فلو طاف من وراء زمزم قريباً من حائط المسجد، أجزأه بوجود الطواف بالبيت. ولو طاف حول المسجد و بينه و بين البيت حيطان المسجد، لم يجز؛ لأن حيطان المسجد حاجزة فلم يطف بالبيت، لعدم الطواف حوله. ويطوف من خارج الحطيم؛ لأن الحطيم من البيت على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب شروط الطواف و واجباته: ۳/ ۱۵۳، ۱۵۴، مكتبه حقانيه پشاور)

پیاس کے دفعیہ کے لئے اس کا ظہور ہوا(۱)۔ شقِ صدر کے وقت قلب مبارک کو اس سے دھویا گیا، اور بھی امتیازات حاصل ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

غلافِ کعبہ کو پھاڑ توڑ کر لانا

سوال [۵۱۰۱]: حاجی لوگ حج کرنے جاتے ہیں اور بہت سامان لاتے ہیں، ضرورت کے علاوہ بھی اور بعض غلافِ کعبہ کو توڑ کر لاتے ہیں اور بعض پھاڑ کر لاتے ہیں۔ یہ افعال جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلافِ کعبہ کو توڑ کر نوچ کر لانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بزرگ کے بدن پر کرتا ہو اور اس کو توڑ کر لانا، یہ سخت بے ادبی ہے، ہرگز اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہ وقف کا مال بھی ہے، بلا اذنِ واقف ومتولی اس کے لینے کا کسی کو حق نہیں (۳)، اگر کوئی کنکر یا پتھری معمولی طور پر تبرک کی نیت سے لے آئے تو اس کی گنجائش ہے،

---

(۱) "وغمز بعقبه على الأرض قال: فانبثق الماء، فدهشت أم إسمعيل، فجعلت تحفر، قال: فقال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: "لو تركته، كان الماء ظاهراً". قال: "فجعلت تشرب من الماء ويدر لبنها على صبيها". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلاً﴾ الخ: ۱/۴۷۳، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباري، كتاب الأنبياء: ۶/۴۹۲، قديمي)

(۲) "كان أبو ذر رضي الله تعالىٰ عنه يحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "فرج سقفي وأنا بمكة، فنزل جبرئيل ففرج صدري، ثم غسله بماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمةً وإيماناً فأفرغها في صدري ثم أطبقه". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ماجاء في زمزم: ۱/۲۲۱، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباري، كتاب الحج: ۳/۶۲۹، قديمي)

(ومناسك الملا علي القاري رحمه الله، باب الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۲۲۳، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "لكن في البحر الزاخر: أنه لا يجوز قطع شيء من كسوة الكعبة، و لا نقله، و لا بيعه، و لا شراؤه، و لا وضعه في أوراق المصحف، و من حمل شيئاً من ذالك، فعليه ردّه .... أوعلى أن أصل الكسوة=

جس سامان کے لانے کی قانوناً اجازت نہیں، اس کو لانا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

خانہ کعبہ کے غلاف کا رنگ

سوال[۵۱۰۲]: احقر نے کئی بار یہ محسوس کیا کہ مجھے یہ ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ نورِ خداوندی سفید اور نور محمدی کا رنگ سبز ہے تو علمائے حق کو غلافِ خانہ کعبہ کے سیاہ رنگ کی طرف کیوں توجہ نہیں، کیونکہ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن رنگوں کا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا وہ سرخ، سفید یا سبز رنگ کے تھے۔ نیز یہ بات بھی احقر کے دل میں ہے کہ یہ رنگ تصوف میں عیسائیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سیاہ رنگ کا استعمال غلافِ کعبہ پر اول اول کس نے دیا، یہ تو احقر کو معلوم نہیں، امید ہے کہ جناب اس بارے میں اپنی گراں قدر رائے اور احادیث کی روشنی میں حوالوں سے احقر کو یہ بتائیں کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ اور میں اس بارے میں کیا طریقہ اختیار کروں؟

= من الأوقاف، فيعمل على وفق شرط الواقف، و ليس فيه التصرف لسلطان و لا لغيره". (مناسک الملا على القارى، باب المتفرقات، ص: ۴۹۵، ۴۹۶، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى إرشاد السارى إلى مناسک الملا على القارى، فصلٌ، مطلب فى كسوة الكعبة المشرفة، ص: ۳۳۰، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكة التجاريه الكبرى بمصر)

(و كذا فى ردالمحتار: ۲/۶۲۴ مطلب فى استعمال كسوة الكعبة، سعيد)

(۱) "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أى يُتبع، و لا يجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولى الأمر، و فى ط عن الحموى: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فى غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(و كذا فى فتح البارى، كتاب الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تكن معصيةً: ۱۳/۱۲۳، دار المعرفة بيروت)

(و كذا فى أحكام القرآن للجصاص، باب فى طاعة أولى الأمر: ۲/۲۹۸، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیت اللہ شریف کا غلاف مامون الرشید نے دیباجِ ابیض کا سب سے پہلے ڈالا۔ دیر تک یہ سلسلہ رہا، پھر محمود بن سبکتگین نے دیباجِ اصفر کا ڈالا۔ پھر ناصر عباسی نے دیباج اخضر کا ڈالا، پھر اسی نے دیباجِ اسود کا ڈالا جواَب تک جاری رہا(۱)۔ عباسیوں کا درباری لباس اور خصوصی شعار بھی سیاہ تھا۔ وہ اس کو عزت وعظمت کا لباس تصور کرتے تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسود عمامہ احادیث میں مذکور ہے، غالباً اسی وجہ سے عباسیوں نے اسود کو انتخاب کیا۔ غلافِ کعبہ کے متعلق تفصیل فتح الباری: ۳/۳٦٢، عینی: ٤/٦٠٠(۲)، أوجز المسالك: ۲/٥٤٣، میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔



(۱) "وذكر الفاكهاني أن أول من كساها الديباج الأبيض المأمون بن الرشيد واستمر بعده .... وكساها محمد بن سبكتكين ديباجاً أصفر، وكساها الناصر العباسي ديباجاً أخضر، ثم كساها ديباجاً أسود فاستمر إلى الأن". (فتح الباری، کتاب الحج، فصل فی معرفة بدء كسوة البيت: ۳/۵۸۷، قدیمی)

(۲) (عمدة القاری، باب کسوة الکعبه: ۹/۳۳۸، دارالکتب العلمیه بیروت)

بابٌ فی أحکام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال[۵۱۰۳]: مدینہ طیبہ کے قیام میں مسافر رہے گا یا مقیم؟ کیونکہ سنا جاتا ہے کہ وہاں آٹھ یوم سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہے، یا پندرہ یوم کی نیت کر لینے سے مقیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پندرہ یوم قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا (۱)، دس روز تو ضابطہ میں قیام ہوتا ہے، اس کے بعد ایک روپیہ روزانہ دینا پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عرفات میں حاجی قصر کرے؟

سوال[۵۱۰۴]: عرفات میں جو نماز پڑھی جاتی ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں قصر کر سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پوری نماز ادا کی جائے، کیونکہ وہاں سے مکہ کا فاصلہ چھ میل ہے جو قصر کرنے کے فاصلہ سے کم ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ کم از کم پندرہ روز مکہ معظمہ میں مقیم رہے پھر منیٰ گئے اور عرفات گئے وہ وہاں پوری نماز پڑھیں

---

(۱) "و لا یزال علیٰ حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشیدیه)

"ثم لا یزال المسافر علیٰ حکم السفر حتی یدخل وطنه أو ینوی إقامة خمسة عشر یوماً بموضع واحد بمصر، الخ". (الحلبی الکبیر، فصل فی صلاة المسافر، ص: ۵۳۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۱۶۶، باب صلوة المسافر، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

گے اور جو لوگ اس سے کم مکہ شریف میں رہے وہ نماز قصر کریں گے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

حج سے پہلے پہونچنے والا مکہ معظّمہ میں مقیم ہے یا مسافر؟

سوال [۵۱۰۵]: جو شخص یکم ذی الحجہ کو مکہ شریف پہونچے اور بیس روز قیام کی نیت کرے اور حج سے فارغ ہوکر اکیس کو مدینہ طیبہ جانے کا قصد کرے تو وہ شخص قیامِ مکہ معظّمہ میں نماز پوری پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ ایسا شخص مقیم ہے یا مسافر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص مقیم نہیں بلکہ مسافر ہے، اس کو چاہئے کہ مکہ مکرمہ میں بھی قصر کرے اور منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی قصر کرے (۲)۔ البتہ اگر مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا، بلکہ اتمام کرے گا جیسا کہ ہر مسافر کا

---

(۱) "فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج، إلى منى و عرفة، فصار كنية الإقامة فيغير موضعها وبعد عوده من منى تصح". (الدر المختار).

"(قوله: فلو دخل، الخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام، فإنه يصير مقيماً حكماً وإن لم ينو الإقامة، و هذا مسافر حكماً و إن نوى الإقامة، لعدم انقضاء سفره ما دام عازماً على الخروج قبل خمسة عشر يوماً". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۶، سعيد)

"ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر، لا تصح؛ لأنه لا بدله من الخروج إلى عرفات، فلا يتحقق الشرط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۲، ۲۳۳، رشيديه)

(۲) "و ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر، لا يصح، لأنه لا بد له من الخروج إلىٰ عرفات، فلا يتحقق الشرط". (البحر الرائق، ۲/۲۳۲، باب المسافر، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۴۰، الباب الخامس عشر في صلاة السافر، رشيديه) .... =

حال ہوتا ہے، بحر: ۱٤۳/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حالتِ حیض میں طواف کرنا

سوال[۵۱۰۲]: ا...... بعض حضرات مع اپنی بیوی کے اسی ملک میں قیام کرتے ہیں ملازم ہیں، صرف دس بارہ یوم کی رخصت بڑی مشکل سے ملتی ہے لہذا عینِ وقت پر حج کو آتے ہیں۔ کبھی کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آتا ہے کہ بیوی یا لڑکی کو حیض شروع ہوجاتا ہے، ایسا فتنہ ہے کہ بیوی کو تنہا جائے ملازمت پر چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے ہیں اور وہ خود حج کے آنے کے جذبہ میں ہوتی ہے، لہذا اس مجبوری میں طوافِ زیارت حیض کی حالت میں ہی کر کے جانا ہوسکتا ہے۔ شوہر بیوی کو تنہا مکۃ المکرمہ میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا ہے اور نہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑا جاسکتا ہے اور خود کو چھٹی بہت کم ملتی ہے، لہذا مجبوری میں واپس جانا ہوتا ہے۔

تو اس مجبوری کی صورت میں عورت حیض کی حالت میں طوافِ زیارت اور سعی کرلے، کیونکہ حیض کی حالت میں بوجہٴ مجبوری طوافِ زیارت کیسا ہے؟ اور ایک اونٹ یا گائے یا بیل حدودِ حرم میں ذبح کردے تاکہ مرد کے لئے حلال ہوجائے، حج مکمل ہوجائے، حیض کی حالت میں طواف کرنے کے گناہ کے لئے توبہ استغفار کرلے کہ بالکل مجبوری کی وجہ سے کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ طوافِ زیارت جان بوجھ کر حالتِ حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اونٹ یا گائے کے ذبح کرنے کی جزا اس پر لازم ہے۔

ساتھ ہی مندرجہ بالا مجبوری لاکھوں عورتوں کے مجمع میں صرف چند کو پیش آتی ہے اور اس حالت سے بچنا مستورات کے بس کا نہیں، اگر جلد واپسی ضروری نہ ہو تو کبھی کوئی عورت اتنا بڑا گناہ نہیں کرے گی۔ بالکل مجبوری کی حالت میں حالتِ حیض میں طواف کیا جائے تاکہ حج مکمل ہوجائے اور مرد کے لئے حلال ہوجائے۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۵۱۲/۱، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإن اقتدى مسافرٌ بمقيم، أتم أربعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱٤۳/۱، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳٤۷/۱، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲۳۵/۲، رشيديه)

ایک صاحب کی اہلیہ کوایسا ہی معاملہ پیش آیا، ان کے میاں نے بیوی سے کہا کہ ہم تمہارا حج فسخ کراتے ہیں، لہذا تم اپنے کو حاجی ہی مت سمجھنا مجبوری ہے۔لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح حج فسخ نہیں ہوتا، مگر نہیں مانے اور واپس بھی چلے گئے۔بعض عورتیں حیض والی عورتوں کومشو۔ہ دیتی ہیں کہ کسی سے ذکر مت کرواور خوب اطمینان سے ایسی حالت میں طوافِ زیارت کرو، چنانچہ بعض عورتیں ان کے کہنے پرعمل کرتی ہیں اوراس کوگناہ نہیں سمجھتیں اور نہ جزادیتی ہیں۔

حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اورصلوٰۃ وسلام

سوال[۵۱۰۷]: ۲......اسی طرح مکۃ المکرّمہ میں یامدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں عورت یا جوان لڑکی کوحیض شروع ہوگیا، عزت وآبروکی وجہ سے مرداپنی بیوی یااپنی لڑکی کوتنہا قیام گاہ پرنہیں چھوڑ ناچاہتا ہے اور وقت کم ہوتا ہے، خودحرم شریف میں جاکرنمازیں ادا کرنا چاہتا ہے، طواف کرنا چاہتا ہے اور مدینہ منورہ میں نمازیں ادا کرنا اور حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوسلام عرض کرنا چاہتا ہے۔

بعض عورتیں ایسی عورتوں کومشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے کہونہیں، نمازیں بھی پڑھو، طواف بھی کرو، سلام بھی عرض کرو۔یہ صریحاً گناہ ہے، مگرایسی مجبوری میں مرداپنی بیوی کواورلڑکی کوحیض کی حالت میں حرم شریف میں اور مسجدنبوی میں کسی ایک جگہ لاکربٹھادے تاکہ وہ خاموش بیٹھے بیٹھے توبہ استغفار کرے، درودشریف پڑھتی رہے، نمازیں ادانہیں کرے اور نہ طواف کرے۔توکیاایسا کرنے میں بوجۂ مجبوری کوئی گناہ نہیں؟ جب مردمسجد سے یا حرم شریف سے باہر نکلے تو بیوی کوساتھ لے لےاور کیا بوجۂ مجبوری حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرسلام بھی عرض کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ناپاکی کی حالت(حیض، نفاس، جنابت) میں طواف کرناحرام ہے، اسکوگناہ نہ سمجھنا خطرناک گناہ ہے(۱)۔

---

(۱) "و یمنع الطواف: لأن الطواف فی المسجد. قیل: إذا کان الطواف فی المسجد، یکون الحکم معلوماً من قوله: و دخول المسجد. فلِمَ ذکره؟ أجیب بأن المفهوم منه عدم جواز شروع الحائض للطواف؛ إذ یلزمها الدخول فی المسجد حائضاً، و لا یفهم منه أنه لو حاضت بعد الشروع فی الطواف لا یجوز لها الطواف؛ إذ حینئذ لا یوجد منها الدخول فی المسجد حائضاً، وإنما یفهم ذلک من هذه =

طوافِ زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ یا گائے کا دم دینا واجب ہے(۱)۔ تاہم اس گناہ کے باوجود فریضۂ حج ادا ہوجائے گا، سعی ایسی حالت میں بھی درست ہے، دم واجب نہیں ہے(۲)۔

۲...... مسجد میں داخل نہ کیا جائے (۳)، مسجد کے متصل خارجِ مسجد بٹھا دے تاکہ وہ تسبیح واستغفار میں

= المسئلة، فاحتيج إلىٰ ذكرها ". (مجمع الأنهر في شرح ملتقي الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و منها حرمة الطواف لهما بالبيت وإن طافتا خارج المسجد " (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۳۸، قديمي)

(۱) "والثاني: إذا طاف للزيارة جنباً، أو حائضاً أو نفساء، فإن الواجب في هذين الموضعين البدنة". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، باب الجنايات، ص: ۷۴۱، قديمي)

"و لاتجب البدنة إلا إذا طاف للزيارة جنباً أو حائضاً أو نفساء، أو جامع بعد الوقوف بعرفة وقبل الحلق". (فقه السنة، متى تجب البدنة: ۱/۷۳۷، دار الكتاب العربي)

(و كذا في ردالمحتار، مطلب في طواف الزيارة: ۲/۵۱۹، سعيد)

(۲) "و إن سعى جنباً أو حائضاً أو نفساء، فسعيه صحيح ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في الجنايات، الفصل الخامس في الطواف والسعي والرمل و رمي الجمار: ۱/۲۴۷، رشيديه)

"وأما الطهارة عن الجنابة والحيض فليست بشرط، فيجوز سعي الجنب والحائض". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز السعي: ۳/۸۶، داوالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في مبسوط السرخسي، باب السعي بين الصفا والمروة: ۲/۵۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "يمنع (أي الحيض) صلاةً و صوماً، فتقضيه دونها، و دخول مسجد والطواف و قربان ما تحت الإزار و قراءة القرآن". (النهرالفائق، باب الحيض: ۱/۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، مكتبه امداديه ملتان)

"و هو: أي الحيض يمنع الصلاة والصوم، و تقضيه لزوماً دونها، للحرج . و يمنع دخول المسجد والطواف بالبيت". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

مشغول رہے، صلوۃ وسلام بھی وہیں پڑھتی رہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔



(۱) "قالوا: لا تقرأ الحائض و لا الجنب من القرآن شيئاً إلا أطراف الآية والحرف و نحو ذلک، ورخصوا للجنب والحائض فی التسبيح والتهليل". (إعلاء السنن، باب: إن الحائض والنفساء والجنب لا يقرأون شيئاً من القرآن: ۱/ ۲۶۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی)

"و لا بأس لحائض و جنب بقرأة أدعية و مسها و حملها، وذكر الله تعالىٰ، و تسبيح". (الدر المختار، باب الحيض: ۱/ ۲۹۳، سعيد)

(وكذا فی مراقی الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۴۳، قديمی)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

یلملم سے احرام

سوال[۵۱۰۸]: زید نے جہاز میں یلملم پر احرام نہیں باندھا حالانکہ دوسرے عوام اور اہل علم نے وہیں احرام باندھا اور زید کو بھی کہا لیکن زید نے جدہ پہونچ کر احرام باندھا۔ تو کیا ایسی حالت میں احرام کے میقات سے مؤخر ہونے کی وجہ سے زید پر دم یا فدیہ لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا لازم ہوگا اور اس کو ہندوستان ہی میں ادا کرنا کافی ہوگا یا حرم میں بھیجنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عامۂ علمائے اہلِ ہند یلملم پر احرام باندھنے کو لازم فرماتے ہیں۔ میقات سے بغیر احرام گزر جانا حاجی کے حق میں جنایت ہے جس کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۱) یعنی ایک بکری کی قربانی کی جائے گی اور یہ قربانی ہندوستان میں کافی نہیں، بلکہ روپیہ دے کر کسی کو ذمہ دار بنادیا جائے کہ وہ حرم میں قربانی کردے، یہی

---

(۱)" من جاوز الميقات الذی يجب عليه الإحرام منه غير محرم ثم أحرم، لزمه دم". (الدر المنتقى فی شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، باب مجاوزة الميقات بلا إحرام: ۱/۳۰۲، ۳۰۳، دار إحياء التراث العربی بيروت)

"فإن أحرم بالحج أو بالعمرة قضاء لماعليه من ذلک لمجاوزته الميقات، ولم يرجع إلى الميقات، فعليه دم؛ لأنه جنى على الميقات، لمجاوزته إياه من غير إحرام، و لم يتداركه، فيلزمه الدم جبراً، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب المناسک، ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/۴۷۵، إدارة القرآن كراچی)

احوط ہے(۱)، اگر چہ بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ جدہ پہونچ کر احرام باندھنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے کہ ہندوستان سے جاتے وقت نہ یلملم درمیان میں آتا ہے، نہ یلملم کی محاذات ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) ''و لا یجوز ذبح الهدایا إلا فی الحرم؛ لأن الهدی اسمٌ لما یهدی إلی مکان، و مکانه الحرم''. (الفقه الإسلامی و أدلته، خامساً: مکان ذبح الهدی وزمانه: ۲۳۶۸/۳، رشیدیه)

''قالؒ: (والکل بالحرم): أی کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم، لقوله تعالیٰ: ﴿هدیاً بالغ الکعبة﴾ الخ''. (تبیین الحقائق، باب الهدی: ۴۳۴/۲، دار الکتب العلمیه بیروت)

(و کذا فی الهدایة، باب الهدی: ۳۰۱/۱، شرکة علمیة، ملتان)

(۲) ''اور یہ ظاہر ہے کہ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی بہتر طریقہ سے نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے.......... پرانی کتابوں میں اسی کو اہلِ ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے''۔ (زبدة المناسک، مواقیت الإحرام، حج اور عمرے کا بیان، ص: ۶۲، سعید)

(ومعلم الحجاج، ص: ۱۰۳ إدارة القرآن کراچی)

(وقرة العینین فی زیارة الحرمین، ص: ۴۹، ۵۰، شہزادہ ٹرسٹ)

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک و ہند کے حجاج کرام کے میقات ''یلملم'' میں اسی قسم کا اختلاف نقل کیا ہے اور جن حضرات کی عبارات نقل کی ہیں اس سے احتیاطی پہلو یہی نکل آتا ہے کہ یلملم کے محاذات سے پہلے ہی احرام باندھا جائے، البتہ اگر بغیر احرام ہی کے گذر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر دم لازم نہیں ہے، لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے کو بہر حال پہلے ہی سے احرام باندھنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں:

سوال: ۱-''جو حضرات بحری جہاز سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں، ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟

۲- اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے یا نہیں؟ یا دم لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا''۔

الجواب: ۱-''ہندوستان (یا پاکستان) والوں کی میقات یلملم ہے، لہٰذا جو حجاج کرام مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے =

....

= ہیں، ان کو یلملم یا اس کے محاذ سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں وہ جدہ تک احرام مؤخر کر سکتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علماء کی تحقیق میں اختلاف ہے: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لئے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے، جہتِ حرم میں نہیں ہے''۔ لہٰذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے، موجب دم نہیں۔ صاحبِ زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھیؒ اور حضرت مولانا محمود منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (پاکستانی) اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذاتِ میقات سے تجاوز کر کے حدودِ حل میں داخل ہوجاتا ہے، اس لئے ہندوستان و پاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا ضروری ہے، اگر اس سے تاخیر کریں گے تو محاذاتِ میقات سے بلا احرام گذرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

> ''ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحلِ جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسبِ تصریح فقہاء محلِ اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے۔
>
> اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظوراتِ احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظوراتِ احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہیے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے'' (جواہر الفقہ: ۱/۴۸۹)۔ ....=

کسی ضرورت کے لئے مکہ سے جدہ آئے، پھر مکہ جانے کے لئے کیا احرام ضروری ہے؟

سوال[۵۱۰۹]: اگر جدہ کو میقات مانا جائے تو مکہ سے جو لوگ کام کاج کے لئے جدہ آتے ہیں، جدہ سے مکہ واپس ہوتے وقت احرام لازم نہ ہونا جواب تحریر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ کیا یہ ہے کہ میقات میں رہنے والا اور جو اُن کے حکم میں ہو کسی ضرورت کے لئے مکہ جائے تو احرام ضروری نہیں ہوتا؟ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جب میقات پر واپس آگیا ہے تو پھر سے احکام دخول مکہ کے لئے دوسرا احرام ضروری ہوگا۔ مہربانی فرما کر دونوں مسئلوں کا جواب روانہ فرمائیں۔

= اس اختلاف رائے کی بناء پر بہتر صورت وہی ہے جو اوپر درج ہوئی کہ جدہ سے پہلے ہی یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، لیکن اگر کسی نے غلطی سے یا کسی مجبوری سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو اس پر دم کا لزوم نہ ہوگا، مگر احتیاطاً دم دے دے تو بہتر ہے۔ فقط۔

۲- جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں، ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل احرام باندھ لینا چاہیے، جدہ تک مؤخر کرنا جائز نہیں، اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا، اس لئے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے۔ اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدودِ میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے احرام باندھ کر فارغ ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس وقت احرام باندھنے میں احرام کے سنن و مستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''آج کل ان ممالکِ مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں: ایک ہوائی، دوسرا بحری۔ ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہِ ''قرن المنازل'' ہوتا ہے، ہوائی جہاز ''قرن المنازل'' اور ''ذات عرق'' دونوں میقاتوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے اول حِلّ میں داخل ہوجاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم وواجب ہے۔ اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گذرے گا، اس لئے اہل پاکستان وہندوستان کے لئے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی۔ اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا، بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں''۔ (جواہر الفقہ: ۱/۴۷۴، ۴۷۵) (عمدۃ الفقہ: ۴/۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب''۔

(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، باب: احرام سے متعلق احکامات: ۶/۷۳، ۷۴، دارالاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام سے بغیر احرام کے آگے حرم کی طرف جانا جائز نہیں، اس مقام سے خروج کے بعد بغیر احرام دوبارہ مکہ معظمہ جانا درست نہیں۔ اگر جدہ کو بالفرض میقات تسلیم کیا بھی جائے تو جب جدہ سے نکل جائے گا پھر دوبارہ داخل ہونا پایا جائے گا تو دوبارہ احرام باندھنا لازم ہوگا، محض جدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے دوبارہ احرام لازم نہیں ہوگا، میقات سے تجاوز جب ہوگا کہ جدہ سے دوسری طرف نکل جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے؟

سوال [۵۱۱۰]: ہندوستان سے پانی کے جہاز سے جانے والے حجاج کو بمطابق شرع احناف احرام کہاں سے باندھنا چاہئے؟ کس جگہ سے واجب ہے اور کس جگہ سے فرض؟ احناف کا فتویٰ کس پر ہے؟ بندہ حج کا ارادہ رکھتا ہے، حرم کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی کے جہاز سے جانے کے لئے جو قدیم ایام سے راستہ تھا تو یلملم کی محاذات پر پہونچ کر احرام باندھا جاتا تھا، یہی ہندوستان کے اکابر علماء فقہاء کا معمول رہا، اب بھی احوط یہی ہے، اگرچہ موجودہ اہلِ جغرافیہ کا قول یہ ہے کہ اب راستہ میں نہ یلملم آتا ہے اور نہ اس کی محاذات آتی ہے، بلکہ جدہ سے احرام باندھنا لازم

---

(۱) "فإن جاوزه، فليس له أن يدخل مكة من غير إحرام؛ لأنه صار آفاقياً". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۶۰، رشيديه)

"والمكي إذا خرج من مكة لحاجة له، فلم يجاوز الوقت، فله أن يدخل مكة بغير إحرام، وإن جاوز، لم يكن له أن يدخل مكة إلا بإحرام، لما بيّنّا أن من قصد إلى موضع فحاله في حكم الإحرام كحال أهل ذالك الموضع". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۵، حبيبيه كوئٹه)

"ونظيره المكي إذا خرج منها أو جاوز الميقات، لايحل له العود بلا إحرام". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

ہے، مگر احتیاط کا تقاضا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، وہاں جہاز سیٹی دیتا ہے اور عامۂ حج کو جاتے والے احرام باندھتے ہیں، حدودِ حرم جدہ سے آگے چل کر شروع ہوتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ "معلم الحجاج" ساتھ رکھیں اس میں مسائلِ حج اور مواقیت کی پوری تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

---

(۱)" المواقيت التى لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة: لأهل المدينة ذو الحليفة، و لأهل العراق ذات عرق، و لأهل الشام جحفة، ولأهل نجد قرن، ولأهل يمن يلملم .... و كل من قصد مكة من طريق غير مسلوك أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقيت، كذا فى محيط السرخسى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى فى المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

"كذا روى فى الحديث: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقّت لأهل المدينة ذاالحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن، و لأهل اليمن يلملم، و لأهل العراق ذات عرق .... فأما إذا قصدها من طريق غير مسلوك، فإنه يحرم إذا بلغ موضعاً يحاذى ميقاتاً من هذه المواقيت ؛ لأنه إذا حاذى ذلك الموضع ميقاتاً من المواقيت، صار فى حكم الذى يحاذيه فى القرب من مكة و لو كان فى البحر". (بدائع الصنائع، فصل. وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۵۹، ۱۶۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۵، ۵۵۶، رشيديه)

"جب بحری راستہ سے کوئی جدہ میں آئے تو چونکہ جدہ مکہ مکرمہ سے دو منزل دور ہے اور اس سے آگے محاذ معلوم نہیں ہے، حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے بھی یہی فرمایا ہے، امداد الفتاویٰ کے خامسہ حصہ کے ص:۱۵۱، پر حضرت مہاجر مدنی کی تحریر درج ہے، مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے: "وان يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين. اور یہ ظاہر ہے کہ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں معلوم ہوئی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے .... پھر اس سے آگے وہ محاذ بحرہ اور جدہ سے اوپر جدہ کی طرف مائل ہو کر جحفہ (رابغ تک چلا جاتا ہے)، پرانی کتابوں میں اسی کو اہلِ ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے۔ (زبدة المناسك، ص: ۶۲ سعيد)

لیکن مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ علیہ کی تحقیق علی حسب النقول اس سے مختلف ہے، كما تقدم تحت عنوان: "یلملم سے احرام"، ص:۳۷۶، رقم الحاشية: ۱) .... =

ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے یا جدہ؟

سوال[۵۱۱۱]: یلملم پہاڑی جو ہندوستان کے لئے میقات ہے وہاں کے بجائے جدہ پہونچ کر احرام باندھنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کہتے ہیں جدہ بھی حرم سے باہر ہے، لہٰذا وہاں سے احرام باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر افضل واحسن کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل واحوط یہی ہے کہ یلملم سے احرام باندھا جائے، اَسلاف کا معمول بھی یہی رہا ہے، گو اب جغرافیہ کی رو سے بعض حضرات نقشے دیکھ کر یہ بتلاتے ہیں کہ جہاز میں یلملم کی محاذات بھی نہیں آتی، لہٰذا جدہ سے قبل احرام باندھنا لازم نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۱ھ۔

میقات سے بلا احرام گزرنا

سوال[۵۱۱۲]: ایک شخص ہندوستان سے حج کا ارادہ کرکے چلتا ہے، اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جانا چاہے، یا ایک شخص مکہ کے قصد سے یہاں سے چلتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ کچھ روز جدہ ٹھہر کر تجارت کرے، اس کے بعد مکہ مکرمہ حاضر ہو تو اس کے لئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ اہل ہند کی میقات کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آفاقی مکہ یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں، خواہ اس کا حج عمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیر، تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو (۲)، اگر گزر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر

= (وقرة العينين في زيارة الحرمين، فصل: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص: ۴۹-۵۰ شہزادہ ٹرسٹ)

(۱) (راجع، ص: ۳۷۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وكذالك لو أراد بمجاوزة هذه المواقيت دخول مكة، لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرماً، سواء أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: =

جا کر احرام باندھے ورنہ اس پر دم واجب ہوگا (۱)۔ اگر کسی کا قصد اول یہ ہو کہ حل میں کسی جگہ تجارت کے لئے جائے تو اس کے لئے احرام لازم نہیں، بلا احرام حل میں جا سکتا ہے، پھر اپنی تجارت وغیرہ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں بھی بغیر احرام کے داخل ہو سکتا ہے بشرطیکہ ادائے نسک کا ارادہ نہ ہو، اگر ادائے نسک کا ارادہ ہو تو حل سے احرام باندھ کر داخل ہو۔ اگر میقات پر گزرتے وقت قصدِ اوّلی تو ادائے نسک ہو یا دخولِ مکہ ہو، لیکن مُرور فی الحل کی مجبوری کی وجہ سے حل میں تجارت وغیرہ کی نیت کرے تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام گزرنا جائز نہیں، یہ تمام جزئیات کتب فقہ میں صراحۃً مذکور ہیں:

"و حرم تأخير الإحرام عنها كلها لمن: أي للآفاقي قصد دخول مكة، يعني الحرم و لو لحاجة غير الحج. أما لوقصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل بها التحق بأهله، فله دخول مكة بلا إحرام، و هو الحيلة لمريد ذلك. وحل لأهل داخلها، يعني لكل من وجد في داخل المواقيت دخول مكة "الخ". درمختار۔

"(قوله: وحرم الخ) فعليه العود إلى ميقات منها وإن لم يكن ميقاته". رد المحتار: ۲/۲۱۱(۲)۔

= وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۲۰، دارالكتب العلميه بيروت)

"و لا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسک أو لا، و لو دخلها فعليه حجة أو عمرة، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية: الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)
(و كذا في المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۲، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "فإن دخل مكة قبل أن يحرم فأحرم منها، فعليه أن يخرج من الحرم فيلبي، فإن لم يفعل حتى يطوف بالبيت فعليه دم؛ لأنه ترک الميقات المعهود في حقه للإحرام، الخ". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۳، حبيبيه كوئٹه)

"فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع إلى الميقات، فعليه دم لترک حق الميقات".
(التاتارخانية، باب ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/۴۷۵، إدارة القرآن كراچی)
(و كذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۴، دارالكتب العلميه بيروت)
(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۷، سعيد) .... =

غنیة الناسك، ص: ۲۷ میں یہ حیلہ لکھا ہے اور مسئلہ کو زیادہ واضح کردیا، چنانچہ عبارات متعددہ نقل کرکے لکھا ہے:

"وفي الطوالع: و ذكر السيد مير غني في حاشيته على التبيين: أن من كان في خاطره أنه إذا فرغ من بيعه و شرائه دخل مكة، وجب عليه الإحرام عند الميقات، لكونه قاصداً مع دخول جدة الحرم، وإن كان قصد دخول جدة سابقاً على قصد دخول الحرم، اهـ"(۱)۔

جس شخص کے راستہ میں میقات واقع نہ ہو اس کو میقات کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے، جس کے راستہ میں دو میقات واقع ہوں اس کو میقاتِ اَبعدعن الحرم سے باندھنا افضل ہے، اقرب سے بھی درست ہے(۲)۔ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے (۳)، حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام کی ضرورت ہوتی ہے، جدہ حرم سے خارج ہے، لہٰذا جو شخص پہلے مدینہ طیبہ کا قصد کرے، اس کے لئے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۷، رشيديه)

(۱) (غنية الناسک، باب المواقيت، فصل الثالث، ص: ۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "و من سلک ميقاتاً من هذه المواقيت، أحرم منه، لما روينا، وإن سلک بين ميقاتين في البحر أو البر اجتهد، وأحرم إذا حاذی ميقاتاً منهما، و أبعدهما أولى بالإحرام منه". (تبيين الحقائق، كتاب الحج: ۲/۲۴۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، فصل في مواقيت الصنف الأول، ص: ۵۲، مكتبه مصطفى محمد بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

(۳) "المواقيت التي لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسةٌ: لأهل المدينة ذو الحليفة، ولأهل العراق ذات عرق، و لأهل الشام جحفة، و لأهل نجد قرن، و لأهل يمن يلملم .... و كل من قصد مكة من طريق غير مسلوک، أحرم إذا حاذی ميقاتاً من هذه المواقيت، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۵۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۵، رشيديه)

یلملم سے احرام ضروری نہیں، بلکہ وہ مدینہ طیبہ سے واپسی پر ذوالحلیفہ سے احرام باندھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رجب/ ۶۶ھ

احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا

سوال[۵۱۱۳]: ایک آفاقی شخص میقات پر پہونچ کر احرام پہنتا ہے اور نیتِ حج یا عمرہ کرتا ہے، مگر جدہ پہونچ کر احرام کی حالت میں میقاتِ مدینہ ذوالحلیفہ سے بھی باہر ہوکر مدینہ شریف جاتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسے محرم کو جس نے میقات پر پہونچ کر احرام پہنا اور نیت کی ہے قبل حج یا عمرہ دوسری آفاقی میقات سے باہر نکل جانا درست ہے، کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟ میقات ہی سے جو اس نے احرام پہنا ہے اس سے تو بظاہر لازم آتا ہے کہ وہ سوائے مکہ کے کہیں نہ جائے نہ کہ آفاقی میقات سے گزر جانا۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) قرۃ العینین کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''جو آدمی میقات سے باہر کا رہنے والا ہو، اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جائے، پھر واپسی کے وقت وہاں کے میقات ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھ کر حج کرے گا تو جائز ہے کہ وہ آدمی اپنے میقات یلملم سے احرام نہ باندھے، کیونکہ اس کو اپنے میقات سے گزرنے کے وقت فی الحال حدحرم میں جانے کا ارادہ نہیں ہے، الخ''۔ (قرة العينين في زيارة الحرمين، فصل: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص: ۴۹، ۵۰، شهزاده ٹرسٹ)

معلم الحجاج میں ہے: ''جو آفاقی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہا ہو، اسے ذوالحلیفۃ یعنی بیر علی سے احرام باندھنا چاہئے''. (معلم الحجاج ص: ۱۰۴، إدارة القرآن كراچی)

''(قوله: كمكي يريد الحج، الخ) أما لو خرج إلى الحل لحاجة فأحرم منه ووقف بعرفة، فلا شيء عليه، كالآفاقي إذا جاوز الميقات قاصد البستان، ثم أحرم منه. الخ'' (ردالمحتار، مطلب: لايجب الضمان بكسر آلات اللهو: ۲/ ۵۸۱، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/ ۴۷۶، ادارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلياً:

اس پر بھی کوئی کفارہ نہیں، ممنوعاتِ احرام سے بچتا رہے، بغیر حج یا عمرہ کئے احرام سے حلال نہ ہو، یہی احرام کا احترام ہے۔ میقات سے خارج ہو جانا احرام کے منافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳۰/ رجب/ ۶۶ھ۔

کیا جدہ میقات ہے؟

سوال [۵۱۱۴]: ۱...... جدہ کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ آیا اس کا میقات میں شمار ہے یا نہیں؟

میقات کا علم نہ ہو تو تحرّی کرے

سوال [۵۱۱۵]: ۲...... آفاقی اگر حرمِ مکہ کا قصد کرے، دخول کے وقت وہ مواقیتِ خمسہ سے داخل نہیں ہوتا، بلکہ مواقیت کے مابین جو محاذاۃ ہے وہاں سے داخل ہوتا ہے تو ایسا شخص احرام کہاں سے باندھے؟ اور ایسے شخص کے لئے محاذات شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو آدمی کس طرح کرے گا، کیونکہ اس کے لئے تو کوئی علامت موجود نہیں جس پر وہ اعتماد کر سکے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ محاذات کی تعریف شرعاً کیا ہے؟

مکی اگر جدہ جائے تو واپسی پر احرام لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۵۱۱۶]: ۳...... مکی یا وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے ایسا شخص اگر جدہ چلا جائے تو مکہ عود

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "والثانی أنه إذا أتم الإحرام بحج أو عمرة، لا يخرج عنه، إلا بعمل ما أحرم به وإن أفسده". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "والأصل: لا يخرج عنه فی حالة من الأحوال بعمل من الأعمال إلا بعمل". (ردالمحتار، فصل فی الإحرام: ۲/۴۸۰، سعيد)

"الأول أنه إذا تم الإحرام للحج أو للعمرة، لايخرج عنه إلا بعمل النسک الذی أحرم به وإن افسده الخ". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وكذا فی معلم الحجاج، باب: حکم احرام، ص: ۱۱۳، إدارة القرآن كراچی)

کرتے وقت اس کے لئے احرام باندھنا واجب ہے یا نہیں؟

سائل: ابراہیم میاں، جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... جس کے راستہ میں مواقیتِ مخصوصہ واقع نہ ہوں، یا ان کی محاذات کا علم نہ ہو اور بحری راستہ سے آ رہا ہو تو اس کے حق میں جدہ میقات ہے:

"من سلك: أى طريقاً ليس فيه ميقات معين براً أو بحراً، اجتهد إذا حاذى ميقاتاً منها: أى من المواقيت المعروفة. وإن لم يعلم المحاذاة، فعلى رحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر، اهـ". شرح المنسك المتوسط(۱)۔

۲...... جو میقات مکہ مکرمہ سے اَبعد ہے اس کی محاذات سے احرام افضل ہے، اقرب کی محاذات بھی درست ہے۔ اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو تحری کرلے:

كما مرّ انفاً من قوله: "اجتهد". "ومن حذو الأبعد أولى، فإن الأفضل أن يحرم من أول الميقات، وهو الطرف الأبعد من مكة حتى لا يمر شئ يسمى ميقاتاً غير محرم. ولو أحرم من الطرف الأقرب إلى مكة، جاز باتفاق الأربعة". شرح المنسك المتوسط(۲)۔

---

(۱) (مناسک الملا علی القاری المسمی بالمنسک المتوسط، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۵۲، ۵۵۷ رشیدیه)

(۲) (مناسک الملا علی القاری المسمی بالمنسک المتوسط، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، إدارة القرآن کراچی)

"اجتهد .... و من حذو الأبعد أولیٰ، فإن الأفضل أن يحرم من أول الميقات، وهو الطرف الأبعد من مكة، حتى لا يمر بشيء مما يسمى ميقاتاً غير محرم. و لو أحرم من الطرف الأقرب إلى مكة، جاز باتفاق الأربعة". (إرشاد الساری إلى مناسک الملا علی القاری، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۵۲، مکتبه مصطفی محمد بیروت)

"وإن سلک بين ميقاتين فی البحر أو البر، اجتهدو أحرم إذا حاذى ميقاتاً منهما، و أبعدهما =

۳...... جدہ کو بعض احوال میں ضرورۃً میقات تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ جواب نمبر: ا میں ہے، ورنہ وہ درحقیقت حل میں ہے، مکی آدمی اگر حل میں جائے تو اس کو مکۃ المکرمہ جانے کے لئے احرام کی ضرورت نہیں:

"أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل به، التحق بأهله، كما مر انفاً بشرط أن لا يجاوز ميقات الآفاقي". ردالمحتار: ۲/۱۵۵ (۱)۔

البتہ اگر حج یا عمرہ کی نیت ہو تو اہلِ حل کو بھی بلا احرام دخولِ مکہ ممنوع ہے: "من أراده من أهل الحل لا يدخل مكة بلا احرام، اهـ". (الدرالمختار)۔

"والمراد بالمكي من كان داخل الحرم، سواء كان بمكة أولا، سواء كان من أهلها أولا، يشمل الأفاقي المفرد بالعمرة والمتمتع والحلال من أهل الحل، اهـ". شامی: ۲/۱۵۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۲ھ۔



= أولى بالإحرام منه". (تبيين الحقائق، كتاب الحج: ۲/۲۴۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب من حاذى الميقات: ۳/۲۷ مكتبه حقانيه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

"وقيدنا بقصد مكة؛ لأن الآفاقي إذا قصد موضعاً من الحل كخليص، يجوز له أن يتجاوز الميقات غير محرم، وإذا وصل إليه، التحق بأهله". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

"(ولداخلها الحل) .... وإنما كان الحل ميقاته؛ لأن خارج الحرم كله كمكان واحد في حقه كالميقات للآفاقي، فلا يدخل الحرم عند قصد النسك إلا محرماً. و أما عند عدم هذا القصد، فله الدخول بغير احرام للحاجة والضرورة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۹ رشيديه)

باب القِران والتمتع

(حجِ قران وتمتع کا بیان)

حج کی افضل صورت

سوال[۵۱۱۷]: حرم سے باہر رہنے والوں کے لئے حج کی کونسی صورت افضل ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قران افضل ہے، بحر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مفرد اور قارن کے لئے سعی

سوال[۵۱۱۸]: ۱.....مفرد اور قارن کو طوافِ قدوم میں سعی کرنا چاہئے یا نہیں؟

۲.....طواف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا خلفائے راشدین سے کون سی دعائیں منقول ہیں؟ طواف کرنے والا اپنی زبان میں جو دعاء چاہے پڑھے جائز ہے یا نہیں؟

سید شاکر علی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....طوافِ قدوم میں سعی کرنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ طواف کیا جاتا ہے مسجد حرام میں اور

---

(۱) قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: "هو (أی القران) أفضل، ثم التمتع، ثم الإفراد". (البحر الرائق، کتاب الحج، باب القران: ۲/۲۲۵، رشیدیه)

"القران فی حق الآفاقی أفضل من التمتع والإفراد، والتمتع فی حقه أفضل من الإفراد، و هذا هو المذکور فی ظاهر الروایة، و کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشیدیه)

(و کذا فی رد المحتار، باب القران: ۲/۵۲۹، سعید)

سعی کی جاتی ہے خارجِ مسجد، صفاومروہ کے درمیان۔

۲...... بہت سی دعائیں ایسے موقعہ پر پڑھنے کے لئے علماء نے لکھی ہیں، مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، ایک دعاء جو حدیث شریف میں آئی ہے یہ ہے: "اللهم إني أسألك العفو، والعافية في الدنيا والآخرة، ربنا اتنا في الدنيا حسنةً، و في الآخرة حسنةً، و قنا عذاب النار"(۱)۔

یہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھی جاتی ہے، دعاء اپنی زبان میں بھی درست ہے (۲)۔ لیکن جس شخص کو عربی کی دعاء یاد نہ ہو اس کے لئے "سبحان الله، والحمد لله، و لا إله إلا الله، والله أكبر، ولاحول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم" پڑھنا بہتر ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، وکذا في شرح سفر السعادة، ص: ۱٤۳(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱)(نيل الأوطار، باب ذكر الله في الطواف: ۵/۱۲۰، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)
(وابن ماجة، باب فضل الطواف: ۲۱۲/۳، قديمي)

(۲) "والدعاء يجوز بالعربية، و بغير العربية، والله سبحانه يعلم قصد الداعي و مراده وإن لم يقوم لسانه، فإنه يعلم ضجيج الأصوات باختلاف اللغات على تنوع الحاجات". (مجموعة الفتاوى لشيخ الإسلام ابن تيمية، باب صفة الصلاة: ۲۸۷/۲۲، مكتبة العبيكان سعوديه)

"و ظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية خلاف الأولى، وإن الكراهة فيه تنزيهية". (رد المحتار، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۵۲۱/۱ سعيد)

(۳) (شرح سفر السعادة للشيخ عبدالحق الدهلويؒ، فصل در حج، پيغمبر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، ص: ۱۴۳، مطبع نامي منشي نول كشور)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يقول: "من طاف بالبيت سبعاً، و لا يتكلم إلا سبحان الله والحمد لله و لا إله إلا الله والله أكبر، ولاحول ولا قوة إلا بالله، محيت عنه عشر سيئات، و كتب له عشر حسنات، ورفع له بها عشر درجات". رواهما ابن ماجة".
(نيل الأوطار، باب ذكر الله في الطواف: ۵/۱۲۰، ۱۲۱ مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)
(وابن ماجة، باب فضل الطواف: ۲۱۲/۳، قديمي)

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۹۱۱۱۵]: جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی عم فیضہ! سلام مسنون۔

میرے استفتاء کا جواب ملا مگر تشفی نہیں ہوئی، میں نے عرض کیا تھا کہ ''مفرد اور قارن طواف کے بعد سعی کرے یا نہیں''؟ آپ نے لکھا ہے کہ ''میری سمجھ میں نہیں آیا'' حالانکہ موٹی بات ہے، عرض یہ ہے کہ جس طرح تمتع والا طواف کر کے صفا ومروہ جا کر سعی کرتا ہے ان دونوں کو بھی سعی کرنا چاہئے یا نہیں، یا کب سعی کریں؟ اب یہ عرض بھی ہے کہ مفرد اور قارن طوافِ قدوم میں عمرہ کی نیت کرے یا طوافِ قدوم کی اور مفرد وقارن سعی کب کرے گا؟

سید شاکر علی، از شاہ پور، ضلع فتحپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ دوبارہ اپنے خط کو دیکھئے اس میں لکھا ہے: ''مفرد اور قارن طواف میں سعی کرے گا یا نہیں''؟ موٹی سی بات ہے کہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے اور سعی بین الصفا والمروۃ ہوتی ہے، پھر طواف میں سعی کرنے کا مطلب کیسے سمجھ میں آئے۔ اب آپ نے مطلب کی وضاحت کی ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی طواف کرنے کے بعد صفا ومروہ جا کر سعی کرنا چاہئے، قارن اول عمرہ کے لئے طواف کرتا ہے پھر عمرہ ہی کے لئے سعی کرتا ہے اس کے بعد حج کے لئے طوافِ قدوم کرتا ہے، پھر سعی بھی اسی کے لئے کرتا ہے، درمیان میں حلال نہیں ہوتا، پھر بقیہ ارکانِ حج ادا کرتا ہے اور یوم النحر میں ذبح کے بعد ممنوعاتِ احرام حلال ہوجاتے ہیں، کذا فی مجمع الأنہر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/محرم/۷۰ھ۔

---

(۱) "فإذا دخل مكة، ابتدأ بالعمرة، فطاف للعمرة سبعة أشواط، يرمل الثلاثة الأُوَل، و يصلي بعد الطواف ركعتين، و سعى بين الصفا والمروة، و يهرول بين الميلين الأخضرين، ولا يتحلل، و لو تحلل بأن حلق أو قصر، كان جنايةً على إحرام الحج وإحرام العمرة؛ لأن تحلل القارن من العمرة إنما هو يوم النحر". (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(و كذا في الفتاوى الخانية، فصل في القران: ۱/۳۰۱، رشيديه) .... =

متمتع کا مدینہ طیبہ جانا پھر عمرہ کرنا

سوال[۵۱۲۰]: ۱......ایک شخص آفاقی اَشہرِ حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ کیا پھر حج کا احرام مکہ سے باندھا۔ کیا اس کا تمتع صحیح ہے یا نہیں؟

۲......اس پر دمِ تمتع ہے یا نہیں؟

۳......کیا اس پر کوئی دمِ جبر ہے یا نہیں؟

۴......تمتع پہلے عمرہ یا دوسرے عمرہ سے ادا ہوا؟

۵......آفاقی کے لئے ایک عمرہ سے زائد کرنا اَشہرِ حج میں صحیح ہے یا نہیں؟

۶......مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام باندھا تو اس کا تمتع ادا ہوگا یا نہیں؟

۷......کیا اس پر دمِ جبر ہے یا نہیں؟

۸......آفاقی حاجی کا اَشہرِ حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

۹......ان صورتوں میں بہتر کونسی صورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"اَشہرِ حج میں اگر کوئی شخص عمرہ کر کے مدینہ طیبہ چلا گیا، پھر وہاں سے واپسی کے بعد صرف حج کا احرام باندھ کر آیا تو تمتع صحیح ہوگا، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، بخلافِ صاحبین رحمہما اللہ کے، ان کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہوگیا، ہاں اگر پھر مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور پھر حج کرے تو ان کے نزدیک تمتع ہوجائے گا، مگر امام صاحب کے نزدیک ایسا نہ کرے"۔ معلم الحجاج، ص: ۲۱۸، میں مولانا شیر محمد کے حاشیہ کے حاشیہ نمبر: ۱، سے یہ عبارت لی گئی ہے(۱)۔ اس عبارت سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات صراحۃً یا اشارۃً

= (و کذا فی الهداية، باب القران: ۱/۲۵۸، شرکت علمیه، ملتان)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۲۵۲، إدارة القرآن کراچی)

(وقرة العينين فی زیارة الحرمين، ص: ۲۲۰ - ۲۲۳، شهزاده ٹرسٹ)

(وزبدة المناسک مع عمدة المناسک، ص: ۳۰۹-۳۱۸، سعید) .... =

نکل آئے، اب نمبروار جوابات لیجئے:

۱......صاحبین کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے۔

۲......ان کے نزدیک دمِ تمتع واجب ہے۔

۳......میقات سے باہر چلے جانے کی وجہ سے اس کا پہلا تمتع باطل ہوگیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر دمِ جبر واجب ہو۔

۴......دوسرے عمرہ سے تمتع منعقد ہوا۔

۵......اس میں اختلاف ہے، معلم الحجاج، ص:۲۲۱، پر یہ مسئلہ مذکور ہے اور حاشیہ نمبر:۱، پر اختلاف نقل کیا ہے(۱)۔

۶......امام صاحب کے نزدیک اس کا تمتع ادا ہوجائے گا۔

۷......اس پر دمِ جبر واجب نہیں۔

= "(قوله: لبقاء سفره) أما إذا أقام بمكة أو داخل المواقيت، فلأنه ترفق بُنسكين في سفر واحد في أشهُر الحج، و هوعلامة التمتع. وأما إذا أقام خارجها، فذكر الطحاوى أن هذا قول الإمام، وعندهما لا يكون متمتعاً؛ لأن المتمتع من كانت عمرته ميقاتية، وحجته مكية، و له أن حكم السفر الأول قائم ما لم يَعُدْ إلى وطنه، و أثر الخلاف يظهر في لزوم الدم. وغلطه الجصاص في نقل الخلاف، بل يكون متمتعاً اتفاقاً؛ لأن محمد ذكر المسئلة، و لم يحك فيها خلافاً. قال أبواليسر: هوالصواب. وفي المعراج: إنه الأصح. الخ". (ردالمحتار، باب التمتع: ۲/۵۴۲، سعيد)

(و كذا في التبيين، باب التمتع: ۲/۳۴۹، ۳۵۰، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في المبسوط، كتاب المناسک، باب الجمع بين الإحرامين: ۲/۱۲۸، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۱) متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے: "قال في اللباب: ولا يعمر قبل الحج. وقال القارى في الشرح: و هذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة، أيضاً، قد سبق أنه غير صحيح، بل أنه ممنوع من التمتع والقران، و هذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة، فجاز له تكرارها؛ لأنها عبادة مستقلة كالطواف" (لباب المناسک مع المسلک المتقسط في المنسک المتوسط لملا على القارى، ص: ۳۱۹، دارالكتب العلميه بيروت)

۸......نا مناسب ہے۔

۹......بہتر صورت امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کہ مدینہ طیبہ سے فقط حج کا احرام باندھ کرآئے، عبادات میں بروقتِ اختلاف امام صاحب کے قول پرفتویٰ ہوتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا؟

سوال[۵۱۲۱]: ایک شخص جو رمضان سے پہلے مکہ معظّمہ جاکر عمرہ کر کے حلال ہوکر مقیم رہا اور اَشہرِ حج وہیں شروع ہوگئے، پھر شوال میں مدینہ منورہ گیا، مدینہ سے واپسی کے وقت بہتر بات یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ کرآئے لیکن عمرہ کا احرام باندھ کرآنے میں گنجائش ہے، یہ گنجائش مذکورہ دونوں صورتوں والوں کے لئے ہے یا فرض ہے؟ اوراجازت کی وجہ کیا یہی ہے کہ یہ حاجی آفاقی ہے اور حقیقی طور پر مکی نہیں ہے؟ دوسرا وہ جو اشہرِ حج میں عمرہ کے احرام سے مکہ معظّمہ جاکر حلال ہوا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص نے اَشہرِ حج میں عمرہ کرلیا ہے اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا، پھراس سال حج کر کے وطن واپس ہوگا، امام صاحب کے نزدیک وہ شخص متمتع ہے،اس کوایک عمرہ کر لینے کے بعد حج سے پہلے مدینہ سے چل کرعمرہ کرنے سے امام صاحب منع فرماتے ہیں۔اورصاحبین کے نزدیک مدینہ طیبہ چلے جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوگیا، اب اگر دوبارہ وہ عمرہ کرے گا تو تمتع صحیح ہوجائے گا۔جس شخص نے اشہرِ حج میں عمرہ نہیں کیا -اگرچہ اس سے پہلے کیا ہو- وہ مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہوکر جب حج کے لئے آئے اوراحرام باندھ کر عمرہ کرے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) سوالات کو تفصیلی جوابات کے ساتھ دیکھئے: (فتاوی رحیمیہ: ۳۹۶/۲، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "فأما إذا عاد إلى غير أهله، بأن خرج من الميقات، ولحق بموضع لأهله القران والتمتع كالبصرة =

اشہرِ حج سے پہلے عمرہ کرنے سے تمتع نہیں ہوتا

سوال[۵۱۲۲]: حج میں اگر حاجی ایامِ حج سے پہلے حجِ تمتع میں عمرہ کا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوا اور عمرہ کے سب کام کرے تو اس کا حجِ تمتع ہو جائے گا، یا اس کو پھر ایامِ حج میں عمرہ کرنا پڑے گا تب حجِ تمتع درست ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اَشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے اگر عمرہ کیا اور پھر حج کیا تو وہ تمتع نہیں ہوگا (۱)، اشہرِ حج میں عمرہ کر کے حلال ہو کر پھر حج کے لئے احرام باندھ کر حج کرنے

= مثلاً أو نحوها، و اتخذ هناک داراً، أولم يتخذ هناک داراً، توطن بها أو لم يتوطن، ثم عاد إلى مكة، و حج من عامه ذلک، فهل يكون متمتعاً؟ ذكر في الجامع الصغير أنه يكون متمتعاً، ولم يذكر الخلاف. وذكر القاضي أيضاً أنه يكون متمتعاً، في ة لهم. وذكر الطحاوي: أنه يكون متمتعاً في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وهذا و ما إذا أقام بمكة، و لم يبرح منها سواء. و أمافي قول أبي يوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ: فلا يكون متمتعاً، ولحوقه بموضعٍ لأهله التمتع والقران، و لحوقه بأهله سواء.

وجه قولهما: أنه لما جاوز الميقات، ووصل إلى موضع لأهل التمتع والقران، فقد بطل حكم السفر الأول، و خرج من أن يكون من أهل مكة؛ لوجود إنشاء سفر آخر، فلا يكون متمتعاً كما لو رجع إلى أهله. و لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أن وصوله إلى موضعٍ لأهله القران والتمتع لايُبطل السفر الأول ما لم يَعد إلى منزله؛ لأن المسافر ما دام يتردد في سفره، يعدّ ذلک كله منه سفراً واحداً، ما لم يَعدْ إلى منزله، و لم يعد ههنا، فكان السفر الأول قائماً، فصار كأنه لم يبرح من مكة، فيكون متمتعاً، و يلزمه هدى المتعة". (بدائع الصنائع، فصل: و أما بيان ما يحرم به: ۱۷۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في ردالمحتار، باب التمتع: ۵۴۲/۲، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب القران والتمتع: ۲۹۰/۱، ۲۹۱، دار إحياالتراث العربي بيروت)

(۱) "لا يسمى تمتعاً إذا كان أحدهما في غير أشهر الحج، والآخر في أشهر الحج". (تبيين الحقائق، باب التمتع: ۳۳۸/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

"وعلم من هذا أن الاعتمار في سنة قبل أشهر الحج مانع من التمتع في سننه، الخ". (البحر الرائق، =

سے تمتع ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۷ھ۔

قارن کے لئے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے

سوال[۵۱۲۳]: قارن قران کے شکر میں قربانی دینے کے بعد وہ اُور بھی قربانی جو اپنے وطن میں کرتا تھا وہاں کرے یا اپنی اولاد کو وطن میں قربانی کرنے کو کہہ دے۔ کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی طرف سے اس کی اولاد قربانی کردے گی اس کے کہنے کے مطابق، تو اس کی قربانی درست ہوجائے گی (۲)، لیکن حرم محترم میں قربانی کا اجر بہت زیادہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= باب التمتع: ۲۴۵/۲، رشيديه)

"الثامنة: واختلفوا فيمن أنشأ عمرةً في غير أشهر الحج، ثم عمل لها في أشهر الحج، فقال مالك: عمرته في الشهر الذي حل فيه، يريد إن كان حل منها في غير أشهر الحج، فليس بمتمتع، وإن كان حل منها في أشهر الحج، فهو متمتع، إن حج من عامه". (تفسير القرطبي، (سورة البقرة، آيت: ۱۹۶): ۲۶۴/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) "أما المتمتع فالمعروف أنه الاعتماد في أشهر الحج، ثم التحلل من تلك العمرة، والإهلال بالحج في تلك السنة". (فتح الباري، باب التمتع والقران والإفراد بالحج، و فسخ الحج لمن لم يكن معه هدى: ۵۳۹/۳، قديمي)

(وكذا في نيل الأوطار، باب التخيير بين التمتع والإفراد والقران و بيان أفضلها: ۳۹/۵، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا في الدر المنتقیٰ شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۲۸۹/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وكذا لك لو لم يوص وأمر رجلاً أن يضحي عنه ولم يسم شيئاً، فهو جائز". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۰۲/۵، كتاب الأضحية، الباب التاسع في المتفرقات، رشيديه)

(۳) "وجاءت أحاديث تدل على تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة إلا أنها في الثبوت ليست =

عمرہ کے بعد کیا بال منڈوانا لازم ہے؟

سوال[۵۱۲۴]: ا...... زید جدہ میں ملازم ہے،تقریباً ہر ہفتہ عمرہ کرتا ہے،عمرہ کے بعد باریک مشین سے بال کٹوادیتا ہے، استرہ سے نہیں مونڈتا ہے کیونکہ اس نے معلم الحجاج میں پڑھا ہے کہ بال کتروانے کی اجازت ہے اگر چہ مونڈوانا افضل ہے، ہر ہفتہ عمرہ کے بعد بال رگڑ کر مشین سے کٹوادیتا ہے،اسی طرح بہت سے عمرے کر چکا ہے۔اس دفعہ عمرہ کے بعد کسی شخص نے بتایا کہ اس طرح جائز نہیں،بال منڈوانا لازم ہے۔ برائے مہربانی مجھے مطلع فرمائیں کہ یہ شخص تو اب تک اسی طرح بیسیوں عمرے کر چکا ہے،اب وہ کیا کرے؟ اس کا کیا علاج کرے جو کہ وہ کر چکا ہے؟

حج کے مہینوں میں بار بار عمرہ

سوال[۵۱۲۵]: ۲...... کیا حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے؟معلم الحجاج والے بزرگ کہتے ہیں کہ جائز ہے،لیکن کئی دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔صحیح جواب کا انتظار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... اگر مشین ایسی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا بال بھی کاٹ دیتی ہے تو اب کسی تدارک کی ضرورت نہیں،سب عمرہ درست ہوگئے،البتہ ایسی حالت میں احتیاط یہ ہے کہ استرہ پھیر دیا کریں(۱)۔

۲...... عمرہ صرف ایام حج میں نہیں ہے بقیہ تمام سال جائز ہے(۲)،البتہ جو شخص تمتع کرے یعنی اشہرِ حج

= کأحادیث الصلاة فیها". (ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب فی مضاعفة الصلاة بمکة: ۲/۵۲۵،سعید)

(۱) "فإن حلق رأسه بالنورة أجزأه، والموسیٰ أفضل، أما الجواز فلحصول المقصود، وهوإزالة الشعر، و أما أفضلیة الحلق بالموسیٰ، الخ". (بدائع الصنائع، فصل فی أحکام الحلق والتقصیر: ۳/۹۹، ۱۰۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۶۰۲، رشیدیه)

(۲) "اتفق العلماء علی أن العمرة تجوز فی أیّ وقت من أوقات السَّنَة فی أشهر الحج وغیرها، الخ". (الفقه الإسلامی وأدلته، باب وقت العمرة: ۳/۲۲، المکتبة الحقانیه پشاور) .... =

میں عمرہ کر کے حلال ہوجائے پھراسی سال حج کرے تو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے اگر عمرہ کرے گا تو تمتع باطل ہوجائے گا، مگر دوسرے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب دوسرا عمرہ کیا تو اس کے ذریعہ سے تمتع ہوجائے گا، علیٰ ہذا القیاس جتنے عمرے کرے گا اخیر عمرہ کے ذریعہ تمتع ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۹۳ھ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تمتع سے منع کرنے کی وجہ

سوال[۵۱۲۶]: حج کی اقسامِ ثلاثہ سے تمتع کے اندر آدمی افعالِ عمرہ سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ میں ایامِ حج تک حلال ہوکر اپنے علاقائی لباس، وضع قطع، ہیئت، نیز خاندانی اور قومی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ رہتا ہے، چونکہ اس صورت میں حجاج کرام میں باہمی علاقائیت کے جذبات ابھرنے، تخریب، گروہ بندی، نیز قومی خاندانی، ملکی عصبیت کے جذبات پیدا ہونے کا قوی امکان بلکہ یقین ہے جو مقصدِ حج یعنی اتحاد بین المسلمین، باہمی یگانگت، مساوات وغیرہ کے منافی ہے، اس لئے دورِ خلافتِ راشدہ میں حضرات شیخین رضی اللہ

= "وقت العمرة السنة: أی أیامها کلها وقت لها: أی لجوازها، إلا أنه: أی الشأن یکره تحریماً: أی کراهة تحریم إحرامها فی الأیام الخمسة: أی المذکورة سابقاً، الخ". (مناسک الملا علی القاری، باب العمرة، فصل فی وقتها، ص: ۴۶۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السادس فی العمرة: ۱/۲۳۷، رشیدیه)

(۱) "لو أحرم لعمرة قبل أشهر الحج فقضاها و تحلل و أقام بمکة، فأحرم بعمرة، ثم حج من عامه ذلک، لم یکن متمتعاً، فإن کان حین فرغ من الأولیٰ خرج، فجاوز المیقات قبل أشهر الحج، فأهلّ منه لعمرة فی أشهر الحج، و حج من عامه فهو متمتع. وإن کان جاوز المیقات فی أشهر الحج، لم یکن متمتعاً، إلا إذا خرج من أهله، ثم اعتمر، ثم حج من عامه عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. وعندهما: هو متمتع جاوز المیقات قبل أشهر الحج أو بعدها، کذا فی محیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی القران والتمتع: ۱/۲۴۰، رشیدیه)

(وکذا فی البدائع. فصل: و أما بیان ما یحرم به: ۳/۱۷۲، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق، باب التمتع: ۲/۶۴۵، رشیدیه)

تعالیٰ عنہما نے اپنے خلافت کے زمانہ میں تمتع پر بالکلیہ پابندی لگا رکھی تھی اور قطعاً کسی کو تمتع کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، لیکن پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تیسیر اًعلی الناس تمتع کی اجازت دیدی اور لوگوں نے تمتع کیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مفاسد (علاقائیت کے جذبات، تخریب، گروہ بندی وغیرہ وغیرہ) امکان سے فعل میں آ گئے، لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف میٹینگیں کیں اور ان کے خلاف محاذ قائم کیا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں خود یا صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے ان کے علم اور اجازت سے کبھی تمتع نہیں کیا؟ مذکورہ بالا خیال تاریخ، اقوال وآثار اور عملِ صحابہ ان کی روشنی میں صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس کی تائید کی روایات اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ بطورِ مثال تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

۲...... اگر یہ خیال صحیح نہ ہو بلکہ حضراتِ شیخین کے دور میں تمتع معمول بہ ہو اور اس پر عام پابندی ونکیر نہ ہو، تو اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ اس کی تائید میں حوالہ کے ساتھ نقل فرما کر صحیح رہنمائی فرمائیں۔

۳...... حضراتِ شیخین کے دور میں قران یا اِفراد کی شکل میں حج ہوتا تھا اور طوافِ زیارت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جبراً وکرہاً (حتی کہ دُرّے سے پٹائی کر کے) آفاقی حجاج کرام کو اپنے اپنے وطن واپس کر دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں قیام نہیں کرنے دیتے تھے کیونکہ اب وہ احرام سے حلال ہو کر اپنے اصلی وضع قطع اور لباس وغیرہ میں آ گئے ہیں، اس لئے کہ کہیں مذکورہ بالا مفاسد پیدا نہ ہو جائیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جن بعض صحابہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- نے حج وعمرہ ایک ساتھ کرنے کو منع فرمایا ہے اس کی **تین وجوہ** حافظ ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھی ہیں: **ایک وجہ** یہ ہے کہ حج کی طرح عمرہ بھی مستقل عبادت ہے، اس کے لئے بھی مستقل سفر کیا جائے، جیسے کہ حج کے لئے کیا جاتا ہے، اس کو حج کے ضمن میں ادا کرنے سے اس کی استقلالی شان نہیں رہے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اوقات حج میں زائرین وطائفین سے بیت اللہ معمور رہتا ہے اسی طرح غیر اوقاتِ حج میں بھی معتمرین سے معمور رہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ حجاج ومعتمرین سب ہی ایک وقت میں جمع

ہوں تو ازدحام زیادہ ہوکر سب کو ضیق ہوتی ہے، اس سے حفاظت رہے اور مناسک بہ آسانی ادا ہوں، لہٰذا جو کچھ اختلاف ہے وہ حظر واباحت کا اختلاف نہیں بلکہ افضلیت کا اختلاف ہے:

"وقد روى عن أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى هذه المتعة رواياتٌ ظاهرها يقتضى الاختلاف فى إباحتها، وإذا حصلت، كان الاختلاف فى الأفضل، لا فى الحظر والإباحة". كذا فى أحكام القرآن: ۱/۲۸۲(۱)۔ "وذلك لمعان: أحدها: الفضيلة، ليكون الحج فى الأشهر المعلومة له، و يكون العمرة فى غيرها من الشهور. والثانى أنه أحب عمارة البيت ويكثر زواره فى غيرها من الشهور. والثالث: أنه راى إدخال الرفق على أهل الحرم بدخول الناس إليهم، فقد جاء ت بهذه الوجوه أخبار مفسرة عنه، اهـ". أحكام القرآن(۲)۔

پھر وہ اخبار بھی سند کے ساتھ نقل کی ہیں جن سے ان وجوہ پر استدلال مقصود ہے، اس کے بعد اپنی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہونچا کر لکھا ہے:

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت عمر رضى الله تعالىٰ عنه يقول: "لو اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم حججت لتمتعت". ففى هذا الخبر اختياره للمتعة، فثبت بذلك أنه لم يكن ما كان منه فى أمر المتعة على وجه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإنما كان على وجه اختيار المصلحة لأهل البلد تارةً و لعمارة البيت أخرىٰ". أحكام القرآن: ۱/۲۸۵(۳)۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلى الحج: ۱/۳۹۰، قديمى)

(۲) (أحكام القرآن للجصاص، المصدر السابق)

"وزعم من صحح نهى عمر عن التمتع، أنه إنما نهى عنه، لينتجع البيت مرتين أو أكثر فى العام، حتى تكثر عمارته بكثرة الزوار له فى غير الموسم، و أراد إدخال الرفق على أهل الحرم بدخول الناس تحقيقاً لدعوة إبراهيم". (تفسير القرطبى، (سورة البقرة، آيت: ۱۹۶) : ۲/ ۲۵۶، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۳) (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلى الحج: ۱/۳۹۰، قديمى)

(ومصنف ابن أبى شيبة، باب فى المتعة من كان يراها أو يرخص فيها: ۳/۲۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق سنئے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: لأن اعتمر فی شوال، أو فی ذی القعدة، أو فی ذی الحجة فی شهر یجب علیّ فیه الهدی أحب إلیّ من أن أعتمر فی شهرٍ لا یجب علیّ فیه، اهـ". أحکام القرآن: ۱/۲۸۵(۱)۔

بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانۂ حصار ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں عمرہ کے لئے جانا اور جب فتنہ کی وجہ سے بعض اولاد نہ جانے کا مشورہ دیا تو یہ فرمانا منقول ہے:

"عن نافع أن بعض بنی عبد اللّٰه قال له: لو أقمت العام، فإنی أخاف أن لا تصل إلی البیت، قال: خرجنا مع النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فحال کفار قریش دون البیت، فنحر النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم هدایاه، وحلق، و قصر أصحابه، أشهدُکم أنی أوجبت عمرةً، فإن خلی بینی و بین البیت، طفتُ، وإن حیل بینی و بین البیت، صنعت کما صنع رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فسار ساعةً، ثم قال: ما أری شانهما إلا واحدة، أشهدُکم أنی قد أوجبت حجةً مع عمرة، اهـ". بخاری شریف، ص: ۶۰۱ (۲)۔

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد اشکال باقی نہیں رہے گا۔

تنبیہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمتع سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اجازت دی ہے، کما فی أحکام القرآن: ۱/۲۸۵ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۸۵ھ۔



(۱) (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)
(وکذا فی حاشیة موطا الإمام مالک، باب ماجاء فی التمتع، ص: ۳۵۴ مکتبه میر محمد کراچی)
(۲) (صحیح البخاری، باب غزوة الحدیبیة، لقول الله تعالیٰ: ﴿لقد رضی الله عن المؤمنین إذیبایعونک تحت الشجرة﴾ الآیة: ۲/۶۰۱، قدیمی)
(۳) "وعن قتادة قال: سمعت جریّ بن کلیب یقول: رأیت عثمان ینهی عن المتعة وعلیٌّ یأبها، الخ". (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)

باب الحج عن الغیر
(حجِ بدل کا بیان)

حجِ بدل

سوال[۵۱۲۷]: جس شخص نے اپنا حجِ فرض پہلے ادا نہ کیا ہو، وہ دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ ہے، بحر: ۳/ ۷٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۵۱۲۸]: زید کی تجارت اور کاروبار مدراس شہر میں تھا اور اصل مکان اور اہل وعیال مدراس سے ۵۷/میل کے فاصلہ پر ہے، زید مدراس سے ہفتہ عشر میں ایک مرتبہ وطن آیا کرتا تھا، اس اثناء میں زید نے حج کا قصد کیا، حج کی تیاری سے فارغ ہوکر مکان سے رخصت ہوتے ہوئے مدراس پہنچا اور حج کے ٹکٹ بھی خرید لئے، بمبئی کے ریل پر سوار ہونے کے قبل دفعتاً بیمار ہوکر ایک ہفتہ کے عرصہ میں اس بیماری میں انتقال ہوگیا۔ ایسی صورت میں زید سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا بدل کرانا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ثم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ لم یقید الحاج عن الغیر بشيء لیفید أنه یجوز إحجاج الصرورة: و هو الذی لم یحج أولاً عن نفسه، لکنه مکروه، کما صرحوا به، الخ ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیه)

(و کذا فی إرشاد الساری، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۰۰، مصطفی محمد مصر)

(و کذا فی رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی حج الصرورة: ۲/ ۶۰۳، سیعد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراسی سال زید کے ذمہ حج فرض ہوا تھا اوراس سے قبل زید میں اتنی وسعت نہ تھی کہ اس پر حج فرض ہوتا اوروقتِ حج آنے سے پیشتر زید انتقال کرگیا تو زید کے ذمہ میں حج نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں، کیونکہ ادائے حج کے لئے زید نے کوئی وقت نہیں پایا۔ اس سال سے قبل حج فرض نہیں ہوا وسعت نہ ہونے کی وجہ سے، اس سال وسعت ہوئی، اورزید نے ارادہ ہی کرلیا مگر قضائے الٰہی سے وقتِ ادائے حج سے قبل انتقال ہوگیا۔

اگراس سے قبل اس کے ذمہ حج فرض ہوچکا تھا اوراس نے ادانہیں کیا، امسال یہ واقعہ پیش آیا تو زید کے ذمہ فرض باقی رہ گیا اورنہ کرنے سے گناہ گار رہا، اس کے ذمہ واجب تھا کہ مرنے سے پہلے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کرتا، پس اگر وصیت کی ہے تو حسبِ وصیت تو اس کی طرف سے حج کرانا فرض ہے (۱)، لیکن اس کے ترکہ میں سے ایک ثلث مال سے اس کی وصیت کا پورا کرنا فرض ہے، اگرایک ثلث میں حج ہوسکتا ہے تب تو خیر، ورنہ اگر ورثاء بالغ ہوں اوروہ اجازت دیں تب بھی حج کرادیا جائے۔

اگرایک ثلث میں حج نہ ہوسکتا ہواورورثاء نابالغ ہوں یا ورثہ بالغ ہوں، اگرایک ثلث سے زائد خرچ کرنے کی اجازت نہ دیں (۲) (ایک ثلث تو بغیر اجازت کے بھی خرچ کرنا ضروری ہے) تو جس جگہ ثلث میں سے حج ادا ہوسکے، حج کرانا کافی ہوگا (۳)۔

---

(۱) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۲/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ۲۵۸/۱، رشيديه)

(۲) "فإن أجازت الورثة و هم كبار، جاز، وإن لم يجيزوا، لا يجوز ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۲۵۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۵۵۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲۱۳/۲، سعيد)

(۳) "الحادي عشر أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث، وإلا فمن حيث يبلغ، كماسيأتي بيانه ". (ردالمحتار، مطلب: شروط الحج عن الغير عشرون: ۶۰۰/۲، سعيد) .... =

اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ حج کرانا ضروری اور فرض نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے روپیہ سے (خواہ وہ روپیہ زید کے ترکہ سے ہی ملا ہو) حج کرادیں تو زید کو ثواب پہونچ جائے گا(۱)۔

"خرج المكلف إلى الحج، و مات في الطريق، وأوصى بالحج عنه، إنما تجب الوصية به إذا أخره بعد وجوبه، أما لو حج عن عامه فلا، فإن فسر المال أو المكان، فالأمر عليه: أي على ما فسره، و إلا فيحجج عنه من بلده إن وفى به ثلثه، وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً". در مختار: ۲/۳۷۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

ایضاً

سوال[۵۱۲۹]: حاجی صاحبان کو چندہ کرکے یا کچھ لوگ اپنی خواہش سے اپنے صرفہ سے حج کے

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك الوصية بالحج: ۲/۵۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۱/۲۵۹، رشيديه)

(۱) "و من مات وعليه فرض الحج و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، و أرجوا أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۶، مصطفى محمد مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳ سعيد)

"فيجب عليه أن يوصي به، فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته مع إمكان الأداء في الجملة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

لئے روانہ کریں تو اسکے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص حج کو نہ جاسکے وہ اپنی طرف سے یا کسی میت کی طرف سے حجِ بدل کو بھیجے تو یہ درست ہے، جس کی طرف سے حج کیا جائے گا اس کا حج ادا ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۰ھ۔

والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۳۰]: ایک شخص حج کے لئے جارہا ہے اور اپنے ساتھ دو شخصوں کو اپنے سرمایہ سے لے جارہا ہے، اس کا خیال ہے کہ ان دونوں سے اپنے والد اور دادا کی طرف سے حج کراؤں مگر والد اور دادا کی طرف سے حج کی کوئی وصیت نہیں ہے، محض تبرعاً یہ ان کی طرف سے حج کرا رہا ہے تو حجِ بدل کرانا اپنے والد اور دادا کا زیادہ بہتر ہے یا نفلی حج اپنی طرف سے کرنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنی طرف سے حجِ بدل کراکے والد اور دادا کو ثواب پہونچادے(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "فمن عجز عن حج الفرض، فأحج غيره صح حجه، و يقع عنه: أي يقع عن الآمر أصل الحج". (الدر المنتقیٰ شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دار إحياء التراث بيروت)

"وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المُحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات، الخ". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسک، الحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن کراچی)

"وإن أذن له الآمر بذلک: أي بدفع المال إلى غيره عند حصول عجزه، جاز: أي وقوع الحج عنه، أو جاز دفع المال إلى غيره ليحج عنه". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۳، مصطفى محمد مصر)

(۲) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً .... أو حجاً أو =

حجِ بدل میں والدین کی طرف سے قران وغیرہ کی نیت کرنا

سوال[۵۱۳۱]: اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنے میں عربی میں حجِ قران کی نیت، طواف کی نیت اور قربانی کے وقت منی کی جگہ پر ماں یا باپ کا نام لیا جائے، یا صرف یہ کہے کہ اپنے والد بزرگوار کی طرف سے یا اپنی والدہ محترمہ کی طرف سے نیت کرر ہاہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیت تو اصالۃً دل سے ہوتی ہے، زبان سے عربی میں کہے یا اردو میں ہر طرح درست اور کافی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا حج بدل میں نام لینا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۳۲]: حجِ بدل میں لبیک پڑھتے وقت جس کی جانب سے حج بدل کیا جاتا ہے اس کا نام بھی لبیک میں ملانا ضروری ہے، اگر ضروری ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ پوری تفصیل سے لکھیں اور کس جگہ تلبیہ

= عمرةً أو غير ذلك .... والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير، و يفعله لنفسه، ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، ۱۰۶، رشيديه)

"والأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الأدلة". (الدر المختار، باب الحج عن الغير ۲/۵۹۵، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا في مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۴۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "(وينوى النائب عنه) الحج (فيقول: لبيك بحجة عن فلان) .... وإن اكتفى بنية القلب، جاز. ولو نسي اسمه فنوى عن الآمر، صح". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ويشرط نية الحج عنه: أي عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسي اسمه فنوى عن الآمر، صح، و تكفي نية القلب". (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۸، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۲، مصطفى محمد مصر)

میں نام لیا جائے اور پورا تلبیہ لکھ کر بھیجیں تا کہ حج بدل صحیح ہو جائے۔ عام طور پر لوگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی حج کی طرح نسبت وغیرہ کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی ضروری نہیں ہے، دل میں یہ نیت کافی ہے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا ہوں۔ اگر احرام کے وقت اس کی طرف سے احرام کی نیت نہیں کی اور اعمالِ حج شروع کر دیئے تو حجِ بدل صحیح نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجِ بدل کے لئے ذوالحلیفہ سے احرام

سوال[۵۱۳۳]: حج بدل میں جانے والے کے لئے حج سے پہلے مدینہ جانا اور ذوالحلیفہ (بیرِ علی) سے احرام باندھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ آمر کی میقات سمندر میں محاذاتِ یلملم ہے۔ کیا اس میں آمر کا حج خراب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اِذنِ آمر سے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "وبشرط نية الحج عنه: أى عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح، وتكفى نية القلب". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدينؒ: "(قوله: ولو نسى اسمه ولو أحرم مبهماً: أى بأن أحرم بحجة وأطلق النية عن ذكر المحجوج عنه، فله أن يعينه من نفسه أو غيره قبل الشروع فى الأفعال، كما فى اللباب وشرحه". (ردالمحتار: ۵۹۸/۲، ۵۹۹، سعيد)

(وكذا فى ارشاد السارى، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۲، مكتبه مصطفىٰ محمد مصر)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۱۲/۳، ۱۱۳، رشيديه)

(۲) "(الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أى ثلث مال الميت (وإن لم يتسع): أى الثلث=

مامور بالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا

سوال[۵۱۳۴]: (الف) حجِ بدل والے کوتمتع کرنامحتاط علماءمنع کرتے ہیں،اب آج کل جہازوں

= (يحج عنه من حيث يبلغ) .... (ولو أوصى): أى من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى): أى على وفق ما أوصى به (قرب) أى ذلك المكان الوصى به (من مكة أو بعد) .... اهـ". (المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط)

وفى ارشاد السارى: "قوله من حيث يبلغ : أقول : فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذالك، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما ستقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلك، فلو أحرم المأمور من مكة، لايصح . وإطلاق المتن هنا يقتضى الجواز، ولم أر من تعرض لذلك، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلك عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا، كما سيصرح به الشيخ رحمه الله بقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى". (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، فصل فى شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دارالكتب العلميه بيروت)

"میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لےاور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دوتین ذی الحجہ کومیقات (ذوالحلیفہ) اگر حج افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے،اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا:

"قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغى أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عنى بهذا المال كيف شئتَ، إن شئتَ حجةً، وإن شئت حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۷ . (زبدة المناسك: ۱۵۸/۲)

(وكذا فى فتاوىٰ رحيميه، كتاب الحجّ، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والا کون سا احرام باندھے؟: ۱۲۸/۸، ۱۲۹، دارالإشاعت كراچى)

(وكذا فى جواهر الفقه: ۵۰۸/۱، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا فى أحسن الفتاوى: ۵۲۳/۴، سعيد)

(وكذا فى معلم الحجاج، ص: ۲۲۸ إدارة القرآن كراچى)

کے ٹکٹوں کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ کبھی بہت پہلے جانے کی صورت ہوجاتی ہے، اس لئے حج بدل میں جانے والے بعض ذی علم یہ صورت کرتے ہیں کہ پہلے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں اور وہاں سے واپسی میں ذوالحلیفہ سے حج بدل کے لئے اِفراد کا احرام باندھتے ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے لئے بھی بھیجنے والے کی اجازت ضروری ہے؟

(ب) اسی طرح اگر بھیجنے والے کی اجازت سے حجِ بدل والا قبل از رمضان جاوے اور بیس پچیس رمضان تک مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر اَشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے مدینہ چلا جاوے، پھر ابتدائے ذی الحجہ میں وہاں سے حجِ بدل کے لئے اِفراد کا احرام باندھ کر آئے تو جائز ہے یا نہیں؟

شبیر محمود سورتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے۔

(ب) یہ بھی اجازت سے درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) ’’(الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أی ثلث مال المیت (وإن لم يتسع): أی الثلث (يحج عنه من حيث يبلغ) .... (ولو أوصى): أی من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى): أی علی وفق ما أوصى به (قرب) أی ذلک المکان الوصی به (من مكة أو بعد) .... اھ‘‘. (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط)

وفی ارشاد الساری: ’’(قوله: من حيث يبلغ): أقول: فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذالک، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط علی ما يتقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلک، فلو أحرم المأمور من مكة لايصح. وإطلاق المتن هنا يقتضی الجواز، ولم أر من تعرض لذلک، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلک عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا كما سيصرح به الشيخ رحمه الله بقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى‘‘. (ارشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصل فی شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دار الكتب العلميه بيروت) .... =

حج بدل والے کومدینہ طیبہ پہلے جانا

سوال[۵۱۳۵]: ہندوستان سے حج بدل کرنیوالے اگر جدہ سے سیدھے مدینہ شریف چلے جائیں اورحج کے قریب کے دنوں میں اِفراد کااحرام باندھ کرحج کریں تو کسی قسم کی قباحت تونہیں؟ اگرایسا حاجی رمضان سے پہلے والے جہاز سے سفرکرے اورسیدھا مکہ شریف جائے اورشوال آنے سے پہلے وہاں سے مدینہ شریف چلا جائے اورآخر میں اِفراد کااحرام باندھ کرحج کرے تواس میں کوئی قباحت تونہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرآمر کی طرف سے اجازت ہوتو اس میں کوئی قباحت نہیں، دونوں صورتیں اختیار کرسکتا ہے(۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۶/۶/۸۹ھ۔

= ''میرامشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والاشخص آمر سے ہرقسم کے احرام کی اجازت لے لےاورسب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دوتین ذی الحجہ کومیقات (ذوالحلیفہ) اگرحجِ افراد کااحرام باندھے، پھرمکہ آجائے اس صورت میں آٹھ روزاحرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔

"قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني بهذا المال كيف شئتَ، إن شئت حجةً، وإن شئتَ حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۷". (زبدة المناسک: ۲/۱۵۸)

(وكذا في فتاویٰ رحيميه، كتاب الحج، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والاکون سااحرام باندھے؟:۸/۱۲۸، ۱۲۹، دارالإشاعت کراچی)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم کراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۵۲۳، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۴۲۸ إدارة القرآن كراچی)

(۱) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن".
(الدرالمختار، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا": ۲/۶۱۱، سعيد) =

حجِ بدل میں پہلے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری

سوال[۵۱۳۶]: ۲۸/شوال المکرّم کے جہاز سے میں حجِ بدل کے لئے روانہ ہورہا ہوں، جو۵/ ذیقعدہ تک جدہ پہونچے گا۔ موسم سرما کی وجہ سے پہلے مدینہ منورہ جانے کے بجائے عمرہ کا احرام باندھ کر مکۃ المکرّمہ جانے کا خیال تھا، مگر معلوم یہ ہوا کہ بدل میں حج کرنے والا صرف افراد کرسکتا ہے، تمتع کی کوئی گنجائش نہیں، اگر ایسا ہے تو اولاً مدینہ منورہ جانا ناگزیر ہوجائے گا، کیونکہ اس موسم میں ایک مہینہ دس روز تک حالتِ احرام میں رہنا تو بہت دشوار ہے، لہٰذا مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے۔ اگر جدہ سے مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کے حلال ہوجانے کی کوئی شرعی گنجائش ہوتو بتلادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ مبارک مبارک ہو

زہے سعادتِ بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیتِ خدا وگہے بہ بیتِ رسول

حق تعالیٰ بہت سہولت وعافیت کے ساتھ جملہ مناسک پورے کرائے اور ہر قسم کی جنایت سے محفوظ رکھے، مقاماتِ مقدس کے آداب کی رعایت پوری توفیق دے، بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ ترقیات سے نوازے۔ روزۂ اقدس پر اس سیاہ کار کی طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام پیش فرماویں۔

آپ جدہ سے اتر کر پہلے درِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری دیں، پھر وہاں کی شفاعت اور دعاء ساتھ لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوں، یہی اسلم وارجح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

= (وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في فتاوى رحيميه: ۸/۳۱۲، ۳۱۳، دار الإشاعت كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۵۲۳، سعيد)

(۱) جب کہ مذکورہ خدشات اور اعذار سامنے ہوں تو اس صورت میں حجِ بدل والا شخص زیارتِ مدینہ کو حج پر مقدم کرسکتا ہے:

"وزيارة قبره مندوبة، بل قيل واجبة لمن له سعة، ويبدأ بالحج لو فرضاً، ويخير لو نفلاً، مالم =

حجِ بدل میں تمتع

سوال[۵۱۳۷]: مشہور واعظ حضرت شاہ ولی صوفی مولانا محمد روح الامین مفتیٔ اعظم جمعیۃ العلماء بنگال جو کہ ایک زبردست اور محقق عالم گذرے ہیں، ان کی تصنیف کردہ کتاب مسائل حج ص: ۱۳۰، میں انہوں نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

''منیب یا وصی اگر نائب کو پورا اختیار دے دے تو اس کے تمتع کرنا بلاشبہ جائز ہے اور اس سے حج بھی ادا ہو جاتا ہے''۔

مگر حضور عالی کا لکھا ہوا فتویٰ جو کہ معلم الحجاج میں مرقوم ہے، اس کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے(۱)،

= مالم يمرّ به فيبدأ بزيارته لامحالة". (الدر المختار). "قال في شرح اللباب: وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إذا كان الحج فرضاً، فالأحسن أن يبدأ بالحج، ثم يثني بالزيارة. وإن بدأ بالزيارة، جاز، اهـ. وهو ظاهر ؛ إذ يجوز تقديم النفل على الفرض إذا لم يخش الفوات بالإجماع". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الهدى، مطلب في تفضيل قبره المكرم -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- : ۶۲۷/۲، سعيد)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: إنها أفضل المندوبات، وفي مناسک الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة . والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة . وإن كان نفلاً بالخيار". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحج، خاتمة في قبر النبي صلى الله تعالىٰ تعالىٰ عليه وسلم مطلب: زيارة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۶۵/۱، رشيديه)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: من أفضل، وفي مناسک الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة، روى الدار قطني، والبزاز عنه -عليه الصلوة والسلام-: "من زار قبري وجبت له شفاعتي، وأخرج الدار قطني أيضاً "من حج وزار قبري بعد موتي، كان كمن زارني في حياتي". هذا، والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة . وإن كان تطوعاً، كان بالخيار". (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: ۱۷۹/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) مفتی سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آمر کی مخالفت نہ کرنا، اگر آمر نے افراد یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان واجب ہوگا اور حج مامور کا ہوگا۔ اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان =

....

= دینا ہوگا۔ البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دمِ قران اپنے پاس سے دینا ہوگا، آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں۔ اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں، اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا

(وفی حاشیتہ) ''حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو گو ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

امام الناسکین ملا علی القاری نے شرح لباب میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نور اللہ مرقدہ) نے زبدۃ المناسک میں عدمِ جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن أبی داؤد (برد اللہ مضجعہ) بھی عدمِ جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے۔

اس لئے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور آمر کو چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کر دے کہ تمتع نہ کرے''۔ سعید احمد غفرلہ۔ (**معلم الحجاج**، حج بدل کے شرائط، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، **إدارة القرآن كراچی**)

[تنبیہ]: حج بدل میں قران اور افراد کا جواز محقق ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس میں تمتع کرے تو اس کی بھی گنجائش فقہائے کرام کی عبارات میں ہے، اردو فتاویٰ اور اس طرح عربی فتاویٰ میں اس کا جواز ملتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''خاکسار کے پاس عدۃ ارباب الفتویٰ اور فتاویٰ اسعدیہ موجود نہیں، اپنے پاس کی موجودہ کتابوں میں جہاں تک میں نے غور کیا، مجھے یہ معلوم ہوا کہ حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کر سکتا ہے............اھ۔

لیکن اس عدمِ جواز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میقات آمر سے احرام باندھا جانا شرط تھا، بلکہ عدم جواز کی وجہ مخالفت آمر ہے اور جب کہ آمر نے صرف حج کا امر کیا ہو تو اس وقت بظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو تو اس ظاہرِ حال کی دلالت سے مطلقِ حج کی آمر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کر دیا ہے اور اس صورت میں نہ صرف تمتع بلکہ =

بہر کیف جو قابلِ ترجیح بات ہو عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اور بھی بعض علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن ہمیں کتبِ فقہ: شامی، بحر، غنیہ وغیرہ سے وہی راجح معلوم ہوا جو معلم الحجاج میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۶۷ھ۔

= قران کو بھی مخالفتِ آمر کی مدشمار کیا ہے، حالانکہ قارن کا حج آفاقی ہے نہ مکی:

"فيصير مخالفاً بالقران أو التمتع، كما مر" (درمختار) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلافيصر مخالفاً، فيضمن، انتهى"، (درمختار: ۲/۱۱ ۶)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوگیا کہ اگر حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کرے تو جائز ہے"۔(كفايت المفتي، كتاب الحج: ۳۵/۴، ۳۴۶، دار الاشاعت كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاویٰ، كتاب الحج: ۵۲۳/۴، سعيد)

(۱) "(وينبغي للآمر أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني): أي بهذا (كيف شئتَ مفرداً أوقارناً أو متمتعاً) فيه أن هذا القيد سهوٌ ظاهرٌ؛ إذِ التفويض المذكور في كلام المشايخ مقيدٌ بالإفراد والقران لاغير، ففي الكبير: قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: إذا أمر غيره أن يحجّ عنه، ينبغي أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني بهذا كيف شئتَ، إن شئت حجةً، وإن شئتَ فاقرنْ. والباقي من المال وصية له، لكي لايضيق الأمر على الحاج، ولايجب عليه الرد إلى الورثة، انتهى كلامه.

وقد سبق أيضاً أن من شرط الحج عن الغير أن يكون ميقاتياً افاقياً وتقرر أن بالعمرة ينتهي سفره إليها ويكون حجه مكياً. وأما ما في قاضيخان من التخيير بحجة أو عمرة وحجة أو بالقران، فلا دلالة على جواز المتمتع؛ إذ الواو لاتفيد الترتيب، فيحمل على حج وعمرة بأن يحج أولاً عنه، ثم يأتي بعمرة أيضاً فتدبر؛ فإنه موضع خطرٍ". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)

في إرشاد الساري "(قوله: إن هذا القيد سهو ظاهر) قال القاضي عيد في شرحه لهذا الكتاب: =

ایضاً

سوال [۵۱۳۸]: جیسا کہ معلم الحجاج میں ہے کہ ''اگر زندہ ہو اور اس کی طرف سے تمتع کی اجازت ہو تو کر سکتا ہے''۔ اور یہ کہ معلم الحجاج میں اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں، وہ مسئلہ وصیت کرنے کی صورت میں ہے۔ اب حضرت والا مزید اطمینان کے لئے تحریر فرمائیں۔ مولانا سعید احمد خان صاحب نے یہ جواب دیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

معلم الحجاج میں حج بدل کے مسائل کے تحت یہ تشریح وتفصیل نہیں ہے کہ: ''اگر زندہ ہے تو یہ حکم ہے، مرگیا ہے تو یہ حکم ہے'' بلکہ مطلقاً حجِ بدل میں تمتع کو منع کیا ہے اگرچہ آمر کی طرف سے اجازت ہوحتی کہ حاشیہ معلم الحجاج، ص: ۳۰۷ میں تصریح کی ہے:

''حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کرکے اس کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے اور اس کو چاہئے کہ حجِ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے''(۱)۔

ظاہرِ عبارت سے تو یہ استفادہ ہوتا ہے کہ آمر زندہ ہے، اگر زندہ نہ بھی ہو تب بھی اس کے امر کے بعد مرگیا ہو تو اس کے امر کی پابندی دونوں حالت میں مامور کو لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۹ھ۔

= ولا يخفى أن هذا سهو منه، لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور، صح، ولا يكون مخالفاً بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف، فيدبر". (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل فی النفقة، ص: ۵۰۳، ۵۰۴، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۳۲۸ إدارة القرآن کراچی)

''تنبیه: پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے''۔ (زبدة المناسک مع عمدة المناسک، ص: ۴۵۶، سعید)

(وکذا فی جواهر الفقه: ۱/۵۱۶، دارالعلوم کراچی)

ایضاً

سوال[۵۱۳۹]: ایک شخص حج کے لئے جارہا ہے اوراپنے ساتھ والدین کی طرف سے بغیر وصیت کئے ہوئے حجِ بدل کے لئے دوشخصوں کو اپنے خرچ سے لے جارہا ہے، یہ دونوں شخص اگر حجِ بدل کریں بغیر کسی وصیت کے تو کیا ان کے لئے یلملم ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے؟ اگر یہاں سے احرام باندھا جائے تو بڑا لمبا زمانہ احرام کا ہوجائے گا، اس کی پابندیوں کا نبھانا مشکل ہے۔ اگر یہ دونوں جدہ سے مدینہ پاک سیدھے جائیں تو بھی جس مقصد کے لئے ان کو ساتھ لیا ہے، وہ فوت ہوجائے گا اور سب رفقاء کا سیدھے مدینہ جانا مشکل ہے۔ تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھیں اور مکۃ المکرّمہ جاکر عمرہ کے ارکان سے فارغ ہو کر احرام کھولدیں اور حج کا احرام یہ دونوں شخص جدہ آکر باندھیں؟

مولانا منظور نعمانی نے ''الفرقان'' کے شعبان ۸۷ھ دسمبر ۶۷ء کے پرچہ میں اپنی رائے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دوسرے حضرات کی رائے بھی نقل کی ہے کہ ''ہندوستان و پاکستان سے آنے والے حضرات کے لئے جدہ میں احرام باندھنا صحیح ہے، اس سے پہلے جہاز میں احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، وہاں سے یلملم کی محاذات ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے احرام ضروری ہو''۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو تو یہ آمر کی میقات ہوجائے گی تو کیا اس میں کچھ گنجائش ہے کہ روپیہ دینے والے کی اجازت سے یہ تمتع کا احرام باندھیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''الفرقان'' کی اس تحقیق کے بغیر بھی نفلی حج بدل میں (بلا وصیت) تمتع کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) ''الرابع عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أوتمتع ولو للميت، لم يقع عنه ويضمن النفقة .... وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض. وأما النفل، فلا يشترط فيه شئ منها إلا الإسلام والعقل والتمييز''. (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۶۰۱، سعيد) ....=

حجِ بدل میں اِفراد ہو یا قران؟

سوال[۵۱۴۰]: ۱......حج بدل اگر میت کی طرف سے کیا جائے جب کہ اس نے حج کی قسم سے کسی قسم کا تعین نہ کیا ہو تو کون سی صورت مناسب ہے؟

۲......اگر حج بدل میں افراد کرنا ہو تو رمضان المبارک سے قبل والے جہاز سے روانہ ہوکر پھر ایامِ حج میں حج کا احرام میقات سے باندھنا کیسا ہے؟

۳......بمبئی سے جدہ اور جدہ سے مدینہ منورہ احرام کے بغیر جاکر پھر ایامِ حج میں حجِ بدل لے کر افراد کا احرام باندھ کر آنا کیسا ہے؟

۴......حجِ بدل میں تمتع اور قران کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ تمتع کی کوئی صورتِ جواز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......افراد کیا جائے (۱)۔

= (وكذا في المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الاحجاج، ص: ۴۹۶، دارالكتب العلميه بيروت)

"(وأما في الحج النفل فلا يشترط فيه شيء، الخ) قال العلامة الرافعي في تقريره على ردالمحتار: "الاقتصار على ماذكر من المستثنيات ظاهر فيما إذا حج عن غيره نفلاً مجاناً بلا أمر، أما إذا كان بأمر ومال، فينبغي أن يشترط عدم المخالفة أيضاً، والإنفاق من مال المحجوج عنه ليحصل له ثواب الإنفاق، الخ". (إرشاد الساري إلى المناسك الملا على القاري على هامش المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۹۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في تقريرات الرافعي على ردالمحتار، باب الحج عن الغير: ۱۷۱/۲، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۵۰۸/۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في فتاوى رحيميه: ۳۱۲/۸، ۳۱۳، دار الاشاعت كراچی)

(۱) "(الثالث عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد): أي للحج أو العمرة (فقرن): أي عن الأمر، فهو مخالف ضامن عند أبي حنيفة، وعندهما يجوز ذلك عن الآمر استحساناً. وأما لو نوى بأحدهما عن نفسه أو عن غيره، والآخر عن الآمر فهو مخالف ضامن إجماعاً، كذا في المحيط .... (أو تمتع): أي =

۲......درست ہے(۱)۔

۳......درست ہے(۲)۔

۴...... جب وصیت کے ماتحت بدل میں حج فرض ادا کرنا ہوتو تمتع نہ کیا جائے، قران کی گنجائش ہے لیکن دمِ قران مامور پر لازم ہوگا(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

= بأن نوى العمرة عن الميت ثم حجه عنه، فإنه يصير مخالفاً إجماعاً على مافي البحر الزاخر، ولعل وجهه أنه مأمور بتجريد السفر للحج عن الميت، فإنه الفرض عليه، وينصرف مطلق الأمر إليه". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن". (الدرالمختار). "أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، فقد خالف أمر الآمر فضمن". (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲/ ۶۱۱، سعيد)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حج بدل میں افراد ہے ورنہ قران اور تمتع کے لئے اجازت لینا ضروری ہے۔

معلم الحجاج میں ہے: "حج بدل والے کو تمتع کرنا جائز نہیں، بلکہ افراد کرنا چاہیے"۔ (معلم الحجاج، ص: ۳۲۸، ادارة القرآن کراچی) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: "حج بدل میں افراد کیا جائے"۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۲۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۱) "أن الآفاقي الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج، ثم عاد إلى الميقات وأحرم هل يصح عن الآمر؟ قيل: لا، وقيل: نعم .... قلت: وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات وأحرم. والجواب عن (قوله: لأن سفره حينئذ لم يكن للحج) أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياماً لبيع أو شراء مثلاً، ثم يدخل المكة، لم يخرج عن أن يكون سفره للحج، كما لو قصد مكاناً آخر في طريقه ثم النقلة عنه". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/ ۴۷۷، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن". (الدرالمختار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲/ ۶۱۱، سعيد) =

بیمار کا حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۴۱]: ایک شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کے لئے تیار بھی تھا، لیکن حج کرنے سے قبل ایک شدید مرض میں مبتلا ہوگیا کہ اطباء نے حکم دیا کہ چار چھ ماہ سے قبل اس کو شفاء ہونی مشکل ہے۔ تو کیا یہ شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیج سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی تو حج بدل کے لئے نہ بھیجے بلکہ علاج کرائے، اگر شفاء ہوجائے تو خود حج کرے ورنہ اخیر وقت میں جب خود جانے سے مایوس ہوجائے تو اس وقت حج بدل کی وصیت کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "وإنما وجب دم القران على المأمور .... وأطلق في القران، فشمل ما إذا أمره واحد بالقران فقرن". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۱٦/۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۳۰۹/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

[**تنبيه**] (حجِ بدل میں تمتع ناجائز ہے، فیلراجع، ص: ۴۱٦، رقم الحاشية: ۱)

(۱) "وفي العبادات البدنية المعتبر الوسع، و لا يعتبر العجز للحال؛ لأن الحج فرض العمر، فيعتبر عجز مستغرق لبقية العمر ليقع بها اليأس عن الأداء بالبدن، فقلنا: إن كان عجزه بمعنى لا يزول أصلاً كالزمانة، يجوز الأداء بالنائب مطلقاً. و إن كان عارضاً يتوهم زواله بأن كان مريضاً أو مسجوناً، فإذا أدى بالنائب كان ذلك مراعى، فإن دام به العذر إلى أن مات تحقق اليأس عن الأداء بالبدن، فوقع المؤدى موقع الجواز. وإن برئ من مرضه تبيّن أنه لم يقع فيه اليأس عن الأداء بالبدن، فكان عليه حجة الإسلام، والمؤدى تطوع له". (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره: ۱۳۸/۲، حبيبيه كوئٹه)

"تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة بزوال العذر". (الدرالمختار). "(قوله: لأنه فرض العمر) تعليل لاشتراط دوام العجز إلى الموت: أي فيعتبر فيه عجز مستوعب لبقية العمر ليقع به اليأس عن الأداء بالبدن". (ردالمحتار، باب=

ایضاً

سوال[۵۱۴۲]: زید مالدار ہے، حج اس پر فرض ہے، لیکن آنت اترنے کا عارضہ ہے اور بیماری ہے، آنکھ کی روشنی بھی کم ہے، زید چاہتا ہے کہ حج بدل کرالیا جائے۔ اب آپ فرمایئے کہ ایسی صورت میں زید کا حج بدل ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرض کی وجہ سے زید خود جا کر ارکانِ حج ادا نہیں کرسکتا تو اس کے لئے درست ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حجِ بدل کرائے، لیکن اگر زید پھر خود حج کرنے کے قابل ہو گیا تو خود کرنا لازم ہوگا، یہ حج بدل کافی نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۹ھ۔

= الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/ ۵۹۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الحج عن الغير: ۱/ ۵۴۷، دار المعرفة بيروت)

(ومعلم الحجاج، ص: ۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المُحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، ودام عجزه إلى أن مات. أما إذا زال عجزه بعد ذلك، فلا يسقط عنه حج الفرض .... رجل أحجّ رجلاً وهو مريض، فلم يزل مريضاً حتى مات، فهو جائز عن حجة الإسلام. وإن صح، لايجزيه عن حجة الإسلام". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲/ ۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

"(قوله: حتى تلزم الإعادة بزوال العذر): أي العذر الذي يُرجى زواله كالحبس والمرض، بخلاف نحو العمى، فلا إعادة لو زال على مايأتي". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/ ۵۹۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/ ۳۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حج بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا، تو دوبارہ حج فرض نہیں

سوال[۵۱۴۳]: اگر کوئی نابینا شخص قائد نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرادے اور بعد کو قائد میسر آجائے تو کیا صاحبین کے قول کے مطابق دوبارہ حج ادا کرنا فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نابینا نے اگر حج بدل کرادیا، پھر اس کا عذر زائل ہوگیا، مثلاً بینائی آ گئی، تب بھی اس کے ذمہ اپنا حج خود کرنا لازم نہیں، قائد ملنے کا مسئلہ بھی اسی سے واضح ہوگیا:

"هذا: أي اشتراط دوام العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله: أي يمكن. وإن لم يكن كذلك كالعمى والزمانة، سقط الفرض بحج الغير عنه، فلا إعادة مطلقاً، سواء استقر به ذلك العذر، أم لا، اهـ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۳ھ۔

میت کی طرف سے بلا وصیت حجِ بدل

سوال[۵۱۴۴]: "تکمیل القبور ترجمہ شرح الصدور" میں منجملہ چند احادیث کے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے: "بزار اور طبرانی نے بسندِ حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے حجِ اسلام یعنی حج فرض ادا نہیں کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "مجھ کو یہ بتا کہ اگر تیرے باپ کے ذمہ کسی

---

(۱) (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۹، سعيد)

"والعجز الدائم إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزمه الإعادة بزوال العذر إن كان يرجى زواله، وإن لم يرجى كالأعمى والزمانة يجب عليه الإحجاج، كمافى القهستانى عن المحيط. ولا يعيد مطلقاً، كما فى البحر عن المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۷، ۳۰۸، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۱/۳۰۹، فصل فى الحج عن الميت، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۸، رشيديه)

کا قرضہ ہوتا، کیا اس کی جانب سے تُو ادا کرتا؟'' تو اس نے عرض کیا کہ: ہاں، ضرور کرتا، آپ نے فرمایا کہ: ''یہ بھی تو اس کے ذمہ قرض ہے، سو تو اس کو ادا کر'' (۱)۔ اَور بھی کئی حدیثیں اس قسم کی ہیں۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص اتنا سرمایہ چھوڑ کر مرے جس سے حج ادا ہو سکتا ہے تو اس کے ورثاء کو لازم ہے کہ اس کے ترکہ سے پہلے اس کا قرض ادا کرے، چونکہ حج بھی جس پر فرض ہوگیا ہے قرض ہی میں داخل ہے، لہذا اس کو بھی ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے اس کو ورثاء حسبِ حصہ تقسیم کرلیں۔

احقر کو اس میں یہ تشویش ہو رہی ہے کہ چچا پٹواری کا ترکہ جو کئی ہزار روپیہ کی مالیت تھی، ہم لوگوں نے بلا اس کی طرف سے حج ادا کرائے سب ورثاء نے آپس میں تقسیم کرلیا تو ان کی حق تلفی کی گئی، اس کے سوا بہت سی جگہ ایسا معاملہ ہوا اور ہوتا رہتا ہے کہ قرضہ تو قرض خواہوں کی طلب پر ادا کردیا جاتا ہے، لیکن حج مُردہ کا کوئی نہیں کراتا۔ اس کا مواخذہ ورثہ سے ہوگا یا کیوں کر؟ جواب صواب سے ممنون فرمایا جاوے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کی طرف سے حج کرانا اس وقت واجب ہے جب کہ اس نے وصیت کی ہو، وہ بھی ایک ثلثِ ترکہ سے، بغیر وصیت واجب نہیں، اگر بغیر وصیت کوئی وارث اپنے حصے سے حج ادا کرادے، یا اپنی طرف سے اپنے مال سے ادا کرادے تو امید ہے کہ وہ میت مواخذہ سے بری ہوجائے، حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ میت کو مواخذہ سے بچانے کے لئے حج ادا کردو، یہ مطلب نہیں کہ اگر حج نہیں کروگے تو تم سے مواخذہ ہوگا اور ترکہ تقسیم کرنا ناجائز ہوگا، اگر آپ کے چچا نے وصیت نہیں کی تو آپ پر مواخذہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ۷/ ۶۴ھ۔

---

(۱) ''عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رجلاً سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ھلک أبی ولم یحج، قال: ''أرأیت لو کان علی أبیک دَینٌ فقضیته عنه أیتقبل منه''؟ قال: نعم، قال: فاحجج عنه''. (سنن الدار قطنی، کتاب الحج: ۲/ ۲۶۰، دارنشر الکتب الإسلامیه لاھور)

(۲) ''و من مات وعلیه فرض الحج و لم یوص به، لم یلزم الوارث أن یحج عنه، و إن أحب أن یحج عنه حجَّ، و أرجو أن یجزیه إن شاء اللہ تعالیٰ''. (التاتارخانیه، کتاب المناسک، الوصیة بالحج: ۲/ ۵۶۴، إدارۃ القرآن کراچی) .... =

والدمرحوم کی طرف سے حجِ بدل

سوال[۵۱۴۵]: زید کے والدمرحوم پر حج فرض تھا مگر نادانی اور غفلت کی وجہ سے فریضۂ حج ادا نہیں کرسکے، یہاں تک کہ ان پر ایسا بھی وقت آ گیا کہ وہ بہت مقروض ہوگئے اور مقروض ہوکر انتقال کرگئے اور اپنے حج کی کوئی وصیت نہیں کی۔ وصال کے بعد زید نے والدمرحوم کا سب قرض ادا کردیا، اب اس کے دل میں خیال گزرا کہ والدمرحوم کی جانب سے حجِ بدل کرادے اور اس فریضہ سے بھی ان کو سبکدوش کرادے، مگر اب زید پر بھی حج فرض ہے اور نقدروپیہ اتنا نہیں کہ خود بھی حج کے لئے جائے اور والد کا حج بدل بھی کرادے۔ تو اب مقدم کس کو کرے خود کو یا والدمرحوم کو؟ جس کو مؤخر کرے اگر اس کے لئے قرض لے کر ساتھ حج کرائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں، بہتر کیا ہے؟

نیز اس کے والد کا معیارِ زندگی بہت بلند تھا۔ اب زید چاہتا ہے کہ والد کے حجِ بدل کے لئے کسی ایسے شخص کو بھیجے جس کا معیارِ زندگی والد سے پست ہو، تاکہ کم سے کم روپیہ میں حج ہوجائے۔ تو کیا ایسا کرنے سے اس کے والد کا حج بدل درست ہوجائے گا اور وہ عنداللہ سبکدوش ہوسکیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے حج بدل کی وصیت نہیں کی تو ان کی طرف سے حج بدل کرانا فرض نہیں (۱) اور خود زید کے ذمہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۶، مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "ومن مات وعليه فرض الحج، ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حَجَّ، وأرجوا أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسک، الوصية بالحج: ۲/۵۶۴، إدارة القرآن كراچی)

"فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته .... حتى لا يلزم الوارث الحج عنه من تركته .... وإن أحب الوارث أن يحج عنه حجَّ، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، الخ".

(بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلميه بيروت) =

حج فرض ہے، لہذا اپنا حجِ فرض اول ادا کرے (۱)، پھر اگر وسعت ہو تو والد کی طرف سے بھی حج ادا کرادے، ان کو بھی ثواب پہونچ جائے گا۔ جس معیار کے آدمی سے جس قدر روپیہ بھی خرچ کر کے حج ادا کرادے گا اسی قدر ثواب پہونچ جائے گا۔ اگر انہوں نے وصیت کی ہوتی تو ادائے فرض کا حتمی حکم کیا جاتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیوی کو اپنے حج سے پہلے حجِ بدل کرانا

سوال [۵۱۴۲]: میں اپنی مرحوم بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ حج کر چکا ہوں، اب دوبارہ اپنی موجودہ بیوی کے ساتھ حج کا ارادہ ہے، لیکن بیوی کو حج بدل میں لیجانے کا ارادہ ہے اور اس نے اب تک حج نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے نام گذارے کے لئے پانچ ہزار روپیہ کے شیئر لکھ دیئے ہیں۔ پانچ ہزار روپیہ کے شیئر کا جو دیوان

= (وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۶ مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "فدل أنه لايجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، و لأن حجه عن نفسه فرض عليه، و حجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترك الفرض بماليس بفرض". (بدائع الصنائع، فصل في التعرض لنبات الحرم، كتاب الحج: ۳/۲۷۴، دار الكتب العلميه بيروت)

"إن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة، فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه تضيق عليه في أول سني الإمكان، فيأثم بتركه". (ردالمحتار، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۲۳، رشيديه)

(۲) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج يجوز عند استجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۲، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و إذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع شرائط الجواز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۱/۲۵۸، رشيديه)

(آمدنی) ملے گا، وہ استعمال کرے گی، اس کے علاوہ اس کو نکاح کے وقت میں نے ڈیڑھ ہزار روپیہ کے زیور بھی دیئے ہیں اور قصبہ کے رواج کے مطابق جتنی قیمت کا زیور ہوتا ہے اتنی ہی قیمت کی مہر بھی لکھائی جاتی ہے جو میں نے لکھ دی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور حجِ فرض ہونے کی صورت میں حج فرض ادا کرنے سے قبل حج بدل کے لئے اس کو لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی موجودہ بیوی کی ملک میں اگر اتنا مال ہے کہ حج کے سفر کے لئے واپسی تک کافی ہو سکے تو اس پر حج فرض ہے اور جب کہ شوہر بھی سفرِ حج میں ہمراہی کے لئے موجود ہے تو اس کو بہت جلد اپنا فرض حج ادا کرنا چاہئے، حجِ بدل کے لئے اس وقت نہ جائے کہ پھر خدا جانے محرم یا شوہر کا ساتھ میسر آئے یا نہ آئے کہ جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو، اگر وہ حج بدل کرلے تو حج بدل ہوجائے گا، لیکن اعلیٰ بات یہ ہے کہ حج بدل ایسے شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کیا ہو، جس کے ذمہ خود اپنا حج فرض ہو اور اس کو موقع بھی ہو، اس سے حج بدل نہ کرایا جائے، کیونکہ وہ اپنا حج فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار رہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۹ھ۔

حج بدل کرنے والے کا مکہ پہونچ کر کسی دوسرے سے حجِ بدل کرانا اور خود اپنا حج کرنا

سوال[۵۱۴۷]: حج بدل کرنے والا غریب ہے اور حاجی بھی نہیں، اب حج بدل جانے کے وقت حج

(۱) "فدل أنه لایجوز الحج عن غیره قبل أن یحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض علیه، و حجه عن غیره لیس بفرض، فلا یجوز ترک الفرض بمالیس بفرض". (بدائع الصنائع، فصل فی التعرض لنبات الحرم، کتاب الحج: ۲۷۴/۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

"والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه". (البحر الرائق). "إن حج الصرورة عن غیره إن کان بعد تحقق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة، فهو مکروه کراهة تحریم علیه؛ لأنه یتضیق علیه والحالة هذه فی أول سنی الإمکان، فیأ ثم بترکه". (منحة الخالق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، مطلب فی حج الصرورة: ۲۰۳/۲، سعید)

فرض ہوگا یانہیں؟ حج بدل کرنے والا مالک کی اجازت سے مکہ مکرمہ پہونچ کرکسی دوسرے کو وہ حج بدل کرنے کو کہہ کر پھر خود اپنا حج کرسکتا ہے یانہیں؟ مالک یعنی بھیجنے والے نے صرف یہی کہا کہ مرنے والے کے لئے حج بدل کو تم کو بھیج رہا ہوں، یہ روپئے ہیں، میرے باپ کا حج ادا ہونا چاہئے، اب تم کیسے بھی کرو۔ یہ مالک کی طرف سے اجازت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب آدمی (جس پر حج فرض نہیں) مگر دوسرے کے روپے سے حج بدل کے لئے جائے تو اسی کی طرف سے حج بدل کرے، وہاں پہونچ کرکسی اَور کو حج بدل کے لئے تجویز کر کے اپنا حج نہ کرے (۱)، وہاں حج بدل کے لئے پہونچ جانے کی وجہ سے خود اس غریب کے ذمہ حج فرض نہیں ہوجائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۶ھ۔

---

(۱) "وإذا مرض المأمور بالحج في الطريق، ليس له دفع المال إلى غيره ليحج ذلک الغير عن الميت، إلا إذا أذن له بذلک بأن قيل له وقت الدفع: اصنع ما شئت، فيجوز له ذلک مرض أولا؛ لأنه صار وكيلاً مطلقاً". (الدرالمختار).

"لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر، و يحج عنه، الخ". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب فی حج الصرورة: ۶۰۴/۲، سعید)

"و ليس للمأمور أن يأمر غيره بما أمر به عن الآمر وإن مرض فی الطريق، إلا أن يكون وقت الدفع قيل له: اصنع ما شئت، فحينئذ له أن يأمر غيره به وإن كان صحيحاً". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۱۳/۳، رشیدیه)

(و كذا فی تنقيح الفتاوی الحامدية، كتاب الحج: ۱۴/۱، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

(۲) "ويجوز إحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه .... (أقول) وقد ألف سيدی عبد الغنی النابلسی رسالةً فی ذلک، جنح فيها إلى عدم الوجوب". (تنقيح الفتاوی الحامدية، كتاب الحج: ۱۳/۱، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

"قلت: و قد أفتى بالوجوب مفتی دارالسلطنة العلامة أبوالسعود، وتبعه فی سكب الأنهر، =

حج بدل میں روپیہ مامور کو دیں یا اپنے پاس رکھے؟

سوال[۵۱۴۸]: ایک شخص خود حج کرنے جارہا ہے اور دو شخصوں کو اپنے والدین کی طرف سے حجِ بدل کرانے لے جارہا ہے تو اخراجات کے لئے روپیہ ان کو دیدینا زیادہ بہتر ہوگا یا اپنے پاس رکھ کر ان کی ضروریات میں خرچ کرنا؟ ان کو ہر ہر چیز کا پھر حساب بھی مشکل ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر یہ اعتماد ہو کہ وہ روپیہ حفاظت سے رکھیں گے اور بے محل خرچ نہیں کریں گے اور مقصدِ وصیت بھی فوت نہیں ہوگا تو ان کو دیدینا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

حجِ صرورہ

سوال[۵۱۴۹]: ایک شخص کا انتقال ہوگیا یا مرض الموت میں مبتلا ہے جس پر حج فرض تھا، اگر وہ

= و كذا أفتى به السيد أحمدبادشاه، و ألف فيه رسالةً، و أفتى سيدى عبد الغنى النابلسى بخلافه، و ألف فيه رسالةً؛ لأنه فى هذا العام لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر و يحج عنه، و فى تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه و يترك عياله ببلده حرجٌ عظيمٌ، و كذا فى تكليفه بالعود و هو فقيرحرجٌ عظيمٌ أيضاً". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب فى حج الصرورة: ۶۰۴/۲، سعيد)

(وكذا فى إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۰، مصطفى محمد مصر)

(۱) "فإذا عرف ذلك فللمأمور بالحج أن ينفق على نفسه بالمعروف ذاهباً و آيباً و مقيماً من غير تبذير و لا تقتير، الخ". (البحرالرائق، باب الحج عن الغير: ۱۱۵/۳، رشيديه)

زبدۃ المناسک میں ہے کہ: "جو عاجز ہوجائے وہ دوسرے شخص کو امرِ حج کردینے کا کرے اور خرچ راہ اس کو دے اور جانے والا اس کے خرچ سے سوار ہوکر حج ادا کردے"۔ (زبدة المناسک، ص: ۴۴۸، سعید)

حج کرانا چاہے۔تو کیا ایسے شخص کے ذریعہ کراسکتا ہے کہ جس نے قبل اس کے کسی قسم کا حج نہ کیا ہو،مگراس پر حج فرض نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر تندرستی میں حج فرض ہوا تھا اور پھر بیمار ہوگیا حج نہیں کرسکا اور اس نے وصیت بھی کی ہے، نیز ترکہ میں اتنی گنجائش بھی ہے کہ ثلث مال سے حج کرایا جاسکے تو اس کی طرف سے حج کرانا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذریعہ حج کرایا جائے جس نے پہلے حج کرلیا ہو، اگر اس نے پہلے اپنا حج نہیں کیا تو اس کو حج کرانا مکروہ ہے:

"يجوز إحجاج الصرورة، و يراد به الذى لم يحج عن نفسه حجة الإسلام. قال فى البدائع: إلا أن الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غيره يصير تاركاً لإسقاط الفرض عن نفسه، فيتمكن فى هذا الإحجاج ضرب كراهة، و لأنه أعرف بالمناسك و أبعد عن محل الخلاف، فكان أفضل، اهـ". غنية (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی / ۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف۔

---

(۱) (غنية المناسک، باب الحج عن الغير، فصل فيما ليس من شرائط النيابة فى الحج، ص: ۳۳۷، إدارة القرآن كراچى)

"ثم المصنفؒ لم يقيد الحاج عن الغير بشيء، ليفيد أنه يجوز إحجاج الصرورة، و هو الذى لم يحج أولاً عن نفسه، لكنه مكروه كما صرحوا به، واختار فى فتح القدير أنها كراهة تحريم، للنهى الواردفى ذلک. و فى البدائع: يكره إحجاج المرأة والعبد والصرورة. والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذى حج عن نفسه، و هو يدل أنها كراهة تنزيه، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۲۳/۳، رشيديه)

(وكذا فى إرشاد السارى، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۰، مصطفى محمد مصر)

(وكذا فى رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب فى حج الصرورة: ۶۰۳/۲ سعيد)

(والتاتارخانيه، كتاب المناسک، الحج عن الغير: ۵۶۴/۲، إدارة القرآن كراچى)

بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود ملکی سے اس کا حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۵۰]: رواج ہے کہ حج میں جا کر کسی شخص کو سو روپیہ دے کر حج بدل کراتے ہیں اپنی زوجہ کی طرف سے جس پر بھی حج فرض تھا، لیکن زوج زوجہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میں تیری طرف سے بھی حج کراؤں گا یعنی کچھ روپیہ دیکر کسی غیر کی طرف سے افعالِ حج ادا کرانے سے حج کا ثواب ملتا ہے اور فرضیت حج ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا (۱)، سو روپیہ اگر کسی مستحق کو دیئے ہیں تو صدقہ دینے کا ثواب مل جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے یا حجِ بدل کا؟

سوال[۵۱۵۱]: میری والدہ پر حج فرض نہیں تھا اور وہ اس کی بہت زیادہ خواہشمند تھیں، مگر ان کا انتقال ہو گیا، میں ان کو ثواب پہونچانے کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں تو حجِ بدل کرانے میں زیادہ ثواب ملے گا یا

---

(۱) "تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت". (الدرالمختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۹/۲، سعيد)

"ولجواز النيابة في الحج شرائط: منها أن يكون المحجوج عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه و له مال، فإن كان قادراً على الأداء بنفسه بأن كان صحيح البدن و له مال أو كان فقيراً صحيح البدن، لا يجوز حج غيره عنه، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۲۵۷/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، و لا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربي أحدكم فلوّه حتى تكون مثل الجبل". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ۱۶۷، قديمي)

ایک سسکتے ہوئے مکتب کی مدد کرنے میں جس مکتب کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ میت کے ذمہ حج فرض نہیں تھا اوران کوثواب پہونچانا مقصود ہے تو جس مکتب میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ مکتب ضرورت مند بھی ہے تو وہاں روپیہ دے کر مکتب کوسنبھالنے اور ترقی دینے میں ثواب زیادہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

حج بدل کے لئے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کر لے تو مامور پر ضمان نہیں

سوال[۵۱۵۲]: زید فرض حج ادا کر چکا ہے، عمر اپنے کسی عزیز کی طرف سے زید کو حج بدل کرانے کو تیار ہوگیا اور رقم بھی دی مگر عمر سے پہلے بکر نے بھی زید کو حج بدل کرانے کے لئے تجویز کیا تھا، اتفاق وقت کہ بکر تو پہلے اس ارادہ سے پلٹ گیا اور عمر بھی اسی طرح پلٹ گیا، زید قانونی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہ جاسکا اور بھیجنے والوں کے دل بھی بدل گئے۔ بہر حال عمر اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، زید میں دینے کی سکت نہیں، یہ جواب دے دیا کہ جو رقم داخل کمپنی کی گئی ہے واپس مل جائے تو ادا کر دوں گا، لیکن عمر کو یہ شک ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو ضبط بھی کر گئی ہے تو اگر یہ ضبطی عمل میں آ گئی تو زید کے ذمہ یہ ادائیگی ساقط ہوجائے گی، یا باقی رہے گی؟

---

(۱) "(ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعاً .... وإذا كان الفقير مضطراً". (ردالمحتار، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة: ۲/۶۲۱، سعيد)

"قلت: قد يقال: إن صدقة التطوع في زماننا أفضل لمايلزم الحاج غالباً من ارتكاب المحظورات، و مشاهدته لفواحش المنكرات، وشح عامة الناس بالصدقات، و تركهم الفقراء".

(البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الحج: ۲/۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، المناسك، المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ عمر نے زید کو حج بدل کے لئے رقم دیدی اور اس نے حسبِ قانون ٹکٹ خریدنے کے لئے کمپنی میں بھیج دیا، اس کے بعد عمر کا ارادہ بدلا ہے تو زید کی طرف سے تعدی نہیں پائی گئی، اگر خدانخواستہ کمپنی نے رقم ضبط کرلی تو زید پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۲ھ۔

حج بدل کی رقم میں تصرف کرنے کا ضمان

سوال [۵۱۵۳]: ۱...... زید نے اپنے والد مرحوم کا حج بدل کرانے کے متعلق اپنے بہنوئی کو تیار کیا اور اس نے متواتر دوسال درخواست دی مگر قرعہ میں نام نہ آسکا، کچھ رقم زید نے اپنے بہنوئی کو بہ سلسلۂ درخواست اور فارم بھرنے کے لئے دیا تھا جو تقریباً ایک ہزار ہے، وہ بہنوئی نے بغیر زید کے علم میں لائے اپنے بھانجے کو تجارت کے سلسلہ میں دیدی۔ اس کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ آیا وہ روپیہ جو زید کا تھا وہ زید کے بہنوئی نے جو خرچ کردیا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... زید کے پاس جو رقم حج بدل کے لئے جمع ہے، اگر تیسری بار بھی قرعہ میں نام نہ آیا تو وہ روپیہ کسی تجارت میں یا مکان بنانے کے لئے استعمال میں لاسکتا ہے اور کیا زید کے لئے جمع شدہ رقم جو ایک مرحوم کے حج بدل کی نیت سے تھی استعمال میں لانا علمائے دین جائز قرار دیتے ہیں اور جائز ہے تو کس حد تک؟ تفصیل دی جائے۔

---

(۱) "قال: والوديعة أمانة، فإذ تلفت بغير تفريط من المودع، فليس عليه ضمان .... و حكم عام يعطي قانوناً كلياً مقتضاه أن الوديعة أمانة لا ضمان فيها إلا أن يتعدى". (إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب: لا ضمان على المؤتمن: ۶۲/۱۲، إدارة القرآن كراچی)

"الأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت، أو ضاعت بلا صنع الأمين، و لا تقصيرٍ منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة، الباب الأول في أحكام عمومية تتعلق بالأمانات، (رقم المادة: ۷۶۸)، ص: ۴۲۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل في بيان حال الوديعة: ۳۶۳/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

۳......اگر جمع شدہ رقم حج بدل والی زید اپنی ضروریات میں لانے کا حقدار نہ ہوتو وہ رقم کس استعمال میں لاسکتا ہے؟ کیا دینی مدرسہ میں دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲، ۳......اگر والد مرحوم نے اپنی طرف سے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی تھی، بلکہ زید خود ہی ان کی طرف سے حج بدل کرانے کی نیت کر چکا ہے اور اس مقصد کے لئے روپیہ رکھا ہوا ہے تو محض اس نیت کی وجہ سے حج بدل کرانا واجب نہیں ہوا، زید اس روپیہ کا مالک ہے، اس کو اختیار ہے کہ کسی بھی دینی کام میں لگا کر والد کو ثواب پہونچادے، مثلاً: کسی مسجد کی تعمیر یا پانی اور نل کا انتظام، یا دینی مدرسہ کی تعمیر، طلبہ کی خوراک، پوشاک یا دینی کتب خرید کر وقف، یا غریب بچوں کی پرورش، یا بیواؤں کی ضروریات میں خرچ کردے، ضرورت ہوتو اپنے ذاتی کام میں بھی صرف کرسکتا ہے، بہنوئی وغیرہ اقرباء کو بھی دے سکتا ہے(۱)۔

بہنوئی صاحب کا اس روپیہ کو جو کہ درخواست فارم وغیرہ کے لئے دیا گیا تھا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بھانجے کو تجارت کے لئے دینا بھی جائز نہیں، یہ خیانت ہے(۲)، ان کو لازم ہے کہ وہ زید کو روپیہ واپس کردیں اور اس سے معافی طلب کریں تاکہ وہ دنیا وآخرت میں بری الذمہ ہوسکیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔



(۱) قال العلامة ابن عابدين: "لأن الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كمافى التلويح". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب فى تعريف المال: ۵/ ۵۱، سعيد)

"والحاصل أن القياس فى جنس هذه المسائل أن يفعل المالک ما بدا له مطلقاً؛ لأنه متصرف فى خالص ملكه". (ردالمحتار، باب: هذه مسائل شتى، مطلب: اقتسموا داراً و أراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/ ۴۴۸، سعيد)

قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۳۰)

وقوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتخونوا الله والرسول﴾ (سورة الأنفال: ۲۷)

(۲) "لا يجوز التصرف فى مال غيره بلا إذنه". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ۶/ ۲۰۰، سعيد)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملک غيره بلا إذنه". (شرح المجلة، ص: ۶۱ رقم المادة: ۹۶، حنفيه)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

طوافِ وداع نہ کرنے سے وجوبِ دم

سوال[۵۱۵۴]: ۱......زید بغیر طوافِ وداع کے چلا آیا،دم واجب ہوا تو جدہ میں قربانی کرے یا وطن پہونچ کر؟

۲......زاہد طوافِ وداع کے لئے تیار تھا،مگر تار آیا کہ جہاز تیار ہے،فوراً آؤ،حجاج لاری پر سوار ہوگئے، زاہد بھی سوار ہوگیا تو اس عذر سے دم ساقط ہوا یا نہیں؟

حاجی سید عبدالماجد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حرم میں قربانی کرادے:"وخص ذبح هدى المتعة والقران بأيام النحر، و خص الكل بالحرم لا بغيره و لا بمنى على الأصح. اهـ". سكب الأنهر (۱)۔

۲......ساقط نہیں ہوا۔

---

(۱) (سكب الأنهر، على مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۰۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال العلامة الكاساني: "وأما مكان هذا الدم: فالحرم، لا يجوز في غيره، لقوله تعالى: ﴿والهدى معكوفاً أن يبلغ محله﴾ و محله الحرم، والمراد منه هدى المتعة لقوله: ﴿فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى﴾ والهدى اسم لما يهدى إلى بيت الله الحرام: أى يبعث و ينقل إليه وأما زمانه فأيام النحر، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۱۸۳/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الإحصار: ۵۳۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

تنبیہ : طوافِ وداع کے لئے مخصوص نیت شرط نہیں، بلکہ منی سے فارغ ہوکر جب مکہ مکرمہ میں آئے اور بہ نیتِ تطوع طواف کر لے تو وہ بھی طوافِ وداع کے حکم میں ہو جائے گا:

"فإذا أراد الظعن عنها: أى عن مكة، طاف للصدر، و يسمى طواف الوداع، وهو واجب، ولكن لا تشترط له نية معينة، حتى لو طاف بعد ماحل النفر و نوى التطوع، أجزأه عن الصدر". مجمع الأنهر (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

رمی اور قیام منی کو چھوڑنے سے دم لازم ہے یا نہیں؟

سوال[۵۱۵۵]: کیا حاجی کو رمی چھوڑنے پر اور قیامِ منی چھوڑنے پر کوئی دم دینا ہوگا؟ اگر دم دینا ضروری ہے تو کیا، کب اور کہاں دینا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیا:

رمی چھوڑنے سے دم واجب ہوگا (۲) اور وہ حرم (منی وغیرہ) میں ہی ذبح کرنا ہوگا (۳)، منی میں

---

(١) (مجمع الأنهر، فصل: فإذا دخل مكة: ١/٢٨٢، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"فأما تعيين النية فليس بشرط حتى لو طاف بعد طواف الزيارة لا يعين شيئاً، أو نوى تطوعاً، كان للصدر؛ لأن الوقت تعين له، فتنصرف مطلق النية إليه، كمافى صوم رمضان". (بدائع الصنائع، فى طواف الصدر، فصل فى شرائط جوازه: ٣/١٠٥، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته، باب جزاء ترك الوداع: ٣/١٤٩، حقانيه پشاور)

(وكذا فى رد المحتارمع الدر المختار، مطلب فى طواف الصدر: ٢/٥٢٣، سعيد)

(٢) "رمى الجمار واجب كما عرفنا، فإن تأخر عن وقته، أو فات وجب دم". (الفقه الإسلامى وأدلته، سابعاً: تأخيرالرمى عن وقته: ٣/٢٠١، حقانيه پشاور)

(وكذا فى البدائع، فصل فى حكمه إذا تأخرعن وقته أو فات: ٣/٩٥، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط مناسک الملاعلى القارى، فصل فى الجناية فى رمى الجمرات: ٣٥٨، إدارة القرآن كراچى)

(٣) "وخص ذبح هدى المتعة والقران بأيام النحر، وخص الكل بالحرم ولا بغيره، و لا بمنى على الأصح".=

قیام چھوڑنے سے دم واجب نہ ہوگا (۱)، استغفار کرنا ہوگا، رمی وغیرہ چھوڑنے سے بکری (شاۃ) واجب ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

رمی سے پہلے قربانی کرنے سے وجوبِ دم

سوال [۵۱۵۶]: ۱...... حاجی عرفات سے واپسی پر رمی کئے بغیر قربان گاہ میں جاکر قربانی کردی۔

قربانی سے پہلے بال کٹوانے سے دم

سوال [۵۱۵۷]: ۲...... ایک حاجی نے عرفات سے واپسی پر رمی کرنے کے بعد فوراً ہی بال کٹوادیئے اور بعد میں قربانی کی۔

= (سكب الأنهر، على مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۳/۱۸۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "(ثم أتى منى) فيبيت بها للرمى". (الدرالمختار). "(قوله: فيبيت بها للرمى): أى ليالى أيام الرمى هو السنة، فلو بات بغيرها كره، ولا يلزمه شيء، لباب". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في حكم صلوة العيد والجمعة في منى: ۲/۵۲۰، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: رمى الجمار في منى، و حكم المبيت فيها: ۳/۲۰۴، حقانيه پشاور)

(۲) "والدم حيث ذكر في الجنايات، وجب شاة تجزىء في الأضحية والصدقة، إذا ذكرت يرادبها" (مجمع الأنهر، باب الجنايات، الفصل الأول: ۱/۲۹۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فالمراد الشاة، وهى تجزىء في كل موضع: أى من مواضع الجنايات إلا في موضعين". (مناسك الملاعلى القارى، فصل فى أحكام الدماء و شرائط جوازها، ص: ۳۹۳، إدارة القرآن كراچى)

وكذا في الهداية، باب الجنايات: ۱/۲۶۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

رمی اور طوافِ زیارت میں ترتیب بدلنے سے دم

سوال[۵۱۵۸]: ۳......ایک حاجی نے غلطی سے پہلے رمی کی اور پھر جاکر طوافِ زیارت کیا اور پھر آکر قربانی کی اور پھر بال کٹوائے۔ان تمام صورتوں میں حاجی پر شرعاً کیا واجب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر یہ قارن یا متمتع ہے تو اس پر دم واجب ہے۔

۲......اس پر دم واجب ہے جب کہ یہ قارن یا متمتع ہو۔

۳......اس پر دم واجب نہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

یہ تینوں حکم غنية المناسك، المطلب العاشر فی ترك الترتيب بين الرمی والذبح میں مذکور ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۷/۳/۹۱ھ۔

رمی کا بدل آئندہ سال

سوال[۵۱۵۹]: اسلم نے حج کیا مگر اس سے رمی اُولیٰ ترک ہوگئی،عدمِ سہولت وعدمِ گنجائش کی بناء

---

(۱) "ولو حلق المفرد أو غيره قبل الرمی، أو القارن أو المتمتع قبل الذبح، أو ذبح قبل الرمی، فعليه دم عند أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ بترك الترتيب .... ولو طاف قبل الرمی والحلق لا شیء عليه، ويكره، تتمة". (غنية المناسک، باب الجنايات، المطلب العاشر فی ترک الترتيب بين الرمی والذبح والحلق: ۲۷۹ إدارة القرآن كراچی)

"ولو حلق المفرد أوغيره: أی من القارن والمتمتع قبل الرمی أوالقارن أو المتمتع: .... أو حلقا قبل الذبح، أو ذبح قبل الرمی، فعليه دم .... ولو طاف: أی المفرد وغيره قبل الرمی والحلق، لا شیء عليه، و يكره: أی لتركه السنة، و هی الترتيب بين الثلاثة، الخ". (مناسک الملاعلی القاری، باب الجنايات، فصل فی ترک الترتيب بين أفعال الحج، ص: ۳۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی رد المحتار، باب الجنايات: ۲/۵۵۵، سعيد)

پر اسی سال دم (قربانی) نہ دے سکا، اگر وہ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس سال دم دینا چاہے تو دے سکتا ہے؟ اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آئندہ سال بھی حدودِ حرم میں دم دینے سے بری ہو جائے گا، کسی کو وکیل بنا دے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۴/۵/۸۹ھ۔

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

سوال [۵۱۲۰]: بحالتِ احرام خشکی کے شکار کی ممانعت ہے دریائی شکار کی نہیں، ایسا کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک نے ایسا ہی فرمایا ہے: ﴿أحل لكم صيد البحر و طعامه متاعاً لكم و للسيارة، وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرماً﴾(۲)۔ اور وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اس کے نازل فرمائے ہوئے قانون میں کسی کو چوں وچرا (کیوں کا سوال) کا حق نہیں جو چاہے کرے ﴿لا يسئل عما يفعل﴾(۳)۔

---

(۱) دم جنایات کے لئے مکان حرم کا ہونا شرط ہے نہ کہ تعیین زمانہ، یعنی بعد میں بھی آدمی دم جنایت ادا کر سکتا ہے: "و ما يختص بالمكان دون الزمان، و هو دم الجنايات". (مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب الهدى: ۲/۴۳۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في فتاوى رحيمية، دم جنایت کسی کے ذریعہ دلوا سکتا ہے یا نہیں: ۸/۲۹۹، دار الإشاعت كراچى)

(۲) (سورة المائده: ۹۶)

"إعلم أن صيد البر محرم على المحرم، و صيد البحر حلال، لقوله تعالىٰ: ﴿أحل لكم صيد البحر﴾ إلى آخر الآية، الخ". (الهداية، باب الجنايات، الفصل الثاني: ۱/۲۷۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الصيد: ۱/۲۴۷، رشيديه)

(و كذا في البدائع، فصل في أنواع الصيد: ۳/۲۳۲، ۲۳۳ دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) (سورة الأنبياء: ۱۷/۲۳)

بندوں کا فریضہ اطاعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

حالتِ احرام میں رضائی اوڑھنا

سوال [۵۱۶۱]: حالت احرام میں روئی کی رضائی وغیرہ اوڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محرم کو حالتِ احرام میں سردی سے حفاظت کے لئے لحاف روئی دار اوڑھنا درست ہے مگر سر کھلا رکھے، باقی تمام بدن پر لحاف رہے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۸ھ۔

حالتِ احرام میں کیا عورت منہ کھولے رکھے؟

سوال [۵۱۶۲]: اسلام میں ہر زیبائش کی جگہ کو چھپانے کا حکم ہے اور سختی سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر عورتیں جب حج کو جاتی ہیں تو عموماً چہرہ ہاتھ وغیرہ کھلا رکھتی ہیں کیوں کہ احرام کے زمانے میں چہرہ کو کپڑا لگانا سختی سے منع ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس طرح کھلا رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس طرح چہرہ کھلا رکھنا گناہ ہے اس لئے ایسا انتظام کریں کہ چہرے کے سامنے ٹٹی (۲) یا کسی قسم کا فریم لگا کر نقاب اوڑھا جائے تا کہ چہرہ ڈھکا ہوا

---

(۱) "(قوله: وبقية البدن): أي وبخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس والوجه، فإنه لا شيء عليه". (ردالمحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام و مالا يحرم: ۲/۴۸۸، سعيد)

"ولو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، و كان بحيث لو قام أو قعد، لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث العاشر محظورات الإحرام: ۳/۲۳۲، ۲۳۳، حقانيه پشاور)

"علاوہ سر اور منہ کے سب بدن کو ڈھانپنا، کان، گردن پیروں کو چادر، رومال وغیرہ سے ڈھانپنا جائز ہے"۔ (معلم الحجاج: ۱۳۰، باب مباحات احرام، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ٹٹی: بانس یا سرکنڈوں وغیرہ کا بنا ہوا چھپر جو دروازوں یا کھڑکیوں پر لگاتے ہیں یا جن پر بیلیں چڑھاتے ہیں۔ ۲: آڑ، پردہ، اوٹ، حجاب"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۱۳، فیروز سنز، لاہور)

رہے، بے پردگی نہ ہو، مگر اس سے عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، بلکہ ان کا دھیان مکمل طور پر عبادت کی طرف نہیں رہتا، بلکہ نقاب کی طرف رہتا ہے کہ نقاب ہٹنے نہ پائے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ کیا ایسی عبادت اور ایسا پردہ جائز ہے یا کھلے منہ جیسے عام طور پر چہرہ کھلا رکھ کر حج کیا جاتا ہے وہ جائز ہے اور اس قسم کے پردہ کے ساتھ حج کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے چہرے پر کپڑا نہیں ہونا چاہئے، پنکھا وغیرہ کوئی چیز اس طرح آڑ بنالی جائے کہ نقاب کا کپڑا چہرہ کو نہ لگے اور لوگوں کی نظر اس پر نہ پڑے، احرام کی حالت ایسی بے اطمینانی کی ہوتی ہے کہ مرد بھی سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، ہر وقت فکر رہتی ہے کہ جسم نہ کھل جائے، اس صورت سے وہ مناسکِ حج ادا کرتا ہے، عورت کو بھی بے اطمینانی ہو تو کیا مضائقہ ہے؟ یہ بے اطمینانی اور پریشانی محبوب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "فلما روينا عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "إحرام المرأة في وجهها". و عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان الركبان يمرون بنا، و نحن محرمات مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإذا حاذونا أسدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها، فإذا جاوزنا رفعنا. فدل الحديث على أنه ليس للمرأة أن تغطي وجهها، وأنها لو أسدلت على وجهها شيئاً، وجافته عنه، لا بأس بذلك الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان ما يحظره الإحرام وما لا يحظره: ۳/ ۲۱۰، دار الكتب العلميه بيروت)

"وقوله: إحرام المرأة في وجهها .... وأجاز الشافعية والحنفية ذلك بوجود حاجز عن الوجه، فقالوا: للمرأة أن تسدل على وجهها ثوباً متجافياً عنه بخشبة و نحوها، سواء فعلته لحاجة من حر، أو برد، أو خوف فتنة، و نحوها أو لغير حاجة، فإن وقعت الخشبة، فأصاب الثوب وجهها بغير اختيارها و رفعته في الحال، فلا فدية الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، البحث العاشر محظورات الإحرام الخ: ۳/ ۲۳۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في مناسك الملا علي القاري المسمى المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في تغطية الرأس والوجه: ۳۰۹، إدارة القرآن كراچی)

حالتِ احرام میں کان میں روئی رکھنا اور پیروں پر کپڑا ڈالنا

سوال[۵۱۶۳]: احرام کی حالت میں پیروں پر کپڑا لپیٹنا جائز ہے یا نہیں جب کہ سردی کی وجہ سے یا پیروں کے درد کی وجہ سے ہو؟ سردی یا کسی اَور وجہ سے کان میں روئی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے، پیروں کو چادر وغیرہ سے ڈھانکنا بھی (۱) اور کانوں کے اندر روئی رکھنا بھی (۲) مگر خوشبو کے استعمال کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا دم جنایت کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۶۴]: گذشتہ سال ایک صاحب نے دمِ جنایت منی میں دمِ شکر (دمِ قران، دمِ تمتع) کی

---

(۱) "و لا بأس بتغطية أذنيه و قفاه، و كذا بقية البدن، إلا الكفين والقدمين، للمنع من لبس القفازين والجوربين". (ردالمحتار، باب الجنايات: ۵۴۹/۲، سعيد)

"(قوله: و بقية البدن): أى و بخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس والوجه، فإنه لا شيء عليه". (ردالمحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم: ۴۸۸/۲، سعيد)

"و لو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، وكان بحيث لو قام أو قعد، لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث العاشر: محظورات الإحرام أو ممنوعاته و مباحاته: ۲۳۲/۳، حقانيه پشاور)

(۲) "ولا بأس للمحرم أن يغطي أذنيه أو من لحيته ما دون الذقن، الخ". (التاتارخانية، ما يحرم على المحرم وما لا يحرم، لبس المخيط: ۴۹۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۲۸۹/۱، فصل فيمايجب بلبس المخيط الخ، رشيديه)

(۳) "أما الطيب فيحرم على المحرم استعماله فى ثوب أو بدن". (الفقه الإسلامى وأدلته، الأصل الثانى: ترفية البدن بالطيب وإزالة الشعر الخ: ۲۳۵/۳، حقانيه پشاور)

"والمحرم ممنوع من استعمال الطيب فى بدنه". (بدائع الصنائع، وأما بيان ما يحظره الإحرام و مالا يحظره: ۲۰۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

طرح صرف ذبح کرکے چھوڑ دیا، فقراء پر تقسیم نہیں کیا۔ کیا دمِ جنایت میں ذبح کے بعد تصدق علی الفقراء بھی ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اب اس کی تلافی اور تدارک کی کیا شکل ہے، تاکہ اس سال جانے والے کسی حاجی سے اس کی تلافی کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جنایت فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر اس وقت فقراء وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرکے وہیں چھوڑ دیا تب بھی کافی ہے، اب کسی تلافی کی ضرورت نہیں، كذا في معلم الحجاج، ص: ۲۸٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔



---

(۱) ''اگر فقیر موجود ہو تو صدقہ کا گوشت اس کو دے دینا خود نہ کھانا اگر فقیر موجود نہ ہو تو ذبح کرکے چھوڑ دینا کافی ہے''۔ (معلم الحجاج، باب شرائط جواز دم: ۳۱۰، إدارة القرآن كراچی)

''(والثامن عدم الاستهلاک، فلو استهلكه بنفسه بعد الذبح بأن باعه ونحو ذلک) بأن وهبه لغنى أو أتلفه أو ضيعه (ولم يجز، وعليه قيمته): أى ضمان قيمته للفقراء فيتصدق بها عليهم بأن كان مما يجب التصدق به، بخلاف ما إذا كان مما لايجب عليه التصدق به، فإنه لايضمن شيئاً كما بيّنه بقوله: (إلا في هدى القران والمتعة): أى التمتع (والتطوع فإنه لايجب): أى على مستهلكه (فيها شئ): أى من الضمان لابدله ولاقيمة (ولو هلک): أى المذموح (بعد الذبح بغير اختياره بأن سرق سقط): أى الضمان (ولا شئ عليه): أى في النوعين السابقين''. (المسلک المتقسط في المفسک المتوسط، فصل في أحكام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۶۴، سعيد)

''(وإذا عطب) أى تعب (الهدى) الذى ساقه (في الطريق): أى قبل وصوله إلى محله من الحرم أو زمانة المعين له (فإن كان): أى الهدى (تطوعاً نحره وصبغ قلاوتها بدمها وضرب بها صفحة سنامها) وقيل جانب عنقها ليعلم أنها هدى (وليأكل منه الفقراء دون الأغنياء وليس عليه غيره): أى إقامة غيره بدله (ولم يأكل منه هو ولاغيره من الأغنياء)''. (المسلک المتقسط في المنسک المتوسط، فصل في أحكام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۵۲۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحج، باب الهدى: ۲/۶۱۷، سعيد)

باب زیارة المدینة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

سفرِ مدینہ کی نیت

سوال[۵۱۶۵]: مدینہ طیبہ کی حاضری کے وقت مسجد نبوی کی زیارت کے قصد سے سفر کرے یا روضۂ اُطہر کی زیارت کا قصد مقدم ہونا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روضۂ اُطہر کی زیارت کا قصد مقدم رکھے، طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں

سوال[۵۱۶۶]: آیا مسجد نبوی میں ۴۰/ وقت کی نمازیں تواتر کے ساتھ ضروری ہیں یا نہیں؟ اگر کسی سبب سے تواتر ختم ہو گیا تو پھر سے پوری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چالیس نمازیں ادا کرنے پر جو وعدہ ہے، وہ مسلسل پر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

---

(۱) "والأولیٰ فی الزیارة تجرید النیة لزیارة قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب فضل فی زیارة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۷۴۵، قدیمی)

"والأولیٰ فیما یقع عند العبد الضعیف تجرید النیة لزیارة قبره علیه السلام". (ردالمحتار، مطلب فی تفضیل قبره المکرم صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲/۶۲۷، سعید)

(وکذا فی إرشادالساری مناسک الملا علی القاري، باب زیارة سید المرسلین صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفی محمد بیروت)

(۲) "عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من صلی فی مسجدی أربعین صلوةً لاتفوته صلوة، کتب =

حرمین میں پہلے کہاں جائے؟

سوال[۵۱۶۷]: حج اورزیارت کے لئے ایک شخص گیا، اب اس کو پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری بہتر ہے یا پہلے حج کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ پہلا حج ہے تو پہلے مکہ معظّمہ جانا افضل ہے، ورنہ پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= له براءة من النار وبراءة من العذاب وبراءة من النفاق". (جمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد، باب ما جاء في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وزيارته، و معالم المدينة: ۱/۵۳۳، مكتبه المدينة منورة)

"وفي حديث يبيّن فضل الصلاة في هذاالمسجد: "من صلى في مسجدي أربعين صلاةً لا تفوته صلاة، كتبت له براءة من النار، و نجاة يوم القيامة". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب: ثانياً فضيلة المسجد النبوي: ۳/۳۴۳، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) "و يبدأ بالحج لوفرضاً، ويخير لو نفلاً". (رد المحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في زيارة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۷۴۵، قديمي)

"وفيه أيضا إشعار ببداءة الحج ثم إتيان المدينة الزيارة، كمالا يخفى، وهو اختيار إمامنا أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ففي فتاوىٰ أبي الليث السمرقندي: روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة أنه قال: الأحسن للحاج أن يبدأ بمكة، فإذا قضى نسكه، مر بالمدينة، وإن بدأبها جاز .... واختلف السلف في أن الأفضل البداءة بالمدينة قبل مكة أو بمكة قبل المدينة، وأن ممن اختار البداءة بالمدينة علقمةُ والأسود وعمرو بن ميمون من التابعين، ولعل سببه عندهم –كما قال السبكي– إيثار الزيارة .... ولقد من الله على هذا العبد الغرق في الآثام بالعمل على قول الإمام مرتين وعلى قول علقمة والأسود وعمرو بن ميمون في هذه المرة، فحضرت مدينة النبي الكريم صلى الله تعالىٰ عليه=

حرمِ مدینہ کی حدود

سوال[۵۱۶۸]: حرمِ مدینہ منورہ کیا حدود کیا ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک مدینہ منورہ کا حرم نہیں، وہاں کا شکار وغیرہ درست ہے: "و ليس للمدينة المنورة حرم عندنا، فيجوز الاصطياد فيها، و قطع حشيشها، و رعيه. اهـ". شرنبلالیہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد، خادم دار الافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/۵۵ھ۔

عورتوں کے لئے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت

سوال[۵۱۶۹]: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت منع ہے تو کیا روضۂ اطہر پر بھی جانا عورتوں کو منع ہے؟

= وسلم قبل الحج". (إعلاء السنن، كتاب الحج، أبواب الزيارة النبوية: ۱۰/۴۹۷، ۴۹۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، باب: خاتمة في زيارة قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۶۵، رشيديه)

(۱) لم أقف عليه

"لا حرم للمدينة عندنا". (الدرالمختار). "(قوله: لاحرم للمدينة عندنا): أي خلافاً للأئمة الثلاثة، قال في الكافي: لأنا عرفنا حل الاصطياد بالنص القاطع، فلا يحرم إلا بدليل قطعي، لم يوجد .... لاجزاء على قاتل صيده، و لا على قاطع شجره، الخ". (ردالمحتار، مطلب في كراهية الاستنجاء بماء زمزم: ۲/۶۲۶، سعيد)

"تحريم صيد المدينة و شجرها على الحلال والمحرم كمكة عند الجمهور، خلافاً لأبي حنيفة، للحديث السابق، الخ". (الفقه الإسلامي و أدلته، ثالثاً خصائل الحرم المدني: ۳/۳۳۵، المكتبة الحقانيه پشاور)

الجواب حامداً و مصلياً:

منع نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زیارتِ روضۂ پاک علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا ادب

سوال[۵۱۷۰]: بہارشریعت، حصۂ ششم: ۱۶۷، میں ہے کہ "امام محمد بن الحاج مکی مدخل میں اور امام محمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور ائمۂ دین فرماتے ہیں:

"لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ، لاخفاء فيه . انتهى"(۲)۔

کیا مدخل اور مواہب لدنیہ میں یہ لکھا ہے اور یہ کتابیں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت ہو ضرورت ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

بہارشریعت یہاں موجود نہیں ہے، معلوم نہیں کہ اس میں اس عبارت سے کیا استدلال کیا ہے۔ یہ

---

(۱) "هل تستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء؟ الصحيح: نعم بلا كراهة، بشروطها".
(ردالمحتار، مطلب في تفصيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲۷، سعيد)

"هل يستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء أو يكره؟ فالصحيح أنه يستحب بلا كراهة، إذا كانت بشروطها". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفى محمد مصر)

(و كذا في مناسک الملا على القاري، المسمى المسلک المتقسط في المنسک المتوسط، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم ونياتهم وعزائمهم و خواطرهم، و ذلک عندهم جليٌّ لاخفاء فيه. انتهى". (بهار شريعت حصه ششم: ۱۷۴، مكتبه تاجران كتب لاهور)

عبارت مدخل میں موجود ہے(۱)، اسی طرح مواہب لدنیہ:۳/ ۵۰۸، میں موجود ہے(۲)۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جوشخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر زیارت کے لئے حاضر ہواس کو چاہیئے کہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کھڑا ہو، ظاہری احترام کے ساتھ قلب کی بھی نگہ داشت رکھے کہ کوئی خیال جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ گرامی کے خلاف نہ آنے پائے، غرض جس طرح آپ کی حیات میں آداب ظاہری و باطنی کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اسی طرح مزار مبارک پر حاضری کے وقت بھی ضروری سمجھے کیونکہ آپ کی حیاتِ برزخی قوی دلائل سے موجود وثابت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جوشخص مجھ پر پاس کھڑا ہوکر درود بھیجتا ہے میں اس کوسنتا ہوں۔ اور جو دور سے بھیجا جاتا ہے، وہ مجھ کوسنایا جاتا ہے''(۳)۔

آپ کی حیات میں منافقین جب حاضر ہوتے تھے تو بسا اوقات آپ کو وحی کے ذریعہ نفاق پر اطلاع ہوجاتی تھی (۴)، اسی طرح اگر مزار مبارک پر خلافِ شانِ اقدس کوئی خیال کیا جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ

---

(۱) ''و يحتاج إلى الأدب الكل في زيارته عليه السلام، وقد قال علماء نا رحمهم الله تعالىٰ: الزيارة يشعر نفسه بأنه واقف بين يديه عليه الصلوة والسلام كما في حياته ؛ إذ لا فرق بين موته و حياته، الخ''. (المدخل لابن الحاج، فصل: وأما في زيارة سيد الأولين والآخرين صلوات الله عليه وسلامه: ۱/ ۲۵۲، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(۲) ''وينبغي أن يقف عند محاذاة أربعة أذرع، و يلازم الأدب والخشوع والتواضع، غاض البصر في مقام الهيبة كما كان يفعل بين يديه في حياته، و يستحضر علمه بوقوفه بين يديه وسماعه لسلامه كما هو الحال في حال حياته؛ إذ لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلک عندهم جلي لاخفاء فيه. الخ''. (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف و مسجده المنيف: ۱۲/ ۱۹۵، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۳) ''وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته''. رواه البيهقي في شعب الإيمان''. (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص: ۸۷، قديمي)

(۴) ''﴿ولو نشاء لأريناكهم فلعرفتهم بسيماهم﴾ يقول عزوجل: ولو نشاء يا محمد، لأريناک =

تبارک وتعالیٰ اس پر بھی مطلع فرمادیں۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں (۱)، اگر وہاں حاضر ہونے والوں کے عزائم وخواطر بھی پیش کردیئے جائیں تو کیا استبعاد ہے۔ مدخل کی عبارت اس سے پہلے یہ ہے:

"و يحتاج إلى الأدب الكلي في زيارته عليه السلام، و قد قال علماء نا رحمهم الله تعالىٰ: أن الزائر يشعر نفسه بأنه واقف بين يديه عليه الصلوة والسلام كما في حياته؛ إذ لا فرق

= أشخاصهم فعرفتهم عياناً، ولكن لم يفعل تعالىٰ ذالك في جميع المنافقين ستراً منه على خلقه، وحملاً للأمور على ظاهر السلامة، ورداً للسرائر إلى عالمها .... عن أبي مسعود وعقبة بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهم: قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبةً، فحمد الله تعالىٰ و أثنى عليه، ثم قال: "إن منكم منافقين، فمن سميت، فليقم". ثم قال: "قم يا فلان، قم يا فلان. قم يا فلان". حتى سمى ستةً و ثلاثين رجلاً، ثم قال: "إن فيكم أومنكم منافقين، فاتقو الله، الخ". (تفسير ابن كثير، (سورة محمد، پ: ۲۶): ۴/۱۸۰)

(وكذا في التفسير المنير وهبة الزهيلي: ۲۶/ ۱۲۵، ۱۲۶، دارالفكر، بيروت)

(وكذا في الخصائص الكبرى، باب إخباره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالمنافقين: ۲/۱۷۴، حقانيه پشاور)

(۱) "وعنه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تعرض أعمال الناس في كل جمعة مرتين: يوم الإثنين، و يوم الخميس، فيغفر لكل عبد مؤمن إلا عبد بينه و بين أخيه شحناء".

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "رواه الطبراني عن أسامة بن زيد بلفظ: "تعرض الأعمال على الله يوم الإثنين والخميس .... و تعرض على الأنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقا، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول، كتاب الآداب: ۸/۷۶۳، ۷۶۴، رشيديه)

(وكذا في المدخل لابن الحاج، فصل: وأما في زيارة سيدالمرسلين الخ: ۱/۲۵۳، مصطفى البابي الحلبي مصر بيروت)

بين موته و حياته الخ"۔

تنبیہ: صاحبِ مدخل مذہباً مالکی ہیں اور صاحبِ مواہب لدنیہ شافعی المذہب ہیں اور مجموعی حیثیت سے دونوں کتابیں مالکیہ وشافعیہ کے یہاں معتبر ہیں، لیکن مذہب اور فتوے کی کتابیں نہیں ہیں، بلکہ سیرت اور آداب کی حیثیت رکھتی ہیں، پس جب مذہب اور فتویٰ سے ٹکرائیں گی توان دونوں مذہب والے کو چھوڑ دیں گے اور فتویٰ اور مذہب کی کتابوں پر عمل کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/۲/ ۵۷ھ۔



﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً﴾

(آل عمران: ۹۷)

باب المتفرقات

حاجیوں کوخلافِ قانون سامان لانا

سوال[۵۱۷۱]: بہت سے لوگ حج سے واپسی پرستے ہونے کی وجہ سے سونا وغیرہ خرید کرلاتے ہیں جب کہ سعودی حکومت کے قانون کے مطابق بہت سی چیزیں ایک خاص مقدار سے زائد ملک سے باہر لیجانے کی ممانعت ہے۔کیا اس قانون کی رعایت نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب سعودی حکومت میں کوئی شخص داخل ہوتو اس کو سعودی قانون کی پابندی لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاجیوں کا داخلی میں کچھ دینا رشوت ہے

سوال[۵۱۷۲]: خدامِ کعبہ بلا کچھ لئے خانہ کعبہ کے اندر نہیں جانے دیتے تو ایسی صورت میں ان کو کچھ دینا کیسا ہے، یہ رشوت تو نہیں ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أطيعوا الله و أطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ .... و إنما أشار نهم بذلك إلى أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباری، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۲۳/۱۳، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا فى أحكام القرآن للجصاص، باب فى طاعة أولى الأمر: ۲۹۸/۲، قديمى)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أى يتبع، و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولى الأمر، و فى ط عن الحموى: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فى غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ رشوت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا

سوال[۵۱۷۳]: کوئی شخص ہندوستانی ہے وہ پاکستان سے پاکستانی پاسپورٹ بنوا کر حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کا حج درست ہو جائے گا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "ومثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله، لقوله في شرح اللباب: و يحرم أخذ الأجرة ممن يدخل البيت، أو يقصد زيارة مقام إبراهيم عليه السلام بلا خلاف بين علماء الإسلام وأئمة الأنام، كما صرح به في البحر وغيره، اهـ. وقد صرحوا بأن ما حرم أخذه، حرم دفعه إلا لضرورة، ولا ضرورة هنا؛ لأن دخول البيت ليس من مناسک الحج". (ردالمحتار، باب الهدى، مطلب في دخول البيت: ۲/۶۲۴، سعيد)

"فيستبيح أخذ الأجرة على دخول البيت الحرام، أو زيارة مقام إبراهيم عليه السلام، فإنه لا خلاف بين علماء الإسلام و أئمة الأنام في تحريم ذلک، كما صرح به في البحر الزاخر وغيره".

"(قوله: لأنه لا خلاف، الخ) قال في هداية السالک إلى المذاهب الأربعة في المناسک: وإنه من أشنع البدع وأقبح الفواحش، و هذه اللفظة وإن صحت فيستدل بها على إقامة الحرمة؛ لأن أخذ الأجرة ليس من المعروف .... (قوله: في تحريم ذالک، الخ)". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ۵۴۶، دارالفكر بيروت)

(۲) حج تو صحیح ہو جائے گا لیکن قوانینِ حکومت کی خلاف ورزی کی بناء پر گناہ ہوگا۔قبولِ حج کے نظائر میں سے یہ ہے:

"و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدرالمختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص .... ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون =

سوال کر کے حج کو جانا

سوال[۵۱۷۴]: ایک شخص پر حج فرض نہیں ہے مگر وہ لوگوں سے سوال کر کے حج کو جانے کا ارادہ کرتا ہے اور حج کرتا ہے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اس طرح سوال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں: "لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة". طحطاوی، ص: ۳۹۳(۱)۔

اور ایسے شخص کو دینا بھی درست نہیں: "ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". طحطاوی(۲)۔

= الفعل صلاةً ؛ لأن الفرض لا یمکن اتصافه بالحرمة، و هنا کذالک، فإن الحج فی نفسه مأمور به، وإنما یحرم من حیث الإنفاق، و کأنه أطلق علیه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فیه، فإن الحج عبادة مرکبة من عمل البدن والمال کما قدمناه، و لذا قال فی البحر: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل بالنفقة الحرام، کما ورد فی الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، و لا تَنافِیَ بین سقوطه و عدم قبوله، فلا یثاب لعدم القبول، و لا یعاقب عقاب تارک الحج، الخ ". (ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب المناسک، الباب الأول: ۲۲۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۵۴۱/۲، رشیدیه)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، قبیل باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قدیمی)

"ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". (الدر المختار، مطلب فی الحوائج الأصلیة، باب المصرف: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المصرف: ۲۲۶/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (حاشیة الطحطاوی، کتاب الزکوة، قبیل باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قدیمی)

اس طرح حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر سوال کرنے کا گناہ بھی ہوگا، کذا فی رد المحتار: ۲/ ۱۰۴ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۶/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۶/ ۹۰ھ۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کرنا

سوال [۵۱۷۵]: زید کا خیال ہے کہ جب حجِ بیت اللہ کو روانگی ہو تو کسی تبلیغی جماعت میں شامل ہوں۔ عمر نے جب یہ سنا کہ زید کا خیال یہ ہے کہ "جماعت میں شامل ہو جاؤں" تو انہوں نے یہ فرمایا کہ جماعت میں شامل ہونے سے بیت اللہ شریف میں جو نمازیں پڑھو گے اس سے محروم ہو جاؤ گے، اس وجہ سے کہ جماعت تو محلّہ در محلّہ مسجدوں میں گشت کرے گی اور وہیں نماز پڑھے گی تو ظاہر بات ہے کہ اس ثواب سے محروم رہو گے۔

تو زید نے یہ جواب دیا کہ دوسروں کو دین کی بات پہنچانا ہی بڑی چیز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، بات یہاں آ کر ٹھہری کہ فتوی منگالیا جائے جیسے مفتی صاحبان کی رائے ہو اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں جا کر اصول کے موافق کام کرنے سے نیت کی درستی کا اہتمام ہوتا ہے، قلب میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، نماز با جماعت کی پابندی ہوتی ہے، تہجد کی توفیق ہوتی ہے، ذکر سے زبان، قلب کو انس پیدا ہوتا ہے، حج کے زمانے کی جماعت میں حج کے موافق سنت ادا کرنے کی تعلیم ہوتی ہے، حرم محترم اور اہلِ حرم کے حقوق معلوم ہوتے ہیں، لایعنی باتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

اگر یہ سب چیزیں میسر آئیں تو پھر حج کی قیمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور جب حج کو صحیح طریقہ پر ادا

---

(۱) کوشش کے باوجود اس قسم کی عبارت ردالمحتار میں نہیں ملی، بلکہ بدائع میں ہے:

"ثم إذا حج بالسوال من الناس، يجوز ذلک عن حجة الإسلام، حتى لو أيسر لا يلزمه حجة أخرى؛ لأن الاستطاعة بملک الزاد والراحلة، ومنافع البدن شرط الوجوب؛ لأن الحج يقام بالمال والبدن جميعاً". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/ ۴۵، دار الكتب العلميه بيروت)

کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاوے تو جماعتوں کے ساتھ جانا بھی حج ہی کے لئے جانا شمار ہوگا، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی معیت میں حج ادا کیا جائے (۱) اور وہاں بھی جماعت کے ساتھ شریک ہو کر کام کیا جائے، تبلیغ کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بڑی تعداد میں حرمین شریفین سے باہر سفر فرمائے ہیں، وہ حضرات بھی جانتے تھے کہ نمازِ حرم کا مقام کس قدر بلند ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۱ھ۔

حج میں تجارت

سوال[۵۱۷۲]: ایک شخص نفع کی غرض سے کچھ تجارتی سامان لے کر حج کو جاتا ہے' ی طرح وہاں سے بھی لاتا ہے۔ ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کوئی خلل تو نہ ہوگا، جب کہ ان چیزوں کو لے جانے اور لانے کی ممانعت بھی نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب میں تو کمی نہیں ہوگی، لیکن یہ سفر مبارک اگر تجارت سے بالکل ہی خالی رہے تو زیادہ اچھا ہے:

"وتجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتّجر، لا ينقص ثوابه. اهـ". بحر: ۲/۳۳۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا". (مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول، ص: ۲۲۰، قديمي)

"شروط الوجوب و هي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشيديه) .... =

ایضاً

سوال[۵۱۷۷]: حج کے لئے جورقم کا تبادلہ گورنمنٹ کرتی ہے وہ محدود ہے، اس لئے حاجی مدراسی لنگی، عطر، صندل، لکھنوی کرتے وغیرہ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ان پر حکومت کی کوئی پابندی نہیں ہے، تاکہ ان سے تجارت کرکے اطمینان سے خرچ کرسکیں، یا وہاں سے وہ سامان حج پر حکومتِ سعودیہ کی کوئی پابندی نہیں ہے، مثلاً: لونگ، جائفل، دارچینی اور دوسری جڑی بوٹیاں، یہاں پر سونے چاندی کا سوال نہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس سامان کے یہاں سے لے جاتے اور وہاں سے لانے پر کوئی پابندی نہیں، اس کا یہاں سے لے جانا اور وہاں سے لانا حاجی وغیر حاجی سب کے لئے جائز ہے(۱)، ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کمی نہیں آتی(۲)۔

= "وتجريد السفر عن التجارة أحسن، و لو اتجر، لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر، و هذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحج: ۱/۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ فجعل ذلك رخصةً في التجارة في الحج، و قد ذكرنا ما روي فيه في سورة البقرة". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الحج، باب التجارة في الحج: ۳/۳۴۵، قديمي)

"و ككراهيتهم في التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ (حجة الله البالغة). "﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿فضلاً من ربكم﴾: أي تبتغوا رزقاً بالتجارة في الحج، و قد نزلت هذه الآية رداً على كراهيتهم ذلك". (حاشية حجة الله البالغة، باب كره الجاهلون التجارة في موسم الحج: ۲/۱۴۸، قديمي)

(۲) "و تجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتّجر لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر، و هذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحج: =

لیکن اتنا ضرور ہے کہ حاجی کا دھیان پھر تجارت میں اٹکا رہتا ہے (۱)، اس لئے افضل یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ ہو اور روپیہ کی کمی کو دور کر کے فرائض کو سہولت سے ادا کرنا اور خیرات کرنا مقصود ہو تو اس نیت میں اجر وثواب بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۸۹ھ۔

حاجی کے گلے میں ہار

سوال [۵۱۷۸]: حاجی کے گلے میں لوگ گری اور مکھانے (۲) اور کپڑے کے پھولوں اور گلاب کے پھولوں کا ہار بنا کر ڈالتے ہیں اور گلاب اور گیندے وغیرہ کے ہار پھول حاجی کے اوپر پھینکتے ہیں۔ یہ سب از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب طریقے خلافِ سنت ہیں اور غلط قابلِ ترک ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۱/ ۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/ ۲۲۰، رشيديه)

(۱) "(والبيع والشراء والحديث إذا كان يشغله) قيد للثلاثة، والمعنى: يشغله عن الحضور، و يدفعه عن الذكر والدعاء، أو يمنعه عن الموالاة". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في مكروهاته، الركوب من غير عذر، ص: ۱۲۱. ۱۲۲، مصطفى محمد صاحب المكة بمصر)

(۲) "گری: ڈور کی رسی لپٹنے کی چرخی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴)

"مکھانے: کنول کا بیج جو بھون کر کھایا جاتا ہے، تال مکھانا، ایک قسم کی مٹھائی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۷۸)

(۳) زبدۃ المناسک میں ہے:

"آج کل یہ رواج ہوگیا ہے کہ جو شخص حج پر جاتا ہے تو دوست واحباب خوشبودار پھولوں کے ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ ایک تو یہ رسم کا فروں اور فیشن پرست لوگوں نے ایجاد کی ہے، ان میں ہی =

حجاج کے لئے نعرۂ تکبیر اور پھولوں کے ہار

سوال[۹۷۱۵]: پندرہ بیس سال سے یہ رواج ہوگیا ہے کہ حجاج کو رخصت کرتے وقت اور واپسی میں ان کے استقبال کے وقت لوگ پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالتے ہیں اور جوش وخروش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ زید اس فعل کو بدعت، مکروہ اور ریاکاری ونمائش پر محمول کرتے ہوئے ناجائز سمجھتا ہے اور بکر اُسے فعل مباح اور نعرۂ تکبیر کو مستحسن اور بلندیٔ شعائرِ اسلام سے سمجھتا ہے۔ دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً نعرۂ تکبیر بلندیٔ شعائرِ اسلام کے لئے تجویز ہوا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام قبول کرنا، ابوجہل کا مقتول ہونا، قلعۂ انطاکیہ کا فتح ہونا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی مواقع پر نعرۂ تکبیر کا ثبوت ملتا ہے(۱)،

= مروج ہے۔ دیندار وعلماء فضلاء اس کو پسند نہیں کرتے نہ ان کا عمل ہے بلکہ ان کے طرزِ عمل کے خلاف ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر سفر میں جانے والا حج یا عمرہ کے احرام میں ہوگا تو ان کے خوشبودار پھولوں کے ہار وغیرہ گلے میں ڈالنا یا سونگھنا ممنوع ہے، اگرچہ فقط اس سے کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا، بلکہ مکروہ ہے، کیونکہ پھولوں کی خوشبو کو لگانے کا حکم نہیں ہے............ اھ"۔ (زبدۃ المناسک، ص: ۳۴۹، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، متفرقات الحج، حجاج کرام کی دعوت، ہدیہ کالین دین............اھ: ۱۴۳/۸، دارالاشاعت، کراچی)

(۱) "ذكره أسامة بن زيد عن أبيه، عن جده أسلم قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أتحبون أن أعمالكم كيف كان بدء إسلامي؟ .... حتي بلغت إلى قوله: ﴿إن كنتم مؤمنين﴾ قال: فقلت: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله". قال: فخرج القوم يتبادرون بالتكبير، استبشاراً بما سمعوه مني". (أسد الغابة، عمر بن الخطاب، (رقم الترجمة: ۳۸۲۴): ۶۴۴/۳، دار الفكر بيروت)

"قال: ثم احتززت رأسه فجئت به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: هذا رأس عدوالله أبي جهل، فقال: "والله الذى لا إله إلا الله هو". فحلف له، ويقال: مر ابن مسعود على أبي جهل =

مگراب تو محض نمائش ہی ہے، خاص کر ہندی لوگوں کے لئے بلکہ اکثر مواقع میں لہو ولعب کی صورت ہوجاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے(۱)۔

پھولوں کا ہار ڈالنا سلف صالحین سے کہیں ثابت نہیں، مشرکین اپنے بتوں پر پھول چڑھاتے ہیں اور مبتدعین ان کی حرص میں قبور اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، اب ایک قدم اَور آگے بڑھا کر زندہ لیڈروں اور عازمینِ حج یا حجاج پر چڑھانے لگے، اس سے زیادہ اَور کوئی اس کی اصل معلوم نہیں ہوتی۔ اگر سونگھنے کے لئے کسی کو پھول یا کلی اَور خوشبو دی جائے تو وہ بہتر ہے جس کا رد کرنا بھی خلافِ سنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= فقال: الحمدلله الذی أخزاک وأعز الإسلام، فقال أبوجهل: أتشتمني يارويع هذيل؟ فقال: نعم والله! وأقتلک، فحذفه أبوجهل بسيفه، وقال: دونک هذا إذاً، فأخذه عبدالله فضربه حتى قتله، وجاء به إلى النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقال: يارسول! قتلت أباجهل، فقال: "الله الذی لا إله إلا هو". فحلف له، فأخذه النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده ثم انطلق معه حتى أراه إياه، فقام عنده، وقال: "الحمدلله الذی أعز الإسلام وأهله". ثلاث مرات". (عمدة القاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جهل: ۱۱۴/۱۷، دارالکتب العلميه بيروت)

"عن أيوب، عن محمد، عن أنس رضی الله تعالىٰ عنه قال: صبّح النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خيبر، وقد خرجوا بالمساحی على أعناقهم، فلما رأوه قالوا: محمد والخميس، محمد والخميس! فلجئوا إلى الحصن، فرفع النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يديه، وقال: "الله أكبر". (فتح البارى، كتاب الجهاد، باب التكبير عند الحرب: ۱۳۴/۲، دار المعرفة بيروت)

"فلما دخل القرية قال: "الله أكبر، خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين". قالها ثلاث مرار". (الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة خيبر: ۱۱۱/۲، قديمی)

(۱) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها". (فتح البارى، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، سعيد)

(۲) راجع: (فتاوی رحیمیه: ۱۸۳/۱۰، دار الإشاعت کراچی)

(وكذا فی زبدة المناسک: ۳۴۹، سعيد)

حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا

سوال[۵۱۸۰]: جب کوئی حج کو جاتا ہے تو عوام اس کے نام کے اور بھی دیگر کے نام مثلاً مسٹر جناح کے نعرے زندہ باد بولنا، حاجی زندہ باد وغیرہ اسٹیشن وغیرہ پر بلند آواز سے روانگی کراتے وقت تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ ایک نمائش ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ،۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۳/ ذیقعدہ/۶۱ھ۔

حاجی کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا

سوال[۵۱۸۱]: حج کرنے والے کے پیچھے عورتیں جوان وبوڑھی اسٹیشن پر بھیجنے جاتی ہیں۔ یہ طریقہ کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

عورتوں کو اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنے اور اسٹیشن پر جانے کی ضرورت نہیں، ان کو باز آنا چاہئے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "﴿الذين هم يراؤن﴾ الناس، فيعملون حيث يروا الناس و يرونهم طلباً للثناء عليهم". (روح المعاني، سورة الماعون: ۳۰/۲۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمّع": أي من عمل عملاً للسمعة بأن نواه بعمله، و شهره ليسمع الناس به، و يمتدِحُوه "سمّع الله به": أي شهره الله بين أهل العرصات، وفضحه على رؤوس الأشهاد". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹/۱۷۷، رشيديه)

(۲) "و من منكراتهم أيضاً خروج النساء عند ذهابهم و عند مجيئهم، فإن الواجب على المرأة قعودها في بيتها و عدم خروجها من منزلها. وعلى الزوج منعها عن الخروج، و لو أذن لها و خرجت، كانا =

حج کا ولیمہ

سوال[۵۱۸۲]: لوگ حج سے واپس آنے پر اپنے خاندان والوں کی دعوت کرتے ہیں، یہ دعوت اور کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے اور بہت بڑی نعمت ہے اس کی ادائیگی پر اگر کوئی شخص شکریہ کے طور پر غرباء ومساکین اوراعزہ واحباب کو کھانا کھلائے یا کچھ ہدیہ دے تو شرعاً درست ہے(۱)، لیکن بعض جگہ اس میں

= عاصيين، والإذن قد يكون بالسكوت فهو كالقول؛ لأن النهى عن المنكر فرض. وإن خرجت بغير إذن زوجها يلعنها كل مَلَكٍ فى السماء وكل شىء يمر عليه إلا الإنس والجن، و قد جاء فى الحديث أنه عليه السلام قال: "ما تركت بعدى فتنةً أضر من النساء".

فخروج النساء فى هذا الزمان من بيوتهن من أكثر الفتن، لا سيماً الخروج المحرم كخروجهن خلف الجنازة، و لزيارة القبور، و عند خروج الحجاج و مجيئهم. والخير قعودهن فى بيوتهن و عدم خروجهن عن منزلهم، ألا ترى أنه تعالىٰ أمر خير نساء الدنيا، و هن أزواج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعدم الخروج من بيوتهن فقال: ﴿وقرن فى بيوتكن﴾ وهذا النظم الكريم وإن نزل فيهم إلا أن حكمه يعم الجميع، لما تقرر أن خطابات القرآن تعم الموجودين وقت نزوله، ومَن سيوجد إلى القيامة". (مجالس الأبرار، ص: ۱۴۵، مجلس نمبر: ۲۰)

﴿وقرن فى بيوتكن﴾: أى ألزمن فلا تخرجن لغير حاجة .... عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". وأقرب ما تكون بروحة ربها و هى فى قعر بيتها .... و روى البزار بإسناده المتقدم، و أبوداؤد أيضاً عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلاة المرأة فى مخدعها أفضل من صلاتها فى بيتها، و صلاتها فى بيتها أفضل من صلاتها فى حجرتها". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب، آيت: ۳۳): ۲۳۶/۳، ۲۳۷، دار الفيحاء دمشق)

(وكذا فى روح المعانى، سورة الأحزاب: ۶/۲۲، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "وعن أبى سعيد رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم: قال: "فأطعموا طعامكم الأتقياء وأولوا معروفكم المؤمنين". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، باب الضيافة، =

ریا اور فخر کی شان ہوتی ہے اور گویا کہ اپنے حج کا اعلان ہوتا ہے کہ حج کر کے آئے ہیں۔اور بعض جگہ پر کھانا لازم اور ضروری تصور کیا جاتا ہے، حتی کہ اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہوتو قرض لے کر کھلایا جاتا ہے اور بعض دفعہ اس کے لئے سودی قرض لیا جاتا ہے۔ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے، اس طرح کھلانے سے اور ایسا کھانا کھانے سے بھی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

حاجی کا خطاب

سوال[۵۱۸۳]: حجاج کرام جب حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو انہیں حاجی کا خطاب دیا جاتا ہے اور کچھ لوگ خود ہی حاجی لکھنے لگتے ہیں۔عوام کو حاجی کے خطاب سے پکارنا درست ہے یا نہیں؟ یہاں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی حج کئے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ ہی حج کیا، لیکن کہیں بھی حاجی کا خطاب نظر نہیں آتا، شرع سے اس کی تفصیل لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو "حاجی" کے لفظ سے خطاب نہیں کیا جاتا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے مناقب وفضائل بے شمار تھے اور حج تو وہاں کے مشرک بھی کرتے تھے۔ہمارے یہاں جس غریب کے پاس کوئی فضائل ومناقب نہیں اس کو حاجی کہہ کر کچھ تعظیم

= الفصل الثاني: ۳۲۹، قديمي)

(۱) "قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذ رُفعت عن رتبتها، الخ". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفة، بيروت)

"وأما إذا سجد بغير سبب، فليس بقربة ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلوت مكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنةً أو واجبةً، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، هكذا في الزاهدي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، سعيد)

وتکریم کر لی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن حاجی کو اس کا منتظر رہنا، یا خواہشمند رہنا، یا خود اس کی تشہیر کرنا کہ لوگ مجھے حاجی کہیں، یہ زیبا نہیں، وہ اپنے حج کی نمائش ہرگز نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۶ھ۔

مزارات کی زیارت کرتے ہوئے سفرِ حج

سوال[۵۱۸۴]: سیاست اخبار مورخہ ۲/ دسمبر/ ۶۰ء میں سفر حج کا جو طریقہ درج ہے، کیا شرع شریف میں اس طریقہ سے حج بیت اللہ شریف جائز ہے؟

فرحت اللہ، مسلم یتیم خانہ پریڈ، کان پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کان پور سے اجمیر شریف تک کا ٹکٹ خرید کر اس کے ذریعہ دہلی، اجمیر، آگرہ، جے پور، فتح پور، سیکری، بمبئی، بصرہ، بغداد، کربلائے معلی، نجف اشرف، کاظمین شریف، کوفہ، بیت المقدس، جدہ، مکہ معظمہ، طائف شریف، مدینہ منورہ کی زیارت بہت سستی اور آسان ہے، بظاہر تو بہت بڑے کارِ خیر کا دروازہ کھل کر شائقین حج وزیارت پر احسانِ عظیم کیا گیا ہے، بہت مسلمان روپیہ کی کمی کی وجہ سے محروم تھے اب ان کو بھی آسانی ہوگی۔ غالباً اس اعلان پر بے شمار ٹکٹ خریدے جائیں گے اور بے شمار روپیہ بھی جمع ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے خوش نصیب ایسے ہوں گے جن کا ٹکٹ برآمد ہوگا اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے ارمانوں پر پانی پھر جائے گا اور حسرتیں خاک میں مل جائیں گی۔

---

(۱) "﴿الذین هم یراؤن﴾ الناس، فیعملون حیث یروا الناس و یرونهم طلباً للثناء علیهم". (روح المعانی، سورة الماعون: ۲۴۲/۳۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وعن جندب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمّع": أی من عمل عملاً للسمعة بأن نواه بعمله، و شهره لیسمع الناس به، و یمتدِحُوه "سمع الله به": أی شهره الله بین أهل العرصات، وفضحه علی رؤوس الأشهاد". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ۱۷۷/۹، رشیدیه)

نیز دیکھئے: (معلم الحجاج، ص: ۴۰۷، ادارۃ القرآن کراچی)

یہ درحقیقت جُو ا اور قمار ہے، جیسے قسم قسم کے معمے حل کرنے کے لئے دفتر کھلے ہوئے ہیں اور لاٹری کے ذریعہ کاروبار کئے جارہے ہیں اسی کا ایک شعبہ یہ بھی کھولا گیا ہے، اسی میں کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کی زیارت کا وعدہ کر کے اہلِ تشیع کو دعوت دی گئی ہے، اہلِ سنت والجماعت کو بھی ان کے خصوصی مذہبی شعار میں شرکت کا موقع مل سکے گا تا کہ یہ بیچارے تعزیہ داری اور ماتم ہی پر قناعت نہ کریں بلکہ قدم آگے بھی بڑھائیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس کی شرکت کو تو اس میں اصل ہی قرار دیا گیا ہے کہ جو بیچارے بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارتِ مسنونہ پر کفایت کرتے اور مشروع طریق پر ایصالِ ثواب کر لیتے تھے وہ طواف اور سجدۂ مزار شریف سے بھی نہ بچ سکیں گے اور وہاں کی ہر قسم کی خرافات، شرکیات میں برابر کے شریک ہو جائیں گے، سیر وتفریح کے دیگر مقامات بھی دکھائے جائیں گے۔ غرض محض حج وزیارت کی نیت سے یہ سفر اصالۃً نہ ہو سکے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

کیا ہر حج میں نولاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے آدمی شریک ہوتے ہیں؟

سوال [۵۱۸۵]: عوام میں یہ بھی مشہور ہے کہ کعبۃ اللہ کا جب حج ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ نولاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے (۹،۹۹،۹۹۹) آدمی اس میں شامل ہوتے ہیں، اگر کمی ہوتی ہے تو فرشتے پوری

---

(۱) قال العلامہ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ "هو (أی الحج) بفتح الحاء وكسرها، لغةً: القصد إلى معظم، لا مطلق القصد كما ظنه بعضهم. وشرعاً: زيارة مكان مخصوص: أی الكعبة والعرَفة فی زمن مخصوص". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "فهو قصد مقترن بهذه الأفعال لا مجرد القصد .... ولما كان الحج لغةً هو مطلق القصد إلى معظم، خصّصوه بكونه قصداً إلى معظم معين بأفعال معينة، و لو جعل اسماً للأفعال المعينة إصالةً لباين المعنى اللغوی المنقول عنه". (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۴۵۴، سعيد)

"أن الحج بفتح الحاء و يكسر، لغةً: القصد المطلق، أو بقيد التكرار، أو قصد المعظم، و هو المختار". فی شرحه: "أی يقصدونه معظمين إياه". (إرشاد الساری إلى مناسك الملا علی القاری، باب =

کردیتے ہیں۔آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عدد میں نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔



= شرائط الحج، ص: ۷۱، مکتبہ مصطفی محمد صاحب مصر)

(وكذا في مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، ص: ۷۲، إدارة القرآن كراچى)

کتاب النکاح

شرعاً نکاح کی حقیقت

سوال [۵۱۸۶]: سوال بے حد طویل ہے، خلاصۂ سوال، جواب سے ظاہر ہے۔ سائل نے مطبوعہ نکاح نامہ رجسٹر کا ایک صفحہ نقل کر کے سوال کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے (☆)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک طرف سے ایجاب ہو جائے دوسری طرف سے قبول۔ اور یہ دو گواہوں کے سامنے ہو، جو دونوں مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے ہوں۔ اس طرح شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا (۱)۔

جو صورت سوال میں مذکور ہے نکاح اس طرح بھی ہو جائے گا، مگر یہ تمام کیفیت نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، ہاں خطبہ پڑھنا مسنون ہے (۲)۔ اگر لڑکی بالغہ نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی نکاح کریگا (۳) اور

(☆) اصل استفتاء کی یہی عبارت ہے، اس کے علاوہ مزید کچھ نہیں۔

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجابٍ من أحد هما وقبولٍ من الآخر، وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، ۳/ ۹، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، ۳۰۶، شركة العلمية ملتان)

(۲) "و يندب إعلانه و تقديم خطبته". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۸، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة، جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما يستحب له: ۹/ ۶۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/ ۱۱۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "و للولي إنكاح الصغير و الصغيرة". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: =

اگر بالغہ ہوتو اس کی اجازت سے نکاح کیا جائے (۱) اور اپنی طرف سے وکیل بھی بنا سکتی ہے (۲)، گواہوں کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ لڑکی کے محرم ہوں، نہ وکیل کیلئے محرم ہونا ضروری ہے، غیر شخص کو بھی بنانے کا حق ہے، مثلاً چچا زاد بھائی۔ خطبہ کیلئے کھڑا ہونا بھی ضروری نہیں اور "النکاح من سنتی" (۳) وغیرہ احادیث اگر نہ پڑھی جائیں تب بھی خطبہ ادا ہوجائے گا۔

تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانا زائدیات ہے، ایجاب ایک دفعہ بھی کافی ہے۔ طلوع، زوال، غروب کے وقت بھی نکاح صحیح ہے۔ رجسٹر میں درج کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، طریقۂ مذکورہ پر (وکیل، گواہ وغیرہ کے نام لکھنا) یہ قانونی چیز ہے کہ بوقتِ ضرورت عدالت میں کام دے سکے اور نزاع کو ختم کرنا آسان ہوجائے، نفسِ

= ۳/ ۶۵، رشیدیہ)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأوليا ء ....اهـ: ۳/۲۰۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۵۰۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى وعليه وسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن، الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولى فى النكاح واستيذان المرأة، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قديمي)

"قال في المحيط: والسنة أن يستأمر البكر وليها قبل النكاح بأن يقول: إن فلاناً يخطبک أو يذكرک، فسكتت. وإن زوجها بغير استئمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها، اهـ. وهو محمل النهي في حديث مسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأوليا ء و الأكفاء: ۲/ ۴۹۵، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/ ۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب النكاح، الوكالة بالنكاح: ۳/ ۲۹، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي، فليس مني". الحديث. (سنن ابن ماجه، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح: ۱/۱۳۳، قديمي)

نکاح بغیر اندراج رجسٹر کے بلاتکلف درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح کی تعریف،غرض اوراس کا طریقہ

سوال[۵۱۸۷]: ۱......نکاح کس کو کہتے ہیں؟اوراس کی کیا غرضیں ہیں؟اورکیا غایت ہے؟

۲......بنیاد نکاح کیا ہے؟اور کیسے اورکس طرح ہوسکتا ہے یعنی نکاح ہوجانے کا کیا حکم ہے؟اس کی کیا صورت ہے؟

۳......نکاح میں گواہ کی شرط ہے یانہیں اورگواہ کتنے شرط ہیں،کیا عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح ہوسکتا ہے؟

۴......نکاح میں عورت کے وکیل ہونے کی شرط ہے ایک یادو یااس سے بھی زائد؟

۵......نکاح میں قاضی یعنی نکاح پڑھانے والے کی شرط ہے یانہیں؟ قاضی ایک یادو یازائد بھی ہوسکتے ہیں،یا کبھی قاضی کی بھی ضرورت نہیں؟

۶......گواہ کا مطلب اردو کلام میں کیا ہے؟اور وکیل کا مطلب کیا ہے اورکیا کام ہے؟اور یہ سب کام غیر معلم مردعورت بھی ادا کرسکتے ہیں یا مسلمان ہونا گواہ اوروکیل کا شرط ہے یا سرپرست بن سکتے ہیں؟

۷......نکاح کرنے والا مسلم عورت کا سرپرستِ حقیقی اس کا عزیز رشتہ دار ہی ہوسکتا ہے،یا کوئی غیر بھی، یعنی گواہ یاوکیل یا غیر بھی؟

۸......نکاح کے معاملہ کورجسٹر پرلکھ لینا ضروری یا شرط ہے یا کہ نہیں؟اوراگر ایسا نہ ہوتو کیا نکاح نہ ہوگا؟اگر رجسٹر میں گواہ بھی تین اورقاضی بھی تین سرپرست وکیل بھی تین ہیں؟اورعورت انکار کردے تو نکاح باقی رہے گا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳،۴،۵،۶،۷،۸......نکاح ایک عقد ہے جس کے ذریعہ مردکوعورت سے حقِ جماع حاصل ہوتا ہے اوراس کے لوازمات مرتب ہوتے ہیں۔عورت کے لئے مہر،نفقہ،سکنیٰ، نیز اولاد ہونے پر ثبوتِ

نسب وغیرہ(۱)۔عورت اگر بالغہ ہوتو وہ خود بھی بغیر سرپرست کے اور بغیر کسی وکیل کے براہ راست عقدِ نکاح کرسکتی ہے،مگر اس کے لئے اتنی شرط ہے کہ اپنے کفو میں مہرِ مثل پر نکاح کرے،اپنے سے گرے ہوئے مرد سے نکاح نہ کرے جس سے اس کے خاندان کو عار لاحق ہو(۲)۔اس کا سرپرست ولی بھی اس کا نکاح اس کی اجازت سے کرسکتا ہے اور یہی بہتر ہے۔ولی نے اگر بغیر اس سے اجازت حاصل کئے اس کا نکاح کردیا اور وہ معلوم ہونے پر خاموش ہوگئی یعنی رضامند رہی تب بھی نکاح معتبر ہوجائے گا(۳)۔

نکاح کے لئے کم ازکم دومسلمان مردوں یا ایک مرد اور دوعورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، بغیر گواہوں کے یا صرف عورتوں کی گواہی پر یا غیر مسلمان کی گواہی پر ایجاب وقبول کرنے سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا(۴)۔عورت اگر خود ایجاب وقبول نہ کرے، نہ اس کا ولی اس کا عقد کرے، بلکہ عورت کسی کو اپنی طرف

(۱) "هو عقد يفيد ملك المتعة: أى حل استمتاع الرجل. الخ". (الدرالمختار). "(قوله: أى حل استمتاع الرجل): أى المراد أنه عقد يفيد حكمه بحسب الوضع الشرعي. وفي البدائع: إن من أحكامه ملك المتعة، و هو اختصاص الزوج بمنافع بعضعها و سائر أعضائها استمتاعاً أو ملك الذات والنفس في حق التمتع، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۳۰۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۶، ۱۸۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "و ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها .... ولكن للولي الاعتراض في غير الكفوء". (فتح القدير، كتاب النكاح ۳/ ۲۵۶، ۲۵۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، ۳۲۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازتها، جاز، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، ۳/۲۶۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(۴) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول .... اعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه الاسلام: "لا نكاح إلا بشهود". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان) ...... =

سے وکیل بنادے، اوروہ وکیل اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرے تب بھی صحیح ہے اگر چہ وہ وکیل کوئی عورت ہی ہو۔ وکیل بنانے کے لئے یا عورت سے نکاح کی اجازت کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے۔ مسلم عورت کا ولی غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔ غیر مسلم کو نکاح میں وکیل بھی نہ بنایا جائے (۱)۔

قاضی یا کوئی بھی ایجاب وقبول کرادے اس طرح درست ہے، بہتر یہ ہے کہ مجمع میں نکاح کیا جائے (۲)، اگر بغیر قاضی کے صرف دو گواہوں کے سامنے مرد اور عورت نکاح کرلیں تب بھی نکاح ہوجائے گا، اور نکاح کے ثبوت کے لئے گواہوں کا سننا بھی کافی ہے (۳)۔ نکاح کی مجلس منعقد ہونا بھی ضروری نہیں، جب کسی کے متعلق مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے اوروہ اس کی بیوی ہے اور عورت انکار کرے اس کے باوجود وہ اس کی بیوی ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۴ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

(۱) "ولا ولاية لكافر على مسلم، لقوله تعالىٰ: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾".

(الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۸/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب الأوليا والأكفاء: ۲۸۵/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأوليا والأكفاء: ۲۱۷/۳، رشيديه)

(۲) "ويندب إعلانه: أي إظهاره، والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد، لحديث الترمذي: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المسجد، واضربوا عليه بالدفوف" الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۸۹/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(۳) "فالحاصل أنه يشترط سماعهما معاً مع الفهم على الأصح. الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۲/۳، رشيديه)

"والصحيح اشتراط السماع؛ لأنه المقصود من الحضور، وسيأتي تمامه. الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخ". (الدر المختار، مسائل شتى: ۴۵۱/۵، سعيد) ..... =

نکاح کا مسنون طریقہ

سوال[۵۱۸۸]: نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے یعنی کس طرح ایجاب وقبول کرائے اور کیا خطبہ پڑھے؟

محمد بشیر، ۲۴/ پرگنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الحمد لله نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور أنفسنا، من يهدى الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له، وأشهد أن محمداً عبده و رسوله. و يقرأ ثلث ايات: ﴿ياأيها الذين امنوا اتقوا الله حق تقاته، و لاتموتن إلا وأنتم مسلمون﴾۔

اوردوسری آیت: ﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة، وخلق منها زوجها، و بث منهما رجالاً كثيراً و نساءً، واتقوا الله الذى تساء لون به والأرحام، إن الله كان عليكم رقيباً﴾۔

تیسری: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله، و قولوا قولاً سديداً، يصلح لكم أعمالكم و يغفر لكم ذنوبكم، و من يطع الله ورسوله، فقد فاز فوزاً عظيماً﴾۔

رواه أحمد والترمذى وأبو داؤد والنسائى وابن ماجه والدارمى. وفى جامع الترمذى: فسر الايات الثلاثة سفيان الثورى. وزاد ابن ماجة بعد قوله: "إن الحمد لله" "نحمده" وبعد قوله: "من شرور أنفسنا". "ومن سيات أعمالنا". والدارمى بعد قوله: "عظيماً" "ثم يتكلم بحاجته". و روى فى شرح السنة عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه فى خطبة الحاجة من النكاح وغيره". مشكوة، ص: ۲۷۲ (۱)۔

= "و جحدُ العقد لايرتفع العقد". (الفروق للكرابيسى: ۱/ ۱۳۱، كويت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانى، ص: ۲۷۲، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۳۷۲۱)، مسند عبدالله بن مسعود: ۱/ ۶۴۸، دارإحياء التراث بيروت) =

خطبہ مذکورہ پڑھنے کے بعد عورت کا نام مع ولدیت لے کر مرد سے کہے کہ: ''میں نے فلانہ بنت فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ بعوض مہر مبلغ اتنے روپیہ کیا، کیا تم نے قبول کیا''؟ وہ مرد جواب میں کہے: ''میں نے اس کو قبول کیا''۔ بس نکاح ہوگیا، اس کے بعد دعاء کرے: "بارك الله لك، و بارك الله عليك، وجمع بينكما في خير"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۵۱۸۹]: شرعی شادی کا کیا طریقہ ہے؟ مختصراً بیان کیا جائے تاکہ عمل میں لایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب شادی کرنے کا ارادہ ہو بلا کسی خاص برات اور بری(۲) وغیرہ کے اہتمام کئے چند آدمیوں میں

= (وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۱/۲۹۶، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، ابواب النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح: ۱/۲۱۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، مايستحب من الكلام عندالنكاح: ۲/۷۸، قديمي)

(وابن ماجة، ابواب النكاح، باب خطبة النكاح: ۱/۱۳۶، قديمي)

(والدارمي، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۲/۱۹۱، قديمي)

(وكذا في عمل اليوم والليلة لأبي بكر السني، باب خطبة النكاح، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، نور محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۸، سعيد)

(۱) (عمل اليوم والليلة، باب مايقول الرجل إذا تزوج، باب خطبة النكاح، ص: ۲۰۰، نور محمد كتب خانه كراچي)

(وصحيح البخاري، باب: كيف يُدعى للمتزوج: ۲/۷۷۴، ۷۷۵، قديمي)

(۲) ''بری: ساچق کا سامان، بیوہ پارچہ جات وغیرہ، جو دلہا کی جانب سے دلہن کے ہاں بھیجے جاتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۸، فیروز سنز، لاہور)

ایجاب وقبول کرادیا جائے (۱)، اگر وسعت ہوتو چھوہارے تقسیم کرادئے جائیں (۲)، دلہن کو دولہا کے گھر بھیج دیا جائے، جو کچھ چیز دلہن کو بطورِ صلہ رحمی دینا منظور ہو بلا کسی خاص شہرت اور نمود کے خواہ بعد میں بھیج دیا جائے خواہ جب ہی اس کے ساتھ کردیا جائے۔ اور مہر حسبِ استطاعت ہو، شریعت نے اس کی ادنیٰ مقدار دس درہم قرار دی ہے، اس سے کم جائز نہیں (۳) اور زیادہ کی شریعت نے مقدار مقرر نہیں کی ہے، البتہ وسعت سے زیادہ ہونا اچھا نہیں۔ زیادہ تفصیل دیکھنا ہوتو بہشتی زیور چھٹا حصہ دیکھیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول .... و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجلٍ وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹ - ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵ رشيديه)

(۲) "(أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حضر في املاك (أي نكاح) فأتِيَ بطباق عليها جوزٌ ولوزٌ وتمرٌ، فنثرت، فقبضنا أيدينا، فقال: "ما بالكم لا تأخذون"؟ فقالوا: لأنك نهيت عن النهبئى، فقال: "فما نهيتكم عن نهبئى العساكر، خذوا على اسم الله". فجاذَبنا و جاذبناه". (إعلاء السنن، باب استحباب الوليمة و كون وقته بعد الدخول: ۱۱/۱۱، إدارة القرآن كراچی)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ نکاح چھوارے تقسیم کرنا سنت ہے۔

(۳) "أقله عشرة دراهم، لحديث البيهقي وغيره: "لامهر أقل من عشرة دراهم". ورواية الأقل تحمل على المعجل". (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في أقل المهر: ۳/۴۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۴) (بهشتی زیور، باب: مہر زیادہ بڑھانے کا بیان، حصه ششم، ص: ۴۳۵، دار الاشاعت کراچی)

نکاح کا شرعی طریقہ

سوال[۵۱۹۰]: نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ خود عورت یا اس کے ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے سامنے عقد کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱۵ھ۔

نکاح کا طریقہ، ایجاب وقبول کون کرائے؟

سوال[۵۱۹۱]: شادی میں نکاح پڑھانے کے وقت امام صاحب نکاح قبول نہیں کراتے، بلکہ وکیل ہی قبول کراتے ہیں، یہ حق وکیل کا ہے یا امام صاحب کا؟ نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل ولی، امام، قاضی کوئی بھی گواہوں کے سامنے کہے کہ ''میں نے فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر تمہارے نکاح میں دی''، لڑکا کہے کہ ''میں نے اس کو قبول کیا''۔ لڑکی خود بھی گواہوں کی موجودگی میں اپنے متعلق یہ کہہ دے اور لڑکا قبول کرلے تب بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۵/۱۸ھ۔

---

(۱) "و ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... و شرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر، ليتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذافي النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، ۱۸۲، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "(وينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضى) ..... (كزوجت) نفسى أو بنتى أو موكلتى منك (و) يقول الآخر: (تزوجت)". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا فى الطحطاوى على الدر المختار، كتاب النكاح، ۵/۲، ۷، دار المعرفة بيروت) .... =

نکاح کا حکم: وجوب وسنیت مطلق ہے یا بدلتا رہتا ہے؟

سوال[۵۱۹۲]: مسئلہ احکامِ نکاح سے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ نکاح کا حکم مطلق ہے یا اس کا حکم حال کے مطابق بدلتا رہتا ہے؟ از راہ کرم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا حکم سب کے حق میں یکساں نہیں ہے۔ جس پر شہوت غالب ہو کہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا مظنہ ہو اور وہ مہر ونفقہ پر قادر ہو، اس کے ذمہ نکاح کرنا فرض ہے، نکاح نہیں کرے گا تو گنا ہگار ہوگا، اتنی بات بلا اختلاف ہے، چنانچہ ملک العلماء نے لکھا ہے:

"لا خلاف أن النكاح فرضٌ حالة التوقان، حتى أن من تاقت نفسه إلى النساء بحيث لا يمكنه الصبر عنهن، وهو قادرٌ على المهر والنفقة و لم يتزوج، يأثم، اهـ". بدائع: ۲/۲۲۸(۱)۔

جس پر ایسا غلبۂ شہوت نہ ہو، اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں: اصحاب ظواہر کے نزدیک نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع وشراء کی طرح مباح ہے، احناف میں سے بعض نے مندوب ومستحب کہا ہے، بعض وجوب علی الکفایہ کے قائل ہیں، بعض وجوب علی العین کے۔ ان سب اقوال کے دلائل بدائع میں مذکور ہیں۔

راجح یہ ہے کہ اعتدال شہوت کے وقت یعنی جب کہ ابتلائے معصیت کا مظنہ بھی نہ ہو بلکہ صبر وضبط پر قدرت ہو، ادائے حق زوجیت پر قدرت ہو اور ادائے نفقہ ومہر پر بھی قدرت ہو، سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ نکاح کی وجہ سے ترکِ فرائض وسنن کا خوف نہ ہو، نیز خوفِ جور نہ ہو، اس حالتِ اعتدال میں اگر نہیں کرے گا تو ترکِ سنت مؤکدہ کے وبال میں ماخوذ ہوگا، اگر حالت اس اعتدال سے گری ہوئی ہو تو اس کے حق میں سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ اس حالت میں اگر ادائے مہر ونفقہ پر قدرت نہ ہو، یا جور میں مبتلا ہو جائے، یا اس کی وجہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۳/۳۱۱، دار الكتب العلميه بيروت)

سے فرائض وسنت ترک کرنے کی نوبت آ جائے تو گنہگار رہوگا، ایسے شخص کو نکاح سے بچنا لازم ہوگا، بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ ہوگا اور بعض میں حرام ہوگا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: " و صفته فرض وواجب و سنة و حرام و مكروه و مباح. اه". بحر: ۷۹/۳(۱)۔

پھر ہر نوع کا محمل بیان کیا ہے اور مختصر دلائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے:

"أما الأول فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج، بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به؛ لأن ما لا يتوصل إلىٰ ترك الحرام إلا به، يكون فرضاً. وأما الثاني فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة؛ إذ ليس الخوف مطلقاً مستلزماً بلوغه إلى عدم التمكن، و به يحصل التوفيق بين قول مَن عبّر بالافتراض و بين من عبّر بالوجوب. وكلٌّ من هذين القسمين مشروط بشرطين: الأول: ملك المهر والنفقة، فليس من خافه إذا كان عاجزاً عنهما اثماً بتركه، كما في البدائع.

الثاني: عدم خوف الجور، لو تزوج قدم الثاني، فلا افتراض بل مكروه، كما أفاده في فتح القدير، ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد، والمنع من الزنا من حقوق الله تعالىٰ، وحق العبد مقدم عند التعارض، لاحتياجه، و غنى المولىٰ تعالىٰ۔

وأما الثالث فعند الاعتدال و سيأتي بيانه. وأما الرابع فبأن يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه؛ لأنّه إنما شرع لمصلحة من تحصين النفس و تحصيل الثواب، وبالجور يأثم و يرتكب المحرمات، فتنعدم المصالح، لرجحان هذه المفاسد. وأما الخامس فبأن يخاف لا بالحيثية المذكورة، و هي: كراهية تحريم. ومن أطلق الكراهة عند خوف الجور، فمراده القسم الثاني من القسمين. وأما السادس فبأن يخاف العجز من الإيفاء بمواجبه -كذا في المجتبىٰ- يعني في المستقبل. وأما محاسنه، فكثيرة". بحر: ۷۹/۳(۲)۔

حالتِ اعتدال میں نکاح کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، شرائط پائے جانے کے باجود سنت موکدہ کا

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۰/۳، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

ترک کرنا گناہ ہے، اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و هو سنة، وعند التوقان واجب، فالمراد به السنة المؤكدة على الأصح، و صرح في المحيط أيضاً بأنها مؤكدة، ومقتضاه الإثم لو لم يتزوج؛ لأن الصحيح أن ترك السنة المؤكدة مؤثم، كما علم في الصلوة، والمراد بها حالة القدرة على الوطئ، والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور و ترك الفرائض والسنن، فلولم يقدر على واحد من الثلاثة، أوخاف واحداً من الثلاثة، فليس معتدلاً، فلا يكون سنةً في حقه، كما أفاده في البدائع، اهـ". ۳/۸۰(۱)۔

فتح القدير (۲) مبسوط (۳) وغیرہ کتبِ احناف میں یہی تفصیل مذکور ہے، لہٰذا سب پر ایک حکم لگا دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۰/۲/۸۹ھ۔

نکاح کے فرائض، واجبات، مستحبات

سوال[۵۱۹۳]: نکاح میں کتنے فرض، کتنی سنت، کتنے مستحب ہیں اور کیا کیا ہیں؟ اور کتنی باتوں اور کاموں سے نکاح درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایجاب وقبول فرض ہے، بغیر اس کے نکاح ہی نہیں ہوتا (۴)، دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے (۵)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۲، رشيديه)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، مكتبه مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) (المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ۴/۲۱۵، غفاريه كوئٹه)

(۴) "وأما ركنه، فالإيجاب والقبول". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(۵) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان) ....

نکاح کا اعلان اوراس سے پہلے خطبہ اوراس کا مسجد میں ہونا اور جمعہ کا دن ہونا مندوب ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۲/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۵/۲/۱۳۸۹ھ۔

اعلانِ نکاح کے مصالح

سوال[۵۱۹۴]: آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ’’نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد اعلان ہو‘‘۔اعلان ہونا سخت خطرناک امر ہے،خاکسار کی تو یہی عرض ہے کہ خفیہ نکاح کی اطلاع خاص قاضی اور دو گواہوں کو ہو،اور کسی بچہ تک کو بھی نہ معلوم ہو سکے،کیونکہ پوشیدہ نکاح سے لوگوں سے کسی قسم کا فتنہ فساد نہیں ہوتا ہے،اگر نکاح سے پہلے یا بعد میں اطلاع دی جاوے تو سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے۔صرف خادم کی یہ عرض ہے،نکاح کی اطلاع اعلان تازندگی معلوم نہ ہو۔آپ یہ فرمادیں کہ تازندگی کے لئے خفیہ نکاح جائز ہوجائے گا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح صرف دوگواہوں کے سامنے منعقد ہوجاتا ہے(۲)،البتہ اس کا اعلان کرنا مستحب ہے(۳)،

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "ويندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين عدولاً كانوا أوغير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱-۲۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحائق، كتاب النكاح: ۲/۴۵۲، ۴۵۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي". .... =

اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ کہیں چلا گیا یا مر گیا اور عورت نے نکاح سے انکار کردیا تو قضاءً ثبوت میں دشواری ہوگی، اولاد کے نسب میں بھی اشکال ہوگا، جن لوگوں کو نکاح کا علم نہیں وہ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے، زوجین کے تعلقات کو حرمت اور زنا وغیرہ پر محمول کریں گے۔ اہلِ تجربہ سے یہ اشیاء مخفی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/محرم/ ۵۷ھ۔

نکاح کا اعلان

سوال[۵۱۹۵]: بوقتِ نکاح اعلان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر بارات کے آدمی کثرت سے موجود ہوں پھر بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور کس چیز سے شریعت میں اعلان کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی میں گانے بجانے کے ساز و باز جو برات مروج ہے، ان سے اعلان کرایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا اعلان مندوب ہے: "ویندب إعلانه، اه". درمختار: ۲/ ٤٠٤ (۱)۔ اعلان کے لئے

= قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "أعلنوا هذاالنكاح": أی بالبينة، فالأمر للوجوب، أو بالإظهار والاشتهار، فالأمر للاستحباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی: ۲/ ۲۱۳، رشيديه)

"ويندب إعلانه". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱٤۳، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

"وروى الترمذی عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". كذا فی فتح القدير".

(البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱٤۳، رشيديه) .... =

بوقتِ عقد محض دف بجادینا کافی ہے اور طریقۂ مروجہ پر ساز وغیرہ بجانا جیسا کہ سوال میں درج ہے جائز نہیں:

"وكره كل لهو: أي كل لعب وعبث، والثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والرباط والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار. واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، اه". شامي: ٥/٢٧٩(١)- "وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر. وفي السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب، اه". شامي: ٥/٢٤٧(٢)- فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان

سوال[۵۱۹۲]: گانا بجانا اور سننا عامۃً جب حرام ہے تو دف باجا کس طرح حلال ہوا؟ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "اعلانِ نکاح اس سے کیا جاوے" اس سے دف کے باجے کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح کے اعلان کا حکم ہے، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس پر دف بجایا جائے، اگر اعلان بلا دف کے ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اور دف بھی وہ جس میں جلاجل نہ ہو، جلاجل کے ساتھ مکروہ ہے:

= (ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة، اهـ، الفصل الأول: ٢/٢٧٢، قديمي)

(١) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٩٥، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ٤/٢٢٢، المكتبة الغفارية)

(٢) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٥٠، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، المتفرقات: ٤/٢٢٢، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٣، رشيديه)

"وروی الترمذی عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعلنوا هذا النکاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". کذا فی فتح القدیر، و الذخیرة"(۱)۔

اور محض ضربِ دف اور ضربِ غربال جس میں کوئی تطریب نہ ہو، صرف صوت مسموع ہو، اس میں کوئی لذت اور حظ نہیں ہے جیسا کہ سحری کی اطلاع کے لئے نقارہ بجادیا جائے، یا مدرسہ کے وقت کے لئے گھنٹہ بجادیا جائے۔

العرف الشذی میں ہے:"(قوله: الدف، الخ) ما یکون مجلداً من جانب واحد، وصرح الفقهاء بعدم جوازذی جلاجل، أقول: تدل المسائل علی التوسیع وجواز ما یقال له: الدهل، وجواز النقارة والطبل، فإنه لا ذوق ولا حظ فی هذه الأشیاء"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۹ھ۔

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا

سوال[۵۱۹۷]: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو بغیر دیکھے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ لڑکی کو دیکھا جائے؟ جواب مع حوالجات سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاف صاف مطالبہ کرنا کہ مجھے دکھاؤ، میں خود دیکھوں گا تو مناسب نہیں، ہاں! کہیں موقع مل جائے

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۴۳/۳، رشیدیه)

(والحدیث أخرجه الترمذی فی سننه فی باب ما جاء فی إعلان النکاح: ۲۰۷/۱، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح: ۴۴۷/۲، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب النکاح: ۸/۳، سعید)

(۲) (العرف الشذی، باب إعلان النکاح: ۲۰۸/۱، سیعد)

"قال الفقهاء: المراد بالدف مالا جلاجل له، کذا ذکره ابن الهمام". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، باب إعلان النکاح والخطبة والشرط: ۳۱۲/۶، رشیدیه)

چھپ چھپا کر دیکھنے میں مضائقہ نہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "إذا خطب أحدکم المرأة، فإن استطاع أن ینظر إلی ما یدعوه إلیٰ نکاحها، فلیفعل". أبو داؤد شریف(۱)، بذل المجهود: ۲/۳۲۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اشکال بر جوابِ مذکورہ بالا

سوال[۵۱۹۸]: مندرجہ بالا سوال کے...... جواب سے مطمئن نہیں ہوا، مزید چند سوالات اسی سے متعلق جو ذہن کو بُری طرح کریدر ہے ہیں، پیش خدمت ہیں، براہ کرام واضح طور پر جواب ارسال فرماویں۔

لفظ "مناسب نہیں" اور "شرعاً جائز ہونے" میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود "شرعاً جائز نا جائز ہونے" میں ہے، یہ سب اسی لئے کہ پردہ کا عمل مانع ہوا ہے، لہٰذا اگر صحیح طور پر پردہ کیا جائے تو چھپ چھپا کر دیکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکتا، اس طرح اگر دیکھنے کا موقع میسر آتا ہے تو پردہ پر عیب آتا ہے اور اگر پردہ سخت وصحیح ہے تو دیکھنا ممکن نہیں۔

دوسری چوری سے دیکھنا کریکٹر کے خلاف ہے، دیگر چھپ چھپا کر دیکھنے میں قطعی ممکن نہیں کہ صرف مطلوبہ کو ہی دیکھا جاوے اس کے عوض دیگر مستورات پر نگاہ پڑنا فطری وقدرتی بات ہے، لہٰذا دوسروں کی بیوی اور بہو، بیٹیوں کو نگاہیں ڈالنا نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے شرافت سے بھی پرے ہے یہاں تک کہ گناہ ہے۔

کیا اس مذہب میں شریفانہ طریقہ پر دیکھنے کا موقع ان فریقین کو حاصل نہیں ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ تمام عمر کا معاہدہ کرتے ہیں؟ اس دور میں صورت کا قبول ہونا ایک خاص جزو بن چکا ہے اور ایک طرف شرعی

---

(۱) (سنن أبي داؤد، باب الرجل ینظر إلی المرأة وهو یرید تزویجها: ۱/۲۸۴، مکتبة دار الحدیث، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، باب الرجل ینظر إلی المرأة وهو یرید تزویجها: ۴/۱۹، ۲۰، إمدادیه ملتان)

(وکذا في مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثاني: ۶/۲۸۰، رشیدیه)

طور پر دونوں فریقین ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لئے قطعی خود مختار ہیں، لہٰذا اس صورت میں کیا جائز اور صحیح نہیں ہوگا کہ دیکھنے کا موقع میسر کیا جائے۔

''نمائش'' اور ''دیکھنے'' میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود صرف دیکھنے سے ہے نمائش سے نہیں ہے۔ آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیجئے، چونکہ بعض جگہ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید جس سے عقدِ نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک سے پہلے ایک نظر اس کو دیکھ لے تو اس کی شریعت نے گنجائش دی ہے۔ اگر زید کی کوئی محرم (خالہ، پھوپی، نانی، دادی، وغیرہ) اپنے مکان پر زید کی منسوبہ کو پردہ کے ساتھ بلالیں اور زید وہاں کسی کمرہ میں ہو جس کا منسوبہ کو علم نہ ہو اور وہاں سے دیکھ لے تو یہ درست ہے۔ اس صورت پر آپ کے پیش شدہ اشکالات وارد نہیں ہوں گے۔

اگر ہر شخص صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور یہ دروازہ کھول دیا جائے تو نہیں معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کرنے کے لئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، ایک ناپسند کرے گا، اس کی بھی شہرت ہوگی، اس سے احباب ناپسندیدگی کی وجہ دریافت کریں گے وہ اس کا حلیہ پوری تفصیل سے بتائے گا، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہوجائے گی کہ گاہک آتے ہیں دیکھتے ہیں ناپسند کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شادی عمر بھر کے ساتھ کی نیت سے کی جاتی ہے (چھوڑنے کی نیت سے نہیں کی جاتی)، لیکن ساتھ کا نباہ صرف صورت پر نہیں، بسا اوقات صورت اچھی ہونے کے باوجود خانہ داری کا سلیقہ نہیں ہوتا، تعلیم نہیں ہوتی، اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی، گفتگو شستہ نہیں ہوتی، اَور بھی امور ہیں جن کو نباہ میں بڑا دخل ہے اور محض صورت دیکھ کر ان کے متعلق رائے صحیح قائم کرنا دشوار ہے، پھر منسوبہ کو بھی قلبی تعلق ہوگا یا نہیں۔

اس قسم کے امور کی وجہ سے ایک قوم نے مستقل انٹرویو شروع کردیا کہ تنہا کمرہ میں اپنی منسوبہ سے ملاقات کرکے ہاتھ ملا کر دیر تک گفتگو اور خوش طبعی کرکے طرفین اندازہ کرلیں۔ ایک قوم نے یہ روش اختیار کی کہ لڑکے اور لڑکی کو خاندان والے واحباب کسی جگہ ساتھ رہنے وزندگی کا کچھ حصہ مل کر گذارنے کے لئے تجربہ کے طور پھر بھیج دیں کہ دونوں اپنے اپنے خاندان سے علیحدہ ہوکر کاروبار کریں اور سال دوسال کے بعد اگر اندازہ ہوجائے کہ نباہ ہوجائے گا تو پھر شادی کردی جائے، ورنہ تجربہ کے لئے لڑکے کے لئے دوسری لڑکی تجویز کی

جائے اور لڑکی کے واسطے دوسرا لڑکا تجویز کیا جائے۔ اس سب کے باوجود پھر بھی موافقت نہیں ہوتی اور متارکت کی نوبت آتی ہے۔ جو جذبات قلب میں آج موجود ہیں، کوئی ذمہ داری نہیں کہ کل بھی موجود رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں، پس جتنی بات کی شریعت نے گنجائش دی ہے اس پر اکتفاء کیا جائے، شادی کے بعد صبر وتحمل سے کام لیا جائے، ہاں اگر صورتِ حال قابلِ برداشت نہ رہے تو شریعت نے خلع اور طلاق کا باب بھی رکھا ہے تاکہ زندگی اجیرن نہ ہو جائے اور حقوق بھی تلف نہ ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۹۰ھ۔

زوجین کی عمر میں تناسب، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض اور اس کا حکم

سوال [۵۱۹۹]: آج کل بعض مسلمان بوجہ اپنی جہالت وکم فہمی کے لڑکے لڑکی کی شادیوں میں باہمی رنجشوں اور عداوتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو نقصان وزک پہونچانے کے لئے جھوٹی درخواستیں عدالتوں اور تھانوں میں گذار کر شادیاں رُکوا دیتے ہیں اور احکامِ خدا و رسول کو بالکل پسِ پشت ڈالتے ہیں، اس طرح بندگان کو ناحق لٹوا کر اپنا مطلب نکالتے ہیں اور جائز کو ناجائز کر کے گنہ گار ہوتے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک ہمراہ حضرت ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وقت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۰/ سال کی اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چند سال کی تھی۔ تو اس کمی بیشی عمر پر نافہم لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ تو کیا بعض مسلمانوں کی یہ کارروائی شرعاً درست وجائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو ایسے شخص یا اشخاص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپس میں لڑائی رکھنا اور ایک دوسرے کو نقصان پہونچانا، جھوٹی درخواستیں دے کر شرعاً ناجائز اور گناہ ہے، حدیث شریف میں ایسی چیزوں کی سخت ممانعت آئی ہے(۱)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام میں

---

(۱) "لاضرر ولا ضرار". لاضرر: أي لايضر الرجل أخاه فينقصه شيئاً من حقه ...... رواه الحاكم والدارقطني عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه: وزاد: "من ضر ضره الله، ومن شق شاق الله عليه". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۹۸۹۹): ۱۲/۲۴۸۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

عیب نکالنا اور تحقیر کرنا کفر ہے، ایسی چیز سے ایمان جاتا رہتا ہے(۱)۔شریعت کی طرف سے نکاح میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن مصالح اور معاشرت کی وجہ سے طرفین کی عمر میں تناسب کی رعایت رکھی جائے تو بہتر ہے(۲)۔اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل میں شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ کا ہر فعل مصالح سے پُر تھا، اس نکاح میں بھی بے شمار مصالح تھیں جیسا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں بہت سی مصلحتیں تھیں جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵/ سال تھی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

صحیح :عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

کثرتِ ازدواج کی حکمت

سوال[۵۲۰۰]: کیا وجہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کے لئے نو یا سات ازواجِ مطہرات کو جائز قرار دیا اور عام امت کے لئے بیک وقت چار کی قدغن لگادی؟ واضح باد کہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وذات مبارک میں-معاذ اللہ-کوئی تنقید وتنقیص نہیں ہے، بلکہ یہ کوئی کافر کا اعتراض ہوسکتا ہے، اس کی تشفی کے لئے وضاحت مطلوب ہے۔

محمد محمود کلیمی، گلبرگہ میسور اسٹیٹ۔

---

(۱) "ومن استخف بسنة أو حديث من أحاديثه عليه الصلاة والسلام، أو رد حديثاً متواتراً، أو قال: سمعناه كثيراً بطريق الاستخفاف، كفر". (مجمع الأنهر، باب أحكام المرتدين، ثم إن الفاظ الكفر أنواع، الثاني في الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: ۱/ ۶۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام، أو عاب نبياً بشيء، أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام، فقد كفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/ ۴۷۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ما يتعلق بالأنبياء: ۲/ ۲۶۳، رشيديه)

(۲) "وكونها دونه سناً". (الدر المختار). "(قوله: دونه سناً) لئلا يسرع عقمها، فلا تلد". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

کثرتِ ازدواج کا مسئلہ جذباتِ نفسانی کا غلبہ اور تسکین نہیں ہے جیسا کہ حالتِ ذیل میں غور کرنے سے بغیر کسی کے سمجھائے، ایک سلیم الفطرت آدمی خود بخود سمجھ سکتا ہے:

پہلی شادی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵/ سال کی عمر میں کی جب کہ قوتِ نامیہ کی ترقی ختم ہوجاتی ہے اور ایسی عورت سے جس کی ایک سے زائد شادیاں پہلے ہوچکی تھیں اور وہ بیوہ تھیں اور عمر چالیس سال تھی، پچاس سال سے عمر متجاوز ہونے تک ایک ایسی عورت پر کفایت کی، اس کے انتقال کے بعد پھر ایک نکاح کیا۔ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد نو دس سال کی مدت میں تریسٹھ سال کی عمر تک زیادہ نکاح کئے۔ ان شادیوں میں کنواری صرف ایک تھیں، بقیہ سب بیوہ تھیں، یہ بات بھی نہیں کہ کنواری لڑکیوں کی آپ کے لئے کچھ کمی تھی، اگر جذباتِ نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے یہ شادیاں کی جاتیں تو جوانی میں کی جاتیں، کنواریوں سے کی جاتیں۔

بات اصلی یہ ہے کہ دینِ اسلام عورتوں اور مردوں سب کے لئے آیا ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً: حیض ونفاس، ان مسائل کو عورتوں تک پہونچانے کے لئے عورتیں ہی مناسب ہیں، مردوں سے متعلق مسائل تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست بیان فرمادیتے تھے اور عورتوں سے متعلق مسائل کی تلقین وتعلیم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعہ ہوتی تھی، اس طرح پر تعلیم وتلقین کی تکمیل کی گئی (۱)۔

---

(۱) "والحكمة في كثرة أزواجه أن الأحكام التي ليست ظاهرة يطّلعن عليها، فينقلنها، وقد جاء عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها من ذلك الكثير الطيب، ومن ثم فضّلها بعضهم على الباقيات". (فتح الباري، كتاب الغسل، بابٌ: إذا جامع ثم زار، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/ ۴۹۹، قديمي)

"ذكر في حكمة تكثير نسائه وحبه فيهن أشياء: الأول: زيادة في التكليف حتى لايلهو بما حبب إليهن عن التبليغ. الثاني: ليكون مع من يشاهدها، فيزول عنه مايرميه به المشركون من كونه ساحراً. الثالث: الحث لأمته على تكثير النسل. الرابع: لتشرف به قبائل العرب بمصاهرته فيهم. الخامس: لكثرة العشيرة من جهة نسائه عوناً على أعدائه. السادس: نقل الشريعة التي لايطلع عليها الرجال. السابع: محاسنه الباطنة، فقد تزوج أم حبيبة وأبوها في ذلك الوقت عدوه، وصفية بعد قتل أبيها تزوجها. فلو لم تطّلع من باطنه على أنه أكمل الخلق، لنفرن منه". (تلخيص الحبير، فصل في=

اگر دوسرے مردوں پر قیاس کر کے شادی کا اعتبار کیا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی، ایک مرد کے لئے چار کی اجازت ہے، اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر شادی کرتے تو آپ کے لئے ایک سو ساٹھ کی گنجائش تھی۔ نیز چالیس مردوں کی جو قوت عطا ہوئی تھی وہ اس دنیا کے چالیس مرد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت تھی اور جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے ایک سو مردوں کے برابر ہے(۱)۔

اس لحاظ سے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر کمال ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی قوت کے باوجود آپ اپنے نفس پر کس قدر قابو یافتہ تھے کہ اتنی کثیر قوت اور گنجائش کے باوجود کس قدر قلیل پر کفایت فرمائی۔ یہ تحقیقی جواب منصف مزاج کے لئے ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= التخفيف في النكاح: ۳/۱۴۶۱، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

"وكان للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن ينكح ماشاء، وذلك؛ لأن ضرب هذا الحد إنما هو لدفع مفسدة غالبية دائرة على مظنة، لا لدفع مفسدة عينية حقيقية. والنبي صلى الله عليه وسلم قد عرف المئنة فلا حاجة له في المظنة، وهو مأمون في طاعة الله وامتثال أمره دون سائر الناس". (حجة الله البالغة، باب الحكمة في تحديد عدد الزوجات: ۲/۳۵۳، قديمي)

(۱) "قال: كنا نتحدث أنه أعطى قوة ثلثين". (صحيح البخاري، بابٌ: إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/۴۱ قديمي)

"وفي صفة الجنة لأبي نعيم من طريق مجاهد مثله: "وزاد من رجال أهل الجنة"، ومن حديث عبد الله بن عمرو رفعه: "أعطيتُ قوةَ أربعين في البطش والجماع". وعند أحمد والنسائي، وصححه الحاكم من حديث زيد بن أرقم رفعه: "إن الرجل من أهل الجنة ليعطىٰ قوة مأة في الأكل، والشرب، والجماع، والشهوة". فعلىٰ هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف". (فتح الباري، كتاب الغسل، بابٌ: إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/۴۹۸، قديمي)

(وكذا في إرشاد الساري: ۱/۵۰۵، ۵۰۶)

(وكذا مرقاة المفاتيح: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، باب مخالطة الجنب، الفصل الأول، رشيديه)

نکاح کے لئے پیر جمعرات جمعہ کی فضیلت

سوال[۵۲۰۱]: جیسے مہینوں میں مہینہ شوال کا نکاح کے لئے مسنون یا مستحب بیان کیا جاتا ہے اس طرح دنوں میں کوئی دن بھی مسنون یا مستحب بھی مشروع ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ، جمعرات، پیر کو فضیلت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۹۶ھ۔

نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے

سوال[۵۲۰۲]: قمری تاریخوں میں کس ماہ، کس دن اور کس تاریخ میں نکاح ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی ماہ کی کوئی تاریخ اور کوئی شب یا کوئی دن ایسا نہیں جس میں نکاح ناجائز ہو، ہر رات، ہر دن، ہر

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد" الحديث. (قوله: "واجعلوه في المساجد". هو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان. وينبغي أن يراعى أيضاً فضيلة الزمان، ليكون نوراً على نور، وسروراً على سرور. قال ابن الهمام: يستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد، لكونه عبادةً، وكونه في يوم الجمعة، اهـ. وهو إما تفاؤلًا للاجتماع أو توقع زيادة الثواب، أو لأنه يحصل به كمال الإعلان". (مرقاة المفاتيح: ۳۱۲/۶، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

"ويندب .... كونه في مسجد يوم الجمعة". "(قوله: يوم الجمعة)؛ لأنه أشرف أيام الأسبوع". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۵/۲، كتاب النكاح، دارالمعرفة، بيروت)

"(ويوم الجمعة ولو منفرداً) .... إن صومه بانفراده مستحب عند العامة كالإثنين والخميس .... وكذا في المحيط معللاً بأن لهذه الأيام فضيلةً". (رد المحتار: ۳۷۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

تاریخ میں نکاح جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۵/۱۱ ھ۔

اندیشۂ تقسیمِ وراثت سے نکاح نہ کرنا

سوال[۵۲۰۳]: دولڑکیوں کا باپ پہلے مرگیا تھا اور سوائے لڑکیوں کے اَور کوئی لڑکا نہیں تھا، اس کی عورت ابھی زندہ تھی تو وراثت کا شریعت کے اعتبار سے پنجاب میں رواج نہیں ہے تو خاوند نے زمین اور گھر چھوڑا، اس کی مالکہ اس کی عورت تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اب صرف دولڑکیاں رہ گئیں، وہ عاقلہ اور بالغہ ہیں، ان کی منگنی والدہ نے اپنے بھائیوں کے لڑکوں کے ساتھ کردی تھی۔

اب والدہ کے مرنے کے بعد والدہ کے بھائیوں نے ہی لڑکیوں کو کہہ دیا کہ تم شادی نہ کراؤ اور خاوند کی طرف سے جو لڑکیوں کے چچا وغیرہ ہیں ان کے کہنے پر بھی شادی نہ کراؤ، اگر شادی کرالوگی تو شریعت کے اعتبار سے تو وہاں تقسیم نہیں ہے اور قانون کے اعتبار سے اب لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ اب جب تک وہ لڑکیاں شادی نہ کراویں گے تب تک تو وہ مالک ہیں، اگر شادی ہوگئی تو دوسرے چچا وغیرہ کو جائیداد مل جائے گی۔

تو وہ چچا کہتے ہیں کہ ہم لڑکیوں کو قانون کی طرف سے اگر کسی طرح شادی کرانے پر مجبور کریں تو شریعت کے اعتبار سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟ ہماری نیت نیک ہے تا کہ ہر گناہ سے بچ جاویں، کیونکہ آج کل فتنہ کا زمانہ ہے اور وہ بائیس وپچیس برس کی ہیں۔ پھر انھوں نے زمین مزارعت پر دوسروں کو دے رکھی ہے جو کہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور وہ ان کے سامنے آتی جاتی ہیں، ہم کو شرم اور غیرت آتی ہے اور صرف ماموں کے کہنے پر شادی سے انکار کرتی ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعی یہی ہے تو ماموں کی نیت صحیح نہیں، لڑکیوں کو ماموں کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو

---

(۱) نکاح کے بارے میں قرآن، حدیث اور فقہ کی عبارات مطلق ہیں، کسی معین دن اور تاریخ کی تخصیص نہیں اور مطلق کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ "المطلق یجری علی إطلاقه. (شرح المجلة : ۱/۴۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(وکذا فی قواعد الفقه للمفتی محمد عميم الإحسان، ص: ۱۲۴، الصدف پبلشرز)

چاہیے کہ وہ سنت کے موافق نکاح کرلیں (۱)، پھر اگر قانونی حیثیت سے لڑکیوں کا حصہ انہیں نہ ملتا ہو، چچا کو ملتا ہو تو چچا کو لازم ہے کہ ان کا حصہ ان کے حوالہ کردیں اس کو خود رکھنا حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔



(۱) "لقد قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج" .... عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتى، فمن لم يعمل بسنتى، فليس منى، اهـ". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فى فضل النكاح: ۱۳۴، مير محمد كتب خانه، كراچى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۶۷، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ والمراد من الأكل ما يعم الأخذ والاستيلاء، وعبر به؛ لأنه أهم الحوائج، و به يحصل إتلاف المال غالباً .... والمراد من الباطل الحرام كالسرقة والغصب و كل ما لم يأذن بأخذه الشرعُ". (روح المعانى، (سورة البقرة): ۲/ ۶۹، ۷۰، دار إحياء التراث العربى بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۱/ ۲۵۵، قديمى)

باب النکاح الصحیح
(نکاحِ صحیح کا بیان)

ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے؟

سوال[۵۲۰۴]: زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ غیر شادی شدہ بعمر ۱۷/ سال جوان عمر ہے، ایک مرتبہ خالد نے عمر کو زید کی لڑکی ہندہ مذکورہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو خالد کے جی میں شبہ ہوا کہ یہ ایک اجنبیہ لڑکی سے کیوں تخلیہ میں باتیں کر رہا ہے؟ خالد نے ہندہ کے والد اور اہل محلّہ کے معتبرین سے ذکر کیا تو عمر سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب اور دیگر متعدد آدمیوں سے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ ''خدا تعالیٰ کی قسم! ہندہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری اپنی لڑکی، خدا کرے میرا روسیاہ ہو جو میں جھوٹ بولتا ہوں میں تو اس کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا ہوں''۔ نیز عمر کی زوجہ نے محلّہ کے اکثر گھروں میں جا کر بیان کیا کہ میں بقسم کہتی ہوں کہ میرا خاوند ہندہ کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا رہتا ہے اور یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔

اس واقعہ کے بعد زید اور عمر کی مصالحت کر دی گئی، بعد ازاں جب عرصہ چار ماہ کا گزر چکا تو ایک روز عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب سے بیان کیا کہ زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ سے میرا دو سال کا میرا خفیہ طور پر نکاح پڑھا ہوا ہے، نکاح کا کاغذ لکھا ہوا ہے، دو گواہ بھی ہیں، نکاح خواں میں خود ہی ہوں۔ تین مرتبہ اس عرصہ میں ہندہ کو حمل ہو چکا جس کو دوائی پلا کر خود ہی ضائع کراتا رہا ہوں۔ اب ہندہ کو میرا ہی حمل ٹھہرا ہوا ہے، آپ عمر سے کہہ دیں کہ مجھ سے فیصلہ کر لیوے اور یہ لڑکی مجھے دیدیوے، اس کے عوض مجھ سے میری ہمشیرہ اور میری حقیقی لڑکی کا نکاح اپنے لئے اور اپنے لڑکے کے لئے لے لیوے۔

مولوی صاحب مذکور نے یہ تمام قصہ زید سے بیان کیا، زید نے جواب دیا کہ آپ اس نکاح کے کاغذ اچھی طرح تحقیق کر لیجئے، یہ شخص بہت مکار اور جھوٹا ہے، ہمیشہ جھوٹی قسمیں اٹھایا کرتا ہے اور نہایت چالاک شخص ہے، اگر واقعی اس کے پاس نکاح کا صحیح طور پر کاغذ موجود ہے اور بات اس طرح پر ہے کہ پھر باہمی مشورہ کر کے بات کریں گے۔ مولوی صاحب نے عمر کو بلوا کر فرمایا کہ آپ وہ نکاح کا کاغذ لے آویں تا کہ میں اس کو دیکھ کر غور

کروں، اسکے دیکھنے کے بعد آپ کے گواہ بھی بلوالوں گا۔ عمر نے کہا کاغذ تو کسی دوسرے گاؤں میں ہے، یہاں پر نہیں ہے، اگر فرمائیں تو گواہ حاضر کر دیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ گواہ تو آج کل ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ میں مل جاتے ہیں تم پہلے وہ کاغذ دکھاؤ۔ اس نے کاغذ دکھانے سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ کاغذ میں نہیں دکھاتا۔ عمر کے ایک دوست نے بیان کیا کہ کاغذ تو اس نے کوئی لکھوایا ہی نہیں ہے، کون بکواس بکتا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب تم ہمیں کاغذ نہیں دکھاتے ہو تو اب ہمارے پاس تحقیق کا ذریعہ صرف لڑکی مسماۃ ہندہ ہی ہے، دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، چنانچہ ہندہ سے دو مولوی صاحب نے جو سند یافتہ عالم ہیں ہندہ کے حقیقی ماموں کی موجودگی میں دریافت کیا کہ عمر کہتا پھرتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ سے عرصہ دو سال سے خفیہ طور پر دو گواہوں کے روبرو پڑھا گیا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز تو از روئے ایمان ہمیں بتلا بلا کسی کے اجبار و خوف کے: آیا عمر سے تیرا خفیہ طور پر نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ ہندہ نے بلا کسی خوف کے دلیری سے بیان کیا کہ میں ایمان سے کہتی ہوں کہ عمر بالکل جھوٹ بولتا ہے، میرا اس سے کوئی خفیہ نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ مولوی صاحبان نے فرمایا کہ تو سر پر کلام مجید رکھ کر یہ کہو کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کرے کلام مجید سے ماری جاؤں، اس نے اسی طرح بیان کیا اور کہا کہ میرا عمر سے کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے وہ جھوٹ بولتا ہے، تین چار مرتبہ یہی کلمات دہراتی رہی۔

اس کے بعد عمر سے کہا گیا کہ تم جھوٹے ہو، عمر نے کہا کہ میں آپ کو دو اس قسم کے نشانات بتلاتا ہوں جن کو یا تو وہ جانتی ہے یا میں جانتا ہوں، وہ نشان اس اکیلی کے آگے ظاہر کر کے میرے نکاح کے متعلق دریافت کیا جائے، اگر پھر بھی انکار کرے تو میں جھوٹا اور کاذب ہوں۔ چنانچہ بالکل تنہائی کی جگہ مولوی صاحبان نے دریافت کیا تو ہندہ نے بدستور سابق نکاح سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میرا نکاح عمر سے پڑھا گیا ہوتا تو میں کلام مجید سر پر رکھ کر کیوں انکار کرتی، عمر سے میرا قطعاً کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ یونہی مجھ پر بہتان لگایا گیا ہے۔

اس کے بعد محلہ کے مولوی صاحبان نے زید سے کہا کہ عمر نکاح کے متعلق غلط کہتا ہے۔ چنانچہ اسی شب کو ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا۔ قبل از نکاح ہندہ سے پھر گواہوں کے روبرو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ کیا خالد سے تیرا نکاح کر دیا جائے؟ ہندہ نے بآواز بلند کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ ہندہ

مذکورہ کا نکاح خالد سے کردیا گیا اور ہندہ وخالد کا نکاح درج رجسٹر کرادیا گیا اور دونوں کے نشانِ انگشت نکاح کے رجسٹر پر لگادیئے گئے، نکاح خواں اور گواہان کے دستخط بھی کرادیئے گئے، نکاح کی مجلس میں تقریباً چالیس آدمی موجود تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح خالد سے شرعی طور منعقد ہوگیا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح خالد سے صحیح نہیں ہوا ہے۔ نیز عمر اب کہتا پھرتا ہے کہ ہندہ سے میرا نکاح ہے۔ خالد کے نکاح میں شرعی طور پر کوئی نقص آیا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرماکر مفصل جواب ارشاد فرماویں تاکہ اطمینان ہوجاوے، جواب جلد دیویں۔ فقط۔

نور محمد طالب علم از ابوہر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح کا ثبوت اولاً گواہوں سے ہوتا ہے(۱)، اگر عادل، ثقہ، معتبر کم از کم دو گواہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر زوجین کی تصدیق کافی ہوتی ہے(۲)، اگر ایک انکار کردے تو نکاح کا ثبوت نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دو عادل ثقہ گواہ موجود ہوں تو انکا اعتبار ہوگا، یعنی اگر عمر کے پاس دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو اس کا قول معتبر نہیں اور خالد سے جو

(۱) "ومنها العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا نكاح إلا بشهود". وقوله: "لا نكاح إلا بشاهدين". الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۴۰۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويشترط العدد فلاينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: ولا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق؛ لأن المراد هنا أن الإقرار لايكون من صيغ العقد، والمراد من قولهم: إنه يثبت بالتصادق، أن القاضي يثبته به: أي بالتصادق، ويحكم به، أبو السعود عن الحانوتي". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۱۳/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۹/۳، رشيديه)

نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے، اور اگر عمر کے پاس دو عادل گواہ موجود ہیں تو اس کا قول معتبر ہے اور خالد کا نکاح صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کوسننا ضروری ہے

سوال [۵۲۰۵]: نکاح کے گواہوں میں ایک گواہ وکیل (قاضی) کے ساتھ ایجاب سنے اور دوسرا گواہ لڑکی سے اجازت لے اور قبول کے وقت دونوں گواہ ایک ساتھ وکیل کے ایجابی جملہ کیساتھ قبول بھی سنیں تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی نکاح صحیح ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول

سوال [۵۲۰۶]: کوئی شخص کسی عورت سے کہدے کہ ''میں نے تجھ سے نکاح کیا'' اور عورت بھی

---

(۱) "(فإن أحضرها): أی فإن أحضر المدعی البینة علی وفق دعواه، قضی بها: أی قضی القاضی بالبینة، لانتفاء التهمة عنها: أی عن الدعوی، لترجح جانب الصدق علی الکذب بالبینة. الخ". (فتح القدیر، کتاب الدعوی، ۱۶۸/۸، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الدعوی: ۲۰۱/۳، شرکت علمیه ملتان)

(۲) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن یزوجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدین، جاز". (الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی الوکالة بالنکاح وغیرها: ۳۲۲/۲، شرکت علمیه ملتان)

"ثم إذا تولّی طرفیه قال المصنف: فقوله: زوجت فلانة من نفسی، یتضمن الشطرین، فلا یحتاج إلی القبول بعده، وکذا ولی الصغیرین القاضی وغیره. والوکیل من الجانبین یقول: زوجت فلانة من فلان". (فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی الوکالة بالنکاح وغیرها: ۳۰۷/۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

نداق میں کہہ دے کہ ''میں نے قبول کیا''۔اور ایسے ہی خرید وفروخت میں بھی اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز نداق کے طور پر فروخت کردے اور دوسرا بھی نداق سے قبول کرلے،تو کیا یہ بیع منعقد ہوجائے گی یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر کردیں کہ کونسی چیزیں نداق سے واقع ہوجاتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ایجاب وقبول اگر نداق میں گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا(۱)۔اگر بیع کا ایجاب وقبول نداق میں کیا ہے،حقیقۃً بیع کرنا مقصود نہیں تھا اور بائع ومشتری دونوں کو اس کا اعتراف ہے تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوگی(۲)۔آپ کو جس جس چیز کے متعلق دریافت کرنا مقصود ہو تو اس کو متعین کرکے دریافت کرلیں۔تفصیل مطلوب ہو تو ''نور الأنوار'' دیکھ لیں(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثلاث جدهن حد وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة. "(النكاح) فمن زوج ابنته هازلاً، انعقدالنكاح وإن لم يقصده". (فيض القدير، ۶ /۲۸۰۲، (رقم الحديث: ۳۴۵۱)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۲)"ولم ينعقد (أى البيع) مع الهزل، لعدم الرضاء بحكمه معه". (الدر المختار) . "والهازل يتكلم بصيغة العقد مثلاً باختياره ورضاه، لكن لايختار ثبوته الحكم ولا يرضاه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فى حكم البيع مع الهزل: ۵۰۷/۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳ / ۲۰۹، كتاب البيوع، الباب العشرون، مطلب: بيع التلجئة، رشيديه)

(۳) "والهزل: وهو أن يراد بالشئ ما لم يوضع له، ولا ماصلح له اللفظ استعارةً، وهو ضد الجدّ .... وأنه ينافى اختيار الحكم والرضاء به ولاينافى الرضاء بالمباشرة .... فصار الهزل بمعنى خيار الشرط أبداً فى البيع، لعدم الرضاء بحكم البيع، لابعدم الرضاء بنفس البيع، ولكن بينهما فرق من حيث أن الهزل يفسد البيع وخيار الشرط لايفسده. وشرطه: أى شرط الهزل أن يكون صريحاً مشروطاً باللسان بأن يذكرا العاقدان قبل العقد أنهما يهزء؛ لأن فى العقد ولا يثبت ذلک بدلالة الحال فقط، إلا أنه لم يشترط ذكره فى العقد بخلاف خيار الشرط .... فإن تواضعا على الهزل بأصل البيع .... ثم جاء=

1

....

= ا واتفقا على البناء .... يفسد البيع ولايوجب الملك وإن اتصل به القبض .... كالبيع بشرط الخيار أبدا .... وإن اتّفقا على الإعراض .... فالبيع صحيح والهزل باطل، وإن اتفقا على أنه لم يحضر هما شئ عند البيع .... أو اختلفا في البناء والإعراض، فالعقد صحيح عند أبي حنيفة رحمه الله خلافاً لهما، فجعل أبو حنيفة رحمه الله صحة الإيجاب أولى .... وهما اعتبرا المواضعة المتقدمة .... وإن كان ذلك في القدر .... فإن اتفقا على الإعراض كان الثمن ألفين .... وإن اتفقا على أنه لم يحضر هما شئ، أو اختلفا فالهزل باطل والتسمية صحيحة عنده، وعندهما العمل بالمواضعة واجبٌ والألف الذى هزلابه باطلٌ .... وإن اتفقا على البناء على المواضعة، فالثمن ألفان عنده وإن كان ذلك في الجنس .... فالبيع جائز على كل حال من الأحوال الأربعة .... وإن كان في الذى لامال فيه كالطلاق والعتاق واليمين، فذلك صحيح والهزل باطل بالحديث، وهو قوله عليه السلام: "ثلث حدهن جدوهزلهن جد: النكاح والطلاق واليمين" وفي بعض الروايات: "النكاح والعتاق واليمين" .... وإن كان المال فيه تبعاً كالنكاح .... فإن هزلا بأصله فالعقد لازم والهزل باطل .... وإن هزلا في القدر .... فإن اتفقا على الإعراض فالمهر ألفان بالاتفاق .... وإن اتفقا على البناء فالمهر ألف بالاتفاق .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، فالنكاح جائز بألف في رواية محمد عن أبي حنيفة، وقيل: بألفين في رواية أبي يوسف عنه .... وإن كان في الجنس .... فإن اتفقا على الإعراض فالمهرما سميا وإن اتفقا على البناء، واتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، يجب مهر المثل في الصور الثلث .... وإن كان المال فيه مقصوداً كالخلع والعتاق على مال والصلح عن دم العمد، فإن المال مقصود في كل واحد من هذه الأمور .... فإن هزلا بأصله .... واتفقا على البناء على المواضعة بعد العقد، فالطلاق واقع والمال لازم عندهما .... لأن الهزل لايؤثر في الخلع عندهما، ولايختلف الحال بالبناء أو بالإعراض أو بالاختلاف .... وعنده لايقع الطلاق بل يتوقف على اختيار المال، سواء هزلا بأصله أو بقدره أو لجنسه .... وإن أعرضا: أى الزوجان عن المواضعة .... وقع الطلاق، ووجب المال إجماعاً .... وإن اختلفا فالقول لمدعي الإعراض، وإن سكتا فهو لازم إجماعاً .... وإن كان ذلك في القدر .... فإن اتفقا على البناء .... فعندهما=

ایجاب کے وقت ذہن موقع پر حاضر نہ ہوا اور قبول کے وقت حاضر ہو تو کیا نکاح درست ہوگا؟

سوال[۵۲۰۷]: ایک طالب علم دین کا نکاح بطریق مسنونہ ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، نکاح ہو جانے کے دو تین روز بعد اس طالب علم نے یہ کہا کہ جب میرا نکاح خطبۂ مسنونہ کے ساتھ شروع ہوا تو فوراً میرے پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے میرا ذہن موقع پر حاضر نہ رہا اور جب وکیل نے لڑکی اور اس کا اور اس کے باپ کا نام لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں! جب وکیل نے کہا کہ قبول کیا تو میں نے حضورِ ذہن کے ساتھ کہا کہ میں نے قبول کیا۔ تو کیا اس صورت میں (جبکہ لڑکی اور اس کے باپ کا نام پہلے معہود فی الذہن ہے) نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خطبۂ نکاح کے وقت اگر حواس درست نہ رہیں اور پہلے سے تمام باتیں طے ہیں اور قبول کرتے وقت بھی حواس درست ہو گئے اور سمجھ کر قبول کی نوبت آئی ہے، خود قبول کیا ہو یا وکیل نے کیا ہو تو نکاح درست ہو گیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/ ۱۴۰۹ھ۔

= الطلاق واقع والمال لازم كله، لما مر أن الهزل لايؤثر في الخلع عندهما وإن كان مؤثراً في المال ...... وعنده يجب أن يتعلق الطلاق باختيارها .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ وقع الطلاق، ووجب المال اتفاقاً .... وإن كان في الجنس يجب المسمى عندهما بكل حال .... وعنده: إن اتفقا على الإعراض، وجب المسمى، لبطلان الهزل بالإعراض. وإن اتفقا على البناء، توقف الطلاق على قبولها المسمى؛ لأنه هو الشرط في العقد. وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، وجب المسمى ووقع الطلاق، لرجحان جانب الجد. وإن اختلفا، فالقول لمدعي الإعراض، لكونه هو الأصل. وهذا كله في الإنشاءات، وإن كان ذلك: أي الهزل في الإقرار بما يحتمل الفسخ كالبيع .... وبما لايحتمله كالنكاح والطلاق .... فالهزل يبطله .... والهزل في الردة كفر، اهـ". (نور الأنوار، ص: ۳۰۲-۳۰۸، فصل في بيان الأهلية، بحث تعريف الهزل و الجد، سعيد)

(۱) اگر اس وقت اس کی حالت اس طرح تھی کہ نکاح کو سمجھ رہا تھا تو نکاح صحیح ہوا اور اگر نکاح کو سمجھ نہیں رہا تھا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہے:

"وأما الذي يجن ويفيق فحكمه كمميز، نهاية .... ومن عقد عقداً يدور بين نفع وضرر =

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کی ایک صورت

استفتاء [۵۲۰۸]: ۱......زید کہتا ہے کہ سوال نمبر ۱، ۲ میں روبرو گواہان دے کر یعنی دختر بکر کو و نیز اس کی کفالت کو تین مرتبہ قبول کیا ہے اور دختر بکر تے بھی ہر دو سوال کے اندر زید کی زوجیت روبرو گواہان قبول کی ہے، ورو برو بکر کے زید کہتا ہے کہ میں نے دختر بکر کے نفس کو جیسا کہ نکاح کے اندر قبول کرتے ہیں تین مرتبہ ہر دو سوال میں روبرو گواہان قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی روبرو گواہان سوال نمبر ا و ۲ میں زید کی زوجیت میں جانا قبول کیا ہے اور زوجیت میں رہنا قبول کیا ہے۔

۲......ہر دو سوال کی شکل میں نکاح منعقد ہوا تھا، زید و دختر بکر و گواہان کو معلوم تھا کہ نکاح ہے۔

۳......ہر دو سوالات کے اندر گواہان موافق شریعت تھے۔

۴......زید کا اور دختر بکر کا ایجاب وقبول جیسا کہ نکاح کے اندر ہوتا ہے ہر دو جانب سے ویسا ہی ہوا ہے، ہر دو نے نکاح کو قبول کیا ہے۔

۵......ایک ہی مجلس میں ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول ہوا ہے روبرو گواہان۔

۶......بکر و زید ایک ہی برادری سے ہیں، نیز دختر بکر بالغہ عاقلہ ہے۔

= كما سيجئ في المأذون منهم من هؤلاء المحجورين وهو يعقله .... أجاز وليه أو ردّ. وإن لم يعقله، فباطل". (الدر المختار).

"أقول: والذى يحل عقدة الإشكال ماقدّمناه عن ابن الكمال، فإنه إن أريد بالمغلوب من غلب على عقله: أى الذى لايعقل أصلاً، فيراد بالذى يجن ويفيق ناقص العقل وهو المعتوه .... والمعتوه فى تصرفاته كمميز .... وإن أريد به من لايفيق من جنونه الكامل أو الناقص، فيحترز به عمن يفيق أحياناً: أى يزول عنه مابه بالكلية، وهذا كالعاقل البالغ فى تلك الحالة". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۴۳-۱۴۶، سعيد)

"وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل فى ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امداديه ملتان)

۷..... دختر بکر کے نکاح کے اندر ایک مرد عاقل وعورت عاقل چودہ سالہ لڑکی بالغہ مسلمان شہادت میں ہیں علاوہ بکر کے۔ کیا ان سوالات سے بروئے شرع نکاح ہوگیا ہے؟

شیخ غلام محمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مسلمان مرد اور دو عورت کے سامنے اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے تو شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور ان کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔ چودہ سالہ لڑکی اگر بالغہ ہو تو اس کی گواہی بھی شرعاً نکاح میں معتبر ہے (۱)۔ لڑکی جب بالغہ ہے تو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور ولی کو بغیر اس کی مرضی کے جبراً نکاح کردینے کا حق نہیں، بلکہ وہ اپنے نکاح میں خودمختار ہے اپنی مرضی سے اپنی برادری میں مہرمثل پر بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کرسکتی ہے (۲)۔ پس اگر بکر نے اپنی مرضی کے موافق کم ازکم دومرد یا ایک مرد اور دو عورتوں

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، شرکة علمیه، ملتان)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وإن لم یعقد علیها ولي، بکراً کانت أو ثیبةً عند أبی حنیفة. الخ". (الهدایة، باب فی الأولیاء والأکفاء: ۲/۳۱۳، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۲، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۳۳۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحکام من طلاق وتوارث وغیرها، لا اللزوم؛ إذ هو أخص منها؛ لأنه ما لا یمکن نقضه، وهذا یمکن رجعه إذا کان من غیر کفؤ. وأما حدیث: "أیما امرأة نکحت بنفسها بغیر إذن ولیها، فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل". وحسّنه الترمذی. وحدیث: "لانکاح إلابولی". رواه أبوداؤد وغیره، فمعارضٌ بقوله صلی الله علیه وسلم: "الأیم أحق بنفسها من ولیها". رواه مسلم وأبوداؤد والترمذی والنسائی ومالک في الموطأ. والأیم من لا زوج لها، بکراً أولا، فإنه لیس للولی إلا مباشرة العقد إذا رضیت، وقد جعلها أحق منه به. ویترجح هذا بقوة السند و الاتفاق=

کے سامنے زید سے یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''میں نے اپنی فلاں دختر کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا، یا اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دیدی'' اور زید نے اس کے جواب میں کہا کہ ''میں نے اس نکاح کو قبول کیا، تمہاری لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کیا'' تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا۔

یا زید نے اور دختر بکر نے کم از کم دو مَرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے اس طرح ایجاب وقبول کیا کہ مثلاً دختر بکر نے کہا کہ ''میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دے دیا، یا تمہاری زوجیت میں دے دیا''۔ اس کے جواب میں زید نے کہا کہ ''میں نے اس کو قبول کرلیا''۔ یا زید نے کہا کہ ''میں نے تم سے نکاح کرلیا'' اس کے جواب میں دختر بکر نے کہا کہ ''میں نے اس نکاح کو، یا تمہاری زوجہ بننے کو قبول کیا'' تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگیا(۱)، اب یہ بلا وجہ شرعی نہیں ٹوٹ سکتا، بکر کو اس کے فسخ کرانے کا حق نہیں۔ اس سے پہلے سوال میں بکر کا مقولہ تو نقل کیا تھا، لیکن اس کے جواب میں زید کی طرف سے نکاح کے قبول کرنے کا کوئی ذکر نہ تھا، اس لئے اس کا حکم اس وقت لکھدیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولی/ ۵۶ھ۔

تین دفعہ ایجاب وقبول

سوال[۵۲۰۹]: ایجاب وقبول تین دفعہ کرانا اور گواہوں کا نام تین مرتبہ لینا ضروری ہے یانہیں؟

= على صحته بخلاف الحد يثين الأولين، فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال، "لخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/ ۵۵، ۵۶، سعيد)

(۱) "و ينعقد: أي النكاح بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي منك، و يقول الآخر: تزوجت". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

تین دفعہ ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں، ایک دفعہ ہی کافی ہے (۱)۔ گواہوں کا نام لینا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

لڑکی کا اپنا ایجاب وقبول خود کرنا

سوال [۵۲۱۰]: ۱..... ایک بالغہ عاقلہ نے برضا ورغبت حسبِ منشاء باپ کے گھر سے ہم کفو پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ آکر ایک مولوی صاحب اور اس کی بیوی اور صاحب کا ایک بالغ لڑکا اور ناکح والدین اور ایک بالغ بھائی اور منکوحہ کی دادی کے سامنے مہر متعینہ پر ایجاب وقبول کرلیا۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ ایسے ہی ایجاب وقبول سے دونوں کا نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا؟

۲..... بلا اجازتِ ولی ایجاب وقبول ہوجاتے میں ولی چاہتا تھا کہ حدیث: "أيما امرأة يتزوج بغير إذن ولي، فنكاحها باطل باطل باطل" (۳)۔ پر عمل کرکے نکاح فسخ وباطل کرسکتا ہے؟

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، ۳/۱۴۴، رشيديه)

(۲) "وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۲، ۲۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۳) حدیث میں مذکور بعینہ ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی، البتہ کتبِ حدیث میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها، فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل =

۳......اگر موافقِ مذہبِ حنفیہ دونوں کا نکاح منعقد ہوگیا تو: "وعند محمد ينعقد النكاح موقوفاً (أي على إجازة الولي)"(۱). جبکہ نکاح ہوجانا اجازتِ ولی پر موقوف رہتا ہے تو ولی اجازت نہ دے کر اس بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح دوسرے کسی کے ساتھ کردینا شرعاً جائز ہے؟ حالانکہ صاحب ہدایہ نے: "ويروى رجوع محمد إلى قولهما". لکھا ہے، "إلى قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ"(۲).

۴......اگر امام ابو یوسف کے مذہب کے موافق کوئی گنجائش نہیں ہے تو امام شافعی وامام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق نکاح فسخ وباطل کرنے کی کوئی صورت بن سکتی ہے؟

۵......خود منکوحہ اور ولیٔ منکوحہ مذہبِ حنفیہ کے مقلد ہیں اور منکوحہ بر وقتِ نکاح مذہبِ حنفیہ کے مقلد رہے، اب ولی اپنی ضد کو برقرار رکھنے کی غرض سے صرف اس مسئلہ کے بارے میں امام شافعیؒ کا مقلد بن کر یعنی تبدیلیٔ مذہب کرکے اس عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کردینا جائز ہے؟

۶......تبدیلیٔ مذہب کسی خاص غرض سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا، لیکن جس لڑکی کے سر پر باپ موجود ہو اس کو ایسا اقدام کرنا مناسب نہیں: "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضى ولي". درمختار (۳)۔

= من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء لانكاح الإبولي: ۱/۲۰۸، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في الولي: ۱/۲۹۱، إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستيذان المرأة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۴/۲، شركت علميه ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۴/۳، شركت علميه ملتان)

(۳) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۵۵/۳، سعيد)

"يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة". (ردالمحتار: ۵۵/۳، سعيد)=

۲......جبکہ یہ نکاح کفو میں مہر مثل پر ہوا ہے تو ولی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں (۱)، غیر کفو میں ہوتا تو حکم کچھ اَور ہوتا۔

۳...... "أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق، وتوارث وغيرها، لا اللزوم؛ إذ هو أخص منها؛ لأنه ما لا يمكن نقضه، وهذا يمكن رجعه إذا كان من غير كفؤ. وأما حديث: "أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها، فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل". وحسّنه الترمذي. وحديث: "لانكاح إلابولي" رواه أبوداؤد وغيره، فمعارضٌ بقوله صلى الله عليه وسلم: "الأيم أحق بنفسها من وليها". رواه مسلم وأبوداؤد والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ. والأيم من لا زوج لها بكراً أولا، فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت، وقد جعلها أحق منه به. ويترجح هذا بقوة السند و الاتفاق على صحته بخلاف الحديثين الأولين، فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال، الخ". شامي: ٢٩٦ (٢)۔

۳...... ولی کو اختیار نہیں کہ اس نکاح کی اجازت نہ دیکر دوسری جگہ اس کا نکاح کردے، یہ نکاح اجازت پر موقوف نہیں رہا (۳)۔

۴......ان کا مسلکِ مختار مجھ کو معلوم نہیں۔ حنفی کو اس مسئلہ میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کرنے کی

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء و الأكفاء: ۱۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۲۶/۲، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "فإذا تزوجت المرأة رجلاً خيراً منها، فليس للولي أن يفرق بينهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء: ۲۹۰/۱، رشيديه)

(وكذا في مبسوط السرخسي، كتاب النكاح، باب الأكفاء: ۲۸/۳، الجزء الخامس، غفارية)

(۲) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، ۵۵/۳، ۵۶، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۴۹۹، رقم الحاشية: ۱)

اجازت نہیں(۱)۔

۵......اس کا جواب :۳،۴، میں آ گیا۔

۶......جس مجتہد کے مذہب کو حق تصور کر کے اختیار کیا ہے، اس کے مذہب کو بلا مجبوری چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا درست نہیں :"و فی الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان اثم يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى انتهى". حموی، ص: ٢٥٦ (٢)۔

"ليس للعامى أن يتحول من مذهب إلى مذهب، ويستوى فيه الحنفى و الشافعى. وقيل لمن انتقل إلى مذهب الشافعى ليزوج له: أخاف أن يموت مسلوب الإيمان لإهانته بالدين لجيفة قذرة". قنية، ص: ١٥٥۔ "الرجوع عن التقليدبعد العمل باطل اتفاقاً، وهو المختار فى المذهب". درمختار: ١/١٥ (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولی کی اجازت سے نابالغ کا ایجاب وقبول

سوال[۵۲۱۱]: جبکہ لڑکا لڑکی نابالغ ہیں تو ولی ایجاب وقبول کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ خود ایجاب وقبول کر سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ ان کو معلوم ہو کہ نکاح کے فوائد کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی درست ہے کہ ولی نابالغ لڑکے لڑکی کیلئے ایجاب وقبول کر لے، اور یہ بھی درست ہے کہ ولی کی اجازت سے نابالغ ایجاب وقبول کر لے، كذا فى الشامى: ٢/٣١٤ (٤)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۲/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (أنظر الحاشية: ۲، ۳)

(۲) (الحموى شرح الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب الحدود: ۲/۱۷، إدارة القرآن كراچى)

(۳) (مقدمة الدرالمختار، مطلب فى حكم التقليد والرجوع عنه: ۱/۷۵، سعيد)

(۴) "نعم لو كان لها أب أوجد، وزوجت نفسها، كذلك توقف؛ لأن له مجيزاً وقت العقد؛ لأن الأب والجد يملكان العقد بذلك و الصغير كالصغيرة". (ردالمحتار: ۳/۸۰، كتاب النكاح، باب الولى، =

ختنہ سے پہلے نکاح

سوال[۵۲۱۲]: مسمی گامی پسر جمہ کا نکاح مسمات بیان دختر سے ہوا، بوقتِ نکاح لڑکے کی عمر چار سال تھی اور وہ بغیر ختنہ کے تھا اور مسمات کی عمر ایک سال تھی، دونوں میں ایجاب وقبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، صرف طرفین سے والدین کی رضامندی سے نکاح ہوا تھا، جب طرفین بالغ ہوئے تو بعد از بلوغ ازدواجی زندگی خوشی سے گزارنی شروع کردی، اس وقت لڑکے کی عمر ۲۶/ سال ہے اور لڑکی کی عمر ۲۲/ سال ہے۔ اب بعض کہتے ہیں کہ نکاح چونکہ بدونِ ختنہ کے ہوا ہے لہذا یہ سنت کے خلاف ہے اس لئے ان دونوں کا نکاح درست نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی خوش نہیں ہیں، لڑکی شوہر کے گھر رہنا نہیں چاہتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مسئلہ مذکورہ کو تفصیل سے جواب مطلع فرمائیں اور باہم بڑھتے ہوئے نزاع کو ختم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار سال کی عمر میں والد نے جو نکاح کر دیا وہ بلاشبہ صحیح ہوگیا(۱)، ختنہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو غلط کہنا

= مطلب: لایصح تولیة الصغیر الخ، سعید)

"الصبی إذا تزوج، یتوقف علی إجازة الولی فی حالة الصغر". (فتح القدیر: ۳/ ۳۰۹، کتاب النکاح، فصل فی الوکالة بالنکاح، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"للولی الصغیر و الصغیرة أن ینکحهما وإن لم یرضیا بذلک، سواء کانت بکراً أو ثیباً".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/ ۲۸۵ کتاب النکاح، الباب الرابع، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/ ۲۰۸، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/ ۶۵، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۱) "وینعقد: أی النکاح: أی یثبت و یحصل انعقاده بالإیجاب والقبول". (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/ ۹، سعید)

"وأما رکن النکاح فهو الإیجاب والقبول". (بدائع الصنائع، فصل فی رکن النکاح: ۳/ ۳۱۷، دارالکتب العلمیه بیروت)

"و لا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/ ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

اور شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرانا صحیح نہیں، ان کو آپس میں ملنے سے ہرگز نہ روکیں (۱)۔ ختنہ سنت ہے (۲) اور اس کی تاکید ہے، مگر اس کی وجہ سے نکاح ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے؟

سوال [۵۲۱۳]: کیا نکاح میں بوقتِ ایجاب وقبول دولہا دولہن کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟ بشقِ اول اگر نام نہیں لیا سہواً یا عمداً تو کیا نکاح پھر سے دوبارہ پڑھنا پڑے گا؟ بشقِ ثانی ولد الزنا یا لقطہ کا نکاح کس طرح پڑھا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغیر والد کا نام لیے قاضی اور گواہ سب پہچان لیں کوئی اشتباہ نہ رہے تو بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، مثلاً: دونوں مجلس میں سامنے موجود ہوں اور گواہوں کے سامنے وہ خود ہی ایجاب وقبول کرلیں، یا ان کا ولی کہہ دے کہ اس کا نکاح اس سے کر دیا، یا خاندان کے سامنے نکاح ہو وہ خود جانتے ہیں، والد کا نام لینے سے مقصود تعارف ہوتا ہے، وہ جس طرح بھی ہو جائے صحیح ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، دیوبند، ۳/ ۴/ ۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "والثانی: أنه نهی الأولياء عن المنع عن نكاحهن أنفسهن من أزواجهن إذا تراضی الزوجان. الخ". (بدائع الصنائع، فصل فی ولاية الندب: ۳/ ۳۷۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "والأصل أن (الختان سنة) كما جاء فی الخبر (و هو من شعائر الإسلام)". الخ. (الدرالمختار، مسائل شتی: ۶/ ۷۵۱، سعيد)

"واختلفوا فی الختان، قيل: إنه سنة، وهو الصحيح، كذا فی الغرائب". (الفتاوی العالمكيرية، باب الكراهية، الباب التاسع عشر فی الختان، الخ: ۵/ ۳۵۷، رشيديه)

(۳) "والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وإن كانت معروفة عند الشهود، علی قول ابن الفضل. وعلی قول غيره يكفی ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم، وإلا فلا، وبه جزم =

رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر

سوال[۵۲۱۴]: ایک شادی کے رجسٹر میں دولہا کی ولدیت میں لڑکے کے ماموں کا نام لکھا گیا، اس صورت میں یہ شادی درست ہوگی یا نہیں؟ چونکہ لڑکا بچپن میں اپنے ماموں کی تربیت میں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ لڑکی دولہا کے یہاں جاتی ہے اور گواہ اس کو دیکھ رہے ہیں تو انعقادِ نکاح کیلئے اتنی بات کافی ہے، رجسٹر میں بالکل ہی اندراج نہ ہو تب بھی نکاح صحیح ہے(۱)۔ والد کے نام کی جگہ ماموں کا نام لکھ دیا گیا ہو، کیونکہ وہ ماموں کی تربیت میں تھا" ۔ بھی نکاح میں خرابی نہیں آئی، والد کے نام کی ضرورت رفعِ جہالت کیلئے ہوتی ہے جو حاضر میں موجود نہیں، کذا فی رد المحتار، ص: ۲۷۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۴ھ۔

= صاحب الهداية في التجنيس، وقال: لأن المقصود من التسمية التعريف، وقد حصل، الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول: ۱/ ۳۲۴، رشيديه)

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/ ۴۴۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "(قوله: ولا المنكوحة مجهولة) قلت: و ظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميز عند الشهود أيضاً، يصح العقد، وهي واقعة الفتوى؛ لأن المقصود نفي الجهالة، وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها .... فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها، كفى ذكر اسمها، وإلا لابد من ذكر الأب والجد". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/ ۱۵، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۰، رشيديه)

نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا

سوال[۵۲۱۵]: کچھ ماہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی کا اصلی نام کوثر حسین ہے، لیکن نکاح میں اقرار کے وقت قیصر جہاں کے نام سے اقرار کرایا گیا، قاضی صاحب نے قیصر جہاں ہی نام لیکر مجھ سے تین مرتبہ اقرار کرایا، اور رسید میں بھی قیصر جہاں نام ہے۔ ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں کہ یہ نکاح ہوا ہے یا اس میں کچھ خامی ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصلی نام قیصر جہاں تھا، لیکن صحیح تلفظ نہ ہونے کی وجہ سے کوثر حسین کہنے لگے، یا اصلی نام کوثر حسین تھا، اسی کو قیصر جہاں کہنے لگے، یا دونوں ہی نام ہیں کوئی کوثر حسین کہتا ہے کوئی قیصر جہاں، تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا۔ اگر نام ایک ہی ہے اور وہی لیا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا گیا ہے وہ نام نہیں ہے اور غلطی سے نام بدل گیا تو دو گواہوں کے سامنے دو بارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ گواہوں نے زوجہ کو نہ پہچانا ہو لیکن اگر زوجہ کو گواہوں نے پہچان لیا ہو اور پھر نام لینے میں غلطی ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا:

"غلط وكيلها فى اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وغلط فى اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً وأشار إليها، فيصح". (الدرالمختار). (قوله: إلاإذا كانت حاضرةً) راجع إلى المسئلتين: أى فإنها لو كانت مشاراً إليها وغلط فى اسم أبيها أو اسمها، لا يضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية، لما فى التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها كمالو قال: اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو، فإنه يصح". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب فى عطف الخاص على العام: ۲۶/۳، سعيد)

(وكذا فى الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، ۱/ ۳۲۲، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۰، رشيدية)

"أولم تكن ووقع فى قلبه صدقها، فلا بأس بأن تزوجها، الخ". (الدرالمختار، كتاب المطلق،=

قبولِ اسلام کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۱۶]: ایک مسماۃ عیسائی اپنے کو یہ کہتی ہے کہ میرا شوہر تو مر گیا اب میں مسلمان سے شادی کر کے رہنا چاہتی ہوں۔ ایسی صورت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کر لے، عدت گذر چکی ہو تو کسی مسلمان سے شادی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۶/۱/۴ھ۔

نومسلم کا نکاح

سوال[۵۲۱۷]: زید کا لڑکا عمر عیسائی ہے، بکر کی لڑکی فریدہ مسلمان ہے، بالغ ہے، عمر اگر مذہب اسلام قبول کر لے تو کیا فریدہ کا نکاح عمر سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

= باب الطلاق: ۵۲۹/۳، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهية، الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات: ۳۱۳/۵، رشیدیه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن، ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"لایجوز تزوج المسلمة من مشرک ولا کتابی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرک: ۲۸۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی عدم نکاح الکافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دارالکتب العلمیه بیروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿فإذا بلغن أجلهن، فلاجناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف﴾ (البقرة: ۲۳۴)　　"وعن المسور ابن مخرمة أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت" (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، باب العدة، الفصل الأول، ص: ۲۸۸، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ہوسکتا ہے (۱) مگر اس کا بھی اطمینان کرلیا جائے کہ یہ قبولِ اسلام کہیں نکاح ہی کی خاطر تو نہیں، کبھی نکاح کے بعد کہیں لڑکی کا دین بھی تباہ ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۶/ ۸۸ھ۔

عدت کے بعد نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۸]: ایک غیر مسلم لڑکی تھی جو شادی شدہ تھی، ایک مسلم کا اس سے تعلق ہوگیا اور لڑکی نے کچھ دنوں بعد اسلام قبول کرلیا، ایک سال سے وہ لڑکی اس مسلمان کے ساتھ رہ رہی ہے ابھی تک انہوں نے نکاح نہیں کیا، لڑکی چاہتی ہے کہ نکاح ہوجائے۔ کیا دونوں کا نکاح درست ہوگا، اور اس لڑکی کے لئے عدت بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کرنے کے بعد سال بھر گزر چکا ہے تو اب اس کی شادی اس شخص سے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "و منها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/ ۴۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/ ۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۹/ ۶۶۵۲، رشيديه)

(۲) "ولو أسلم أحدهما ثمة .... لم تبن حتى تحيض .... أو تمضي ثلاثة أشهر .... و ليست بعدة .... و هل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربيةً، فلا؛ لأنه لا عدة على الحربية. وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي، بدائع وهداية. وجزم الطحاوي بوجوبها. قال في البحر: و ينبغي حمله على اختيار قولهما. الخ". (الدر المختار مع =

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۹]: ایک عورت غیر مسلمہ کی شادی اپنے مذہب کے اعتبار سے سات سال کی عمر میں ہوچکی تھی، لیکن بلوغ تک نہ شوہر کے گھر گئی، نہ اس سے کچھ تعلق پیدا کیا، اس کے بعد وہ ایک مسلمان کے گھر رہنے لگی اور مسلمان ہوکر اسی دن اس سے شادی کردی، اس کے بھائی اس کی شادی دوسری جگہ کردینا چاہتے تھے، شادی کے بعد اس کا ایک لڑکا چار سال بعد ہوا۔ تو کیا قبولیتِ اسلام کے بعد کیا ہوا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر والی عورت (مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) جب دارالحرب میں اسلام قبول کرے تو تین حیض گذرنے پر اس کا نکاح فسخ ہوتا ہے، پھر اگر غیر مدخولہ ہو تو اس پر عدت واجب نہیں ہوتی بلکہ نکاح فسخ ہونے کے بعد اس کا نکاح درست ہوجاتا ہے وصورتِ مسئولہ میں اسلام قبول کرتے ہی اس کا نکاح دوسری جگہ کردیا گیا، یہ درست نہیں ہوا، تین حیض کا انتظار لازم تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۲۰]: ہندوستان میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا خاوند کفر پر ہے، اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان اگر دارالحرب ہے تو فرقت کے لئے تین حیض ضروری ہے، کیونکہ اسلام عدمِ ولایت کی وجہ سے پیش نہیں کیا جاسکتا، مگر یہاں بعض دفعہ میں پیش کیا جاسکتا ہے بعض دفعہ نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دارالامن ہے تو مذکورہ صورت کا کیا حل ہے، آیا مہاجرۃ النساء کی صورت ہے؟ غرضیکہ جیسی تحقیق ہو تحریر ہو، مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرقت تین حیض سے لکھی ہے۔ کیا وہ بھی صورت ہے جو

= ردالمحتار، باب نکاح الکافر: ۳/ ۱۹۱، ۱۹۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، باب نكاح الكافر: ۳/ ۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب نكاح الكافر: ۲/ ۲۸۸، امداديه ملتان)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، باب: وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/ ۱۹۲، إمداديه ملتان)

(۱) (راجع، ص: ۵۰۷، رقم الحاشية: ۲)

ہندوستان میں باقی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ اسماعیل صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو دارالحرب فرمایا ہے، مولانا عبدالحئی صاحب اور نواب صدیق صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا ہے۔ طرفین اہل تحقیق اس میں اور اپنے دعوے پر دلیل بھی پیش کرتے ہیں جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ (۱) اور فتاویٰ عزیزی میں موجود ہے (۲) اور یہ اختلاف درحقیقت دارالحرب کے آثار اور علامات میں اکابر ائمہ کے اختلاف پر مبنی ہے، مبسوط (۳)، عالمگیری (۴)، شامی (۵) وغیرہ میں ان اکابر کے اقوال دارالحرب کی تعریف کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۱/۲۳۷، كتاب الصلاة، سعيد)

(۲) (فتاوى عزيزى (فارسى): ۱/۳۰، سعيد)

(۳) "والحاصل أن عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إنما تصير دارهم دار الحرب بثلاثة شرائط: أحدها أن تكون متاخمة أرض الترك ليس بينها و بين أرض الحرب دار المسلمين. والثاني أن لا يبقى فيها مسلم آمن بإيمانه و لا ذمي آمنٌ بأمانه. والثالث أن يظهروا أحكام الشرك فيها. وعن أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: إذا أظهروا أحكام الشرك فيها، فقد صارت دارهم دارحرب؛ لأن البقعة إنما تنسب إلينا وإليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب . وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين، ولكن أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يعتبر تمام القهر والقوة؛ لأن هذه البلدة كانت في دارالإسلام محرزةً للمسلمين، فلا يبطل ذلك الإحراز إلا بتمام القهر من المشركين، وذلك باستجماع الشرائط الثلاث". (مبسوط السرخسي، باب المرتدين: ۹۳/۱۰، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، مطلب فيما تصير به دار الحرب دار إسلام و عكسه: ۲۳۲/۲، رشيديه)

(۵) (رد المحتار على الدرالمختار، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب وبالعكس: ۱۷۴/۴، سعيد)

اسی اختلاف کی بناپر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمانا احوط ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تین حیض کے گذرنے کے بعد ایسی عورت کا نکاح منقطع ہوگا اور پھر تین حیض اور عورت کو انتظار کرنا چاہیے، غرض چھ حیض کے بعد اس کو نکاحِ ثانی کی اجازت ہوگی، یہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر عدت واجب نہیں، لہٰذا صرف تین حیض گزرجانے پر نکاحِ ثانی درست ہوگا، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اوسع ہے۔

ہندوستان میں بلکہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے محض قبولِ اسلام کی بناء پر مہاجرۃ النساء کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

"ولو أسلم أحدهما ثمة: أی فی دار الحرب لم تبن حتی تحیض ثلاثاً أو تمضی ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة قیام السبب، و لیست بعدة لدخول غیر المدخول بها". قال الشامی: "(قوله: ولیست بعدة): أی لیست هذه المدة عدةً؛ لأن غیر المدخول بها داخلة تحت هذا الحکم، ولو کانت عدةً، لاختص ذلك بالمدخول بها. و هل تجب العدة بعد مضی هذه المدة؟ فإن کانت المرأة حربیةً، فلا؛ لأنه لا عدة علی الحربیة، وإن کانت هی المسلمة فخرجت إلینا فتمت الحیض هنا، فکذالك عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة علیها عنده، خلافاً لهما، کما سیأتی، الخ". ردالمحتار: ۲/۳۹۱، مطبوعه نعمانیه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۷/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/رجب/۶۲ھ۔

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب: الصبی والمجنون لیسا بأهل لإیقاع الطلاق: ۳/۱۹۱، ۱۹۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳/۳۷۰، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح أهل الشرك: ۳/۲۲۱، ۲۲۲، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۲/۲۸۸، إمدادیه ملتان)

بچوں کے نکاح کا طریقہ

سوال[۵۲۲۱]: ۶/ سال سے کم عمر کے بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں کی طرف سے ان کے لئے ان کے والد ایجاب وقبول کرلیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۴ھ۔

جولڑکی سنی ہوجائے اس سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۲۲]: میں شیعہ لڑکی سے محبت کرتا ہوں، اس لڑکی کی عمر ۳۰/ یا ۳۲/ سال ہے اور میری عمر ۲۸/ سال ہے، اس کی والدہ بمبئی میں گذر گئی تھیں، اس کی دادی نے اس کو پالا ہے، اس کی دادی آٹھ سال سے پاگل ہے اور والد گونگے اور بہرے ہیں، وہ لڑکی اپنے والدین کی اکیلی ہے اور وہ لڑکی بیمار بھی ہے اور وہ لڑکی بہت غریب ہے اور میرے گھر والے اس رشتے کے خلاف ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی سے شادی کرلوں اور وہ لڑکی بھی میرے سے شادی کیلئے تیار ہے اور میرے پاس شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ لڑکی اپنا شیعہ مذہب چھوڑ کر سنی ہوجائے گی اور اس لڑکی نے کہا ہے کہ اگر وہ شادی نہیں کرے گا تو وہ خودکشی کرے گی۔ اس لئے آپ سے فتوی چاہتا ہوں، مہربانی کرکے جواب سے جلد از جلد نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر آپ اس کے حقوق ادا کرسکتے ہیں تو اس سے شادی کرلیں، حقوق میں کھانا کپڑا رہنے کیلئے مکان بھی داخل ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وللولي إنكاح الصغير والصغيرة". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۶۵/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲۰۸/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۵۰۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة، فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج". (مشكوة المصابيح، =

کیا نومسلمہ کو چھ مرتبہ حیض کے بعد نکاح کی اجازت ہے؟

سوال[۵۲۲۳]: ایک عورت جوغیر مسلمہ اور شادی شدہ ہے اور اس عورت کے غیر مسلم شوہر سے اولاد بھی ہے لیکن ایک مسلمان اس عورت کے ساتھ اور عورت بھی اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ عورت کا کہنا کہ میں نہ ہندو ہوں نہ مسلم، مگر ٹیکا لگاتی ہے یعنی اس میں شرک کی آمیزش ہے۔ اور اس مسلمان نالائق نے بھی جمعہ تک کی نماز چھوڑ دی، اس نے اس غیر مسلمہ کے خاوند کو طلاق پر آمادہ بھی نہ کیا، نہ وہ مسلمان ہوئی، نہ یہ پورا مرتد ہوا۔ غرض دونوں کو شرعاً کس طریقہ سے الگ کرنا یا ملانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دونوں ملے ہوئے ہیں تو ان کو فوراً الگ الگ کرادیا جائے (۱) اور عورت اسلام قبول کرلے، ٹیکہ وغیرہ مشرکانہ چیزیں چھوڑ دے (۲)۔ جب اسے چھ مرتبہ ماہواری آجائے تو اس مسلمان سے اس کا نکاح کردیا جائے (۳)، اس وقت تک عورت کسی دوسری عافیت کی جگہ رہے۔ کلمہ اور نماز وغیرہ آہستہ آہستہ سیکھتی رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۹۹ ۱۳ھ۔

= كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲/۲۶۷، قديمى)

"(و)يكون (سنةً) موكدةً في الأصح، فيأثم بتركه .... (حال الاعتدال): أى القدرة على وطء ومهرونفقة". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۷، سعيد)

(۱) "قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من رأى منكم منكراً، فليغير بيده". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/۴۳۶، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألا تكون المرأة مشركة إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة". (بدائع الصنائع، فصل فى نكاح المشركة: ۳/۴۵۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافى فقه السنة، كتاب النكاح، المحرمات من النساء، زواج المشركة: ۲/۹۳، دارالكتاب العربى)

(۳) تین ماہواریوں کے بعد اس کا سابق نکاح ختم ہوگا: "ولو أسلم أحدهما ثمه، لم تبن حتى تحيض ثلاثاً قبل =

بغیر عورت کی اجازت کے نکاح جب کہ وہ رضامند نہ ہو اور سہیلی کا انگوٹھا لگانا

سوال[۵۲۲۴]: ایک لڑکی کا نکاح ہونے لگا، نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی، بلکہ اس کی والدہ نے اجازت دے دی اور رجسٹر میں بھی اس کی سہیلی نے انگوٹھا لگا دیا، البتہ لڑکی رضامند تھی اور لڑکی بالغ بھی تھی۔ اس حالت میں نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے بعد عقد اس کو منظور کر لیا ہو قولاً ہو یا فعلاً تو یہ نکاح صحیح ہوگا (۱)، سہیلی کا انگوٹھا لگانا بیکار ہے جبکہ اس کا ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= إسلام الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/ ۱۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/ ۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/ ۴۲۱، ۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اور باقی تین ماہواریاں اختتام نکاح کی عدت ہیں، قال الله تعالى: ﴿والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

(۱) "و منها رضا المرأة إذا كانت بالغةً، بكراً كانت أو ثيباً، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۹، رشيديه)

"و تثبت الإجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل، كذا في البحر الرائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/ ۲۹۹، رشيديه)

"و من شرائط الإيجاب والقبول .... و شرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما". (الدرالمختار). "(قوله : ليتحقق رضاهما): أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا ؛ إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴ – ۲۱، سعيد)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/ ۳۱۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

حیض نہ آنے اور ثدیین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح

سوال[۵۲۲۵]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا، خلوتِ صحیحہ کا بھی ثبوت ہے، مگر چار سال کے بعد ڈاکٹروں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہندہ مرد کے قابل نہیں حیض آتا ہے نہ ثدیین ابھرے ہوئے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا یا نہیں؟ بصورتِ نکاح مہر کا لزوم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثدیین کے نہ ابھرنے اور حیض نہ آنے کے باوجود اگر اس کے محلِ جماع ہے تو زید اس کے پاس جا کر ہمبستری کر سکتا ہے اور نکاح بھی صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۳ھ۔

جواب صحیح ہے: چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے مہر بھی پورا لازم ہوگا(۲)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة: أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي، فخرج الذكر والخنثى المشكل، الخ". (الدرالمختار). "وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضاها استمتاعاً .... فخرج الذكر والخنث المشكل: أى أن إيراد العقد عليهما لايفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له، الخ". (ردالمحتار: ۳/۳، ۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۳۸، مصطفى البابى الحلبى مصر)

"النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار: ۳/۹، سعيد)

(۲) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان مايتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دارالكتب العلميه بيروت)

نابینا بہرے کا نکاح

سوال[۵۲۲۶]: زید کہتا ہے میرا بھائی نابینا بھی ہے اور بہرا بھی، اس کا نکاح کس طریقہ سے پڑھایا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طرح اَور ضروریات اس کو سمجھائی جاتی ہیں اور اس سے دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح بھی کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۵ھ۔

گونگے کا نکاح

سوال[۵۲۲۷]: کسی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے گونگے مرد کے ساتھ کردیا اور گونگے نے (قبولیت کے لئے) اشارۃً ہی سر ہلادیا۔ تو سوال یہ ہے کہ گونگے کا اشارۃً نکاح کو قبول کرنا کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گونگا اگر اشارہ سے قبول کرے تو نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۱/ ۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "وينبغي أن لايختلف في انعقاده بالأصمين إذا كان كل من الزوج والزوجة أخرس؛ لأن نكاحهما -كما قالوا- ينعقد بالإشارة حيث كانت معلومةً". (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به، كتاب النكاح: ۳/ ۲۳، سعيد)

"و كما ينعقد النكاح بالعبارة ينعقد بالإشارة من الأخرس، إذا كانت إشارته معلومةً الخ".

(بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"ففي كافي الحاكم الشهيد مانصه: فإن كان الأخرس لا يكتب، و كان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه و شرائه وبيعه، فهو جائز، الخ". (رد المحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج: ۳/ ۲۴۱، سعيد)

(۲) "(إيماء الأخرس وكتابته كالبيان) باللسان". (الدرالمختار، مسائل شتى: ۶/ ۷۳۷، سعيد) ......=

جو مرد اور عورت کبھی نماز نہیں پڑھتے ان کا نکاح

سوال[۵۲۲۸]: لڑکا اور لڑکی دونوں کلمہ تو جانتے ہیں مگر کبھی نماز نہیں پڑھتے تو کیا ان دونوں کا نکاح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح تو صحیح ہوگا(۱) مگر ترکِ فرض کا گناہ کچھ ہلکا گناہ نہیں، اس کا اہتمام بہت ضروری ہے، نماز ترک کرنا معمولی گناہ نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا دو عورتوں سے طلاق کے بعد دو دفعہ نکاح کرنا چار کے حکم میں ہے؟

سوال[۵۲۲۹]: ۱......ایک مسلمان جو کہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتا ہے، قرآن وسنت کا پابند ہے،

= "ثم قال في النهر: وينبغي ألا يختلف في انعقاده بالأ صمين إذا كان كل من الزوج و الزوجة أخرس؛ لأن نكاحه -كما قالوا- ينعقد بالإشارة حيث كانت معلومةً". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/ ۲۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۱۸۲، امداية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، و ذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "من ترك صلاةً، لقي الله و هو عليه غضبان". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۸۵، رياض)

"من ترك الصلاة متعمداً، فقد كفر جهاراً". (فيض القدير: ۱۱/ ۵۷۳۷، ۵۷۳۸، (رقم الحديث: ۸۵۸۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، وتاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۵۲، سعيد)

میرا قریبی بھائی ہے، اس نے پہلے ایک نکاح کیا ہے ''الف'' کے ساتھ، پھر اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلی ''ب'' کے ساتھ، ایک سال کے بعد اس کے ساتھ بھی ان بن ہوگئی اور ''ب'' کو بھی طلاق شرعی لکھ کر عدالت سے دیدی، نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعت کہتی ہے۔ کچھ عرصہ ۸/ ماہ ہوئے تو یہ عورت ''ب'' نادم ہوکر آئی اور اس نے شادی کرنی چاہی، وہ دونوں عدالت میں گئے اور وہاں ایک بیان حلفی پبلک نوٹری سے تصدیق کراکے شادی دوبارہ رچالی اور کوئی خطبۂ نکاح انجام نہ پایا۔

اسی دوران اس عورت کو حمل ٹھہرا اور ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ پھر اس عورت ''ب'' کو فحش کلامی کی بنا پر اس مرد نے دوبارہ عدالت سے طلاق نامہ دے کر اپنی زوجیت سے الگ کردیا ہے اور تقریباً آٹھ سال سے الگ ہے، عورت ''ب'' نے دوسری شادی کرکے دوسرے مرد سے دو بچے حاصل کئے۔

عرض یوں ہے کہ جو لڑکا عورت ''ب'' کے پہلے مرد سے سمجھے یعنی میرے بھائی سے ہوا ہے، کیا وہ شرعاً مرد کا ہے یا عورت کا؟ حتیٰ کہ وہ لڑکا اس وقت نو سال کا ہے اور امی جان کے پاس رہتا ہے، کیا یہ شرعی طور پر باپ کا وارث کہلائے گا؟ مجھے شک ہے کیوں کہ شادی شرعی طور پر انجام نہیں پائی تھی تو یہ بچہ کس کا ہے؟ صحیح قرآنی وشرعی فیصلہ دے کر مشکور وممنون فرمایں۔

۲......اب یہ جو مرد ہے یعنی میرا بھائی اس نے دوسری دفعہ پہلے والی عورت ''الف'' سے دوبارہ شادی کی ہے اور اس کے تین بچے ہیں، اس طرح سے اس نے چار دفعہ نکاح کیا ہے جبکہ بیویاں صرف دو ہیں۔ تو کیا ایسے مرد پر شرعی حد یعنی چار نکاح کا ہونا عمل میں آیا ہے، یا یہ کہ وہ اگر چاہے شریعت کی رو سے تیسری بیوی کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......شخص مذکور نے ''ب'' کو جو طلاقِ شرعی لکھ کردی ہے، وہ بعینہ یا اس کی نقل ارسال کریں اس کو دیکھ کر معلوم ہو سکے گا کہ پھر اس نے جو دوبارہ نکاح کیا ہے اس کی اجازت شرعاً تھی یا نہیں؟ نیز بتائیں کہ دوبارہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے ہوا یا پہلی طلاق سے رجعت کی ہے اور پہلے نکاح ہی کو باقی رکھا گیا ہے؟

نوٹ: جب بچہ نو سال کا ہوگیا ہے تو آج اس کی تحقیق کی کیا ضرورت پیش آئی؟ پہلے سے اتنی مدت

میں مسئلہ دریافت کیوں نہیں کیا؟ کیا محض وراثت کی بناء پر دریافت کرنا ہے؟ اور وہ شخص خود کیا انتقال کر گیا ہے یا زندہ ہے؟

۲..... عورتیں تو دو ہی اس کے نکاح میں آئی ہیں اگر چہ ان سے بار بار نکاح کی نوبت آئی، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ چار نکاح کر چکا ہے اس کی چار بیویاں موجود ہیں، اب اگر کسی اَور سے نکاح کرے گا تو وہ پانچویں بیوی ہوگی جو کہ ناجائز ہوگی، بلکہ وہ تیسری ہوگی اور جائز ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۱۴۰۶ھ۔

جس عورت کے کئی نکاح ہوئے، اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

سوال[۵۲۳۰]: ہمارے پڑوس میں ایک عورت تھی، جب ہمارا پڑوسی اس عورت کا نکاح کر کے لایا تھا جب ہی سے سنا تھا کہ اس عورت کا پچھلا خاوند زندہ ہے، جب ہمارا پڑوسی اس کا خاوند مر گیا تو اکثر یہ عورت ہمارے گھر بیٹھا کرتی تھی، کیونکہ ہمارے گھر کے پاس اس کا گھر ہے، درمیان میں صرف ایک دیوار ہے۔ اس عورت کی ایک نابالغ لڑکی تھی جس روز اس نابالغ لڑکی کا نکاح ہونے لگا تو میں نے انکار کر دیا کیونکہ سن رکھا تھا کہ اس لڑکی نابالغ کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے۔

انکار کر کے جب گھر میں آیا تو میں نے گھر میں کہا کہ میں نے تو اس لڑکی کے نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے، کہنے لگی کہ کیوں انکار کر دیا؟ میں نے کہا کہ اس کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے سنا کرتے ہیں، کہنے لگی

---

(۱) "و للحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر .... وإذا تزوج الحر خمساً على التعاقب، جاز نكاح الأربع الأُوَل، و لا يجوز نكاح الخامسة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الرابع المحرمات بالجمع: ۱/۲۷۷، رشيديه)

"أما الجمع في النكاح فنقول: لا يجوز للحر أن يتزوج أكثر من أربع زوجات من الحرائر، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في الجمع بين الأجنبيات: ۳/۴۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۱۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

مذکور بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یک وقت اگر کسی کے نکاح میں چار بیویاں موجود ہوں تو پانچویں عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر دو عورتوں سے دو دو دفعہ نکاح کرتا ہے تو وہ چار کے حکم میں نہیں ہونگی، بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے مزید دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

وہ تو کئی کئی عورتوں کے سامنے ہمارے گھر بیٹھ کر کہا کرتی تھی کہ جس سے میرا پہلا بیاہ ہوا وہ تو مر گیا، دوسرے مرد سے نکاح کیا، میرا اس سے اتفاق نہیں رہا، پھر وہ ہمارے گھر چھوڑ گیا اور پھر لینے نہیں آیا، پھر تیسرا نکاح کیا، اس نے بھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ ملازم تھا جب وہ چھٹی آیا تو میں گھر پر نہیں ملی کیونکہ میری عادت پاس پڑوس میں بیٹھنے کی ہے، جب گھر پر نہ ملی تو اس نے کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی کیونکہ میرے گھر پر نہیں ملی۔ پھر میں نے غسل کیا اور کپڑے بھی بدلے، پھر بھی کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی، پھر اس نے بھی چھوڑ دیا۔ میں اپنے گھر چلی آئی۔

پھر یہ ہمارا پڑوسی نکاح کر کے چار سو روپے میں لے آیا۔ طلاق کا کبھی بھی ذکر نہیں کیا کہ مجھ کو طلاق بھی دیدی تھی، یہ بھی کبھی نہیں کہا کہ میرا دوسرا تیسرا نکاح عدت کے بعد یا عدت کے اندر ہوا ہے، جب ہمارا پڑوسی مر گیا تو پھر ایک دوسرے مرد سے نکاح کر لیا پھر وہ بھی مر گیا، پھر موضع بھاگلہ کا ایک مرد نکاح کر کے لے گیا، سنا ہے وہ عورت اب بھی زندہ ہے۔

جس عورت کی بابت یہ باتیں مشہور ہوں کہ اس کے کئی نکاح ہوئے ہیں، نہ عدت کا پتہ ہے نہ طلاق کا اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا پچھلا خاوند زندہ ہے تو شرعاً ایسی عورت کا نکاح یا ایسی عورت کی نابالغ لڑکی کا نکاح بغیر تحقیق کے کرنا چاہئے یا نہیں؟ یا انکار کر دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے اور دونوں میں شرعی علیحدگی ہو کر عدت نہیں گزری تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں (۱) اور نکاح پڑھانے والا بھی گنہ گار ہوگا (۲)۔ اگر تحقیق ہو جاوے کہ کہ دونوں میں شرعی علیحدگی ہو چکی ہے تو پھر نکاح جائز ہے۔ اگر دونوں باتوں میں سے کسی کی تحقیق نہ

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس فی المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه) (وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، کتاب النکاح، فصل فی شرط الاتکون منکوحة الغیر، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲) قال العلامة الآلوسی فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾: "فیعم النهی کل ماهو من مقولة الظلم والمعاصی، ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام". (روح المعانی: ۶/۵۷، مبحث فی ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ دار إحیاء التراث العربی بیروت)

ہوتو پھر اگر وہ عورت شرعاً عادلہ ہے اور اس کی شہادت مقبول ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نکاح پڑھانا بھی درست ہے۔ اگر عادلہ نہیں بلکہ فاسقہ ہے اور اس کی شہادت مقبول نہیں تو پھر تحری کی جاوے یعنی اگر غور وفکر کے بعد غالب گمان ہو جاوے کہ عورت سچی ہے جب تو نکاح درست ہے، اگر غور وفکر کے بعد معلوم ہو کہ عورت جھوٹی ہے کیونکہ اَور باتوں میں بھی جھوٹ بولتی ہے اور حرام وحلال اور دوسرے احکامِ شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتی بلکہ اغراضِ نفسانی کے درپے رہتی ہے، اس سے غالب گمان اگر ہو کہ اس امر میں بھی جھوٹ بولتی ہے پھر اس سے نکاح نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح نکاح پڑھنے سے اجتناب چاہئے:

"و لو أن امرأةً قالت لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها، وإن كانت فاسقةً، تحرى و عمل بما وقع تحريه، كذا في الذخيرة". عالمگیری: ۵/۳۱۳(۱)۔

اور اس کی نابالغ لڑکی کے نکاح میں یہ تفصیل ہے کہ بغیر شرعی ولی کے نکاح موقوف رہے گا یعنی اگر کسی نے اس کا نکاح کر دیا تو وہ ولیٔ شرعی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر ولیٔ شرعی نے اجازت دیدی تب تو نافذ ہوگا ورنہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لڑکی کے باپ نے اگر اس کی ماں کو طلاق دے دی تو اس سے اس کی ولایت سلب نہیں ہوئی، البتہ اگر اس کا انتقال ہو گیا ہو تو پھر جو کوئی اس کا ولیٔ اقرب ہو اس کی اجازت نکاح کے لئے درکار ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۶/۳/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

ایک سے چار تک نکاح کی اجازت

سوال [۵۲۳۱]: ہمارے بھارت سرکار نے یہ قانون نافذ کر دیا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا ہے۔ کیا ہم بھارتی مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ اسلامی شریعت کے مطابق ایک شخص بیک وقت چار بیوی رکھ سکتا ہے؟

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

شریعت نے حسبِ استطاعت ایک مرد کو چار عورتوں تک اجازت دی ہے(۱)۔ اس اجازت کو کوئی بھی ضبط نہیں کرسکتا(۲)، البتہ جو شخص مساوات کا برتاؤ نہ کر سکے، اس کو ایک سے زیادہ کی اجازت خود شریعت نے نہیں دی، بلکہ اس کو تاکید کی ہے کہ ایک ہی پر کفایت وقناعت کرے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۱۳۹۴ھ

بے داڑھی قاضی کا پڑھایا ہوا نکاح

سوال[۵۲۳۲]: ۱......زید کا نکاح مشتری کے ساتھ منعقد کیا گیا، قاضی ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس داڑھی نہیں ہے اور وہ نکاح پڑھا چکا ہے نکاح ہوا یا نہیں؟

غلط رسوم کے ساتھ کیا گیا نکاح کا حکم

سوال[۵۲۳۳]: ۲......زید کو نکاح میں جوڑا پہنایا گیا، ہاتھوں میں مہندی لگائی گئی۔ اسکا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قاضی بغیر داڑھی کا ہو تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح درست ہو جائے گا(۴)۔

۲......نکاح کے وقت لڑکے کے ہاتھوں پر مہندی لگانا اور دیگر غلط رسوم کرنا ناجائز ہے(۵)، مگر نکاح

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع﴾ الآیة (النساء: ۳)

(۲) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿لم تحرم ما أحل اللہ لک﴾ الآیة (التحریم: ۱)

(۳) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا، فواحدةً﴾ الآیة (النساء: ۳)

(۴) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدھما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الھدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، رشیدیة)

(۵) "ولا ینبغی للصغیر أن یخضب یدہ بالحناء؛ لأنه تزین، وإنه یباح للنساء دون الرجا". (خلاصة الفتاوی، =

اس حالت میں منعقد ہو جائے گا (۱) اور غلط کاموں پر گناہ بھی ہوگا، نکاح کو سنت طریقہ پر کرنا لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تحقیق کے بعد منکوحہ کا نکاح پڑھانا جرم نہیں

سوال [۵۲۳۴]: ایک شخص ایک مسجد میں امام ہے، دو آدمی امام کے پاس آئے اور وہ کہنے لگے کہ امام صاحب! ہمارے یہاں چل کر ایک لڑکی کا نکاح پڑھا دیجئے، جس پر امام نے یہ تحقیق کی کہ بیوہ عورت کا نکاح ہے یا کنواری لڑکی کا؟ انہوں نے کہا کنواری لڑکی کا نکاح ہے اور قسم کھا کر دونوں شخص کہنے لگے: امام صاحب! گھبراؤ نہیں، یہ نکاح اس لڑکی کا پہلا نکاح ہے۔ اس کے برخلاف صورت یہ تھی کہ اس لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر میں پہلے کسی دوسرے سے ہو چکا تھا، جس کا علم امام صاحب کو نہیں تھا، اس بیان پر امام صاحب نکاح پڑھانے کیلئے چل دیئے۔

جب مکان پر پہونچے تو وہاں ۱۰، ۱۵/ آدمی موجود تھے، امام صاحب نے ان سے بھی دریافت کیا کہ لڑکی مطلقہ ہے یا غیر مطلقہ؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ کنواری لڑکی ہے اور اس لڑکی کا یہ پہلا نکاح ہے، امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔

= كتاب الكراهية، الفصل السابع في اللبس: ۴/۳۷۳، امجد اكيڈمی لاهور)

"لا يديه ولا رجليه؛ لأنه مكروه للتشبه للنساء". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۱، رقم الحاشية: ۴)

(۲) تمام کاموں میں طریقۂ مسنونہ اختیار کرنا ضروری ہے اور امورِ مبتدعہ سے اجتناب ضروری ہے: قال الله تعالىٰ: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الأحزاب: ۲۱)

"وعن العرباض بن سارية رضي الله تعالىٰ عنه قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظةً بليغةً .... اهـ". "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمی)

تین دن کے بعد امام صاحب کو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو چکا تھا اور وہاں سے طلاق بھی نہیں ہوئی۔ اب بتلائے کہ امام صاحب کا جرم مانا جائے گا یا نہیں جبکہ امام صاحب بالکل بے خبر تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے تحقیق کی، متعدد آمیوں سے دریافت کیا کہ جب اطمینان ہوگیا تب نکاح پڑھایا، اس لئے امام صاحب مجرم نہیں (۱)، البتہ وہ نکاح صحیح نہیں ہوا جبکہ اس لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے اور وہاں سے طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۳۹۵ھ۔

تین طلاق کے بعد کسی دوسرے سے نکاح

سوال [۵۲۳۵]: میاں بیوی میں کسی بات پر تکرار ہوگیا، عورت بچوں کو لیکر میکے چلی آئی، گاؤں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا﴾

"تنبيه على أنه إذا كان الخبر شيئاً عظيماً وماله قدر، فحقه أن يتوقف فيه، وإن علم أوغلب صحته على الظن حتى يعاد النظر فيه ويتبين فضل تبين". (روح المعاني: ۲۶/۱۴۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وفي الآية دليل على فساد قول من قال: إن المسلمين كلهم عدول حتى تثبت الجُرحة؛ لأن الله تعالىٰ أمر بالتثبت قبل القبول ولامعنى للتثبت بعد إنفاذ الحكم فإن حكم الحاكم قبل التثبت، فقد أصاب المحكوم عليه بجهالة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۶/۲۰۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

والوں کے کہنے پر پھر بچوں کو لے کر شوہر کے گھر گئی، وہاں بچوں کو چھوڑ کر چلی آئی، لڑکی کی ماں پھر لڑکی کو ہمراہ لیکر شوہر کے پاس چلی، راستے میں شوہر اور چند گاؤں کے آدمی مل گئے، بات چیت ہوئی مگر شوہر رکھنے کیلئے اور گھر لے جانے کے لئے تیار نہ ہوا اور بیوی کو مارا، بیوی نے شوہر کو مارا۔ آخر میں شوہر نے کہا کہ ''میں نے تجھے تین طلاق سچے دل سے اللہ کو گواہ بنا کر دی'' اور عورت نے بھی کہا کہ ''میں نے بھی خدا کو گواہ بنا کر طلاق قبول کی'' اور میکے چلی آئی، اس کے بعد لڑکے کے باپ بھائی لڑکے سے نکاح کرنے پر مصر ہیں عورت تیار نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

طلاقِ مغلظہ ہو کر وہ اپنے شوہر پر حرام ہو گئی (۱)۔ اب اس کو کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص سے نکاح کر، اس کا دل چاہے تو عدت گزار کر اپنے خاندان میں اپنی مرضی کے موافق نکاح کر سکتی ہے (۲)۔ حلالہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أتحل للأول ؟ قال: "لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول". (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۲/۷۹۱، قدیمی)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً فی الحرة و ثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنكح زوجاً غیره نكاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها، كذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمكیریة، الباب السادس فی الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشیدیه)

(وكذا فی تبیین الحقائق، فصل فیما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دار الكتب العلمیة بیروت)

(۲) "ولا تجبر بكر بالغة علی النكاح: أی لا ینعقد عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا". (البحر الرائق، باب الأولیاء والأكفاء: ۳/۱۹۴، رشیدیه)

(وكذا فی فتح القدیر، باب الأولیاء والأكفاء: ۳/۱۹۴، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولیاء والأكفاء: ۱/۳۳۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

کے بعد طلاق دینے والے سے بھی نکاح درست ہو سکے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۵۲۳۶]: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اور گھر سے نکال دیا، لڑکی اپنے باپ کے گھر چلی آئی، پھر لڑکے کا ماموں آیا اور خوشامد کر کے لڑکی کو لے گیا، لڑکے نے پھر اس کو نکال دیا اور اس کے ماموں کے یہاں چلی آئی۔ لڑکی کچھ دنوں کے بعد پھر شوہر کے مکان پر پہونچ گئی تو لڑکے نے کہا کہ "جب میں تجھ کو تین طلاق دے چکا ہوں تو بار بار میرے مکان پر آنے کی کیا ضرورت ہے"؟ جو بچہ تھا وہ زید نے رکھ لیا۔ اب لڑکی تنہا اپنے باپ کے گھر پر ہے، اب لڑکی کا والد اس کو دوسری جگہ نکاح کر کے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟ اس بات کو ایک سال کا عرصہ گذر گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر کو طلاق کا اقرار ہے وہ رکھنے پر تیار نہیں، وقتِ طلاق سے تین حیض گذرنے پر دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۲۴، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال الله تعالى: : ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ الاية (البقرة: ۲۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلّقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء، قوله تعالى: ﴿والمطلّقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بیوہ کے لئے نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۳۷]: زید کی عورت بیوہ ہوگئی وہ یہ چاہتی ہے کہ میں اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاردوں یعنی نکاحِ ثانی نہ کروں، یہ ڈر ہے کہ کہیں قیامت میں ماخوذ نہ ہوں چونکہ وہ جانتی ہے کہ نکاحِ ثانی کرنا سنت ہے۔ فرمایئے اس صورت میں جب کہ وہ صوم وصلوۃ پر قائم ہے بوجہ نکاحِ ثانی نہ کرنے کے مستحقِ عذاب ہوگی یا نہیں؟

محمد یامین، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کو معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں بلکہ اطمینان سے زندگی بسر کرسکتی ہے تو اس کے ذمہ نکاحِ ثانی ضروری نہیں اور نکاحِ ثانی نہ کرنے سے مستحقِ عذاب نہ ہوگی، تاہم اگر سنت سمجھ کر کرلے گی تو ثواب کی مستحق ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ رجب المرجب/ ۵۶ھ۔

نکاح میں طلاق دینے کی شرط لگانا

سوال[۵۲۳۸]: مسافر سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ جب تم اپنے وطن جاوگے تو طلاق دے کر جانا ہوگا۔ تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح صحیح ہوجائے گا اور محض وطن جانے کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، ۱۷/ ۵/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ويكون واجباً عند التوقان وسنةً عند الاعتدال". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۶، ۷، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/ ۴۴۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۲، رشيديه)

(۲) "ولكن لايبطل النكاح بالشرط الفاسد، وإنما يبطل الشرط دونه الخ". (الدرالمختار، فصل في =

نکاح میں شرطیں لگانا

سوال[۵۲۳۹]: **الف:** عمر نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنے سے قبل از رخصتی اپنے داماد زید کے سامنے یہ شرطیں رکھیں:

۱......اگر زید نے اس لڑکی کی حیات میں دوسری شادی کی تو اس کی منکوحہ ثانیہ پر طلاقِ مغلظہ۔

۲......مہر بغیر عمر کی مرضی کی معاف نہ ہوگا۔

۳......اگر لڑکی پر ظلم وتعدی کیا گیا تو عمر لڑکی کو از خود طلاق دے سکتا ہے (وغیرہ)۔

ب: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ پہلی شرط کا وقوع کیا زید کے دستخط کرنے سے ہو جائے گا؟ نیز کسی ایسی شرط کا یا شرط لگانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ کبیرہ کا مرتکب ہوگا یا صغیرہ کا؟

ج: اگر زید کی وجہ سے مثلاً طلاق وغیرہ کا خطرہ ہے تو کیا یہ شرط اور شرط لگانے والا ان دونوں پر کسی گناہ کا اندیشہ ہے؟

د: زید کا شرائطِ بالا یا صرف شرطِ اول پر دستخط کرنا کیسا ہے؟ دستخط کرنے کے بعد پہلی شرط سے نجات کی کیا صورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیسے کرے گا؟

ھ: پہلی شرط کو جائز سمجھنے والا کیسا ہے؟ شرط نمبر: ۲ پر زید کے دستخط کے بعد اس کا وقوع بھی ہوگا یا نہیں؟ یعنی کیا معافی مہر کا اختیار عمر کو رہے گا یا اس کی لڑکی کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاقِ مغلظہ دینا دلوانا گناہ کبیرہ ہے، اس کی شرط کرنا اور شرط کو منظور کرنا بھی گناہ کبیرہ ہوگا۔ زید کا شرط مذکور پر دستخط کر دینا اس کی رضا مندی کے لئے کافی ہے۔ اور اب اگر زید اپنی زوجہ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاحِ ثانی کرے گا تو اس کی زوجہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ پڑ جائے گی: "(قوله: ثلاثاً في طهر أو بكلمة بدعي)

= المحرمات، مطلب فيما لو زوج المولى أمته: ۳/۵۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۵۰، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

"لأنه لو تزوجها على أن يطلقها بعد شهر، فإنه جائز؛ لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبداً، وبطل الشرط". (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۳۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

والمراد بها هنا المحرمة؛ لأنهم صرحوا بعصيانه". كذا في البحر: ٣/ ٢٣٩(١)۔

زید کا اپنی زوجہ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاح کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ زید نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے بلکہ کسی فہیم آدمی کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے یہ شرط لگادی ہے کہ میں اگر زوجۂ اُولیٰ کی حیات میں نکاح کروں تو زوجۂ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہو اور مجھ کو نکاحِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اور اس کی شرعاً یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کوئی آدمی بلا میری اجازت نکاح کردے اور مجھ کو خبر کردے میں اس کو سن کر عملاً جائز رکھوں تو نکاح صحیح ہوجائے گا اور زوجۂ ثانیہ پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، پھر وہ فہیم آدمی کسی مناسب جگہ اس طرح نکاح کردے تو درست ہوگا:

"وفي البحر نقلاً عن البزازية: والتزوج أولى من فسخ اليمين في زماننا، و ينبغي أن يجيء إلى عالم و يقول له ما حلف و احتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً، ويجيز بالفعل فلا يحنث، اهـ". كذا في الشامي: ٢/٦٨٣(٢)۔

۲......مہر لڑکی کا حق ہے، اس کی معافی کا تعلق لڑکی ہی سے ہے، بالغہ ہونے پر خود لڑکی اور اس کی اجازت سے اس کا باپ بھی معاف کرسکتا ہے، بغیر لڑکی کی اجازت کے اور رضامندی کے باپ کو معاف کرنے کا حق نہیں اور نابالغہ کی اجازت غیر معتبر ہے:

"(و صح حطها) و قيّد بحطّها؛ لأن حطّ أبيها غير صحيح لو صغيرةً، و لو كبيرةً توقف على إجازتها و لا يدين رضاها، اهـ". كذا في الشامي: ٢/٤٦٤(٣)۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ٣/٤١٧، رشيديه)

(و كذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ٢/٣٥٥، شركة علميه ملتان)

(و كذا في فتح القدير، باب طلاق السنة: ٣/٤٦٨، ٤٦٩، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(٢) (ردالمحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمن المضافة إلى الملك: ٣/٣٤٨، سعيد)

(٣) (ردا لمحتار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ٣/١١٣، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ١/٣٤٩، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الزيادة في المهر، والحط عنه: ١/٣١٣، رشيديه)

۳.....عمر کا زید سے مذکورہ شرط لگانا درست ہے اور عمر کو زید کے ظلم وتعدی کے وقت اپنے لڑکی کو زید کی طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا: "وإذا وجدت الحاجة المذكورة، أبيح". كذا في الشامي: ۵۷۲/۲(۱)۔

مگر طلاقِ مغلظہ نہ ہو، بلکہ طلاقِ بائن غیر مغلظہ کا اختیار ہوگا: "رجل قال لآخر: إنّ أمر امرأتي بيدك إلى سَنة، صار الأمر بيده إلى سنة، حتى لو أراد أن يرجع لا يملك، وإذا تمت خرج الأمر من يده، كذا في التجنيس". كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۷۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ مغلظہ کی شرط پر نکاح

سوال [۵۲۴۰]: مسمیٰ غلام محمد ولد غلام رسول زرگر نے بھاگ بھری دختر محمد یار سے شادی کرنا چاہی تو اس کے والدین نے مندرجہ ذیل شرائط لکھ کر اس سے دستخط کروائے:

اگر میں اس کے ساتھ نااتفاقی کا برتاؤ کروں گا تو اس کے عوض مسماۃ مذکورہ کو ماہواری خرچہ مبلغ (......) بلا عذر دوں گا اور مسماۃ مذکورہ کی حینِ حیات میں دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ ثلاثہ مغلظہ ہوگی۔ یہ شرائط مذکورہ میں نے اپنی خوشی کے ساتھ منظور کر لئے ہیں، ان میں میرا کوئی عذر نہ ہوگا۔ دستخط غلام محمد بقلم خود۔

اب طرفین میں ناچاکی ہو چکی ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱.....غلام محمد دوسری عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲.....اگر نہیں کر سکتا تو پہلی عورت مسماۃ بھاگ بھری کو طلاق دینے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

۳.....صرف ایک نکاح کرنے پر ثانی منکوحہ مطلقہ متصور ہوگی یا جو نکاح بھی مسماۃ مذکورہ کی زندگی میں کرتا رہے گا وہ مطلقہ ہوتی رہے گی؟

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الطلاق: ۲۲۸/۳، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني في الأمر باليد: ۳۹۳/۱، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... یہ لفظ کہ ''دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاق ثلاثہ مغلظہ ہوگی'' اگر محض وعدہ ہے یعنی طلاق دیدوں گا تب تو دوسری شادی سے طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک طلاق نہیں دے گا (۱)۔ اگر یہ تعلیق ہے تو دوسری شادی سے منکوحہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہوجائیگی (۲)۔

۲...... چونکہ تحریر میں ''حینِ حیاتِ زوجۂ اُولیٰ'' کی قید ہے، لہٰذا بعد طلاق بھی شادی کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی، اگر حینِ حیات کی قید نہ لگاتا تو یہ بات نہ ہوتی، هكذا يفهم ممافي البحر:

"و لا تطلق في: إن نكحتها عليك فهي طالق، فنكح عليها في عدة البائن، يعني لا تطلق امرأته الجديدة فيما إذا قال للتي تحته: إن تزوجت عليك امرأةً فأمرها بيدك، أو قال: ما دامت امرأتي، ثم طلقها بائناً أو خالعها و تزوج أخرىٰ في عدتها، ثم تزوج بالأولىٰ، لايصير الأمر بيدها؛ لأن المراد حال المنازعة في القسم، و لم يوجد وقت الإدخال. وإن قال: إن تزوجت امرأةً، فأمرها بيدك، فأبانها، ثم تزوج أخرىٰ، صار الأمر بيدها، اهـ". بحر المطبوعة العلمية بمصر: ٤/٣٩٠(٣)۔

---

(۱) "بخلاف قوله: (سأطلق) كنم؛ لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الطلاق بألفاظ الفارسية: ۱/۳۸۴، رشیدیه)

"أو أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعدٌ، جوهرة". (الدرالمختار مع رد المحتار، باب تفويض الطلاق: ۳/۳۱۹، سعید)

"قال: طلقي نفسک، فقالت: أنا أطلق، لم يقع". (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق: ۳/۵۴۵، رشدیه)

(۲) "و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً، الخ". (الدر المختار، باب التعليق: ۳/۳۵۵، سعید)

"وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة "إن وإذا" وغيرهما: ۱/۴۲۰، رشیدیه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/۱۱۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) (البحرالرائق، باب التعليق: ۴/۵۹، رشیدیه) .... =

۳......ظاہر تو یہ ہے کہ صرف ایک شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہوگی اور قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ اس میں ایسا عموم کا لفظ موجود نہیں ہے جس سے ہر ہر شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہو(۱)۔ تاہم احتیاط یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح (بغیر اس کے امر کے) کردے اور یہ اس کو فعلاً نافذ کردے، اس طرح کہ مثلاً مہر زوجہ کے حوالے کردے، قولاً نافذ نہ کرے بلکہ خاموش رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ سہارنپور، ۱۵/ جمادی الثانیہ/ ٦٦ھ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

نکاح کے بعد شرط کے خلاف کرنا

سوال[۵۲۴۱]: شریعت کا حکم اس مسئلہ میں کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس شرط پر کہ میرے پاس ایک لڑکا ہے اس لڑکے کا نکاح تم کو کرنا پڑھے گا، جیسا کہ آجکل ہندوستان میں رواج ہے

= (وكذا في النهر الفائق، باب التعليق: ۲/ ۴۰۰، امداديه ملتان)

(۱) "و فيها كلها تنحل: أي تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مطلقاً، إلا في "كلما" فإنه ينحل بعد الثلاث لاقتضائها عموم الأفعال". (الدر المختار، باب التعليق، مطلب ما يكون في حكم الشرط: ۳/ ۳۵۲، سعيد)

"إذا وجدت الشرط، انتهت اليمين (لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغةً، فبوجود الفعل مرةً يتم الشرط، وإذا تم وقع الحنث، فلا يتصور الحنث مرةً أخرى إلا بيمين أخرى .... إلا في "كلما" الخ". (مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/ ۴۱۸، ۴۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/ ۱۱۵، ۱۱٦، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "والتزوج فعلاً أولى من فسخ اليمين في زماننا، و ينبغي أن يجيء إلى عالم، و يقول له ما حلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً و يجيز بالفعل، فلا يحنث". (رد المحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمين المضافة إلى الملك: ۳/ ۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، باب التعليق، الفصل الثاني في تعليق الطلاق بكلمة "كل و كلما": ۱/ ۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/ ۴۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کہ بدلہ کرتے ہیں جس کے پاس ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے پاس بھی اسی طرح سے ہوتی ہیں تو اس میں وہ لڑکی اس کو دے دیتا ہے اور وہ اس کو غرض اس شرط پر اس شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا کہ اگر میری لڑکی کا نکاح کروتو میں اپنی لڑکی کا نکاح تمہارے لڑکے کے ساتھ کرتا ہوں، لڑکے والے نے یا اس کے وکیل نے منظور کرلیا کہ لکھ دو کہ بعد میں تمہارے لڑکے کا بھی کردیں گے۔

چند دنوں کے بعد اس لڑکے والے نے جواب دے دیا کہ میرے پاس لڑکی نہیں ہے، نہ میں نے تم سے کوئی شرط کی۔ آیا اس صورت میں اس لڑکی کا نکاح جو کہ لڑکی کے والدین نے اس شرط پر کیا تھا وہ شرط اس نے پوری نہیں کی اب وہ نکاح صحیح درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ درست ہے تو لڑکی بالغ ہونے پر اس کو فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہ شرط پوری نہ کرنے پر لڑکی کے والدین بھی ناراض ہیں اور لڑکی کا نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرط پوری نہ کرنا ایک قسم کا دھوکہ بازی معلوم ہوتا ہے، اگر یہ دھوکہ نہ دیا جاتا تو لڑکی والے کی مرضی نہیں تھی کہ نکاح کرتا اور وہ لڑکی والا کچھ بے عقل سا آدمی تھا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

نکاح صحیح ہوگیا، اب نہ لڑکی فسخ کراسکتی ہے نہ لڑکی کا والد(۱)، البتہ لڑکے والے نے جو وعدہ خلافی کی ہے اس سے وہ گناہ گار رہوا، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا(۲)۔ لڑکی والے کے بے عقل ہونے کا کیا مطلب

---

(۱) "و للولي إنكاح الصغير والصغيرة ...... و لزم النكاح". (الدر المختار، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعيد)

"فإن زوجهما الأب و الجد يعني الصغير و الصغيرة، فلا خيار لهما بعد بلوغهما". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۵، دار إحياء التراث العربي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾. (سورة المائدة: ۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة بني اسرائيل: ۳۴)

"الخلف في الوعد حرام، كذا في أضحية الذخيرة". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة، (رقم القاعدة: ۱۲): ۳/۲۳۶، إدارة القرآن كراچى)

ہے؟ کیا وہ دیوانہ ہے؟ اور اس کے کس کس فعل میں بے عقلی ظاہر ہوتی ہے؟ اگر لڑکے والا عوض میں نکاح کر دیتا تو کیا پھر بھی لڑکی والے کو بے عقل کہا جاتا۔ اگر لڑکے کے یہاں لڑکی نہیں جانا چاہتی اور لڑکا بالغ ہے تو کسی طرح اس سے طلاق حاصل کرے، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۷/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ رجب/ ۶۴ھ۔

شرط کے خلاف کرنے سے نکاح پر اثر

سوال [۵۲۴۲]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کسی لڑکے کے ساتھ اس شرط پر کرتا ہے کہ اس لڑکے کو اس کے گھر پر ہی رہنا ہوگا، لڑکے نے یہ شرط منظور کر لی اور نکاح ہو گیا۔ اب یہ باپ پانچ ماہ کے بعد اس لڑکے سے کہتا ہے کہ تو تو میرے گھر نہیں رہتا اور لڑکا اس کے گھر پر رہتا ہے، مگر اس کے کہیں بھی جانے کو یہ کہتا ہے کہ تُو تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور اس بات کو عذر بنا کر اس نے اپنی لڑکی کو طلاق مان کر دوسری جگہ نکاح کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ آپ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں یہ تحریر کیجئے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پہلے شوہر کا رشتۂ زوجیت ٹوٹ گیا یا قائم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صرف اتنی بات سے طلاق نہیں ہوئی، پہلا نکاح ہی باقی ہے، دوسرے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، اگر دوسرا نکاح کر دے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی جس کا وبال سخت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) بغیر طلاق حاصل کئے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں: "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم السادس في المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً) .... =

جوعورت اپنے آپ کو بیوہ بتلائے اس سے نکاح

سوال[۵۲۴۳]: بنگلہ دیش سے کچھ عورتیں آتی ہیں، جن کے ساتھ آتی ہیں وہ آدمی اِدھراُدھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔اب عورتیں اِدھر اُدھر مانگتی کھاتی پھرتی ہیں اوراپنے کو بیوہ بتلاتی ہیں۔ان کے بیوہ بتلانے کے مطابق ادھر کے آدمی ان سے نکاح کر سکتے ہیں یانہیں؟ صحیح تحقیق نہیں کہ وہ بیوہ ہیں یا نکاح شدہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگردل گواہی دے کہ وہ عورتیں بیوہ ہیں اوران کی عدت ختم ہوچکی ہےتو ان سے نکاح کرنا درست ہے(۱)۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

یہ اس وقت ہے جب کہ تحقیق ممکن نہ ہو،اوراگران کے وطن سے تحقیق ممکن ہو،تو پھر تحقیق کے بعد ہی نکاح کرنا چاہیے،خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ اس کا عام ابتلاء ہورہا ہے اوربعض لوگوں نے اس کو کاروبار بنارکھا ہے۔

= (وكذا في ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكذا لو قالت امرأته لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي، فلابأسأن ينكحها". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لابأس أن ينكحها) قالت: ارتد زوجي بعد النكاح، وسعه أن يعتمد على خبر ها و يتزوجها، وإن أخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ أو نحو ذالك، فإن كانت ثقةً أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها لابأس بأن يتزوجها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ۳/ ۵۲۹، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/ ۳۱۳، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۴۲۰، ۴۲۱، سعيد)

کیا عورت کا یہ کہنا کہ ''میں شوہر کے بغیر ہوں'' معتبر ہے؟

سوال[۵۲۴۴]: ایک عورت مسلمہ اجنبیہ غیر علاقہ کی شادی شدہ اور جس کی گود میں تین سال کی ایک لڑکی ہے، وہ عورت اہلِ اسلام کے روبرو یہ بیان دیتی ہے کہ میں بیوہ ہوں، لاوارث ہوں۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ محض اس اجنبیہ عورت کے بیان پر شرعاً اس کا عقد کر دیا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی بلکہ اس کے صدق کا ظن غالب ہے تو اس کا نکاح کر دینا درست ہے، مگر اس سے دوبارہ تفصیلاً دریافت کر لیا جائے کہ تیرا شوہر مر گیا ہے، یا اس نے طلاق دے دی ہے۔ اگر اس کے کذب کا ظن غالب ہو تو اس کے نکاح سے احتراز کیا جائے:

"ولو أن امرأةً قالت لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها. وإن كانت فاسقةً، تحرى وعمل بما وقع تحريه عليه، كذا في الذخيرة، اهـ". فتاوى عالمگيري: ۵/۳۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ

سوال[۵۲۴۵]: اگر قاضی صاحب دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ پڑھا دیں تو کیا نکاح صحیح ہے؟ اور قاضی صاحب کا یہ عمل صحیح ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۸/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۵۹/۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴/۳۶۷، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی کی اجازت سے پڑھایا ہے تو صحیح ہے (۱)۔ ولی کو خود سوچنا چاہئے کہ یہ مناسب ہے یا نہیں (۲)، اگر لڑکی بالغ ہو تو خود اس کی رائے بھی معتبر ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو، اس سے نیچے اتر کر نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز حمل ساقط کرانے سے نکاح باقی ہے یا نہیں؟

سوال[۲۴۴۶]: زید پردیس میں مقیم ہونے کی حالت میں اسکی بیوی نے ۲،۳/ ماہ کا ناجائز حمل ساقط کرادیا تو اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کتنے شرعی گواہ کی ضرورت ہے؟ ثابت ہوجانے پر زید کی بیوی نکاح میں ہے یا فسخ ہوگیا؟ فسخ ہونے کی صورت میں دوبارہ رکھنا چاہئے تو کس صورت میں جائز ہوگا؟

---

(۱) "القاضی إنما یملک إنکاح من یحتاج إلی الولیّ إذا کان ذلک فی عهده ومنشوره، وإن لم یکن ذلک فی عهده لم یکن ولیاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۴، کتاب النکاح، الباب الرابع، رشیدیه)

"رجل قال لغیره: زوج ابنتی هذه رجلاً یرجع إلی علم و دین بمشورة فلان، فزوجها رجلاً هذه الصفة من غیر مشورة .... جاز". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۹۷، کتاب النکاح، الباب السادس من الوکالة بالنکاح وغیرها، رشیدیه)

(۲) "عن عبد الله بن بریدة عن أبیه قال: خطب أبوبکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنه فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إنها صغیرة، فخطبها علیّ، فزوجها منه". (سنن النسائی: ۲/۶۹، کتاب النکاح، باب تزوج المرأة مثلها فی السن، قدیمی)

(۳) "(نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی)؛ لأنها تصرفت فی خالص حقها، وهی من أهله، لکونها عاقلةً بالغةً .... وروی الحسن عن الإمام أنه إن کان الزوج کفئًا نفذ نکاحها، وإلا فلم ینعقد". (البحر الرائق: ۳/۱۹۲-۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۱۳، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء، مکتبه شرکة علمیة)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۵۵، ۵۶، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز حمل باقی رہے یا ساقط ہوجائے اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، پہلا ہی نکاح باقی ہے اس لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، اس کی فکر نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۵/۹۶ھ۔

نکاح ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ

سوال [۵۲۴۷]: ایک بیوی ہے، تو اس پر نکاح کرنے میں اس بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً تو ضروری نہیں مگر نباہ اس سے کرنا ہے، اگر اس کا مشورہ نہیں ہوگا تو دشواری ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کو طلاق دیکر کسی مصلحت سے اس کی بہن سے نکاح

سوال [۵۲۴۸]: میری بیوی قریب ۱۲، ۱۴/ سال سے ٹی بی کی مریض ہے، اس سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اسکے دو لڑکے بھی ہیں اور بچوں کی کوئی محبت نہیں ہے۔ اس لئے میری بیوی یہ چاہتی ہے کہ مجھے آزاد کر کے میری چھوٹی بہن بیوہ سے عقدِ نکاح کرلیں، اس سے کام کی پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔ یہ نکاح جائز

---

(۱) ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربٰع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدةً﴾ (النساء: ۳)

"وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر والأماء وليس له أن يتزوج أكثر من ذالك، لقوله تعالىٰ: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربٰع﴾". (الهداية، فصل في المحرمات: ۲/ ۳۱۱، مكتبة شركة علمية، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في المحرمات: ۳/ ۲۳۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند: باب، وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/ ۲۲۵، مكتبة امداديه، ملتان)

ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کی خودخواہش ہے اوراس کی تیمارداری نیز بچوں کو پرورش کوضرورت ہے کہ مریضہ بیوی کو طلاق دیکر بعد عدت اس کی بیوہ بہن سے نکاح کرلیں تو شرعاً اجازت ہے(۱)، پہلی بیوی سے پھر پردہ لازم ہوجائے گا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۶/۱/۹۲ھ۔

دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کوطلاق دیناضروری نہیں

سوال[۵۲۴۹]: ایک شخص نے شادی کی اورکسی وجہ سے بیوی کوچھوڑ دیااورطلاق بھی نہیں دیا، پھر دوسری شادی کرلی توبلا طلاق کے مردکودوسری شادی کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مردکودوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بیوی کوطلاق دیناضروری نہیں، بلکہ بیک وقت چارتک کی اجازت ہے،لقوله تعالیٰ: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾ الآية(۳)۔ البتہ پہلی بیوی کےحقوق ادانہ کرنا اوراس کوویسے ہی بلاطلاق ڈالے رکھنا گناہ اورظلم ہے(۴)،اس کامعاملہ صاف کیا

---

(۱) قال العلامه المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "وإذا طلق إمرأته طلاقاً بائناً أورجعياً، لم يجزله أن يتزوج بأختها حتى تنقضي عدتها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/۳۰۹، ۳۱۰، شركة علمية ملتان)

(وكذافي فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۰، رشيديه)

(۲) چونکہ بعدازعدت وہ اجنبیہ بن گئی،لہٰذاجس طرح عام اجنبی عورتوں سے پردہ ضروری ہےاسی طرح سابقہ بیوی سےبھی پردہ ضروری ہے،قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم، ذالك أزكى لهم، إن الله خبير بما يصنعون. وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن و يحفظن فروجهن، ولايبدين زينتهن إلا ماظهر منها﴾. الخ. (سورة النور: ۳۱)

(۳) (سورة النساء: ۳)

(۴) ﴿ولو حرصتم، فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة﴾ الآية (النساء: ۱۲۹)

جائے، یا اس کو شریفانہ طریقہ پر آباد کیا جائے، یا طلاق دیکر آزاد کیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۹۵ھ۔

بلا اجازتِ زوجۂ اُولیٰ نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۵۰]: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی رضامندی یا اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرلے تو کیا دوسرا نکاح نہیں ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دوسرے نکاح کی وجہ سے پہلا نکاح منسوخ نہیں ہوگا اگر چہ بیوی سے بغیر اجازت لئے کیا ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۱۳۹۴ھ۔

ایک بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت

سوال[۵۲۵۱]: ایک شخص شادی شدہ نے بغیر علمِ والدین واعزاء واہلیہ دوسری شادی جوان لڑکی سے کرلی، نہ اس لڑکی کو علم ہوا کہ یہ شادی شدہ ہے، نکاح کے کافی دنوں بعد لڑکی کو معلوم ہوا کہ پہلی بیوی بھی ہے اور اس کے بچے بھی ہیں، مکان میں لانے پر دونوں میں گزارہ اور نباہ مشکل ہوگیا، یہ مسئلہ تمام اعزاء کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا۔ اب یہ لڑکی اپنے والدین کے پاس سترہ ماہ سے مقیم ہے، شوہر نہ آتا جاتا ہے، نہ نان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان .... ومن یتعد حدود اللہ، فأولئک هم الظالمون﴾. (البقرة: ۲۲۹)

(۲) کیونکہ مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورابع﴾. (النساء: ۳)

قال فی البزازیة: "له امرأة أو جارية فأراد أن يتزوج أخرى، فقالت: أقتل نفسي، له أن يأخذ ولا يمتنع؛ لأنه مشروع، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لم تحرم ما أحل اللہ لک تبتغي مرضاة أزواجک، واللہ غفور رحيم﴾". (الفتاویٰ البزازیة، کتاب النکاح، نوع آخر: مباشرة النکاح فی المساجد مستحب: ۱۵۵/۴، سعید)

نفقہ دیتا ہے، نہ کسی خط کا جواب دیتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، ان تمام حالات سے لڑکی پریشان ہے۔ کیا ان حالات میں لڑکی دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ابھی دوسرے نکاح کی اجازت نہیں (۱)، لڑکی کو چاہیے کہ شوہر کے ساتھ رہے اور اس کے حقوق ادا کرے، اگر شوہر نہ رکھے اور حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے تو اس سے طلاق حاصل کر لے یا خلع کرے یعنی بیوی مہر معاف کر دے اور شوہر طلاق دے دے۔

اگر یہ صورت بھی نہ ہو سکے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت سے شرعی فیصلہ کروائے۔ اگر ایسا حاکم نہ ہو تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت سے جس میں کم سے کم ایک معاملہ شناس عالم بھی شریک ہو، الحیلة الناجزة میں تحریر کردہ طریقہ کے موافق تحریر کروائے (۲) تو پھر بعد عدت (تین حیض) کے دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ابھی چونکہ وہ اس شوہر کے نکاح میں ہے اور فی الحال شوہر سے مطالبۂ طلاق و فسخ کا کوئی سبب بھی موجود نہیں، کیونکہ نفقہ کا نہ دینا جو مذکور ہے وہ عورت کی اپنی تعدی اور تجاوز کی وجہ سے ہے:

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(۲) "اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو، وہ معاملہ کے شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم خود تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کر دے"۔

(حیلۂ ناجزہ، باب حکم زوجہ متعنت، ص: ۷۳، دارالاشاعت، کراچی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸) .... =

کیا کنیسہ میں نکاح ہو جائے گا؟

سوال[۵۲۵۲]: هل يصح النكاح فى الكنيسه؟ و هل يجوز فى المواضع المرتفعة الخاصة له مشهور بين الناس المبنى على يد السياسية؟

الجواب حامداً ومصلياً:

النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول فى أىّ مكانٍ حصل له(۱)، ولا يختص بمكان دون مكان، ولكن يندب كونه فى المسجد وينبغى الخطبة قبله؛ لأنه قربة"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوے میں بیوی کو ہار گیا تو نکاح باقی رہا یا نہیں؟

سوال[۵۲۵۳]: زید ایک جواری شخص ہے اس نے اپنی بیوی کو جوے میں ہار کر جواریوں کے سپرد کردی، انہوں نے ایک دن اور ایک رات کسی نامعلوم جگہ میں غائب رکھی۔ لڑکی کے والدین نے زید پر سختی کی تو اس نے تلاش کیا، تلاش کرنے پر کہیں جنگل میں ملی، والدین اپنے گھر لے آئے، لڑکی اس وقت اپنے باپ ہی

= وقال الله تعالىٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ (سورة البقرة: ۲۳۲)

"و تحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاؤها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، فصل فى شرائط جواز الرجعة: ۳۹۶/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذافى البحرالرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

(وكذافى الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علميه ملتان)

(۲) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

کے گھر پر ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں رکھوں گا۔ والدین کہتے ہیں کہ جب تو جوے میں اپنی بیوی کو ہار گیا تو تیرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے یا نہیں؟ یا زید ہی کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوا حرام ہے(۱)، جوے میں اگر بیوی ہار گیا تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوا، لیکن حیا اور شرافت بالکل ختم ہوگئی، آئندہ بھی اس سے کیا توقع ہے؟ بعوضِ مہر یا کسی اَور طرح کا لالچ دے کر اس سے طلاق حاصل کر لینا لڑکی کے حق میں مفید ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مہر میں معجّل ومؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا

سوال[۵۲۵۴]: ایک شخص زید ایک مسماۃ خیرن کے ساتھ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۶۴ء تک زندگی گذارتا رہا، اس عرصہ میں مسماۃ مذکورہ سے نولڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں اور خود مسماۃ مذکور بقیدِ حیات ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں زید کے والد نے ان واقعات کے علم کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ اگر زید مسماۃ خیرن سے نکاح کرے گا تو وہ اپنے کو عاق سمجھے ورنہ زید کو خاندان سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ۱۹۵۶ء میں زید کے پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ جانے سے دونوں ٹانگیں (کھولے سے نیچے تک) قطعی بیکار ہوگئیں۔ لہذا زید نے بقیہ زندگی اپاہج کی طرح پلنگ پر پڑے پڑے گذاری، خود سے اٹھنا بیٹھنا و بیت الخلاء و پیشاب وغیرہ نہ ہو سکا،

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (المائدہ: ۹۰)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾. (البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاقا الزوجان وخافا ألایقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها بمال یخلعها به، فإذا فعل ذلک وقعت تطلیقة بائنة ولزمها المال، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، شرکة علمیة ملتان)

چونکہ عمر بھی ستر سال سے اوپر تھی۔

اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں خیرن نے اپنے کو منکوحہ کہلانے اور ثابت کرنے کیلئے زید کو مجبور کیا اور اس کا اقرار واظہار اس طور پر کہ اپنا مہر تیس ہزار تعین کر کے ایک لاکھ روپے کی جائیداد بعوض مبلغ سولہ ہزار منجملہ تیس ہزار کے اپنے نام منتقل کرائی اور دستاویزات رجسٹری کرائی، اور دستاویزات میں یہ تحریر کرلیا کہ مسماۃ خیرن کا مہر تیس ہزار روپے ہے اور اسی کے منجملہ سولہ ہزار میں جائیداد اس کے مہر میں دی گئی اور چودہ ہزار مہر باقی رہا(مسماۃ خیرن کا آبائی پیشہ عصمت فروشی تھا اور ہے)اور اس پر مہر کا تعین تیس ہزار روپیہ کیا گیا۔

زید کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد اولاد جو کہ منکوحہ بیویوں سے ہوئی ہے اس نے اپنے حقوق کی دادرسی چاہی۔ اس پر خیرن نے ایک نکاح نامہ تحریر کردہ مورخہ ۱۹/ اپریل ۱۹۲۸ء پیش کیا، اس تحریر میں سے تعدادِ رقم مٹا دی گئی، اور آگے نصف جس کے تحریر ہے اسکے بعد جو رقم تحریر ہے اس پر روشنی ڈال کر معدوم کر دیا گیا ہے۔ اس تحریر پر نکاح نامہ مہرِ معجّل ومؤجل قطعی تحریر نہیں، اور اس نکاح نامہ پر مسماۃ خیرن کا نہ انگوٹھا ہے نہ دستخط، صرف نکاح خواں کے اور گواہوں کے اور وکیل کے دستخط ہیں اور جس جگہ مسماۃ کا نام تحریر ہے اس پر بھی روشنائی پڑی ہے بایں طور کہ صحیح نام پڑھنا دشوار ہے۔ حق وراثت جس کا دعوی مسماۃ مذکور کرتی ہے۔

(الف) خیرن اپنے کو منکوحہ زید بتلاتی ہے۔ (ب) قمر الدین عرف چھنو بڑا لڑکا خیرن کا۔ جس کی پیدائش ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ بقید حیات پاکستان میں ہے، اس کو مسماۃ نہ اپنی اولاد تسلیم کرتی ہے نہ وارث، جبکہ ایک فوٹو تمام بچوں کا ۱۹۴۰ء کا موجود ہے جس میں یہ لڑکا بھی موجود ہے۔ (ج) غلام قادر اس کی پیدائش ۲۷ء میں ہوئی، یعنی نکاح نامہ کی تحریر سے ایک سال چار ماہ قبل، اس کو وارث مان کر حق وراثت طلب کرتی ہے۔ (ح) سراج الدین لڑکا بقیدِ حیات پیدائش بعد ۳۳ء، معین الدین بقیدِ حیات پ بعد ۳۵ء، کنیز فاطمہ لڑکی بقید حیات پ ۲۸ء، الٰہی بخش فوت پ بعد ۲۸ء، عزیز فاطمہ بقیدِ حیات، نذیر فاطمہ بقیدِ حیات پ بعد ۲۸ء، عدن لڑکا بقید حیات پ بعد ۲۸ء، غلام قادر لڑکا بقید حیات پیدائش بعد ۱۹۲۸ء۔ یہ سب ۱۹۲۸ء کے بعد پیدا ہوئے ہیں، پ بعد ۲۸ء سب کو وارث بتاتی ہے۔

۱...... نکاح نامہ جس میں معجّل ومؤجل تحریر نہ ہو، جو نکاح بلا صراحت معجّل وموجل پڑھایا گیا ہو کیا شرعی

طور سے واضح نہیں کرتا کہ اقرارِ مہر مابین زید وخیرن نہیں ہوا؟ اسی لئے تحریر میں وضاحت نہیں کی گئی۔ یہ نکاح شرعی ہوایانہیں؟ ایسے کاغذات کی تحریر شرعاً معتبر ہے یانہیں؟

۲......وہ اولاد جس کامکمل ثبوت خود خیرن پیش کردہ نکاح نامہ سے ہے کہ اس تحریر سے ڈھائی سال قبل پیدا ہوا ہے، کیا شرعاً وارث ہوسکتا ہے؟

۳......بلاتفصیلِ مہر معجّل ومؤجل کے کیا اقرار مہر شرعاً جائز ہے؟ اور تکمیلِ نکاح ہوسکتی ہے؟

۴......ان حالات میں شرعی فیصلہ جبکہ نکاح نامہ معجّل ومؤجل بذاتِ خود مشکوک ومشتبہ ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ سب کچھ نیک نیتی پرمبنی نہیں ہے اور انتقالاتِ جائیداد مالیتی ایک لاکھ کا بعوض سولہ ہزار روپیہ مہر کی رقم میں منتقل کیا جانا بتلا رہا ہے کہ جبر وتشدد اور مجبور کرنے پر یہ کرایا گیا ہے، اور نکاح کا قاضی نہ وکیل، نہ گواہ، نہ اہلِ خاندان کا کوئی فرد نہ، اہل محلّہ کا کوئی ہمسایہ اس نکاح کی اور نکاح نامہ کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی اس کا ان میں سے کسی کو کسی طرح کا کوئی علم ہے۔ ایسی حالت میں اس تحریری نکاح نامہ کی حیثیت کیا ہے؟

۵......ان حالات کے پیش نظر جو بالکل صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جبر وتشدد سے کرایا گیا ہے اور صرف اس مشکوک تحریر پر نکاح قابلِ تسلیم ہے یانہیں؟

۶......زید کے والد کا اعلان کہ ''اگر خیرن سے نکاح کیا تو عاق سمجھا جائیگا اور جائیداد کی وراثت براہ راست اولادِ زید جو کہ منکوحہ بیویوں سے موجود ہے ملے گی اور وہی جائیداد کے شرعی وارث ہوں گے''۔ اس اعلان عام کے بعد اب شرعی حکم اس متروکہ جائیداد کیلئے کیا ہے جو زید کے والد نے چھوڑی ہے؟

شیخ فخر الدین لال کرتی میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر نکاح کا ایجاب وقبول شریعت کے مطابق ہو جائے اور اس میں مہر معجّل یا مؤجل کی کوئی صراحت نہ ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہو جاتا ہے(۱)۔

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحد هما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲ /۳۰۵، شركة علميه ملتان) .... =

۲...... جو اولاد ایجاب وقبول سے پہلے پیدا ہو وہ ثابت النسب نہیں (۱)، وہ صرف ماں سے وراثت پاسکتی ہے، باپ سے وراثت نہیں پائے گی، کیونکہ شرعاً وہ باپ نہیں، نہ وہ اولاد اس کی شرعی اولاد ہے (۲)۔

۳...... اگر ایجاب وقبول کرکے گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا گیا تو وہ صحیح ہوگیا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ عورت ومرد نے یہ کہا کہ ہم دونوں شوہر بیوی ہیں حالانکہ پہلے نکاح نہیں کیا گیا تو محض اس کہنے اور اقرار کرنے سے مختار قول کی بناء پر نکاح منعقد نہیں ہوا:

"رجل وامرأة أقرّا بالنكاح بين يدي الشهود، وقالا بالفارسية: "**مازن و شوئيم**"، لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار، كذا في الخلاصة". عالمگیری: ۲/۲۸۰ (۳)۔

۴، ۶...... اگر گواہوں کے سامنے شرعی طور پر ایجاب وقبول کیا گیا ہے تو وہ عند اللہ معتبر ہے (۴)۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام رجل فقال: يا رسول الله! إن فلاناً ابني عاهرت بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا دعوة في الإسلام، ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمي)

(۲) "والنبي صلى الله عليه وسلم ألحق ولد الملاعنة بأمه، فصار كشخص لا قرابة له من جهة الأب، فوجب أن يرثه قرابة أمه ويرثهم". (ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۶/۷۷۷، سعيد)

"أما إن قال: إنه مني عن الزنا، فلا يثبت نسبه ولا يرث منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۴۰، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به النكاح: ۱/۲۷۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الأول في جواز النكاح: ۲/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الالفاظ التي ينعقد به النكاح: ۲/۵۸۸، إدارة القرآن)

(۴) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

اگر چہ اس وقت نہ گواہ زندہ ہوں، نہ وکیل، نہ قاضی، بلکہ کوئی تحریر بھی موجود نہ ہو، اگر بغیر نکاح کے تعلق رہا اور اولاد ہوئی تو سخت معصیت ہوئی، اور ایسی اولاد مستحقِ میراث بھی نہیں۔ خالی نکاح نامہ وہ بھی اس مشکوک حالت میں؟ ثبوتِ نکاح کیلئے قضاءً کافی نہیں بلکہ اس کیلئے گواہوں کی ضرورت ہے۔

زید کے ناگفتہ بہ حالت کے ساتھ ہی غور طلب ہے کہ اتنی مدت تک منکوحہ بیویوں اور ان کی اولاد نے زید پر کوئی سوال نہیں اٹھایا کہ وہ بغیر نکاح کے ایک عورت خیرن کو رکھے ہوئے ہے اور اس سے ناجائز اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ خاص کر زمانہ علالت و مجبوری میں کہ وہ زمانہ بھی کافی ہے، اسکی وجہ کیا ہے، اس کو کیسے برداشت کیا گیا؟

زید کے والد کا یہ اعلان کہ "اگر زید خیرن سے نکاح کریگا اور بیوی بنائے گا تو پھر یہ ہوگا اور وہ ہوگا اور بعد نکاح خیرن سے پیدا شدہ اولاد محروم رہے گی، اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا"۔ یہ بھی زیادتی اور خلافِ شرع اعلان ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ زید کی منکوحہ بیویوں کو اولاد ترکۂ پدری پورا وصول کرنے اور خیرن کی اولاد کو نیز خیرن کو محروم کرنے کیلئے اپنے والد کو زانی قرار دینا چاہتے ہوں اور اس بات کے مدعی ہوں کہ ان کے والد نے آخیر عمر زنا کا ارتکاب کیا اور بغیر توبہ کئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اور جو جائیداد ان کو ملنے والی تھی وہ حرام کاری کے معاوضہ میں ناحق ایک فاحشہ عورت کو دے دی اور اپنی اصل اولاد کو محروم کر دیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہے تو انتہائی اذیت اور تکلیف کی چیز ہے جس کو کوئی شریف انسان برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اس کا ارتکاب کرے۔

جو شخص شرعاً مستحقِ میراث ہو اور مورث اس کو عاق یعنی محروم الارث کرنا چاہے تو محروم نہیں کر سکتا محروم کرنا مُورث کے اختیار میں نہیں، وہ کتنا ہی محروم کرے اور اعلان کر دے یا لکھ بھی دے تب بھی شرعاً میراث ملتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه : قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع =

مہر وسعت سے زیادہ ہو تب بھی نکاح درست ہے

سوال[۵۲۵۵]: زید کی تنخواہ ایک سوتیس روپے ہے، شادی سے قبل مہر پندرہ سو روپے طے ہوا تھا، لیکن عین موقع پر خسر نے چار ہزار روپیہ پر اصرار کیا اور زید نے چار ہزار دو اشرفی دین مہر قبول کرلیا۔ اب زید کو شک ہے کہ یہ تو وسعت سے زیادہ ہوگئے، کیا شرع کے مطابق یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح تو صحیح ہوگیا اب یا تو مہر کے ادا کرنے کی تدبیر کرے یا معاف کرائے: "وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر: أي بالغاً ما بلغ، فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان". درمختار وشامی: ۲/ ۳۳۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/ ۸۸ھ۔

زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح فاسد نہیں

سوال[۵۲۵۶]: زید کی منکوحہ بیوی شریفہ ہے اور منکوحہ ہوتے ہوئے پھر اگر زید زنا کرے ہندہ کے ساتھ تو کیا زید کا نکاح شریفہ کے ساتھ قائم رہے گا یا نکاح خارج ہوجائے گا؟ اور منکوحہ بیوی شریفہ سے جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی یا حلالی؟ اور صرف زید گنہ گار ہوگا؟

= الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۱ /۲۶۶، قديمى)

"الإرث لايسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوىٰ الحامديه، كتاب الإقرار: ۲ /۵۴، المطبعة الميمنية مصر)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب المهر :۳/ ۱۰۲، سعيد)

"فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة :الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط شئى منه بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، فصل فى بيان ما يتأكد به المهر :۳/ ۵۲۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر ، باب المهر : ۱/ ۳۴۶، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق ،باب المهر :۳/ ۲۵۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نکاح منقطع نہیں ہوگا (۱)، گناہ ہوتا ہے، اولاد حرامی نہیں ہوگی بلکہ ثابت النسب ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حالتِ نفاس میں نکاح

سوال[۵۲۵۷]: ۱...... زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جب کہ وہ حالت نفاس میں تھی اور اس کی گود میں بچہ ۲۶ یوم کا تھا۔ اس حالت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

۲...... نفاس کی کم سے کم مدت کیا ہے؟ نفاس سے فراغت کے بعد کب نکاح درست ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے سے اس عورت کا شوہر مر گیا یا اس نے طلاق دے دی تو بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت ختم ہوگئی (۳)۔ حالت نفاس میں نکاح درست ہے مگر صحبت درست نہیں، اس کے لئے

---

(۱) ''زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح منقطع نہیں ہوگا کیونکہ نکاح جن طریقوں سے ختم ہوتا ہے، ان میں زنا نہیں:

''و شرعاً رفع قيد النكاح في الحال بالبائن، أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص، هو ما اشتمل على الطلاق، فخرج الفسوخ خيار عتق و بلوغ وردة، فإنه فسخ لا طلاق .... الثالث أنه كان ينبغي تعريفه بأنه رفع عقد النكاح بلفظ مخصوص و لو مآلاً''. (الدر المختار، كتاب الطلاق: ۲۲۶/۳، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره: ۱/۳۴۸، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الطلاق: ۴۶۳/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) ''قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأولىٰ النكاح الصحيح و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، الخ''. (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشيديه)

''لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد، و بالوطي عن شبهة و بملك اليمين، الخ''. (الهداية، باب ثبوت النسب: ۴۳۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) ''وعدة الحامل أن تضع حملها، كذا في الكافي .... وسواء كانت عن طلاق أو وفاة، الخ''. =

نفاس ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، اگر بغیر شادی کے اس کو حمل تھا تب بھی نکاح درست ہوگیا(۱)۔

۲.....نفاس کی کم سے کم مدت کچھ نہیں، جب بھی ختم ہو جائے۔ بعض کو بالکل ہی نفاس نہیں آتا، ختم ہونے پر کچھ مزید انتظار ضروری نہیں۔ انتہائی مدت چالیس روز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

زنا کا حمل پیدا ہونے کے بعد حالتِ حمل میں نکاح

سوال[۵۲۵۸]: ایک کنواری لڑکی کے زنا کے ذریعے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا نکاح مسنونہ ایام نفاس ختم ہونے سے قبل کیا جاتا ہے اور وہ لڑکی قاضی جو کہ محلّہ کی مسجد کے امام بھی ہے ان ہی کے گھر میں وہ لڑکی رہتی ہے اور زنا اور ولادت کا واقعہ قاضی صاحب کی اہلیہ اور دوسرے آدمیوں کا چشم دید ہے۔ اب ایسی صورت

= (الفتاویٰ العالمكيرية ، الباب الثالث عشر في العدة : ۱/ ۵۲۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق ، باب العدة : ۴/ ۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر ، باب العدة : ۱/ ۴۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويحرم بالحيض والنفاس الجماع والإستمتاع بما تحت السرة إلى تحت الركبة، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ الخ" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱۴۵، قديمي)

حالت حیض اور نفاس کے جو ممنوعات ہیں ان میں نفسِ نکاح کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ وطی ماتحت الازار کی ممانعت ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض اور نفاس میں نکاح کرنا ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے۔

(كذا في البحر الرائق، باب الحيض : ۱/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في التبيين، باب الحيض : ۱/ ۱۶۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "وأقل النفاس لاحد له .... و أكثره أربعون يوماً، الخ". (الهداية، فصل في النفاس: ۱/ ۷۰، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق ، باب الحيض : ۱/ ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر ، باب الحيض : ۱/ ۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں اس لڑکی کا نکاح پڑھانا کیسا ہے؟ آیا قاضی کو مکمل علم ہوتے ہوئے پھر نکاح پڑھانا اس پر کوئی گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟ اور وہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے اسکو اس واقعہ کا بالکل علم نہیں ہے۔ اب ایسی صورت میں لڑکا بیوی کے پاس شب زفاف کیلئے جائے گا جو بحالت نفاس حرام ہے۔ تو اس حرام کاری کا ذمہ دار قاضی ہوگا یا نہیں؟ چونکہ وہی اس کا سبب ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حالت نفاس میں نکاح جائز ہے، البتہ صحبت ناجائز ہے جیسے کہ حالت حیض میں ناجائز ہے (۱)، جب لڑکا اس کے پاس آئے گا تو بتادے کہ اس حالت میں صحبت درست نہیں، لیکن اگر لڑکے کو یہ بتایا گیا کہ یہ لڑکی باکرہ ہے نہ اس کے اولاد ہوئی ہے اور نہ نکاح ہوا ہے تو یہ بتانا غلط ہے اور جھوٹ ہے۔ ایسا بتانے والے گنہگار ہوئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

عورت کی زنا سے نکاح ختم نہیں ہوتا

سوال [۵۲۵۹]: زید کی بیوی نے بکر کے ساتھ زنا کیا جس کا ثبوت موجود ہے اور دونوں نے اپنے اس فعلِ بد کا اقرار بھی کیا ہے۔ تو زید کی بیوی نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟ زید اس کو دوبارہ رکھنے پر تیار ہے،

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ويسئلونك عن المحيض قل هو أذى فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربواهن حتى يطهرن﴾ (البقرة: ۲۲۲)

"ولا يأتيها زوجها، لقوله تعالى: ﴿ولا تقربواهن حتى يطهرن﴾ اهـ". (الهداية، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضة: ۱/ ۶۴، شركة علميه ملتان)

"وحكمه كالحيض في كل شيء إلا في سبعة ذكرتها في الخزائن". (الدر المختار، باب الحيض، مطلب في حكم المستحاضة ومن بذكره نجاسة، ۱/ ۲۹۹، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/ ۱۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق، ۱/ ۵۶، قديمي)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب الزجر عن الكذب، ص ۸۲، المكتبة الحقانية پشاور)

شرعی حکم کیا ہے؟ مع حوالہ معتبرہ وضاحت فرماویں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس حرکت سے نکاح ختم نہیں ہوا، زید اگر رکھنا چاہتا ہے تو بیوی سے توبہ واستغفار کرالے اور آئندہ کو اس سے ایسی حرکت نہ کرنے کا عہد لے لے، درمختار میں ہے:"و لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة". ٥/٢٧٤"(١)۔ اور شامی میں ہے:"والفجور یعم الزنا وغیرہ". اس کے لئے استدلال میں حدیث بھی نقل کی ہے:"وقد قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم لمن زوجته لا ترد یَدَ لامسٍ، و قد قال: إنی أحبها: "استمتع بها". ردالمحتار: ٥/٢٧٤(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ١٨/ ٦/ ٨٧ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ڈاکٹر کے ساتھ خلوت کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال[٥٢٢٠]: اگر کوئی عورت اپنے معالج سے جو کافر بھی ہو خلا ملا پیدا کرے، اس سے تخلیہ کرے، اس کے ساتھ بالکل بے حجاب ہوجائے، اس کے ساتھ خط وکتابت کرے، اس کو تحفۃً دستیاں کشیدہ نکال کر دے جس میں اپنا اور اس کا نام ایک جگہ کشیدہ میں نکالے۔ تو کیا ان افعال سے نکاح ٹوٹ گیا؟ اور جب نکاح ٹوٹ گیا تو حسبِ تحریر شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی بحاشیۂ آیت ایک، رکوع ایک، پارہ پانچ جملہ مہر

(١) (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ٦/٤٢٧، سعید)

(٢) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ٦/٤٢٧، سعید)

"له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر، لا یجب تطلیقها، کذا فی القنیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون فی المتفرقات: ٥/٣٧٢، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ٤/٢١١، دارالمعرفة بیروت)

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: جاء رجل إلی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: إن امرأتی لا تمنع ید لامس، قال: "غربها إن شئت" قال: إنی أخاف أن تتبعها نفسی، قال: "استمتع بها". (سنن النسائی: کتاب الطلاق، باب ما جاء فی الخلع: ٢/١٠٧، قدیمی)

ساقط نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان افعال کے ناجائز اور گناہ ہونے میں شبہ نہیں، مگر ان سے نکاح نہیں ٹوٹتا، کذا فی مجموعة الفتاوی (۱)، لہٰذا مہر بھی ساقط نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۵/۱۶ھ۔

لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا

سوال [۵۲۶۱]: ایک گاؤں کا لڑکا دوسرے گاؤں کے ایک بوڑھے اور بڑھیا کے پاس رہنے لگا، کچھ دنوں کے بعد اس بوڑھے کا انتقال ہوگیا، وہ لڑکا اب تک اس بڑھیا کے پاس ہے۔ اس بڑھیا کی لڑکی کی ایک لڑکی بالغ ہے، اس لڑکی کے والدین نے لڑکے سے کہا: تم فکر نہ کرو تمہاری شادی ہم اپنی لڑکی سے کردیں گے، لیکن دو چار ماہ انتظار کرنا ہوگا۔ وہ لڑکا کہنے لگا کہ جب شادی کرنی ہے تو اسی ماہ میں کردیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں میں جھگڑا ہوگیا اور جھگڑا کے بعد اس لڑکی کے والدین نے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اور لڑکی کو جب انکار کا علم ہوا تو اس نے اپنے والدین سے کہا کہ جب تم لوگوں نے شادی کی بات کرلی تو انکار نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر اس کے والدین شادی پر رضامند نہیں ہوئے۔ اور جب ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی تو لڑکی

---

(۱) **سوال**: ''اگر زید کی زوجہ نے زنا کی تو نکاح باطل ہوگا یا نہیں؟

جواب: ''نہیں''۔ (مجموعة الفتاوی، کتاب النکاح: ۲/۱۷، سعید)

''و لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة .... والفجور یعم الزنا وغیره''. (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۲۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون فی المتفرقات: ۵/۳۷۲، رشیدیه)

(۲) ''والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة .... حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلک إلا بالإبراء''. (الفتاوی العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر: ۱/۳۰۳، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی بیان ما یتأکد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذافی ردالمحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعید)

بھاگ کرلڑکے کے پاس آئی اور شادی کرلی۔ تو کیا یہ نکاح درست ہوا؟ گواہ سات لوگ بیٹھے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ لڑکی بھاگ کر آئی تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف دو آدمی نکاح کے وقت بچے: ان میں سے ایک کی داڑھی تھی اور ایک کی نہیں تھی، یہی دو آدمی نکاح کے شاہد ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کے والدین نے سخت غلطی کی کہ بات چیت طے کر لینے کے باوجود اپنے جھگڑے کی وجہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور لڑکی کے توجہ دلانے سے بھی آمادہ نہیں ہوئے، اس غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا- انا للہ- الخ لڑکی اور لڑکے نے بھاگ کر بہت نالائقی کا ثبوت دیا کہ خاندان کی عزت کو داغ لگایا، خلافِ شرع کام کر کے گنہگار ہوئے۔ تاہم جب دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح منعقد ہو گیا (۱) اگرچہ ایک گواہ کے داڑھی نہیں، انعقادِ نکاح ایسے لوگوں کے سامنے بھی ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دیوبند، ۲۳/۵/۹۲ھ۔

نکاح کے بعد ملازم کے ساتھ بیوی کا بھاگ جانا

سوال [۵۲۶۲]: ۱...... زید کا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے پچھلے سال ہوا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی، یہ طے ہوا تھا کہ رخصتی اگلے سال ہوگی۔ نکاح کے نو یا دس ماہ کے بعد لڑکی اپنے ایک ملازم چمار کے ساتھ بھاگ گئی، یا وہ بھگا لے گیا، بعد تلاش کے چار دن بعد لڑکی بہرائچ میں اس نوکر کے ساتھ ملی۔ لڑکی کے باپ اس کو

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... بشرط حضور شاهدين حرين أو حر أو حرتين مكلفين سامعين، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، ۲۲، سعيد)

(وكذافي الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۱، ۱۵۵، رشيديه)

(۲) "ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الاول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۳، سعيد)

اپنے گھر لائے اور زید کو بلا کر روپیہ پیسہ سامان کا لالچ دیکر لڑکی کو زید کے ساتھ رخصت کر دیا۔ زید کے والدین کو ان واقعات کا علم ہو گیا تھا تو جب زید اپنی بیوی کو لے کر اپنے گھر آیا تو والدین نے مکان سے نکالدیا، مجبوراً زید اپنی بیوی کو لیکر کہیں چلا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ والدین گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

۲......زید کے حق میں وہ عورت حلال رہی یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ضابطہ میں بالغ لڑکے اور اس کی بیوی کا نفقہ والد کے ذمہ نہیں (۱) جبکہ لڑکا محتاج نہ ہو، خود کماتا ہو، اس لحاظ سے ان کو نکالدینا جرم نہیں۔ نیز اس کو چاہیئے تھا کہ جب اس کا نکاح اس کے والد نے کیا تھا تو رخصتی بھی ان کے مشورے و سرپرستی میں کر کے لاتا، اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کی تنبیہ کیلئے نکال دینا بھی جرم نہیں۔ تاہم آج کل ایسی طبائع کم ہیں جو ایسی تنبیہات سے اصلاح پذیر ہوں، بلکہ دیگر خطرات بھی ہوتے ہیں جن کا سدِ باب اہم ہوتا ہے، جیسے یہی لڑکی ملازم چمار کافر کے ساتھ چلی گئی تھی۔

۲......اس نالائق حرکت کے باوجود وہ عورت اس کی بیوی ہے اور حلال ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۱ھ۔

---

(۱) "ولذا عبر به؛ لأن البالغ لا تجب نفقته على أبيه". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب النفقة: ۴/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الأول: ۱/۴۹۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ان رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول! إن امرأتي لا تدفع يد لامسٍ، فقال عليه السلام: "طلقها" فقال: إني أحبها و هي جميلة، فقال عليه السلام: "استمتع بها". وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة: لايجب على الزوج تطليق الفاجرة، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۸، رشيدية)

(وكذافي ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

دوسرے کی بیوی کولیکر بھاگ جانا اور طلاقِ شوہر کے عدت کے بعد نکاح

سوال[۵۲۶۳] : ۱......زید کسی کی بیوی سے محبت کر کے اس کولیکر بھاگ گیا، اپنی بیوی کی طرح استعمال کیا، اس عورت کا شوہر اس بدسلوک کو دیکھ کر اسے تین طلاق دیا، ادھر وہ عورت اس نے زید کے گھر پر تین حیض گذارے، زید نے بعد قضائے عدت اس سے شادی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عدت گذارنا شرعاً درست ہے یانہیں؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

۲......بغیر توبہ کئے ہوئے دونوں کا نکاح صحیح ہے یانہیں؟ اور شرعاً ومعاشرۃً کیا سزا ہونی چاہئے، جبکہ ہندوستانی دارالقضاء ہر جگہ موجود نہیں ہے؟

۳......نکاح پڑھانے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ اگر نکاح پڑھانے والا امام ہو تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یانہیں؟ اگر درست ہے تو خلاف اولیٰ ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کسی کی بیوی لیکر بھاگ جانا معصیتِ کبیرہ اور سخت حرام ہے(۱)، جب شوہر نے طلاق دیدی اور اس کے بعد تین ماہوار گذری گئی اگر چہ کہیں گذری ہو تو عدت پوری ہوگئی، پھر دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت ہوگئی (۲)، یہاں تک کہ اگر عورت کو طلاق کا علم بھی نہ ہو تب بھی عدت پوری ہونے پر کہا جائے گا کہ عدت ختم ہو

---

(۱) "رجل خدع امرأة إنسا ن، وأخرجها، و زوّجها من غيره، أو صغيرة، يحبس إلى أن يحد ث توبته أو يموت؛ لأنه سعى فى الأرض بالفساد، كذافى قضا ء الولوالجية". (الأشباه والنظائر، كتاب الحدود والتعزير، الفن الثانى، الفوا ئد: ۲ /۷۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: العامى لامذهب له: ۴/ ۸۱، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقد ة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقا ت يتربصن بأنفسهن ثلا ثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸).

"عدة الحرة المدخولة التى تحيض ثلاثةُ قروءٍ: أى حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلا ثة قرو ء﴾". (مجمع الأنهر، باب العد ة: ۱ /۴۶۴، دارإحياء التراث العربى بيروت)

گئی:"وانقضاء ہ بدون علمھا". بحر: ٤/ ١٢٤ (١)۔

۲......اس کمینہ اور حرام حرکت سے توبہ بہر حال لازم ہے، دونوں توبہ کریں، نادم ہوں (۲)، نکاح کرا دیا جائے۔ معاشرہ کو آج کس سزا پر قدرت ہے؟

۳...... بعد عدت نکاح پڑھا دیا تو ٹھیک کیا، دونوں کو معصیت سے بچالیا۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے (۳)۔ معاشرہ کو اگر قدرت تھی تو دونوں کو اس معصیت سے روکنا لازم تھا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۱ھ۔

جو عورت ایک سال تک ہندو کے ہاں رہے اس کا نکاح

سوال[۵۲۶۴]: ایک عورت جو کہ صوبہ بہار کی رہنے والی ہے، اس کو دھوکہ سے ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیا تھا، عورت کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہندو ہے جہاں مجھے فروخت کیا گیا۔ وہ اپنا ایمان بچانے کیلئے

---

(١) "ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت يعني ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتداء عدة الوفاة من وقتها، سواء علمت بالطلاق والموت أو لم تعلم، حتى لو لم تعلم ومضت مدة العدة فقد انقضت؛ لأن سبب وجوبها الطلاق أو الوفاة، فيعتبر ابتداؤها من وقت وجود السبب". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۳، رشيديه)

(٢) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ".

(شرح النووي على صحيح مسلم، باب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت الآية: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/ ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) نکاح پڑھانا کوئی ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے اس کی امامت متاثر ہو، لہٰذا مذکورہ شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔

(۴) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/۴۳۶، قديمي)

(وفيض القدير، رقم الحديث: ۸۶۸۷، ۱۱/۵۸۰۰، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

مسلمانوں سے ملتی رہی اور حددرجہ کوشش کرتی رہی کہ کسی صورت سے ایمان بچارہے، لیکن کسی مسلمان نے اس عورت کی مدد نہیں۔ اس جستجو میں وہ عورت اس ہندو کے یہاں ایک سال رہی، یہ عورت کا حلفیہ بیان ہے۔ اس کے بعد وہ عورت ایک مسلمان کے ساتھ ہوگئی اور حلفیہ یہ کہتی ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں ہوا۔ اس صورت میں اس عورت کا نکاح اس مسلمان سے جس کے ساتھ وہ ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ عورت کہتی ہے کہ ہندوؤں کے یہاں پہنچنے سے وہ کسی مسلمان کے نکاح میں یا عدت میں نہیں تھی اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس بات میں سچی ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ ایک آزاد عورت کو فروخت کرنا درست نہیں، اس سے مملوکہ نہیں بن جاتی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فاحشہ عورت کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۲۶۵]: ایک مسلم فاحشہ عورت ہے، اس کی دو لڑکیاں ہیں، ان کے نام عمر النساء اور مہر النساء ہیں، ان لڑکیوں کا شرعی نقطۂ نظر سے اسلام میں کیا درجہ ہے؟ کیا ان سے نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ میرا ایک دوست ہے جو اس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ میرے خیال سے اسلام میں حرام خوری جائز نہیں ہے اور

---

(۱) "قلت: وحاصله: أنه متى أخبرت بأمر محتمل، فإن ثقة أو وقع في قلبه صدقها، لا بأس بتزوجها، وإن بأمر مستنكر، لا، مالم يستفسرها". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۱/۶، سعيد)

(أيضاً الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ۵۲۹/۳، سعيد)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۲) "وكذابيع الميتة والدم والحرّ باطل؛ لأنها ليست أموالاً، فلا تكون محلاً للبيع". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ۵۳/۳، امدادية، ملتان)

(وكذافي فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۰۲/۶، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(وكذا في كنزالدقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲۳۸، كتب خانه رشيديه دهلي)

حرام چیز کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے، اس کی رگوں میں حرام خون دوڑ رہا ہے، اس لحاظ سے اس سے شرعی اعتبار سے نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن میرے دوست کا کہنا کہ اگر سماج نے لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بھی وہی راستہ اختیار کرے گی جو اس کی ماں نے کیا، اور پھر اس کی ماں کے گناہوں کی سزا اس کی اولاد کو کیوں ملے؟

نیز میرے دوست کا کہنا کہ: ''ایک غیر مسلم فاحشہ عورت ہے اس کے بھی لڑکی ہے اور اس لڑکی نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ جب ایک غیر مسلم سے اسلام قبول کرنے کے بعد نکاح کر سکتے ہیں تو میرے خیال سے مسلم لڑکی سے بدرجۂ اُولی نکاح کر سکتے ہیں''۔ یہ باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، آپ ہی اس تعلق سے فتوی دیں۔

۲......اسلام میں شراب حرام ہے، فرض کرو: ایک شخص بہت نشہ کرتا ہے اور نشہ کی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے، اس سے لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس لڑکی کا اسلام میں کیا درجہ ہے جبکہ اسلام میں شراب حرام ہے، لیکن اس کے باوجود بھی سماج سے لوگ اس لڑکی کو قبول کرتے ہیں۔ تو کیا اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، کر سکتے ہیں تو کیوں؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟

ان تینوں مسائل کی منزل ایک ہی ہے لیکن راستہ الگ الگ ہے۔ اب آپ تشفی بخش اور شرعی اعتبار سے جواب دیں، آپ کے فیصلہ پر ہی میرا دوست شادی کیلئے ٹھوس اقدام کرے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو لڑکی مسلمان ہو، خواہ پیدائشی مسلمان ہو یا اسلام قبول کرے، اس کی ماں کا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، بہر صورت اس کا نکاح مسلمان سے درست ہے(۱)، باپ یا ماں نے اگر کفر کیا، یا حرام کام کیا تو اس کی وجہ سے لڑکی کے نکاح کو ناجائز وحرام نہیں کہا جائے گا(۲)۔

۲......ماں باپ کی اس معصیت کی وجہ سے لڑکی کو نکاح سے محروم نہیں کیا جائے گا، لڑکی کا نکاح درست

(۱) "ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۶۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾ (فاطر: ۱۸)

ہوگا، شراب پینے کی سزا کا مستحق باپ ہے نہ کہ لڑکی (۱)۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کافر کے گھر میں مسلمان پیدا فرمادیتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

فرارشدہ عورت کے لڑکے سے نکاح

سوال [۵۲۲۶]: عبدالجبار کا وحیدن سے نکاح ہوا تھا، کچھ دنوں کے بعد آپس میں نااتفاقی ہوگئی، لڑکی کو زیادہ تکلیف دینے پر لڑکی کے گھر والے آ کر لے گئے۔ پھر لڑکی کی طرف سے طلاق نامہ کا سوال پیدا ہوا، کئی مرتبہ سوال وجواب اور بات چیت ہوئی لیکن لڑکا طلاق دینے کو تیار نہیں ہوا اور نہ لڑکی کو رکھنے پر آمادہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد لڑکا اپنے کام کے سلسلہ میں کلکتہ چلا گیا، کچھ دنوں بعد لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سے ہوا۔ اس نکاح کے متعلق موضع کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خط کے ذریعہ طلاق نامہ آگیا تھا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے نہیں آیا تھا، اس کی مکمل صفائی نہیں ہو پا رہی ہے، کیونکہ لڑکی کے والد اور ایک شخص جو اس کام میں شریک تھے انتقال ہو چکا ہے۔ چند مہینوں کے بعد پہلے نکاح والا لڑکا عبدالجبار بھی انتقال کر گیا ہے، اس کے بعد وہی لڑکی عدت پوری کر کے اور اس شخص سے (جس سے دوبارہ نکاح ہونا بتایا جاتا ہے) نکاح ہوا، اس کے بعد کئی لڑکے پیدا ہوئے۔

---

(۱) "﴿ولا تزر وازرة﴾: أي لاتحمل نفس آثمة ﴿وزر أخرى﴾: أي اثم نفس أخرى، بل تحمل كل نفس وزرها". (روح المعاني: ۲۲/۱۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿تخرج الحيَّ من الميت﴾ الآية

قال العلامة القرطبي: "واختلف المفسرون في معنى قوله تعالىٰ: ﴿وتخرج الحي من الميت﴾: فقال الحسن: معناه تخرج المؤمن من الكافر والكافر من المؤمن، وروي نحوه عن سلمان الفارسي. وروى معمر عن الزهري أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دخل على نسائه، فإذا بامرأة حسنة الهيئة قال: "من هذه" قلن: إحدى خالاتك، قال: "ومن هي؟" قلن: هي خالدة بنت الأسود بن عبد يغوث، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سبحان الذي يخرج الحي من الميت". وكانت امرأة صالحة، وكان أبوها كافراً". (الجامع لأحكام القرآن: ۴/۴۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

دوسرے نکاح والا شوہر بھی مر چکا ہے، لیکن عورت ابھی زندہ ہے۔ اس عورت سے جو لڑکے پیدا ہوئے ہیں ان میں کوئی خرابی پائی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ اس لڑکے اور میری لڑکی سے بات طے ہو چکی ہے، بعد طے ہونے کے یہ سب باتیں ان کے موضع سے سننے میں آرہی ہیں۔ تو کیا میں اپنی لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے شرعاً کر سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب لڑکوں کے نسب میں بحث کرنا بے محل اور غلط ہے، وہ ثابت النسب ہیں (۱)، اپنی اور لڑکی کی مرضی سے اپنی لڑکی کا رشتہ آپ ان میں سے جس سے مناسب سمجھیں، کر سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۸ھ۔

---

(۱) شوہر اول عبدالجبار کے انتقال کے بعد عورت نے عدت پوری کر کے دوسری جگہ شادی کر لی تو وہ نکاح صحیح ہوا، جب نکاح صحیح ہوا تو بچے ثابت النسب ہونگے: "عن عائشة زوج صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها قالت: .... "الولد للفراش، وللعاهر الحجر". (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۲ /۱۰۶۵، قديمي)

"يقام النكاح مقامه (أى الدخول) فى إثبات النسب ولهذا قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" وكذا لو تزوج المشرقى بمغربية، فجاءت بولد يثبت وإن لم يوجد الدخول حقيقيةً لوجود سببه، وهو النكاح قال النبى صلى الله عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". وكذالو تزوج المشرقى بمغربية". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى ثبوت النسب: ۳/۲۰۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النسب: ۳ /۲۷۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ﴿وأحل لكم ما وراء ذالكم﴾ "أى ما عدا من ذُكرن من المحارم من لكم حلال" (تفسير ابن كثير: ۱ /۴۷۴، (پاره: ۴) سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذافى التفسير المنير: ۶/۵، دارالفكر بيروت)

(وكذا فى التفسير المظهرى: ۲ /۶۶، حافظ كتب خانه كوئٹه)

مرتد کے زمانۂ ارتداد کی اولاد سے رشتۂ نکاح

سوال[۵۲۶۷]: شوکت علی صاحب مسلمان سے قادیانی ہوگئے، تقریباً آٹھ برس تک قادیانی رہے، علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مناظرہ ہوا، پھر وہ تائب ہوکر مسلمان ہوگئے، جس کا اعلان اخبارات میں کردیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اس عرصہ میں جو اولاد ہوئی، اس کیلئے حکمِ شرعی کیا ہے؟ وہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان سے رشتہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مرتد ہوجائے (نعوذ باللہ) اور پھر حق تعالیٰ کی توفیق سے اسلام قبول کرے، اس کا اسلام قبول ہے(۱)، اس کی جو اولاد حالتِ ارتداد میں پیدا ہوئی، وہ اگر ناسمجھ ہے تو اس کے قبولِ اسلام سے وہ اولاد بھی مسلمان شمار ہوگی، اور جو اولاد حالتِ اسلام میں پیدا ہوئی، وہ بھی مسلمان ہے۔ جو ارتداد سے قبل کی ہے وہ بھی اب مسلمان ہے، الّا یہ کہ بالغ اولاد (خدانخواستہ) خود ہی قادیانیت کو اختیار کرلے(۲)۔ ہر مسلم سے شادی بیاہ

---

(۱) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك و شبهة بحكم الوعد بالنص: أى قوله تعالى: ﴿وهو الذى يقبل التوبة عن عباده﴾ الخ". (الفقه الأكبر مع شرحه للملا على القارى، باب، مطلب: يجب معرفة المكفرات لاجتنابها: ۱۲۰، قديمى)

﴿وهو الذى يقبل التوبة عن عباده، ويعفوعن السيئات﴾: أى يقبل التوبة فى المستقبل، ويعفو عن السيئات فى الماضى، الخ". (تفسير ابن كثير، (سورة الشورى: ۲۵)، ۴/۱۴۲، دارالفيحاء بيروت)

(۲) "والولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار ولو حكماً، بأن كان صغيراً فى دارنا والأب ثمه، بخلاف العكس". (الدرالمختار). "(قوله: والولد يتبع خير الأبوين ديناً) هذايتصور من الطرفين فى الإسلام العارض، بأن كانا كافرين فأسلم أو أسلمت، ثم جاء ت بولد قبل العرض على الآخر والتفريق، أو بعده فى مدة يثبت النسب فى مثله، أو كان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما، فإنه بإسلام أحدهما يصير الولد مسلماً، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين ديناً: ۳/۱۹۶، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲/۲۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۵ھ

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ منکوحہ کا دماغی توازن صحیح نہیں

سوال[۵۲۶۸]: زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، گھریلو پریشانیاں بڑھ گئیں، جس کے باعث عقدِ ثانی کی ضرورت پیش آئی، جس کے بارے میں زید نے اعزہ سے تذکرہ کیا۔ ان حضرات نے چند دنوں میں کوشش کرکے کافی دوری پر ایک رشتہ مطلقہ عورت تلاش کیا۔ صاحبِ رشتہ حضرات سے زید بالکل ناواقف وناآشنا تھا۔ اعزہ خاص نے اس رشتہ پر اپنی خوشی ظاہر کی کہ جس سے زید اس رشتہ کے جوڑے پر آمادہ ہوگیا، باوجودیکہ پھر بھی دور دراز ہونے کی وجہ سے زید نے اپنے ہمدرد اعزہ سے کہا کہ بھائی! سارے معاملات اور حالات کو بخوبی معلوم کرلیا جائے۔ جس پر ان حضرات نے جواب دیا کہ ایسا نہیں کہ ہم لوگوں کو سمجھ بوجھ کر غلط رشتہ سے پھنسادیں، ہم لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہے، تمہارے لئے یہ رشتہ بدرجہا بہتر ہے۔ بہرکیف! زید اُن حضرات کی اس خوش بیانی پر مطمئن ہوگیا۔

بعد ازاں یہ حضرات صاحبِ رشتہ کے یہاں پہونچے اور اس مطلقہ عورت کے والدین سے گفتگو کرکے وہیں سے بذریعۂ تار زید کو اطلاع دی کہ تم معہ سامان عقد فوراً چلے آؤ، حالانکہ زید کی خواہش تھی کہ اس عورت مطلقہ پر بذاتِ خود بھی نظر ڈال لے، جس کا اظہار ان اعزہ پر بھی کردیا، مگر ان حضرات نے زید کی اس خواہش کو پسِ پشت ڈالدیا اور زید کو کوئی ایسا موقع نہیں دیا گیا یا نہ ملا کہ وہ خود دیکھ لے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم﴾ (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافرة، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/ ۲۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي، كذافي السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/ ۲۸۲، رشيديه)

بہرحال! اس اچانک موصول شدہ تار کی خبر پر زید سامانِ عقد لے کر صاحبِ رشتہ کے مکان پر پہونچ گیا۔ اوراسی دن شب کو مجلسِ عقد منعقد ہوئی اور قاضی صاحب تشریف لائے اور اپنے نکاح نامہ رجسٹر کیا، خانہ پری کرنے لگے۔ عینِ وقت پر جب مہر کا مسئلہ آیا تو اس مطلقہ عورت کے والد نے دس ہزار روپے کی آواز دی، زید نے قاضی صاحب سے کہا کہ خلافِ حیثیت زائد ہے، اتنے میں زید کے اعزہ خاص نے درمیان سے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، ہم کو کوئی اعتراض نہیں، زید نے ان ہمدردان اعزہ کی طرف سے کوششوں کے تحت خیال کر کے خاموشی اختیار کی۔ قاضی صاحب نے فوراً اجازت لے کر خطبۂ نکاح دیا، ایجاب وقبول کراتے وقت کہا کہ پانچ ہزار سکہ رائج الوقت مؤجل اور پانچ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت غیر مؤجل قبول کیا۔ تو زید اس وقت انتہائی تذبذب میں پھنس گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ قبل ازیں کوئی تفصیل مؤجل وغیر مؤجل کی سامنے نہ آئی، اور یہ قبول کررہے ہیں۔

بہرکیف! زید نے غیر معجّل ہی تصور کر کے دلی جبر وکراہت کے ساتھ کہا کہ قبول کیا۔ ۵/ ہزار معجّل کی رقم زید سے لی گئی، اور نہ اس بارے میں کوئی ذکر آیا اور نہ زید کو ادا کرنے کی طاقت تھی، لیکن قاضی صاحب نے رجسٹر نکاح میں اندراج ضرور کرلیا۔ بعدازاں یہ مجلس نکاح برخاست کردی گئی اوراسی شب میں فوراً رخصتی کردی گئی۔ بوقتِ رخصت لڑکی کے والدین نے کسی قسم کا زیور وسامان نہیں دیا، صرف لڑکی کو زید ہی کے زیور اور کپڑے پہنا کر رخصت کردیا۔ جب زید رخصت کرا کر اپنے مکان پر واپس آیا اور جب بیوی سے قربت حاصل کی اور بات چیت شروع کی تو کوئی بات کا صحیح طور پر جواب نہ ملا، دیگر ادھر ادھر کی فضول باتیں یا فلمی گانے سنانا شروع کی، اور یہ کہا کہ میں تو شادی کرنا نہیں چاہتی تھی، میرے والدین نے زبردستی شادی کردی، جس سے زن وشوہر کے تعلقات انتہائی دشوار گذار نظر آرہے ہیں۔

یہ حالات سامنے آنے پر زید سناٹے میں آ گیا اور خیال کیا کہ کم ازکم چار چھ یوم میں صحیح پتہ چلے گا۔ بہرحال! ایک ہفتہ گذرنے پر تمام حالات کا جائزہ لیا تو کسی وقت بھی دماغی توازن صحیح نہیں پایا، وہی فضولیات، بکواس اور رات کو تنہا اٹھ کر کہیں زبانی تلاوت اور کہیں فلمی گانے گانا، ایک ہفتہ گذرنے پر زید اپنے ان ہمدرد اعزہ کے پاس گیا اور تمام حالات نقل کئے جنہوں نے جواب دیا کہ میاں! کم ازکم ایک دو ماہ تو ان حالات کو دیکھو کیا کیفیت رہتی ہے۔

ان حضرات کے اس جواب سے زید نے پھر سکوت اختیار کیا اور ایک ماہ انتظار کیا، اب ایک ماہ گذرنے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ایک ہوشیار مستند طبیب کو بھی دکھلایا۔ جنہوں نے بتایا کہ واقعی دماغی توازن درست نہیں ہے۔ اس پاگل پن کی وجہ سے غلاظت وگندگی کے باعث اس کے ہاتھ کے چھوئے ہوئے برتن میں پانی پینے تک کو جی نہیں چاہتا۔

ان حالات سے زید کو بے انتہا پریشانی ہے، زید کی طبیعت کسی صورت سے اس کی طرف مائل نہیں ہوئی، یہ تمام واقعات درمیانی ہمدردواعزہ کو بھی تحریر کئے ہیں، مگر ان حضرات نے اب تک کوئی خبر نہیں لی۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اندراج کئے ہوئے حالات وواقعات کے تحت یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور زید اس معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرے؟ اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلہ کے حل سے جلد سے جلد مستفیض فرمائیں۔

خلیل احمد جلد ساز پہانوی ہردوئی، ۱۹/ستمبر/۱۹۷۰ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس بیان میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں جس کی وجہ سے نکاح کو غیر صحیح کہا جائے۔ زید کو چاہیئے کہ خوش اخلاقی اور نرمی سے آہستہ آہستہ اصلاح کرتا رہے، اگر حالات ایسے ہوں کہ نباہ دشوار ہو اور حقوقِ زوجیت ادا نہ ہوسکیں تو اس کو طلاق دے کر آزاد کردینے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ اگر وہ اتنی سمجھ رکھتی ہے کہ مہر کو اور مہر کی معافی کو سمجھتی ہے اور وہ مہر معاف کردے تو مہر معاف بھی ہوسکتا ہے (۲)، اگر مہر کی معافی کی تحریر ہو اور اس پر گواہوں کے دستخط ہوں تو قانونی تحفظ بھی ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

(۲) "(قوله: وصح حطها) الحط: الإسقاط، كما في المغرب. و قيد بحطها (لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها، ولابدمن رضاها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/ ۱۱۳، سعيد) .... =

غیر مسلم سے نکاح کے بعد وہ مسلمان ہوئی تو دوبارہ نکاح کیلئے استبراءِ رحم

سوال[۵۲۶۹]: ۱......زید نے لتا سے کورٹ میرج (عدالتی نکاح) کرلیا۔ایک عرصہ تقریباً سا ڑھے تین یا پونے چار سال گذرنے کے بعد ایک دن لتا نے زید اور داڑھی اور ٹوپی والے دو مسلمانوں کے روبرو کہہ کر کہ میں نے مذہبِ اسلام کو اپنے مذہب کے طور پر کیا آج سے میں مسلمان ہوں اور کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده ورسوله" پڑھ کر قبول کرلیا، پھر اسی مجلس میں مسلمانوں کے روبرو زید نے لتا سے کہا کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا اور لتا نے کہا میں نے یہ بات منظور کر لی اور مہر کی ایک رقم متعین کر دی گئی۔اس وقت ان دونوں کے دو بچے موجود تھے اور ایک تیسرے کا حمل بھی تھا۔تو اس صورت میں لتا کا ایمان عنداللہ مقبول سمجھا جائیگا یا نہیں؟

۲...... یہ نکاح (یعنی جواب ہوا) عنداللہ درست ہوگیا یا نہیں؟

۳......صورت مذکورہ سے نکاح ہوتے کے بعد زید کا لتا سے وضعِ حمل سے پہلے ہمبستری کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴...... وضعِ حمل کے بعد پھر سے نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ وجہِ اشکال یہ ہے کہ وہ جو ایک حکم استبراء کا ہے،نومسلمہ کے لئے غیر منکوحہ ہونے کی صورت میں وہ ابتداءِ صورتِ مذکورہ میں نکاح سے قبل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ خیال کر کے یہاں لتا کے شکم میں جو کچھ بھی ہے اسی زید کا ہے، کیونکہ عرصہ مذکورہ سے یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

۵......صورتِ مذکورہ سے لتا کے ایمان قبول کرنے اور لتا و زید کے نکاح میں اگر عنداللہ وعند الشریعۃ کوئی خامی رہ گئی ہے تو درست ہونے کی صحیح صورت بتائی جائے تا کہ اس کے مطابق عمل کرلیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر اس نے صدقِ دل سے یہ کہا ہے تو اس کا ایمان مقبول ہے، كذا في شرح الفقه الأكبر (۱)۔

= (وكذافي البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۱/ ۳۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك وشبهة بحكم الوعد =

۲......اس طرح نکاح صحیح ہے، کذافی الهندیه (۱)۔

۳......درست ہے، کذافی الدر المختار (۲)۔

۴......دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی عورت حاملہ ہوزنا سے (اس کا شوہر نہ ہو) اور خود اسی سے نکاح کیا جائے جس سے وہ حمل ہے تو استبراء کی حاجت نہیں، بلکہ ہمبستری اور نکاح سب درست ہے۔ اور اگر کسی اَور سے نکاح ہوتو نکاح درست ہوگا مگر وطی وغیرہ سے قبل وضع حمل منع کیا جائے گا، کذا فی الدر المختار (۳)۔ غیر مسلمہ اگر شادی شدہ ہوتو اس پر استبراء نہیں۔

۵......کوئی خامی نہیں۔ گذشتہ غلطیوں سے سچی توبہ کرکے احکامِ اسلام کی خوب پابندی کریں (۴)۔ حق

= بالنص: أی قوله تعالیٰ: ﴿وهو الذی یقبل التوبة عن عباده﴾ الایة". (الفقه الأکبر، باب، مطلب: یجب معرفة المکفرات لاجتنابها، ص: ۱۶۰، قدیمی)

"﴿وهو الذی یقبل التوبة عن عباده، ویعفو عن السیئات﴾: أی یقبل التوبة فی المستقبل، ویعفو عن السیئات فی الماضی، الخ". (الشوریٰ: ۲۵، تفسیر ابن کثیر: ۱۳۶/۴، دارالفیحاء بیروت)

(۱) "حتی لو أسلما یقرّان علی ذلک عند علماء نا الثلاثة، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح: الباب العاشر فی نکاح الکافر: ۳۳۷/۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافرة: ۳۶۰/۳، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۲۰۹/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وصح نکاح حبلیٰ من زنی لاحبلی من غیره وإن حرم وطؤها و دواعیه، حتی تضع". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۲۸۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳۲۹/۱، دار إحیا التراث العربی بیروت)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

(۴) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً، الخ". (شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی) .... =

تعالیٰ اخلاص اور استقامت بخشے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کنیز کی تعریف اور اس سے نکاح

سوال [۵۲۷۰]: کنیز اسلام میں جس عورت کو کہتے ہیں اس سے بلا نکاح کے مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ دلائلِ فقہیہ سے واضح فرمائیں۔ نیز ''اجودھا بائی'' جو اکبر کی بیوی تھی جس سے سلیم پیدا ہوا، وہ ولدالزنا ہے یا نہیں؟ اس کو دلیل سے وضح فرمائیں۔ اجودھا بائی غیر مسلم تھی اور آخر تک وہ اپنے دین پر قائم رہی، پھر ایسی صورت میں جبکہ اکبر نے اس سے نکاح نہیں کیا تو اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ شرعاً ولدالزنا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کنیز مملوکہ سے مالک کو بغیر نکاح کے صحبت درست ہے، بلکہ وہ خود اس سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی مملوکہ نہیں، غیر کی مملوکہ تھی اور اس سے نکاح کرلیا، پھر وہ اس کی ملک میں آگئی تو اس سے نکاح ختم ہوگیا:

''وحرم نکاح المولی أمته''. درمختار۔ ''قال فی الفتح: لأن النکاح ما شرع إلا مثمراً ثمرات مشترکة فی الملك بین المتناکحین، منها ما تختص هی بملکه کالنفقة والسکنی والقسم والمنع من العزل إلا بإذن. ومنها مایختص هو بملکه کوجوب التمکین، والقرار فی المنزل والتحصن عن غیره. ومنها ما یکون الملك فی کل منها مشترکاً کالاستمتاع مجامعةً ومباشرةً، والولد فی حق الإضافة، والمملوکیة تُنافی المالکیة''. ردالمحتار: ۲/۲۸۸(۱)۔

= (وکذا فی روح المعانی تحت الآیة: ﴿یا أیها الذین آمنوا توبو إلی الله توبةً نصرحاً﴾ ۲۸ / ۱۵۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

''قال الله تعالیٰ: ﴿و من یعمل سوءً أو یظلم نفسه، ثم یستغفر الله، یجد الله غفوراً رحیماً﴾ فالواجب علی کل مسلم أن یتوب إلی الله حین یصبح و حین یمسی''. (تنبیة الغافلین: ۲۰، باب آخر من التوبة، مکتبة حقانیة پشاور)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۴۳، ۴۴، سعید) .... =

اکبراورا جودھا بائی کی صحیح قابلِ وثوق تاریخ موجود نہیں، جوتاریخیں شائع ہے ان میں رطب ویابس سب کچھ بھرا ہوا ہے اور تضاد بھی بہت ہے۔ شرعی مسائل کیلئے شرعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے، شرعی دلائل کے خلاف کسی کا فعل حجت نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿ولا تنكحوا المشركات﴾ (الآية)(۱) حضرت مجدد صاحبؒ نے دینِ اکبری پر مستقل ردفرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اب سلیم کے یا کسی کے بارے میں بحث کرنا امورِ شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۹۳ھ۔

مشتبہ الخلقت (کہ خنثیٰ ہے یا صحیح) سے نکاح

سوال[۵۲۷۱]: ایک شخص کا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کا مقامِ خاص تنگ ہے، نیز صرف سوراخ کی طرح معلوم ہوتا ہے اور سینہ بھی تھوڑا سا ابھرا ہوا ہے باوجودیکہ عورت جوان تندرست ہے، تندرستی کے اعتبار سے سینہ نہیں ہے اور ماہواری کی طرح خون بھی آتا ہے بلا تخصیص وتعینِ ایام۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صفات والے کو مؤنث شمار کریں یا خنثیٰ شمار کریں؟ اگر خنثیٰ ہے تو نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں ہوا تو خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے شوہر پر کچھ دینا لازم ہوگا یا نہیں؟ اور نکاح صحیح ہوا تو چھٹکارہ کے لئے پورا مہر دینا ہوگا؟ خنثیٰ کے تمام اقسام کی تعریف کے ساتھ ساتھ جواز وعدمِ جوازِ نکاح کا حکم مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنثیٰ تو وہ ہے جس میں مرد وعورت دونوں کی علامت پائی جائے اور یہاں مرد کی کوئی علامت آپ

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/۴۷۵، ۴۷۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۰، رشيديه)

(۱) (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألاتكون المرأة مشركةً إذاكان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح المشركة: ۳/۴۵۸، دارالكتب العلميه بيروت)

نے نہیں لکھی، عورت ہونے کی علامت ظاہر ہے، صرف یہ کہ اس میں کچھ نقصان ہے اس لئے نہ تو اس کو مرد کہا جائے گا نہ خنثیٰ، بلکہ وہ عورت ہے، اس سے نکاح درست ہوگیا(۱)۔ اگر بذریعۂ علاج اصلاح ہوسکتی ہو تو علاج کرالیا جائے، آپریشن سے کشادگی ہوجائے گی، ممکن ہے کہ سینہ میں بھی فرق آجائے، ورنہ شوہر کو طلاق کا حق تو حاصل ہے ہی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/ ۱۴۰۶ھ۔

اغوا کے بعد نکاح اور متعدد مسائل

سوال[۵۲۷۲]: زید بکر کی لڑکی اغوا کرلیتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد یوں زید و بکر میں صلح ہوجاتی ہے کہ زید و بکر کی لڑکی کا نکاح آپس میں باندھا جاتا ہے، زید کا بھائی اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ باندھ دیتا ہے اس کے علاوہ سات سو روپیہ نقد بھی بکر کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ پھر زید کے بھائی کی لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو بکر چاہتا ہے کہ فسخِ نکاح کرلیا جائے؟ تو زید اور اس کا بھائی لڑکی سے دعویٰ کرواکر عدالت سے مذکورہ لڑکی کا نکاح فسخ کروالیتے ہیں۔

اب وہی مولوی صاحب عدالت سے فسخ شدہ نکاح کو فسخ مان کر اس لڑکی کا نکاح ایک مرد سے پڑھا دیتے ہیں اور جب اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح کرتے وقت وکالت لڑکی کے والد نے کی تھی جو مشرک ہے اور مشرک کی وکالت مردود ہے، اس لئے لڑکی کا سابقہ نکاح بھی باقی نہیں۔ جب کہا گیا کہ لڑکی کا والد مشرک کیسے مانا تو جواب دیا گیا کہ ایک روز اس نے مجھے کہا تھا کہ ''مولوی صاحب! آپ اور آپ کے

---

(۱) "ولا یتخیر أحدهما: أی الزوجین بعیب الآخر فاحشاً کجنون وجزام وبرص ورتق وقرن، اهـ". (الدرالمختار). "(قوله: رتق) -بالتحریک- انسداد مدخل الذکر، کما أفاده فی المصباح. (قوله: وقرن) کفلس: لحم ینبت فی مدخل الذکر کالغدة، وقدیکون عظماً". (ردالمحتار، باب العنین وغیره: ۳/ ۵۰۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب العنین وغیره: ۴/ ۲۱۳، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، باب العنین وغیره: ۲/ ۴۷۳، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، باب العنین وغیره: ۱/ ۴۶۳، ۴۶۴، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

سارے مقتدی وہابی ہیں، اس سے سمجھا گیا کہ وہ مشرک ہے اور مشرک کا نکاح کیسا؟ یعنی مشرک کی وکالت مردود ہے۔ نیز ویسے بھی مندرجہ بالا نکاح چھوٹی لڑکی والا درست نہیں اس لئے کہ روپیہ پیش کئے گئے ہیں اور زید کے بھائی نے اپنی بیٹی پر ظلم کیا ہے، اس صورت میں شرعی طور پر بھی لڑکی باپ کا نکاح فسخ کرا سکتی۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا بکر کی لڑکی کو اغوا کرنا تو حرام ہوا، لیکن اس کے بعد نکاح کرلیا تو صحیح ہوگیا۔ زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے وہ بھی صحیح ہے(۱)، لیکن جو سات سو روپیہ نقد دیئے ہیں ان کی واپسی لازم ہے، کیونکہ یہ خالص رشوت ہے: "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". ردالمحتار: ۲/ ۵٦۰ (۲)۔

بلا وجہ شرعی عدالت کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرانا ظلم ہے، کسی شرعی وجہ سے اگر حاکم مسلم با اختیار نے نکاح فسخ کیا ہے تب تو یہ فسخ معتبر ہے اور بعد فسخ دوسری جگہ نکاح درست ہے، اور اگر حاکم غیر مسلم ہے تو یہ فسخ معتبر نہیں ہوا، بلکہ کالعدم ہوا ہے(۳)، اور دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، ہاں اگر شوہر طلاق دیدے تو دوسری

---

(۱) "وينعقد: أي النكاح متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الأخر وضعا للمضي، الخ".

(الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعید)

(و كذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مکتبه شركة علمية ملتان)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱٦۷، امدادیه ملتان)

(۲) (رد المحتار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/ ۱۵٦، سعید)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/ ۳۲۷، رشیدیه)

(و كذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الثاني عشر في المهر: ۴/ ۱۳٦، رشیدیه)

(۳) "صرف پانچ عیوب کی بنا پر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے: ایک اس وقت جب کہ شوہر پاگل ہوگیا ہو، دوسرے جب کہ وہ نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، تیسرے جب وہ نامرد ہو، چوتھے وہ بالکل لا پتہ ہو، پانچویں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔ ان صورتوں کے سوا قاضی کو کہیں بھی تفریق کا اختیار نہیں ہے اور محض عورت کی طرف سے ناپسندیدگی کسی بھی فقہ میں فسخ نکاح کی وجہ جواز نہیں بنتی"۔ (الحلية الناجزة، ص: ۲۴۳، عنوان "قاضی کی تفریق بین الزوجین"، دارالإشاعت کراچی)

جگہ درست ہوگا۔ ان مولوی صاحب کالڑکے کے باپ کو محض اس وجہ سے کہ اس نے مولوی صاحب کو اور ان کے مقتدیوں کو وہابی کہا ہے، مشرک کہنا درست نہیں، بلکہ جہالت ہے، لہذا محض اسی بناء پر سابقہ نکاح کو غیر معتبر کہنا درست نہیں۔ روپیہ کا لینا ناجائز ہے، لیکن اس سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۷/صفر/۶۰ھ۔

ضمیمۂ استفتاء ما قبل

سوال [۵۲۷۳]: نقلِ فتویٰ مولوی صاحب جو جوازِ نکاح کے لیا گیا یعنی وہ مولوی جس نے نکاح پر نکاح باندھا تو یہی فتویٰ لیا گیا ہے کہ مولوی صاحب کا نکاح درست ہے، اس کو دیکھ کر جواب دیا جائے:

ایک شخص نے ایک عورت کو اغواء کرلیا اور پھر اغواء کرنے والے کے بھائی نے عورت کے ساتھ فساد کرنے کے لئے سات سو روپیہ نقد دیا، عورت کے بھائی صغیر نے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح کردیا، پس بموجب قانون سرکاری لڑکی کا نکاح جو پہلے ہوا تھا عدالت میں فسخ کرایا گیا، ایک مولوی صاحب نے اس لڑکی کا نکاح اور شخص کے ساتھ پڑھا دیا، اس نکاح خواں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

"فتح القدیر" میں ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نکاحِ صغیرہ کا کرنا ناجائز ہے، منعقد نہیں ہوتا، ابن شبرمہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اَب وجدّ کو اختیار ہے کہ صغیرہ کا نکاح کردے اور بعد بلوغ اس کو فسخ کرنا درست نہیں، بغیر اب وجد کا نکاح جائز نہیں، شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب کہ اب وجد کو بھی نکاح جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ کے خیارِ فسخ حاصل نہیں اور غیرِ اب وجد کے بھی صغیرہ کا نکاح کرنا جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ خیارِ فسخ حاصل ہے(۱)۔

---

(۱) (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۷۴، ۲۷۶، مصطفى البابی الحلبی، مصر)

اور شامی میں ہے کہ اب وجد کو ولایتِ نظریہ ہے، اگر یقین ہو کہ خیر خواہی صغیرہ کے واسطے نکاح نہیں باندھا تو باجماعِ امت نکاح منعقد نہیں ہوا(۱)۔ کتاب مسمی ''بحیلۃ الناجزۃ'' میں بہت صورتیں مجتہد فیہ ہیں، برخلافِ حنفیہ فسخِ نکاح کا حکم دیدیا جس میں دستخط مولانا اشرف علی وغیرہ علماء کے ہیں۔

پس یقین ہے کہ نکاحِ صغیرہ برائے خیر خواہی نہیں ہوا تو فسخِ نکاح عدالت کے بعد مولوی نکاح خواں کو حکم دینا کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، یہ غلط ہے، بالکل یہ حکم خلافِ شرع ہے، حکم دینے والے نے خدا سے خوف نہیں کیا۔

نوٹ: اگر وہ شخص کہ جس کا فسخ کرایا گیا عقیدۂ فاسدہ رکھتا ہو تو فرض ہے جمیع مسلمانوں پر کہ اس کو عورت نہ دیں کہ قرآن پاک میں سورۂ ممتحنہ میں ہے: ﴿فلا ترجعوهن إلى الكفار، لاهن حل لهم ولاهم﴾ الآية (۲) پھر خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا جناح عليكم أن تنكحوهن﴾ (۳)۔ غیر اللہ کو پکارنا اس عقیدہ سے کہ وہ میری پکار سنتا ہے ہر وقت، شرک ہے، سورۂ جن میں ہے: ﴿قل إنما أدعو ربى﴾ الخ (٤)۔

یعنی: ''میں کسی کو نہیں پکاروں گا شرک نہیں کروں گا حق تعالیٰ اپنے غیب سے واقف کسی کو نہیں کرتا مگر نبیوں کے لئے فرشتے مقرر ہیں واسطے وحی پہنچانے کے اور دفعِ شیاطین کے''۔ اور جس نے یہ حکم نامہ نہیں مانا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا: ﴿ومن يعص الله ورسوله، فإن له نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ (٥) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب النكاح، باب الولي: ۳/۶۷، سعيد)

(۲) (الممتحنة: ۱۰)

(۳) (الممتحنة: ۱۰)

(۴) (الجن: ۲۰)

(۵) (الجن: ۲۳)

وسلم فرماتے ہیں کہ میرا فرض ہے بتانا اگر میں نہ بتاؤں تو اللہ کے عذاب سے کوئی چھڑانے والا نہیں۔

الراقم: عظمت اللہ شاہ کشمیری۔

''یہ جو کہا گیا، اس میں کوئی اہل اسلام منصف مزاج شبہ نہیں کرے گا، جس کو خوفِ خدا نہیں اس کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے''۔ آفریں صد آفریں شاہ صاحب پر! کہ کیا مسئلہ منقح لکھا، اب بھی اگر شبہ کرے ایسے دلائلِ قرآن وحدیث وفقہ شریف پر، کیا لکھے وہ محض ضد ہوگی۔

مولوی محمد نذیر بقلم خود ومولوی محمد عبدالخالق بقلم خود۔

آپ کے فتویٰ کا فائدہ مزید یہ ہوگیا کہ جو لوگ پہلے خیالاتِ فاسدہ کے مرتکب تھے اور مندرجہ بالا قسم عقیدہ رکھتے تھے اب راہِ راست پر آرہے ہیں اور جو بھی فتویٰ دیکھتا ہے، کہتا ہے کون مغیباتِ کلی اور مساوی وغیرہ کا قائل ہے اور یہ باعثِ مسرت ہے، توقع ہے کہ ایسی زن جو نکاحِ ثانی کے جواز کے حق میں ہیں، آئیں گی اور معاملہ یہی تھا جو آپ کی خدمت میں لکھ کر عرض کیا گیا، اگر وہ اس کے خلاف کوئی بات کہہ کر فتویٰ حاصل کرلے تو اس کی نقل آنجناب ضرور لکھ کر رکھ لیں۔ اس قسم کا فتویٰ دیوبند اور ڈابھیل سے منگوایا گیا ہے، دونوں وصول ہوئے انہوں نے بھی نکاح کے بارے میں آپ سے اتفاق کیا ہے، باقی امور کے بارے میں وضاحت نہیں کی، ایک ان میں سے واپس برائے وضاحت کے گیا ہے۔

راقم الحروف سلطان محمود ہیڈ مدرسہ اسکول اوکھڑی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کی تحریر میں یہ امور جواب طلب ہیں:

۱...... جو شخص مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے کو کافر نہ سمجھے وہ خود کیسا ہے، مسلم ہے یا کافر؟

۲...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے متعلق کلی علم غیب اور ہر وقت ہر جگہ سے فریاد رسی کا اعتقاد رکھنے والے کی علماء نے تو تکفیر کی ہے، مگر تم اے اہل مظاہر علوم! اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یعنی دیگر علمائے حق کی موافقت کرتے ہو، یا اس مسئلے میں اہل حق کے مخالف ہو، یا کچھ جداگانہ مسلک رکھتے ہو؟

۳...... جو امام ناجائز نکاح پڑھائے اور پھر اس سے توبہ نہ کرے اور اس سے بہتر دوسرا آدمی امامت کے لائق موجود نہ ہو تو پھر بھی امام مذکورہ کی امامت مکروہ ہے یا نہیں؟

۴...... باپ دادا نے اگر صغیرہ کا نکاح کر دیا ہو تو وہ فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اب ترتیب وار جواب سنیئے۔

أقول وبالله التوفيق وبيده أزمة الحق والتحقيق:

۱...... وہ شخص اس مشرکانہ عقیدہ کو بہتر سمجھتا ہے اور اس کے معتقد کو مشرک نہیں سمجھتا، بلکہ مسلم سمجھتا ہے تو اس سے دریافت کیا جائے کہ مشرکانہ عقیدہ کے باوجود وہ مسلم کیسے رہ سکتا ہے؟

۲...... اہلِ حق کے فتویٰ کے خلاف اہلِ مظاہر علوم کا مسلک نہیں۔

۳...... ایسی مجبوری کی حالت میں کراہت نہیں۔

۴...... صغیرہ کا نکاح اگر اب وجدّ کے غیر نے کیا ہو تو اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے، یعنی آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً نکاح سے ناراضگی کا اظہار کر دے اور پھر عدالتِ مسلمہ کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرالے۔ اگر اب وجد نے کیا ہو تو اس میں خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا، البتہ جبکہ غیر کفو یعنی لڑکی کی قوم سے گھٹ کر نیچے کی قوم میں کر دیا ہو، یا صالح کا نکاح فاسق سے کر دیا ہو، یا مہر میں غبنِ فاحش ہوا اور اس نکاح سے قبل اب وجد کا سیّئ الاختیار ہونا معروف ہو تو ایسی صورت میں خیارِ بلوغ حاصل ہوگا، اگر کفو میں کیا ہے تو پھر باوجود سیّئ الاختیار ہونے کے بھی خیارِ بلوغ حاصل نہیں:

"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة جبراً، ولزم النكاح ولو بغبن فاحش، أو غير كفو إن كان الولي أباً أو جداً لم يعرف منهما سوء الاختيار، وإن عرف لايصح النكاح اتفاقاً، الخ". در مختار۔

"والحاصل أن المانع هو كون الأب مشهوراً باختيار السوء قبل العقد، فإذا لم يكن مشهوراً بذلك، ثم زوّج بنته من فاسق، صح. وإن تحقق بذلك أنه سيئ الاختيار واشتهر به عند الناس، فلو زوج بنتاً أخرى من فاسق، لم يصح الثاني؛ لأنه مشهور بسوء الاختيار قبله، بخلاف الأول، لعدم وجود المانع قبله.

ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار، لزم إحالة المسئلة، أعني قولهم: ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفو إن كان الولي أباً أو جداً. ثم اعلم أن مامر عن

النوازل من أن النکاح باطل، معناہ: أنہ سیبطل، کما فی الذخیرۃ .... وماذکرنا من ثبوت الخیار للبنت إذا بلغت: أی ھوفی الصغیرۃ، الخ". شامی: ۲/ ۴۷۰ (۱)۔

زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کیا ہے، اگر یہ کفو میں کیا ہے اور مہر میں غبنِ فاحش نہیں تو یہ نکاح بلا تردد درست ہے، اور اس میں خیار بلوغ حاصل نہیں اور عدالت کے ذریعہ اس کو فسخ کرانا بھی درست نہیں اگر چہ اس نکاح سے مصالحت اور دفعِ فساد بھی حاصل ہوگیا اور پھر دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح بھی درست نہیں جب تک کہ شوہر طلاق نہ دیدے۔

اگر غیر کفو میں کیا ہے تو اس کی دوصورتیں ہیں: اول یہ کہ زید کا بھائی سیئ الاختیار مشہور نہ ہوتو اس کا حکم بھی وہی ہے یعنی نکاح درست ہوگیا اور خیارِ بلوغ حاصل نہیں اور عدالت سے اس نکاح کا فسخ کرانا بھی درست نہیں، بغیر شوہر سے طلاق لئے اس کا نکاحِ ثانی بھی ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زید کا بھائی سیئ الاختیار ہونے میں مشہور ہےتو اس صورت میں البتہ خیار بلوغ حاصل ہے اور آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی ناراضی ظاہر کر کے عدالتِ مسلمہ کے ذریعہ سے نکاح فسخ کراکے نکاحِ ثانی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، یکم/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف غفرلہ، 　　صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نکاحِ خفیہ

سوال [۵۲۷۴]: ایک مرد وعورت آپس میں دوگواہوں کے روبرو نکاح کرنا چاہیں اپنے رشتہ داروں کی پوشیدگی سے تو شرعاً یہ نکاح کیسا ہے؟

حافظ عبداللہ پیش امام محلّہ خرادیان چھجرولی۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/ ۶۵، ۶۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ: ۳/ ۲۳۷، رشیدیۃ)

(وفتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ: ۳/ ۳۰۳-۳۰۵، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ بڑے مجمع میں مسجد میں کیا جائے (۱) اور جائز دو گواہوں کی موجودگی میں بھی ہوجاتا ہے، جب کہ وہ دونوں گواہ مرد مسلمان بالغ عاقل ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

خفیہ نکاح

سوال[۵۲۷۵]: ایک شخص یعنی غلام نبی ولد غلام محمد ایک عورت کے ساتھ عورت کے ورثاء سے خفیہ نکاح کرتا ہے جس کا نام خدیجہ بی بی بنت سردار خان ہے، عورت بیوہ ہے رشتہ دار اس شخص یعنی غلام نبی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عورت سے علیحدہ ہوجا چونکہ شبہ ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ عورت میری ماں بہن کی طرح

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال: رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: " أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". (جامع الترمذی، أبواب النكاح، باب ما جاء فی إعلان النكاح: ۱/۲۰۷، سعید)

(ومشكوة المصابیح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی، ص: ۲۷۱، قدیمی كتب خانه كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثیراً ما یتساهل فی إطلاق المستحب علی السنة: ۳/۸، سعید)

(۲) "النكاح ینعقد بإیجاب أحدهما و قبول من الآخر، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: كثیراً ما یتسأهل فی إطلاق المستحب علی السنة: ۳/۹، سعید)

"و شرط حضور شاهدین حرین، أو حر و حرتین مكلفین سامعین قولهما معاً، الخ"

(ردالمحتار، مطلب الخصاف كبیر فی العلم یجوز الاقتداء به: ۳/۲۱، سعید)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دار إحیا التراث العربی بیروت)

(وكذا فی الهدایة، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علمیه ملتان)

ہے۔حالانکہ دوتین سال ہو چکے ہیں خفیہ نکاح ہوئے۔عام مجلس میں اقرار کر کے بری ہونے کے چند دن بعد دونوں نکاح ظاہر کرتے ہیں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بائیکاٹ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"وشرط شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح فاهمين أنه نكاح على المذهب، اهـ". در مختار (۱)۔

"أمر الأب رجلاً أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، وإلا لا. و لو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد، جاز إن كانت بنته حاضرةً؛ لأنها تجعل عاقدةً، و إلا لا، اهـ". درمختار (۲)۔

"و يندب إعلانه و خطبته و كونه في مسجد ، اهـ". درمختار (۳)۔

عباراتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے کم از کم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے اور اعلان کیساتھ نکاح کرنا مستحب ہے۔پس اگر مسمی غلام نبی نے دو گواہوں کی موجودگی میں خدیجہ سے نکاح کیا ہے تو وہ شرعاً صحیح اور منعقد ہو گیا، بشرطیکہ کوئی اَور بھی مانع حرمت مصاہرت وعدم کفاءت وغیرہ نہ ہوں، البتہ اعلان نہ کرنے سے مستحب کا تارک ہوا، لیکن ترکِ مستحب پر بائیکاٹ کرنا جائز نہیں (۴) (اور خاص کر جب کسی مصلحت سے مستحب کو ترک

---

(۱) (الدر المختار ، كتاب النكاح : ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(و كذا في الهداية ، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح : ۱۵۵/۳ رشيديه)

(۲) (الدر المختار ، كتاب النكاح مطلب في عطف الخاص على العام : ۲۴/۳، ۲۵، سعيد)

(و كذا في الهداية ، كتاب النكاح: ۳۰۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق كتاب النكاح : ۱۶۰/۳، ۱۶۱ رشيديه)

(۳) (الدر المختار ، كتاب النكاح : ۸/۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح : ۱۴۳/۳ رشيديه)

(و كذا في التبيين : كتاب النكاح : ۴۴۷/۲، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۴) قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "تركه لا يوجب إساءة و لا عتاباً كترك سنة الزوائد". =

کیا ہو) اور اگر دو گواہ بھی وقت نکاح موجود نہیں تھے تو یہ نکاح فاسد ہوا اور اس کا حکم یہ ہے متارکت لازم ہے(۱) اور اس کے بعد عدت گذار کر اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ باقاعدہ نکاح کریں، اگر غلام نبی متارکت پر تیار نہ ہو اور مسئلہ سمجھانے کے باوجود نہ مانے تو پھر اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے (۲)۔

نکاح صحیح ہونے کی صورت میں لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ "یہ عورت میری ماں بہن کی طرح ہے" کنایاتِ ظہار سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے ظہار یا طلاق کی نیت کی ہے تو وہ نیت معتبر ہے اور حسبِ نیت ظہار یا طلاق کا حکم جاری کیا جائے گا، اگر کرامت کی نیت کی ہے، یا کچھ نیت نہیں کی ہے تو اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا:

"وإن نوی بأنتِ عليّ مثل أمي أو كأمي، و كذا لو حذف "علي" -خانية- براً أو ظهاراً أو طلاقاً، صحت نيته، و وقع ما نواه؛ لأنه كناية، وإن لم ينو شيئاً أو حذف الكاف، بأن قال: أنت أمي، تعين الأدنى: أى البر يعني الكرامة، اهـ". در مختار(۳).

= (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب آداب الصلاة: ۱/۴۷۷، سعيد)

علامہ شامیؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ترک مستحب کا حکم بیان کیا ہے کہ ترکِ مستحب والا شخص ملامت اور سزا کے لائق نہیں، لہٰذا ترکِ مستحب والے شخص سے بائیکاٹ بھی درست نہیں۔

(۱) "ويجب مهر المثل في نكاح فاسد و هو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود .... بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار). "(قوله: بل يجب على القاضي) أى إن لم يتفرقا".

(ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، ۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال، لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ ،فيجوز فوق ذلك، الخ". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، مكتبه رشيديه كوئته)

(۳) (الدر المختار، باب الظهار: ۳/۴۷۰، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الظهار: ۱/۴۴۹، دار احياء التراث العربي بيروت) =

اور اگر اس کہنے کے بعد باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۳/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

سِول میرج

سوال [۵۲۷۶]: ملک افریقہ میں ''ربون'' نامی حکومت، فرانس کے تابع ایک جزیرہ ہے، وہاں عقدِ نکاح حکومتِ فرانس کے قانون کے مطابق کرنا ہوتا ہے، اس کو سول میرج کہتے ہیں۔ وہاں حکومت شریعتِ اسلامیہ کے موافق عقدِ نکاح کا اعتبار نہیں کرتی یعنی عورت کو غیر منکوحہ قرار دیا جاتا ہے اور اولاد کو میراث کی تقسیم میں مشکل درپیش ہوتی ہے، نیز اولاد کے وہاں کی پیدائش کے حقوق کو نقصان پہونچتا ہے۔

اگر کسی شخص نے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق عقدِ نکاح کرنے سے پہلے یا بعد میں حکومت کے قانون کے موافق بھی نکاح کرلیا تو اب اس کو حکومت منظور کرے گی، مگر اس صورت میں اس شخص پر حکومتی عقد کے احکام عائد ہوں گے، مثلاً:

۱- اب وہ شخص دوسرا نکاح نہیں کرسکتا۔

۲- تقسیمِ میراث شریعتِ اسلامیہ کے موافق نہیں، بلکہ وہاں کے قانون کے موافق کرنی ہوگی، مثلاً: زوجہ کو ثُمن کے بجائے نصف دیا جائے گا۔

ہندوستان سے جو مسلمان وہاں پر تجارت وغیرہ کے لئے مقیم ہیں ان میں سے بعض اہلِ اغراض نکاحِ شرعی کے قبل یا بعد نکاحِ قانونی مذکور کرلیتے ہیں۔ اب ایسے شخص کے بارے میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کیا اس کو بوجۂ عقدِ قانونی خارج عن الاسلام سمجھا جائے گا اور کیا اس کو دوبارہ کلمہ طیبہ پڑھ کر تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نفسِ نکاح جائز اور مشروع طریق پر ہوا اور اس میں کوئی کام اعتقاداً وعملاً وقولاً خلافِ شرع نہ کرنا پڑے، مثلاً ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جو اس کے لئے شرعاً حلال ہے، ایسی عورت نہ ہو جس سے شرعاً نکاح

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب الظهار: ۱۶۵/۴، رشیدیه)

حرام ہوتا ہے، مثلاً: اس کی محرم نہ ہو، منکوحۂ غیر یا معتدۂ غیر نہ ہو، مشرکہ نہ ہو، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کتب فقہ باب المحرمات میں تفصیل مذکور ہے(۱) تو یہ قانونی نکاح کرانے سے آدمی خارج عن الاسلام نہیں ہوگا، اگرچہ اس نکاح پر جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی خلافِ شرع ہوں گے، مگر وہ اَہون ہوں گے ان نتائج سے جو بغیر قانونی نکاح کے مرتب ہوتے ہیں: "من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما"(۲)۔ ان خلافِ شرع نتائج سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کر لی جائے، وہ یہ کہ: ورثہ کو اپنی زندگی میں حسبِ حصصِ شرعیہ دیدے اوران کو مالک بناوے(۳) اور نکاحِ ثانی کو اعتقاداً جائز سمجھے وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "أسباب التحريم أنواع: القرابة، والمصاهرة، والرضاع، والجمع، وعدم الدين السماوي، والتنافي، وإدخال الأمة على الحرة، فهي سبعةٌ ذكرها المصنف على هذا الترتيب، وبقي المطلقة ثلاثاً، والمحرمة لحق الغير من نكاح، أو عدة، الخ". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المحرمات: ۳/ ۲۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/ ۲۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "من ابتلى ببليتين وجب أن يختار أقلهما محظوراً، كما في غاية البيان". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۱، قديمي)

"ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلى ببليتين وهما متساويتان، يأخذ بأيتهما شاء. وإن اختلفا، يختار أهونهما". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، : ۱/ ۲۱۲، إدارة القرآن كراچى)

"إذا تعارض مفسدتان، يختار أهونهما". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۴۰۵)، ص: ۱۴۰ ناشر الصدف پبلشرز)

(۳) "ثم قال في الظهيرية قبيل المحاضر والسجلات عند الكلام على كتابة صك الوقف: إن أراد الوقف على اولاده يقول: للذكر مثل حظ الأنثيين، وإن شاء يقول: الذكر والأنثى على السواء، ولكن الأول أقرب إلى الصواب. فهذا نص صريح في التفرقة بين الهبة والوقف، فتكون الفريضة الشرعية =

طلاق کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۷۷]: ہندہ کا بیان ہے کہ میرا شوہر جوئے باز آوارہ ہے، اس نے مجھے تین دفعہ کہا کہ ''میں تجھے آزاد کر چکا، میں تجھے آزاد کر چکا، میں تجھے آزاد کر چکا''۔ پھر وہ چلا گیا، عرصہ ایک سال کا ہوگیا، میرے پاس دو بچے بھی ہیں، میرے نان ونفقہ کی کوئی صورت نہیں، اب میں اپنا نکاحِ ثانی کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر اس طرح کہہ کر بے تعلق ہوگیا اور اپنا حقِ زوجیت ختم کر چکا تو پھر گواہی کی بھی

= فی الوقف هی المفاضلة، فإذا أطلقها الواقف انصرفت إليها؛ لأنها هی الكاملة المعهودة فی باب الوقف. وإن كان الكامل عكسها فی باب الصدقة فالتسوية بينهما غير صحيحة، على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. وصرح الأصوليّون بأن العرف يصلح مخصصاً، والعرف العام بين الخواص والعوام أن الفريضة الشرعية يراد بها المفاضلة: وهی إعطاء الذكر مثل حظ الأنثيين، ولذا يقع التصريح بذلک لزيادة التأكيد فی غالب كتب الأوقاف بأن يقول: يقسم بينهم على الفريضة الشرعية للذكر مثل حظ الأنثيين، ولا تكاد تسمع أحداً يقول على الفريضة الشرعية: للذكر مثل حظ الأنثى؟ لأنه غير المتعارف بينهم''. (ردالمحتار، مطلب مهم فی قول الواقف على الفريضة الشرعية: ۴/۴۴۴، سعيد)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں حسبِ فریضۂ شرعیہ مال کو تقسیم کرنا درست ہے۔

"قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور فی التسوية بين الذكر والأنثى فی حالة الحياة أقوى وأرجح من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال أن هذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده فی حياته، لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبةً فی الاصطلاح الفقهی، ولكنه فی الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغی أن يكون سبيله سبيل الميراث، فلو قسم رجل فی مثل هذه الصورة للذكره مثل حظ الأنثيين على قول الإمام أحمد، ومحمد بن الحسن رحمهما الله، فالظاهر أن ذلک يسع له، ولم أرذلک صريحاً فی كلام الفقهاء، غير أنه لايبعد خارجاً عن قواعدهم''. (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد فی الهبة: ۲/۷۵، مكتبة دارالعلوم كراچی)

ضرورت نہیں (۱)، ایک سال میں تین حیض آ چکے ہوں گے، نکاحِ ثانی کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

طلاق کے بعد پھر نکاح اور اس نکاح سے پیدا شدہ بچے کا حقِ وراثت

سوال [۵۲۷۸]: جس عورت سے میں نے نکاح کیا، وہ اپنے کردار و وفاداری میں ناکام ہی، میں نے اس کو دوبارہ ۳/ طلاق شرعی لکھ کر دیا اور نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ جب پہلی دفعہ طلاق ہوئی تو اس وقت پہلے ایک طلاق بائن لکھی گئی، پھر ایک طلاق کاٹا گیا اور طلاق لکھا گیا۔ اب جو نکاحِ ثانی ہوا وہ صرف ایک سال قائم رہا اور اس دوران ایک لڑکا تولد ہوا اور جو دوسری طلاق ہوئی وہ سہ طلاق دیکر لکھی گئی اور لڑکا ماں کے پاس رہائش پذیر ہے۔ چونکہ اس وقت جوانی کے زور نے مجھے اندھا بنادیا اور عدالت میں جاکر نکاح خوانی کی یعنی بیان حلفی پر دستخط کئے گئے اور کوئی خطبہ نکاح نہ ہوا۔

جو لڑکا تولد ہوا وہ ماں کے پاس ہے اور اس کا نام اور ولدیت بھی اس کی ماں نے تبدیل کی ہے۔ تو میرے مرنے کے بعد لڑکے کو کوئی حق میری وراثت میں ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول: ۱/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۲۸۸/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ۲۹۳/۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضائها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في جواز شرائط الرجعة: ۲۹۶/۴، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگرآپ نے پہلی دفعہ ایک یا دو طلاق زبانی دی یا تحریر لکھ کر بھیجی اس کے بعد پھر آپ نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا یعنی کم از کم دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اگرچہ اس میں خطبہ نہ ہوا ہو(۱)، پھر اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ ثابت النسب ہے(۲)، وہ آپ کا لڑکا ہے، آپ کے بعد آپ کی وراثت کا حقدار ہے۔ ماں نے اگر اس کا نام بدل دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ ماں کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہے جب تک وہ خود کھانے پینے استنجا کرنے کے قابل نہ ہوجائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مطلقہ بیمار کو گھر رکھنا اور اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۷۹]: زید نے اپنی بیوی کو اس کی صحت کی خرابی کی بناء پر طلاق دے دی۔ بعد عدت گذرنے مطلقہ بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، مطلقہ بیوی بہت بیمار ہے، اور والدین بوجہ غربت کے اس کے نفقہ سے مجبور ہیں۔ اس لئے زید کا اس مطلقہ بیوی کو بھی اپنے گھر ٹھہرائے رکھنا درست ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۲۱، ۲۲، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۲۶۷، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۰۶، كتاب النكاح، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وإذا تزوج الرجل المرأة .... وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه عنه، اعترف به الزوج أو سكت". (الهداية: ۲/۴۳۲، باب ثبوت النسب، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۵۳۶، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۸۲، ۲۸۳، باب ثبوت النسب، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأمّ، إلا أن تكون مرتدةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۱، الباب السادس عشر في الحضانة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۹۱، باب الحضانة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۸۹، حكم الولد عند افتراق الزوجين، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی ہمدردی اور اعانت کے لئے درست ہے، مگر پردہ پورا رہے اور سامنا نہ ہو، نیز تنہائی بھی نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکاح کرنا

سوال [۵۲۸۰]: زید نے ہندہ سے دوگواہوں کے سامنے نکاح کیا، لیکن ہندہ نے اپنی آنکھوں پر حیاءً پٹی باندھ لی۔ تو کیا یہ پٹی نقاب کے حکم میں ہوگی جس کے بارے میں ''ردالمحتار'' وغیرہ میں لکھا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ چہرہ پر نقاب نہ ہو؟ یا نقاب کے حکم میں نہیں اور نکاح مع جملہ احتیاطوں کے منعقد ہو جائے گا؟

امیر علی صاحب، معرفت حامد میاں، مدرسہ شاہی مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصود تعریف وتمیز ہے، اگر یہ حاصل ہو جائے تو نکاح درست ہوتا ہے اگرچہ عورت مجلسِ عقد میں حاضر نہ ہو، محض اس کا نام لیا ہو اور اگرچہ گواہ نابینا ہوں اور اگرچہ عورت نقاب پوش ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر گواہ جانتے اور پہچانتے ہیں تو پٹی باندھنا مضر نہیں، خواہ صورت وشکل سے پہچانتے ہوں، یا باپ دادا کے نام سے، یا محلّہ اور بستی کے پتہ سے، یا کسی اَور ذریعہ سے۔ اگر پٹی کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے اور جہالت باقی ہے، کوئی اَور ذریعہ بھی شناخت کا نہیں تو احتیاط کے خلاف ہے اگرچہ حکم عدمِ صحت کا نہیں دیا جاسکتا، هکذا يستفاد من رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "تنبيه: أشار بقوله فيمامر: "ولا المنكوحة مجهولة" إلى ما ذكره في البحر هنا بقوله: ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة، فإن كانت حاضرةً متنقبة كفى الإشارة إليها، والاحتياط كشف وجهها، الخ". (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/ ۲۱، سعيد) =

جن الفاظ سے قسم نہیں ہوتی، ان کے کہنے سے نکاح پر اثر

سوال[۵۲۸۱]: زید نے بکر سے لڑکی کے رشتے کے متعلق کہا، بکر نے کہا کہ "اگر میں اپنی لڑکی کا رشتہ تمہارے یہاں کروں تو اپنی ماں کو قبر سے نکال کر بھی تم کو دوں اور اپنی بیوی بھی تمہیں دوں"۔ یہی الفاظ بکر کے لڑکے نے بھی کہے۔ بعد میں بکر نے اپنی لڑکی کا رشتہ بھی کر دیا اور نکاح بھی کر دیا۔ تو یہ نکاح صحیح ہوا یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیہودہ قسم شرعی قسم نہیں (۱)، اس سے یہ نکاح حرام نہیں ہوا، بلکہ جو نکاح شرعی قواعد کے موافق کیا گیا وہ صحیح ہو گیا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۹/ ۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۹/ ۸۶ھ۔

طلاق نامہ دیکھے بغیر نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۸۲]: ۱۹۵۵ء میں مجھے طلاق ہو گئی تھی، طلاق نامہ میرے بھائیوں کے قبضے میں ہے، وہ لوگ اس کو دینا نہیں چاہتے اور میرے عقدِ ثانی سے بھی وہ متفق نہیں ہیں۔ میں بالغ ہوں اور اپنا نفع نقصان

= "فإن كان الشهود يعرفونها، فذكر مجرد اسمها، جاز، وإن لم يعرفونها فلا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها. أما لو كانت حاضرةً متنقبة، فقال: تزوجت هذه وقبلت، جاز؛ لأنها صارت معروفةً بالإشارة، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲٦۸، رشيديه)

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: " لا تحلفوا بالطواغي ولا بآبائكم". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الأيمان و النذور، الفصل الأول: ۲/ ۲۹٦، قديمى)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۴، رشيديه)

سمجھتے ہوئے عقدِ ثانی کرنا چاہتی ہوں، لیکن قاضی ومولوی صاحبان طلاق یا کوئی چشم دید شہادت چاہتے ہیں اور یہ بھائیوں کی وجہ سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ ایسا بن سکتا ہے کہ میں اپنا عقدِ ثانی کرسکوں؟ اگر ہے تو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی اگر طلاق نامہ نہیں دیتے اور بغیر اس کو دکھائے آپ کا دوسرا نکاح نہیں ہو رہا تو یہ بھائیوں کی طرف سے ظلم ہے (۱)۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کو آپ کے کہنے پر اعتماد ہو اور بغیر طلاق نامہ دیکھے وہ نکاح پر راضی ہو تو اس سے نکاح درست ہو جائے گا۔ اگر آپ کے شوہر کا طلاق دے دینے کا اقرار ہو تو طلاق نامہ کسی کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، بلا طلاق نامہ دیکھے نکاح درست ہو جائے گا جبکہ عدت بھی گزر چکی ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

باپ اور بھائی کے ڈر سے کئے ہوئے نکاح سے منکر ہو جانا

سوال [۵۲۸۳]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ مسمی عبدالحمید اور مسماۃ وحیدن اپنا نکاح اپنی مرضی سے ازخود کرنا چاہتے تھے۔ ایک روز مسماۃ وحیدن نے اپنے والد کے مکان پر روبرو ایک مسلمان بالغ مرد اور دو مسلمان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا، و من یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و المطلقات یتربصن بأنفسھن ثلاثۃ قروء﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب أجلہ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۵)

"وإذا طھرت من الحیض الأخیر: أی من الحیضۃ الأخیرۃ التی تنقضی العدۃ بھا و ھی الحیضۃ الثالثۃ إن کانت حرۃً". (مجمع الأنھر، باب الرجعۃ: ۱/۴۳۵، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدۃ؛ لأن انقضاء ھا بانقضاء الحیضۃ الثالثۃ، و قد انقضت بیقین". (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی شرائط جواز الرجعۃ: ۴/۳۹۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

بالغ عورتوں کے عبدالحمید کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ ''میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا'' عبدالحمید نے جواب میں کہا کہ ''میں نے قبول کیا''۔

یہ سوال وجواب ایک ہی جگہ ہوئے جس کو گواہوں نے سنا۔ وحیدن نے اپنے ہاتھوں سے شکر گھر میں سے لے کر تقسیم کردی کہ یہ میرے نکاح کی شیرینی ہے جس کو گواہوں نے کھایا اور عدالت سے بیان حلفی تصدیق کرالی۔ جب باپ اور بھائی کو علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔

اب مسماۃ وحیدن بوجۂ خوف اپنے باپ اور بھائی کے اس واقعہ سے منکر ہے جبکہ عبدالحمید کے ساتھ خفیہ طور پر ازدواجی زندگی گذارچکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب مسماۃ وحیدن دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح حسبِ طریقۂ تحریر درست ہوگیا تھا یا نہیں؟ اور اب باپ اور بھائی کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے جب نکاح کا ایجاب وقبول ہوا (۱) اور یہ نکاح کفو میں ہوا تو وہ شرعاً معتبر اور لازم ہوگیا (۲)، لڑکی کے والدین یا کوئی اَور اس کو غیر معتبر نہیں کہہ سکتے، اب لڑکی کا انکار بھی شرعاً معتبر نہیں، اس کے بعد مسماۃ وحیدن کا نکاح کسی اَور شخص سے نہیں ہوسکتا (۳)۔ اس کے باپ بھائی کو چاہئے کہ

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... بشرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معاً، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹-۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(۲) "نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي ......روى الحسن: إن كان الزوج كفئاً، نفذ نكاحها، وإلا فلم ينعقد أصلاً". (البحر الرائق: ۳/ ۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الهداية، ۳/ ۳۱۳، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۵، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(۳) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ =

عبدالحمید کے ساتھ اس کو رخصت کردیں اور کوئی ہنگامہ برپا نہ کریں، ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنی مدت تک مسماۃ حرام کاری کرتی رہی، یا پھر دوسری جگہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی۔ غرض باپ اور بھائی راضی ہوجائیں اور مسماۃ اصل واقعہ کی منکر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



= العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التى يتعلق بها حق الغير: ١/٢٨٠، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى شرط ألاتكون منكوحة الغير: ٣/٤٥١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافى رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فى النكاح الفاسد: ٣/١٣٢، سعيد)

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۵۲۸۴] : ا..... کیا نکاح صرف قاضی ہی پڑھا سکتا ہے، اور کوئی علم دان شخص نہیں پڑھا سکتا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی کی تخصیص نہیں، بلکہ عورت اور مرد خود بھی گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کر سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ٦٦ھ۔

نکاح میں خطبہ کی حیثیت

سوال[۵۲۸۵] : خطبۂ نکاح دو ہیں: اول، دوئم، جو شخص نکاح میں صرف خطبہ ثانی پڑھے نکاح درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خطبہ ایک ہی کافی ہے اور خطبہ مستحب ہے، لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح ہوسکتا ہے۔ نکاح نام ہے ایجاب

---

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

"وأما ركنه، فالإيجاب والقبول، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/ ۲٦۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، شركة علميه ملتان)

وقبول کا اور بس، لہٰذا خطبہ فرض کے درجہ میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

خطبۂ نکاح سنت ہے فرض نہیں

سوال [۵۲۸۶]: ۱...... خطبۂ نکاح فرض ہے یا سنت؟ یہ بیٹھ کر پڑھنے سے بھی درست ہوجاتا ہے یا نہیں؟

خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر

سوال [۵۲۸۷]: ۲...... ایجاب وقبول کے درمیان نان ونفقہ کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اور بغیر اس کے نکاح ہوگا یا نہیں؟

ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح

سوال [۵۲۸۸]: ۴...... خطبۂ نکاح کس وقت پڑھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... خطبہ سنت ہے، واجب یا فرض نہیں ہے، بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے (۲)۔ خطبہ

---

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ دار العلوم ديوبند، عنوان: "بغیر خطبہ نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں": ۱۵۹/۷، إمداديه ملتان)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج أومايستحب له: ۶۲۱۸/۹، رشيديه)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۱۱۱/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما يستحب له: ۶۲۱۸/۹، رشيدية)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۱۱۱/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

نکاح بیٹھ کر پڑھنے سے بھی نکاح بلاشبہ ہوجاتا ہے۔

۳......ان چیزوں کا تذکرہ نکاح میں ضروری نہیں، بغیر ان کے ذکر کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے(۱)۔ یہ چیزیں تو بغیر ذکر کئے بھی لازم ہوجاتی ہیں (۲)۔

۴......خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

دونکاح کیلئے ایک خطبہ

سوال[۵۲۸۹]: ۱......اگر ایک ہی مجلس میں دو شخص کا نکاح پڑھانا ہو تو اس کیلئے الگ الگ دو خطبے پڑھنا چاہئے یا ایک ہی خطبہ کافی ہے؟

خطبہ نکاح بیٹھ کر پڑھنا

سوال[۵۲۹۰]: ۲......خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھنا چاہئے؟ یا کھڑے ہوکر؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک خطبہ بھی کافی ہے(۴)۔

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(۲) "تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة و الغنية، دخل بها أولم يدخل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۱/۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب النفقة: ۱/۴۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع، ص: ۵۹۰، رقم الحاشية: ۲)

(۴) "ويندب إعلانه و تقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدل". (الدر المختار). =

۲......اس خطبہ کا کھڑا ہوکر پڑھنا کسی کتاب میں نہیں دیکھا، بیٹھ کر پڑھنے کا معمول ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ

خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال[۵۲۹۱]: شادی کے اندر خطبہ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا بغیر خطبہ کے شادی نہیں ہوسکتی؟ اگر خطبہ ضروری ہے تو بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑے ہوکر؟ جب کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں تو اس کو بھی کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط یا رکن نہیں، بلکہ مندوب ہے: "ویندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". درمختار: ۲/۲۰۲ (۲)۔ بعض حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، بعض

= "وأطلق الخطبة فأفادأنها لاتتعين بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بماورد، فهو أحسن، الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم النكاح: ۴/۱۰، دار الفكر بيروت)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح، باب، مسائل متعلقات نكاح: ۷/۱۴۸، مكتبه إمداية ملتان)

(۱) خیر الفتاویٰ میں ہے: "ہمارے اکابر علمائے کرام کا طرز دونوں طرح رہا ہے، لیکن کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہوکر خطبات پڑھنے کی تھی"۔ (کتاب النکاح، متفرقات نکاح: ۴/۵۹۱، ملتان پاکستان)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس مندوبات عقد الزواج: ۹/۶۲۱۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح "بغير خطبہ نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟": ۷/۱۵۹، دارالاشاعت)

بیٹھ کر، کھڑے ہوکر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جوکہ مندوب ہے۔عقدِ بیع وغیرہ میں بھی پڑھتے ہیں اور عامۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کے لئے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبہ نکاح کا بھی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفااللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۹ھ۔

خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر

سوال[۵۲۹۲]: ہمارے شہر میں ایک امام صاحب تشریف لائے ہیں، اور خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پڑھنا مسنون ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی خطبے دیئے ہیں وہ سب کھڑے ہوکر دیئے ہیں، جبکہ خطبۂ نکاح حدیث میں کہیں بھی بیٹھ کر دینا ثابت نہیں ہے۔تو کیا کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا جواز ملتا ہے؟ کیا خطبۂ نکاح خطبۂ جمعہ واستسقاء کے مشابہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو کھڑے ہوکر بھی پڑھنا ہے، بیٹھ کر پڑھنا بھی ہے۔ جو شخص کھڑے ہوکر خطبۂ نکاح کو پڑھنا مسنون کہے، دلیل اس کے ذمہ ہے، وہ حدیث وفقہ سے ثبوت پیش کرے۔متعدد مواقع پر حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے، مسلم شریف، الادب المفرد میں حدیثیں موجود ہیں(۱)۔شراح نے اس جگہ لکھا ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ نہیں تھا، اس کا کھڑے ہوکر پڑھنا بھی منقول ہے (۲)۔خطبۂ نکاح کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۸/۸ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وجلسنا حوله فقال: "إن مما أخاف عليكم بعدي، الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحذير من الاغترار بزينة الدنيا ومايبسط منها: ۱/ ۳۳۶، قديمي)

(۲) "أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس ذات يوم على المنبر، وجلسنا حوله". فإن الجلوس في حديث أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه ليس خطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غيرها، وإنما هو لموعظة وتذكير، ولم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم الجلوس للخطبة، وإنما خطب قائماً، ولذا ذهب بعضهم =

نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟

سوال[۵۲۹۳]: ایک شخص ریش بُریدہ جوصوم وصلوۃ کا بھی پابندنہیں مگرموروثی نکاح خوانی کی وجہ سے خودکونکاح خوانی کا مستحق سمجھتا ہےاس سے نکاح پڑھایا جائے، یا جوشخص عالمِ دین صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے جامع مسجد کاامام ہے،اس سے پڑھوانا بہتر ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعاً پورا اختیار ہے جس کے ذریعہ دل چاہے نکاح پڑھوالیا جائے، کسی خاص نکاح خواں کی کوئی قید نہیں ہے،لہٰذا جوشخص دیندار اور مسائلِ نکاح سے واقف ہواس سے پڑھوایا جائے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۸ھ۔

کیا نابینا بھی نکاح پڑھا سکتا ہے؟

سوال[۵۲۹۴]: اندھا آدمی اگرخطبہ پڑھادے یادکرکےتو نکاح درست ہوگایانہیں؟ جب کہ اس نے نہ وکیل کودیکھا نہ دولہا کواور نہ گواہان کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایجاب وقبول کے گواہ آنکھ والے موجود ہیں تو نکاح درست ہوجائے گا اگرچہ خطبہ پڑھانے

= إلى اشتراط القيام لها، وإن كان الاشتراط على خلاف رأى الجمهور". (معارف السنن، باب فى الركعتين إذا جاء الرجل والإمام يخطب: ۴ / ۳۶۲، سعيد)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الجمعة، باب الخطبة قائماً: ۲ / ۵۰۹، ۵۱۰، قديمى)

(۱) "وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹ ،سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح: ۲ /۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۸۹، مصطفى البابى الحلبى مصر)

والا اندھا ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۶/۵ھ۔

برہمن سے نکاح پڑھوانا

سوال[۵۲۹۵]: مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ ”اگر برہمن(۲) نکاح پڑھادے تو جائز ہے کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا“۔کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص نکاح پڑھاتا ہے وہ شرعی قاضی نہیں، لہذا اس میں قاضی کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، وہ شخص محض ایجاب وقبول کی تعبیر کرتا ہے(۳)۔زوجین خود گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۵/۱۲/۱۹ھ۔

---

(۱) "وينعقد: أي النكاح: أي يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

"ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "برہمن: پنڈت، عالم، ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۹۷، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوّجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين، جاز .... ولنا أن الوكيل في النكاح معبّر وسفير". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، فصل في الوكالة بالنكاح، ۲/ ۳۲۲، مكتبه شركة علميه)

"الوكيل في باب النكاح ليس بعاقد، بل هو سفير عن العاقد ومعبر عنه". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(۴) (راجع، رقم: ۱)

جواب صحیح ہے، غیر مسلم کے ایجاب وقبول نکاح کر دینے سے اگر چہ حقیقۃً نکاح منعقد ہوجاتا ہے، مگر ایسا کرنا سخت بے غیرتی اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے (۱)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۲/۱۲/۸۵ھ۔

شیعہ وغیرہ سے نکاح پڑھوانا

سوال [۵۲۹۶]: اگر اہل سنت والجماعت کا نکاح کوئی شیعہ یا غیر مسلم پڑھ دے یعنی خطبہ وایجاب وقبول کوئی شیعہ یا غیر مسلم کرائے تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کا نکاح اس طرح پر ہوتا ہے کہ زاہد شیعہ نکاح خواں ہے، عمرو بکر لڑکی کی طرف سے گواہ ہیں، زاہد عمرو بکر سے دریافت کرتا ہے کہ ان کا کیا بیان ہے، وہ (عمرو بکر) بیان کرتے ہیں کہ فلاں لڑکی اور فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر زید کے نکاح میں دی۔ زاہد (نکاح خواں) زید سے دریافت کرتا ہے کہ آپ کو قبول ہے، یہ اقرار کرتا ہے، اس اقرار کے بعد زاہد خطبہ پڑھتا ہے۔ زید اور لڑکی بالغ ہیں، اہل سنت والجماعت ہیں، گواہ بھی اہل سنت والجماعت ہیں، لیکن زاہد شیعہ ہے۔ تو کیا یہ نکاح عقائدِ احناف کے مطابق درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل ایجاب وقبول شوہر اور بیوی نے کیا، کوئی شیعہ یا غیر مسلم محض خطبہ پڑھے یا اس ایجاب وقبول کی تصدیق زوجین سے کرے تو اس سے نفسِ نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی (۲)، تاہم مستحب اور بہتر یہی ہے کہ کسی

---

(۱) "ویندب إعلانه وتقدیم خطبة ...... بعاقد رشید". (الدر المختار). "فلا ینبغي أن یعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غیر عدول". (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب کثیراً ما یتساهل في إطلاق المستحب علی السنة: ۸/۳، سعید)

(۲) نکاح خواں کی حیثیت محض ترجمان اور معبر کی ہوتی ہے، لہٰذا غیر مسلم کی نکاح خوانی نفسِ نکاح کی صحت پر اثر انداز نہ ہوگی: "النکاح ینعقد بالإیجاب والقبول". (الهدایة: ۳۰۵/۲، شرکة علمیه ملتان)

"النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۴۴/۳، رشیدیه)

دیندار صالح آدمی سے خطبہ پڑھوایا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقرر امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا

سوال[۵۲۹۷]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پیش امام صاحب نکاح وجنازہ کی نماز پڑھاتے ہیں، چنانچہ ایک آدمی دوپہر کے بعد آیا اور کہا کہ شام ۴/ بجے تشریف لائیں نکاح ہوگا۔ امام صاحب احتیاطاً ایک آدمی کو ساتھ لیکر چلے، کیونکہ رات کو واپس آنا تھا، اندھیری رات ہے، وہ لوگ بھی سواری لئے منتظر تھے، دونوں آدمی سواری میں بیٹھ کر وہاں مغرب میں پہونچے، پھر وہ لوگ اپنے گھر لے گئے، معلوم ہوا یہاں مسجد بھی ہے، امام بھی موجود ہیں، ہمارے امام کو شک ہوا کہ یہ نکاح کیسا ہے؟ ان لوگوں نے اطمینان دلایا کہ طلاق شدہ ہے اور کاغذ لائے تو دیکھا کہ فتویٰ دیوبند موجود تھا جس کا نمبر وغیرہ ہمیں یاد نہیں، ان لوگوں کے پاس مستند بامہر فتویٰ تھا، پھر بھی امام صاحب نے نکاح نہیں پڑھا اور دوسرا آدمی جو ساتھ گیا تھا نکاح پڑھوادیا۔ ان لوگوں نے نکاح خوانی گھر پہنچادی جس کو امام نے نصفا نصف کر دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے خود کیوں نہیں پڑھا؟ اور شک تھا تو نکاح خوانی کیوں لی؟ اس وجہ سے امام صاحب نے وہ پیسہ ایک بیوہ عورت کو دے دیا، پھر بھی کچھ آدمی خلاف ہیں، اس پر ہمارے امام پر کیا ہونا چاہئے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر امام صاحب نے تحقیق کر لی اور فتویٰ دیکھ لیا کہ یہ نکاح صحیح ہے، پھر اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ تم نکاح پڑھادو، ساتھی نے پڑھ دیا، تب بھی امام صاحب پر اعتراض کرنا بیجا ہے اور غلط ہے (۲)، کسی مصلحت

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة ...... بعاقد رشيد". (الدرالمختار). "فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً مايتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

(۲) وکیل نکاح اگر کسی اور کو نکاح کا وکیل بنائے اور خود بھی حاضر ہو تو اس دوسرے شخص کا نکاح کرانا جائز ہے، لہذا نکاح کے خطبہ وغیرہ میں بھی توکیلِ وکیل جائز ہے:

"الوكيل بالتزويج ليس له أن يوكّل غيره، فإن فعل فزوج الثاني بحضرة الأول، جاز". =

سے آدمی خود نکاح نہ پڑھے دوسرے سے پڑھوا دے تو یہ بھی درست ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۴ھ۔



= (الفتاویٰ العالمکیریة: کتاب النکاح، الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرہ: ۱/۲۹۸، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوکالة، فصل فی التوکیل بالنکاح والطلاق: ۱/۲۶۴، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب النکاح، الفصل السادس عشر فی الوکالة بالنکاح: ۳/۲۴، إدارة القرآن)

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندراج کا بیان)

نکاح میں شرکت کے لئے غیر مسلموں کو مسجد میں لانا

سوال[۵۲۹۸]: مسجد میں نکاح ہونے پر غیر قوم کو بھی شرکت کی دعوت دینا، مسجد کے اندر ہی لاکر بٹھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/ ۸۸ھ۔

مجلسِ نکاح کی زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال لگا کر نقش ونگار کرنا

سوال[۵۲۹۹]: مسجد کے اندر اور باہر نکاح کے وقت ہندو مسلمان مل کر بیٹھتے ہیں، اس نکاح کی

---

(۱) غیر مسلم چونکہ اکثر آدابِ مسجد سے ناواقف ہونے کی بناء پر آدابِ مسجد کی رعایت نہیں کرتے جس سے بے حرمتی ہوتی ہے، اس وجہ سے مفتی صاحب نے ان کے داخل ہونے کو نامناسب لکھ دیا، اگر چہ فی نفسہ ان کے مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے:

"وقال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، سورة التوبة، مطلب: هل يجوز دخول المشرك المسجد: ۳/ ۱۳۱، قديمي)

"قلت: في البحر عن الحاوي: ولا بأس أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات، ومفهومه أن في دخوله لغير مهمة بأساً، وبه يتجه ماهنا، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شئ من المسجد طريقاً: ۴/ ۳۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۰، رشيديه)

زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال ڈالنا، کپڑوں سے نقش ونگار کر کے اس کو سجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، البتہ سادہ طریقہ پر مسجد میں نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا

سوال[۵۳۰۰]: مسجد میں نکاح نہ ہونے پر گھر میں نکاح کرنے والوں کو نکاح کا رجسٹر نہ دینا، مسجد میں نکاح کرنے والوں کو ہی نکاح کا رجسٹر دینا، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کو درج رجسٹرڈ کرنا شرعاً لازم نہیں (۲)، اگر ضرورت ہو تو مسجد میں سادہ طور پر نکاح کرادیا جائے (۳) اور پھر درج کرادیا جائے یا مکان پر نکاح کر کے رجسٹر میں لکھوادیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعلنوا هذا النکاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". رواه الترمذی". (مشکوٰة المصابیح، باب إعلان النکاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی، ص: ۲۷۲، قدیمی)

چونکہ طریقہ مذکورہ کو اختیار کرنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے: "وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما أمرت بتشیید المساجد". قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "لتزخرفنّها كما زخرفت الیهود والنصاریٰ". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثانی: ۶۹/۱، قدیمی)

(۲) قال المفتی کفایت الله رحمه الله: "اگر ایجاب وقبول دونوں نابالغوں کے ولی نے کیا تو نکاح صحیح ہوگیا، دستخط ہوں یا نہ ہوں"۔ (کفایت المفتی: ۱۰۵/۵، کتاب النکاح، پانچواں باب ایجاب وقبول، دار الاشاعت)

(وکذا فی خیر الفتاویٰ: ۲۵۷/۴، ۲۵۸، کتاب النکاح، مکتبه الخیر ملتان)

(وکذا فی فتاویٰ حقانیه: ۳۱۴/۴، ۳۱۵، کتاب النکاح، نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت، دار العلوم حقانیه)

(۳) (راجع، رقم الحاشیة: ۱)

نکاح کا رجسٹر میں اندراج

سوال[۵۳۰۱]: نکاح کا اندراج رجسٹر سرکاری میں نہیں ہوا، کیا اندراج ضروری ہے؟

منظور احمد تحصیل رڑکی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً ضروری نہیں، البتہ قانون کی روک تھام کے لئے ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا؟

سوال[۵۳۰۲]: مسمّی غلام حیدر کا نکاح جبکہ اس کی عمر ۱۳، ۱۴/ سال کی تھی، مساۃ مریم ولد ستار شیخ کے ساتھ جبکہ اس کی عمر ۱۰، ۱۱/ سال کی تھی بہ اجازتِ والدین ہو گیا تھا۔ نکاح درجِ رجسٹر زوجین کے نابالغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، اس نکاح پر ۴، ۵/ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

اب جبکہ مسمّی غلام حیدر اپنے سسر سے لڑکی کی رخصت کے لئے کہتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور جواب دیتا ہے کہ کوئی نکاح نہیں ہوا، اور اس نے اپنی لڑکی مریم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے جبکہ اس کی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔ ایسی حالت میں یہ نکاحِ ثانی درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور جس مولوی صاحب نے یہ نکاحِ ثانی پڑھایا ہے ان کے بارے میں شرعی طور پر کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ستار شیخ نے اپنی نابالغہ لڑکی مساۃ مریم کا نکاح غلام حیدر کے ساتھ گواہوں کے سامنے کر دیا تو وہ شرعاً

---

(۱) نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، تاہم آج کل کے حالات کے پیش نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لئے نکاح کا اندراج رجسٹر میں مستحسن ضرور ہے: "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول يعبر بهما عن الماضي .... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، ۱۸۱، إمدادية ملتان)

منعقد اور لازم ہوگیا، اب اس کے بالغ ہونے پر لڑکی شوہر کے مکان پر بھیجنا اور اس کے شوہر کا مطالبۂ رخصتی پورا کرنا لازم ہے، محض رجسٹر میں درج نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا درست نہیں کہ نکاح نہیں ہوا تھا، ایسی حالت میں اگر لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کیا جائے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی، لڑکی بھی معصیت میں مبتلا ہوگی اور جس سے نکاح کیا جائے وہ بھی معصیت میں مبتلا ہوگا، باوجود علم کے جو شخص اب نکاح پڑھائے گا وہ بھی سخت گنہگار ہوگا (۱) اور جو لوگ ایسے نکاح میں شرکت کریں گے وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے (۲) اور قہرِ خداوندی اس سے جوش میں آئے گا، اس لئے ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

اگر اس کا والد اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہے تو لڑکی کو لازم ہے کہ ہرگز اس نکاح کو قبول و منظور نہ کرے، اس کی ہرگز اجازت نہ دے اور رخصت ہوکر ہرگز اس دوسرے شخص کے پاس نہ جائے؛ لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم (إلى قوله تعالىٰ) والمحصنات من النساء﴾. (الآية) (۳) "ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". فتاوىٰ عالمگیری: ۲/۶ (٤)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والفتوى على الترديد إن استعمل مستحلاً كفر، وإلا لا، فإن ارتكب من غير استحلال، فسق". (شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، فصل فى الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۸، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ (الأنعام: ٦٨)

قال الجصاص الرازى الحنفى: "وذلك عموم فى النهى عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرك وأهل الملة لوقوع الاسم عليهم جميعاً .... فغير جائز لأحد مجالستهم مع ترك النكير، سواء كانوا مظهرين فى تلك الحال للظلم والقبائح أو غير مظهرين له؛ لأن النهى عام عن مجالسة الظالمين". (أحكام القرآن للجصاص، باب النهى عن مجالسة الظالمين: ۳/۲، دار الكتاب العربى)

(۳) (النساء: ۲۳، ۲۴)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التى يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

دو پلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت

سوال[۵۳۰۳]: جب بارات جاتی ہے تو سر پر دو پلی ٹوپی (۱) اور عمامہ ضرور رکھا جاتا ہے، اگر کوئی ترک کردے تو اس کو تارکِ سنت کہہ کر ملامت کرتے ہیں۔ تو کیا قبولیت کے وقت عمامہ کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمامہ اور دو پلی ٹوپی ایک پسندیدہ لباس ہے (۲) مگر اس کو مستقلاً سنتِ نکاح قرار دینا درست نہیں (۳)۔ جیسے دیگر اوقات یا نماز کی حالت میں یہ لباس پسندیدہ ہے ایسے ہی وقتِ نکاح بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۲ھ۔

مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھانا

سوال[۵۳۰۴]: جس نکاح میں رسوماتِ بدعیہ ہوں جیسے گانا بج رہا ہو، دولہا کے پاس راکھی (۴) ہو، ہاتھ میں کنگن ہو، سر پہ سہرا اور چہرہ پر آنچل ڈالا ہو، ایسے دولہا کا نکاح پڑھانا خاص کر ایسے شخص کو جو عالمِ دین

= (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المحرمات من النساء، الفصل الثالث، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(۱) "دو پلی: ایک قسم کی ہندوستانی وضع کی ٹوپی"۔ (نور اللغات، ص: ۸۸، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "عليكم بالعمائم، فإنها سيماء الملائكة، وأرخوها خلف ظهوركم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثالث، ص: ۳۷۷، قديمي)

(۳) قال العلامة عبد الحي اللكنوي: "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵ سهيل اكيڈمى، لاهور)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶)، ۳/۳۱، رشيديه)

(۴) "راکھی: ہاتھ رکھشا یعنی محافظت کرنے والا ڈورا، ہندو یہ رنگین ڈورا سلونو کے تہوار میں کلائی پر باندھتے ہیں۔ رکھڑی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۹، فیروز سنز، لاہور)

ہو، لوگوں کو وعظ ونصائح کرتا ہو اور ایسے رسومات مروجہ سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہو۔ اور ایسی محفلِ عقد میں شریک ہونا مسلمانوں کو از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی محفل میں جانا اور نکاح پڑھانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے، خاص کر مقتدیٰ کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے: ﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾ الآیۃ(۱)، تاہم جو نکاح پڑھا جائے گا ان قبائح کے باوجود وہ منعقد ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲۹/۸۹ھ۔

---

(۱) (سورة الأنعام: ۶۸)

"رجل اتخذ ضيافةً للقرابة وليمة، واتخذ مجلساً لأهل الفساد، فدعا رجلاً صالحاً إلى الوليمة، قالوا: إن كان بحالٍ لو لم يذهب لا يتركون الفسق ويتركون عند حضوره، كان عليه أن يذهب؛ لأنه نهيٌ عن المنكر. وإن الرجلُ بحالٍ لو لم يُجب لا يمنعهم عن الفسق، لا بأس أن يجيب ويطعم وينكر معصيتهم وفسقهم؛ لأن إجابة الدعوة واجبة أو مندوبة، فلا يمتنع بمعصية اقترنت بها. أما استماع صوت الملاهي كالضرب بالقصب وغير ذالک حرامٌ ومعصية، لقوله عليه السلام: "استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسوق". (فتاوى قاضي خان، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۴۰۲، رشيديه)

"وإن علم أولاً باللعب لا يحضر أصلاً، سواء كان ممن يقتدى به أولا؛ لأن حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور لا قبله". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية: ۴/۴۵۳، امدادية ملتان)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۲۱/۷۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "إنما ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

غلط رسموں کے ساتھ نکاح

سوال[۵۳۰۵]: شادی بیاہ میں کنگن پہننا، منڈ واگاڑنا، مقنعہ ڈالنا، سہرا باندھنا ہتھیلی یا زور بند باندھنا، غرضیکہ تمام کام خلافِ شریعت ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز افعال کا گناہ مستقل ہے(۱) لیکن نکاح پھر بھی درست ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

مجلسِ نکاح میں کلمہ پڑھوانا اور زوجین سے ایجاب وقبول کرانا

سوال[۵۳۰۶]: مشرقی یوپی کے بعض مقامات پر دولھا اور دولہن کو اکٹھا بٹھا کر نکاح پڑھواتے ہیں، دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرواتے ہیں اور دولہن سے بھی اسی طرح ایجاب وقبول کراتے ہیں، اگر دولہن سے ایجاب وقبول نہ کرائیں تو کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لوگ کہتے ہیں جس طرح طلاق تین دفعہ ہے اسی طرح نکاح میں ایجاب وقبول بھی تین دفعہ ہے۔ اور نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طریقے کی پابندی کرنا کوئی شرعی حکم نہیں، مجلسِ عقد میں دولہن موجود نہ ہو، اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی یا وکیل قاضی وغیرہ ایجاب وقبول کرلے تب بھی درست ہے(۳)۔ ایک دفعہ بھی ایجاب وقبول

---

(۱) ''منڈوا: ایک ادنیٰ قسم کا علی۔ تھیٹر، تماشا گاہ، پنڈال، شامیانہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۹۳، فیروز سنز، لاہور)

مقنعہ: وہ باریک کپڑا جو دلہن کے سہرے کے نیچے باندھتے ہیں۔ باریک چادر جو عورتیں پردے کے لئے چہرے پر ڈالتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۷۵، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر''. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)
(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً الخ: ۱/۲۶۷، رشيديه)
(۳) قال العلامة الحصكفي: "وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ...... كزوجت نفسي أو بنتي =

کافی ہے(۱)۔ طلاق کی کئی قسمیں ہیں، ایک دفعہ دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے اس کا اَور حکم ہے(۲)، تین دفعہ دینے سے بھی ہو جاتی ہے اس کا اَور حکم ہے(۳)، نکاح کی یہ قسمیں نہیں، پس طلاق پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کلمہ پڑھوانا بھی ضروری نہیں وہ تو خود پہلے سے ہی مسلمان ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۶ھ۔

بغیر کلمہ پڑھائے نکاح

سوال [۵۳۰۷]: مورخہ ۱۵/ جون ۱۹۸۶ء کو محمد محمود ولد علی کی شادی مقرر تھی جس میں میرے والد کو نکاح خوانی کے لئے جانا تھا لیکن بوجۂ بزرگی وہ نہ جا سکے، بندہ گھر پر موجود تھا، مجھے انہوں نے کہا کہ آپ جا کر نکاح کرائیں، بندہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چلا گیا۔ وہاں ڈھول وغیرہ گانے بجانے کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہ مجھے دیکھ کر جانے لگے۔

میں نے دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور ۴، ۵/ سال کے بچے ڈانس کر رہے ہیں، بڑا دکھ ہوا کہ مسلمان

= أو موكلتي منك". (الدرالمختار). "(قوله: كزوجت نفسي) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلاً أو ولياً أو وكيلاً". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح: ۲۹۴/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳۲۲/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد بالإيجاب والقبول ..... فإذا قال لها: أتزوّجك بكذا فقالت: قد قبلتُ، يتم النكاح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح: ۲۷۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية ملتان)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعيةً أو رجعتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(۳) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً". (الفتاوى العالمكيرية ۳۵۵/۱، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۹۴/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

کا بچہ بسم اللہ پڑھتا ہے تو خداوندتعالیٰ اس کے ماں باپ کو بخش دیتے ہیں اور آج یہ بچے شیطان کے شیدائی ہیں۔ بندہ نے جاکر سلام کیا اور ڈھول بند کرا کر بچوں کو ڈانٹا، تمام بچوں کے والدین کو طلب کیا، جس کی شادی تھی اسے بھی طلب کیا، مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ اسے بند کیا جائے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی تو جانتے ہیں لیکن بند نہیں کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ میں نے خدائی حکم سنانا تھا، ہدایت اللہ دے سکتا ہے میں نہیں، لیکن میں آپ کی ڈھول والی برات کے ساتھ نہیں جاؤں گا، میں یہ کہہ کر چلا آیا۔ چند آدمی جو اسلامی قدر جانتے تھے وہ مجھے واپس بلا کر لے گئے اور کہنے لگے: اس سے قبل ۴/ افراد نے اس ماہ ڈھول بجایا ہے اگر آپ ان پر اسلامی تعزیرات لگائیں گے تو ہم ابھی ڈھول واپس کردیں گے، میں نے کہا انشاء اللہ، اگر آپ لوگوں کا ساتھ ہوا تو ضرور ان پر تعزیرات لگائی جائے گی۔

جب علی محمد گھر واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر صرف دو ڈھول اور ایک آدمی جائے گا تب بھی ڈھول بجا کر جاؤں گا، اس پر محلہ کے لوگوں کو جوش آیا کہ ایک طرف امام صاحب قرآن وحدیث کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے تو اس پر لوگوں کو جوش آیا، اعلان کیا کہ جو لوگ قرآن وحدیث پر چلنے والے ہیں وہ امام صاحب کے پیچھے اور جو لوگ شیطان کی پیروی کرنا چاہتے ہیں وہ ڈھول کے ساتھ جاؤ۔ اس پر ۴/ افراد امام صاحب کے ساتھ اور ۲۲/ افراد ڈھول والی بارات کے ساتھ چلے گئے، ۲۲/ کے بارے میں امام صاحب نے اعلان کیا کہ اب ان کا نکاح کوئی مسلمان نہیں پڑھ سکتا ہے۔

جب لڑکی والے کے گھر بارات گئی تو عقدِ نکاح کے لئے کوئی مسلمان تیار نہ ہوا، انہوں نے کہا جب امام صاحب کا اعلان ہے تم نہیں پڑھا سکتے، اس پر وہاں کا قاضی جو دور موجود تھا وہاں بھی گئے، اس نے کہا کہ امام صاحب کو بلا کر لاؤ اور ڈھول بند کرو، ہم تحقیقات کریں گے، پھر نکاح پڑھا جائے گا۔ بندہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تمام واقفیت کرائی۔ تب تک محمد رفیق ولد فیروز الدین نکاح پڑھانے لگا، نہ ہی اس نے چھ کلمے سیکھے، صفتِ ایمان، دعائے قنوت اور نہ ہی نماز کا سبق آتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ ہی نکاح کے ارکان جانتا ہے۔ اس نے نکاح کی رسم ادا کی اور لڑکی کو لے کر لڑکے کے گھر چلے گئے۔

بندہ نے ١٦/ جون کو اپنے گاؤں کے اسلامی آدمیوں کی کمیٹی طلب کی، جس میں نوٹس جاری کی گئی کہ یہ

۲۴/افراد آ کر صفائی پیش کریں ورنہ ان لوگوں کے ساتھ اسلامی بائیکاٹ کیا جائے گا، جن پر مورخہ ۱۷/کو ان میں ۱۴/ افراد حاضر ہوئے، انہوں نے آ کر ۲۲/ افراد کی طرف سے غلطی مان لی، اس اسلامی کمیٹی میں قاضی و چند مولوی صاحب تھے۔

ڈھول بجانے والے کو ۲۰۰/ روپے جرمانہ باقی جو لوگ بارات کے ساتھ گئے تھے، ۶۰/ روپیہ جرمانہ ڈال کر توبہ وغیرہ کرائی، جرمانہ ادا ہوگیا، مسکینوں کو پیسہ دیا گیا اور نکاح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو لڑکے کے باپ نے کہا نکاح کیا تھا۔ ایسے ہی اس لڑکے نے کاپی دیکھ کر کلمہ وغیرہ پڑھائے تھے جب کہ اسے آتے ہی نہیں تھے۔ ہم نے دریافت کیا کہ لڑکا نماز کا پابند ہے یا نہیں؟ کہا لڑکا نماز جانتا ہی نہیں، لڑکا روزے رکھتا ہے کہ نہیں؟ کہا نہیں۔ تو اس پر علمائے کرام نے کہا پھر اس لڑکے کا نکاح نہیں ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور یہ نکاح علی محمد کے لڑکے کا آپ جا کر کرائیں۔

بندہ نے باقاعدہ صفائی لے کر کہ اس نے ازدواجی زندگی تو اختیار نہیں کی ہے، جب حلفی شہادت مل گئی، بندہ نے نکاح پڑھا، محمد رفیق ولد فیروزالدین کو نوٹس جاری کیا کہ مورخہ ۲۲/ جون کو اپنی صفائی پیش کریں، کیونکہ آپ کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، لیکن وہ یہ سن کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

بندہ کے پاس محمد رفیق کا سسر آیا، بندہ نے اس سے کہا آپ محمد رفیق کو لاؤ اس سے بیان لے کر تحقیق کی جائے گی۔ جب لڑکا آیا تو اس کی جگہ غلط بحث کرنے کے لئے صوفی سید محمد اور محمد رشید تیار ہو گئے کہ لڑکے کا نکاح نہیں ٹوٹا ہے۔ بندہ نے کہا کہ اگر نہیں ٹوٹا ہے تو عالم کو فتوی لکھو جو حکم وہ قرآن وحدیث سے دیں اس پر عمل کرنا ہوگا، لیکن پھر بھی غلط باتیں کہتے رہے۔

آخر کار بندہ نے بھری مجلس میں کہا کہ لڑکے کو لاؤ، چھ کلمے، صفت ایمان، دعائے قنوت اگر لڑکا محمد رفیق سنادے تو پھر اس کا نکاح نہیں ٹوٹا بلکہ میرا ٹوٹ گیا ہے، میرا پھر دوبارہ نکاح پڑھو، کیونکہ میں نے نوٹس جاری کیا ہے کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، کیونکہ جب اعلان تھا ایک طرف اسلام اور کفر کا اور اس نے بھی کفر کا ساتھ دیا ہے، دوسرے اسلام سے واقفیت بھی نہیں ہے۔

لڑکا حاضر ہوا پہلا کلمہ بھی نہیں سنایا، اس پر باقی مسلمانوں نے کہا کہ اب اس پر جرمانہ لگایا جائے۔ بندہ نے کہا جرمانہ تو لگائیں گے لیکن اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھنا ہے۔ اس پر بندہ نے ۵۰/ روپیہ محمد رفیق پر لگائے

اور صوفی سید محمد کو کہا کہ اگر آپ کو میرے نکاح پڑھنے سے شرم آتی ہے تو خود جا کر پڑھائیں اور آپ کی جو ذمہ داری ہے کہ لڑکے کو چھ کلمے اور صفت ایمان اور دعائے قنوت اور نماز کا سبق پڑھائیں، اسے الحمد کی قسم بھی دی تھی۔ سننے میں آیا کہ وہ لوگ مولود والوں کے پاس سے فتویٰ لائے ہیں کہ نکاح نہیں ٹوٹا ہے اس لئے انہوں نے نکاح دوبارہ نہیں پڑھوایا ہے، جب تو بہ جرمانہ وغیرہ ادا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں قرآن پاک و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں اور صوفی سید محمد اور محمد رشید جو کہ غلط بحث کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے علمی اور جہالت کی باتیں پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ مسلمان کلمہ اور صفت ایمان سے بھی واقف نہیں، پھر اور مسائل کا کیا ذکر۔ صورتِ مسئولہ میں اگر نکاح کا ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں کرادیا گیا تو وہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا، اگرچہ ایجاب وقبول کرنے والا خود کلمے اور نماز وغیرہ سے ناواقف ہو(۱) اور نکاح پڑھانے والے یا انکار کرنے والے یا تقریر کرنے والے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹا، سب کا نکاح اپنی جگہ برقرار ہے۔ مالی تعزیر شرعاً درست نہیں، جس جس پر تعزیر کی گئی وہ غلط کی گئی، کذا فی البحر الرائق(۲)۔

باجہ وغیرہ بھی ممنوع ہے(۳)۔ نکاح کو سنت طریقہ پر انجام دیا جائے جو کہ ایجاب وقبول سے دو

---

(۱) "و ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... و شرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر، لیتحقق رضاهما، و شرط حضور شاهدین حرین مکلفین، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، ۱۸۲، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۶۲/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(۳) "و فی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب و نحوه حرام، لقوله علیه السلام: "استماع =

گواہوں کے سامنے منعقد ہوجاتا ہے(۱)۔ خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور نکاح بغیر خطبہ کے بھی درست ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۴۰۸ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

سوال[۵۳۰۸]: اس طرف امام صاحب بوقتِ نکاح دولہا ودولہن کو ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ پڑھاتے ہیں دلہن بالغہ ہو یا نابالغہ، بعض آدمی اس پر معترض ہوئے کہ بالغہ سے کلام نہ کرنا چاہئے، امام صاحب نے کہا اس میں کیا نقصان ہے؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ دونوں کو پڑھانا چاہئے یا صرف دولہا کو؟ اگر صرف دولہا کو تو دولہن کو پڑھانا ثواب ہے یا گناہ؟ مع دلیل تحریر فرمائیں۔

از بیاور ضلع اجمیر، عبدالوہاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ عقدِ نکاح کلمہ پڑھانا احادیث اور صحابہ اور مجتہدین سے منقول نہیں، البتہ اگر دولہا ودولہن کے متعلق علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں خلافِ شرع ہیں تو جس کے عقائد خلاف شرع ہوں ان کو تجدیدِ ایمان کے لئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد موافق شرع ہوں اس کو ضروری نہیں، ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلطی ہے، خاص کر جب کہ دولہن کو کلمہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو اس کی آواز کی وجہ سے، یا لوگوں کی بدگمانی اور اعتراض کی وجہ سے۔

= صوت الملاهي معصية، الخ ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٤٩، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ٨/٣٨٠، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ٣١٩، قديمي)

(١) (راجع، ص: ٢٠٩، رقم الحاشية: ١)

(٢) "و يندب إعلانه و تقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/٨، سعيد)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، باب: متعلقات نکاح: ٧/١٥٩، مكتبه امداديه ملتان)

اور اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم نہ ہو، بلکہ بظاہر اس کا عقیدہ درست معلوم ہوتا ہو تو پھر اس کو کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں، خطبۂ مسنونہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرادیا جائے، ہاں اگر اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم ہو تو ضرور تجدید ایمان کرائی جائے، ایسی حالت میں بالغہ کو بھی زور سے اس طرح کلمہ پڑھانا چاہئے کہ آس پاس کے ایک دو آدمی کم از کم ضرور سن لیں، نابالغہ کو پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر احتیاطاً بلا التزام و بلا مفاسد پڑھایا جائے تو زور سے پڑھانا ضروری نہیں آہستہ کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا

سوال[۵۳۰۹]: اگر کسی شخص نے کلمہ نہیں پڑھا ہے اور اس کی شادی ہو رہی ہے تو کیا نکاح پر بھی کوئی اثر پڑسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

الف: نفسِ ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے گا۔ البتہ اس کے درجات بہت ہیں۔ ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے ان کو نہ پڑھنا نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے۔

ب: شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہو تو اس کو غلط یا ناقص نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے، اور یہ افضل الذکر ہے، کما ورد فی الحدیث.

---

(۱) "عن إسمٰعيل بن إبراهيم، عن رجل من بني سليم قال: خطبت إلى النبي صلى الله عليه وسلم أمامة بنت عبد المطلب، فانكحني من غير أن يتشهد". (سنن أبي داؤد، باب في خطبة النكاح: ۱/ ۲۸۹، امدادیہ ملتان)

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کلمہ پڑھانا نکاح میں نہ داخل ہے نہ مسنون"۔ (کفایت المفتی، الباب الثامن، کتاب النکاح، عنوان: نکاح کا شرعی طریقہ: ۵/ ۱۵۱، دار الاشاعت کراچی)

ج: کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کوکلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں۔ پڑھادیا جائے تو بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔



فتاوی محمودیہ

ارباب فتاویٰ، اہلِ علم اور شائقینِ مطالعہ کے لئے

مفتی اعظم ہند مولانا **محمود حسن گنگوہی** رحمہ اللہ تعالیٰ

کے

فتاویٰ کے دس ہزار سے متجاوز جزئیات پر حاوی ایک انمول تحفہ!!!

فضل مولی ابن القاضی فضل خالق

فصل فی الشهود فی النكاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

نکاح میں خدااور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا

سوال[۵۳۱۰]: فتاوی عالمگیری :۲/۸۴۳(۱) میں ہے کہ اگر کسی نے نکاح میں خدااور رسول کو گواہ بنایااور اس طرح کہا میں نے خدااور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنایا، تو کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کہا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ کے فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہیں ہوگا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فتاوی عالمگیری کی عبارتِ مسئولہ یہ ہے: "رجل تزوج امرأةً، ولم يحضر الشهود، قال: "خدائے را و رسول را گواه کردم" أو قال: "خدائے را وفرشتكان را گواه کردم" كفر. ولو قال: "و فرشتۂ دستِ راست گواه کردم، وفرشتۂ دستِ چپ را گواه کردم" لايكفر، كذا في الفصول العمادية". عالمگیری مصری، ص: ۲٦٦، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتد(۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جگہ، ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے، کسی اُور فرشتہ یا پیغمبر کے لئے بھی یہ ثابت کرنا درست نہیں، بلکہ شرک ہے۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہاں کوئی گواہ سامنے نہیں تھا، بلکہ خدااور رسول کو گواہ بنایا تو اس نے رسول (کو) خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، یا تمام فرشتوں کو گواہ بنایا تو ان کو خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، لہٰذا یہ مشرک ہو گیا۔ اگر داہنے یا بائیں ہاتھ کے کاتبِ اعمال

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام الخ: ۲/۲٦۲، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس سے مشرک نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں، خدائے پاک کی طرف سے مسلط ہیں، دوسرے کسی فرشتہ کی یہ شان نہیں۔ تو نکاح دونوں صورتوں میں نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خدااور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا

سوال[۱۱۱۵۴]: زید ایک بیوہ عورت کو لے کر وطن سے دوسری جگہ دور چلا گیا اور وہاں پہونچ کر بیوہ عورت نے زید سے راضی خوشی میں کہا کہ میں بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر آپ کے نکاح میں آنا منظور کرتی ہوں، زید نے خدااور رسول کو گواہ قرار دیکر بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر بیوہ عورت کو قبول کیا (منظور کرلیا)۔ نکاح کے وقت زید اور بیوہ عورت ان دونوں فرد کے سوا اور دوسرا کوئی فرد نہیں تھا اور دونوں ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، کچھ عرصہ بعد اس سے بچہ پیدا ہوا۔ بچے کو حلالی قرار دیا جائے گا یا حرامی؟ زید کا نکاح ہوا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوتا(۲)، انعقادِ نکاح کیلئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا مجلسِ عقد میں بطورِ گواہ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے(۳)، تنہائی میں نکاح نہیں ہوتا۔ خدااور رسول کو گواہ بنا کر

---

(۱) "ومن تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لايجوز النكاح، كذا في التجنيس و المزيد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۰/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، ۱۵۵/۳، رشيديه)

(۲) "رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً، لقوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود". وكل نكاح يكون بشهادة الله وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ۳۳۴/۱، رشيديه)

(۳) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أورجل =

نکاح کرنے سے ایک قول پر ایمان سلامت نہیں رہتا ہے، کتب فقہ فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس طرح نکاح کرنے سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے، کیونکہ اس نے خدائے پاک کی طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو بھی حاضر ناظر اور عالم الغیب اعتقاد کیا۔

ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو، اس کے ثابت النسب اور غیر ثابت النسب ہونے کو کیا دریافت کرتے ہیں۔ اس مرد اور عورت کو سچی توبہ کرا کے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا جائے:

"رجل تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً، لقوله صلى الله عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود". وكل نكاح يكون بشهادة الله. وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر"(١)۔

"ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط"(٢)۔

اس کے بعد گواہوں کے سامنے باقاعدہ نکاح کرایا جائے، اور جو اولاد پہلے نکاح سے پیدا ہو چکی ہے اس کو اولادِ زنا کہنے سے بھی احتیاط کیا جائے۔ یہی صورت احوط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٦، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ٣/٢١، ٢٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ٣/١٥٥، رشيديه)

(١) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ١/٣٣٤، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ١/٢٦٨، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ٣/٣٢٠، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ٣/١٥٥، رشيدية)

(٢) (مجمع الأنهر، باب المرتد: ١/٦٨٨، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بتلقين الكفر: ٢/٢٨٣، رشيديه)

اللہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال[۵۳۱۲]: عنایت اللہ نے ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا اور اس کو اپنے گھر لے آئے، لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ میں نے اس کو مسلمان کرلیا ہے اور نکاح کرلیا ہے، لال محمد نے نکاح پڑھایا جو مر چکے، گواہ اللہ میاں تھے۔ ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت مسلمان ہونے کا اقرار کرتی ہے تو وہ مسلمہ ہے، لیکن وہ عنایت اللہ کی بیوی نہیں، عنایت اللہ کا نکاح اس سے منعقد نہیں ہوا: "و لا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین، أو رجل وامرأتین". هدایه(۱)۔

نکاح کے لئے دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورت کا موجود ہونا ضروری ہے، صرف اللہ میاں کی گواہی صحتِ نکاح کے لئے کافی نہیں (۲)، اللہ میاں تو ہر چیز کو دیکھتے ہیں حلال ہو یا حرام۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں

سوال[۵۳۱۳]: ایک بالغہ عورت نے شوہر کے ماں باپ اور بہن کو شاہد بنا کر اپنے دیور سے شادی کرلی ہے۔ تو شرعاً یہ شہادت معتبر ہے یا نہیں، جبکہ عورت کے کسی رشتہ دار کو نکاحِ ثانی کا بالکل علم نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بہن بالغہ ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے، کیونکہ بالغہ کو اپنا نکاح اپنے کفو میں کرنے کا اختیار

---

(۱) (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۶/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب النکاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح: ۱۹۹/۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "و من تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لا یجوز النکاح، کذا فی التجنیس و المزید". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشیدیه)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۳۲۰/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، رشیدیه)

حاصل ہے(۱) اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/ ۸۸ھ۔

نکاح کے لئے گواہ کم از کم کتنے ہوں؟

سوال[۵۳۱۴]: ۱...... اگر کوئی مقام کفرستان ہو اور مسلمان دور دراز فاصلہ پر ہوں محض ایک ہی مسلمانوں کا گھر ہو، نیز لڑکی جوان العمر عاقلہ بالغہ ہو اور لڑکا بھی جوان ہو، وہ ہر دو روبرو ایک مرد اور ایک عورت کے اپنا نکاح کرلیں، مجبوری و مسلمان نہ ہونے و اندیشہ نیز حرام سے بچنے کی غرض سے۔ کیا نکاح جائز ہے؟

۲...... ہر دو گواہان مرد و عورت کے ہمراہ ایک لڑکی مسلمان چودہ سالہ جس کو کئی مرتبہ حیض آچکا ہے وہ بھی بوقتِ نکاح موجود ہوتی ہے، کیا لڑکی کی شہادت از روئے شرع معتبر ہے؟ حضرت مولانا حافظ محدث اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر دو استفتاء موافق چھ سوالات از روئے شرع محمدی نکاح ہوگیا ہے، یہ نہیں ٹوٹ سکتا؟ مگر بکر کہتا ہے کہ مدرسہ سہارنپور کا فتوی بمعہ آیات قرآن و احادیث مستفسرہ، معہ مہر مدرسہ ہونا چاہئے۔

۳...... اگر بکر دوسری جگہ دختر کو دیدے تو جو افعال حرام ہوگا اس کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا؟ کیا دوسری جگہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱، ۲...... حنفیہ کے نزدیک ایجاب وقبول کم از کم دو عاقل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہونا

---

(۱) "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه و مالا: أي للولي ...... الاعتراض في غير الكفو، الخ". (الدر المختار، باب الولي: ۳/ ۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ضروری ہے، ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے ایجاب وقبول نکاح باقاعدہ سنا ہے تو ان کی شہادت معتبر ہے، اور چودہ سالہ لڑکی کی جب کہ وہ بالغہ ہے شہادت معتبر ہے(۱)۔

۳...... تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ نکاح شریعت کے موافق منعقد ہوا یا نہیں، اس پر حکم نہیں لگایا جاسکتا، اگر نکاح کے منعقد ہونے کی صرف یہی صورت ہے جو کہ پہلے سوال کے نمبر: ۱و۲ میں مذکور ہے تو شرعاً نکاح نہیں ہوا، بکر کو جائز ہے کہ اپنی دختر کا نکاح اس کی رضامندی سے دوسری جگہ کردے، ہاں اگر دختر دوسری جگہ رضامند نہ ہو تو زید ہی سے دوبارہ باقاعدہ نکاح کردے، دختر بالغہ کی مرضی کے خلاف بکر کو کسی جگہ اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور پہلے سوال نمبر: ۱و۲ میں جو الفاظ ہیں وہ کافی نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی ہمارے سامنے نہیں، معلوم نہیں وہاں کیا سوال لکھا گیا ہے؟ اور انہوں نے کیا جواب مرحمت فرمایا ہے؟ اس لئے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۵/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ جمادی الاولی/ ۱۳۵۶ھ۔

باپ بھائی کی شہادت سے نکاح

سوال[۵۳۱۵]: اگر کسی عقد میں لڑکی کا والد اور بالغ بھائی گواہ کی حیثیت سے ہوں اور قاضی صاحب نے بھائی کے ایک دوست کی موجودگی میں نکاح پڑھایا ہو اور قاضی صاحب نے مذکورہ اشخاص کی موجودگی میں پردہ کی آڑ سے لڑکی سے ایجاب وقبول کرایا ہو تو کیا شرعاً عقد درست ہو جائے گا؟ جبکہ عقد کے

---

(۱) قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۵۵، رشيديه)

وقت صرف ایک بھائی، لڑکی کا باپ اور قاضی اور بھائی کا ایک دوست موجود تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح میں باپ اور بھائی کی گواہی

سوال [۵۳۱۶]: ایک مرد اور ایک اجنبیہ عورت میں تعلق قائم ہوا، جب ایک مرتبہ لڑکی کا خط پکڑا گیا تو تعلق ظاہر ہوا، اب لڑکی کہتی ہے کہ میری شادی ۱۵/ رمضان رات میں بارہ بجے ہوچکی ہے۔ میرے باپ اور بھائی گواہ ہیں۔ تو اس کا نکاح ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والد اور بھائی کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول ہوا تو یہ بھی صحتِ نکاح کیلئے کافی ہے (۲)،

---

(۱) "(أمر) الأب (رجلاً أن يزوّج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين) والحال أن (الأب حاضر صح)؛ لأنه يجعل عاقدًا حكماً (وإلا، ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد، جاز)".

(الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: الخاص على العام: ۳/۲۴، سعيد)

وانظر أيضاً: (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۷، شركة علمية)

(وكذا البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۶۱، ۱۶۹، رشيديه)

(۲) "(ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين عاقلين بالغين مسلمين أو رجل و امرأتين عدولاً) أما اشتراط الشهادة، فلقوله عليه الصلاة والسلام: "لانكاح إلابشهود، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الرابع: آراء الفقهاء في اشتراط الشهادة: ۹/۶۵۵۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۵۲، ۴۵۳، دارالكتب العلميه بيروت)

دوسرے لوگ اب تجسس نہ کریں، دونوں کی گواہی پر اکتفا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح

سوال[۵۳۱۷]: زید محلّہ کی مسجد میں بلا اجرت امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، محلّہ کی نکاح خوانی بھی اسی کے سپرد ہے، معتبر ذریعہ سے پتہ چلا ہے کہ عرصہ ہوا زید نے اپنا خود نکاح ایک بیوہ عورت سے چار عورتوں کی گواہی سے پڑھ لیا۔ پہلی بیوی دوسرے مقام پر رہتی ہے، دوسری بیوی ساتھ رہتی ہے۔ ایسے شخص کا امامت کرنا اور اس سے نکاح پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض عورتوں کی گواہی سے (اگرچہ وہ چار ہوں) نکاح صحیح نہیں ہوتا (۱)، جس نے ایسا کیا غلط کیا، اس کو لازم ہے کہ اپنی اس غلطی پر توبہ واستغفار کرے (۲) اور کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرے (۳)۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق برابر ادا کرے، یہ طریقہ ایک کو

---

(۱) "ولا ينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، ۲۶۸، رشيديه)

"ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ". (شرح العلامة النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(وكذا في روح المعاني، تحت آية: ﴿ياأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "جب نکاح سابق صحیح نہیں ہوا تو سنت طریقہ سے دوبارہ ایجاب وقبول کردے"۔ (كما تقدم في الحاشية رقمها: ۱)

10

الگ ڈال کر اس کے حقوق سے دست کش ہو کر دوسرے بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے نا انصافی اور ظلم ہے (۱)۔ اگر یہ شخص اپنی اصلاح نہ کرے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، پھر اچھا یہ ہے کہ اس سے نکاح بھی نہ پڑھوایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

تعیینِ گواہاں کے بغیر مجمع میں نکاح

سوال [۵۳۱۸]: یہاں پر ایک بارات مسجد میں آئی، نماز مغرب کے بعد نکاح ہونا تھا، نکاح خواں نے کہا کہ گواہ لاؤ، لڑکی کے باپ نے کہا کہ خدا کے گھر میں بیٹھے ہیں، گواہ کی کیا ضرورت ہے، تم نکاح پڑھاؤ۔ اس وقت لڑکی کی اجازت بھی کوئی ظاہر نہیں کی گئی تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب مجمع کے سامنے ایجاب وقبول کرایا گیا ہے تو وہی سب گواہ ہیں، مستقلاً مقرر کر کے گواہ بنانا ضروری نہیں (۳)۔ اگر لڑکی کے والد نے پہلے ہی کہہ دیا ہو کہ فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر تمہارا نکاح کر رہا ہوں اور لڑکی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من كانت له امرأتان، فمال إلى إحداهما، جاء يوم القيامة وشقه مائل". (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب القسم: ۱/۲۹۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲/۶۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۱، رشيديه)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(۳) "(ولو بعث) مريد النكاح (أقواماً للخطبة، فزوجها الأب) أو الولي (بحضرتهم، صح)، فيجعل المتكلم فقط خاطباً والباقي شهوداً، به يفتى". (الدر المختار). "وعليه الفتوى؛ لأنه ضرورة في جعل =

نے انکار نہ کیا ہوتو بھی اجازت ہے، اگر پہلے نہ کہا ہواور نکاح کے بعد جا کر خبر کردے اور لڑکی خبر سن کر اس کو منظور کرے بلکہ خاموش رہے تب بھی وہ نکاح پختہ اور لازم ہو جاتا ہے(۱)، ہاں! خبر سن کر فوراً اس نے انکار کردیا کہ مجھے منظور نہیں تو وہ جب ہی ختم ہوجاتا ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہوتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۰/۴/۹۰ھ۔

تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے

سوال[۵۳۱۹]: احتیاطاً اگر نکاح کو دہرانا ہےتو اس وقت بھی کیا شاہد ومہر کی ضرورت ہے یا میاں

= الكل خاطباً ، فيجعل المتكلم فقط، والباقي شهود". (ردالمحتار: ۳/۷۷، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، سعيد)

"رجل زوّج ابنته من رجل في بيت وقومٌ في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم، إن كان من هذا البيت إلى ذلك البيت كوة رأوا الأب منها، تقبل شهادتهم .... رجل بعث أقواماً لخطبة امرأة إلى والدها، فقال الأب: زوّجت، وقبل عن الزواج واحدٌ من القوم، لايصح النكاح، و قيل: يصح، وهو الصحيح، وعليه الفتوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶۸، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً الخ، رشيديه)

(۱) "(فإن استأذنها هو: أي الولي -وهو السنة- (أو وليه أورسوله أوزوجها) وليها وأخبرها رسوله أوفضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارة أو ضحكت غير مستهزأة، الخ". (الدرالمختار: ۳/۵۸، ۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۲۹۲، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "بالغة زوّجها أبوها، فبلغها الخبر، فقالت: لا أريد، أو قالت: لاأريد فلاناً، فالمختار أنه رد في الوجهين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۸، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۹۲، كتاب النكاح، فصل في الخيار بين الزوجين، دارالكتب العلمية بيروت)

"لأن الفرقة بالخيار فسخ للعقد، والعقد إذا انفسخ، يجعل كأنه لم يكن". (ردالمحتار: ۳/۷۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

بیوی دونوں کا نکاح وایجاب قبول کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت بھی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، صرف شوہر و بیوی کا تنہائی میں ایجاب و قبول کافی نہیں (۱)۔ مہر بھی متعین کیا جائے گا، گذشتہ مہر کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶/محرم/ ۶۸ھ۔

بھائی و بہنوئی کی گواہی کے بیان میں اختلاف

سوال [۵۳۲۰]: ۱...... زید عمرو کا حقیقی بھائی ہے، زید عمرو کے حق میں اس کے نفع کی شہادت دیتا ہے، نہ نقصان کی، آیا زید کی شہادت عمرو کے حق میں نفع کے واسطے شرعاً قبول ہے یا نہیں؟

۲...... منگنی کی مجلس کے چار گواہ دیندار معزز رئیس اور دو گواہ معمولی تھے، چار گواہاں کہتے ہیں کہ ایجاب کے بعد قبول نہیں سنا اور دو گواہ معمولی ایک حقیقی بھائی مدعی کا دوسرا بہنوئی مدعی کا یعنی رشتہ دار کہتے ہیں قبول مدعی نے کیا ہے۔ آیا یہ اختلاف شہادت میں ہوا یا نہیں، اس اختلاف کی وجہ سے یہ شہادت شرعاً مقبول ہے یا نہیں؟ نیز بہنوئی کی شہادت بوجۂ رشتہ دار ہونے کے شرعاً مقبول ہے یا مردود؟

۳...... جو گواہ مدعیٰ علیہ کی طرف سے مختار ہے وہ ہی گواہ ہمراہ مدعی متفق ہو کر مدعی علیہ کے ساتھ مخاصمت کرتا ہے اور مدعی کے ساتھ مدعیٰ علیہ کے برخلاف اس کے حقوق کو پامال کرنے کیلئے مشورہ کرتا ہے۔ کیا اس کی شر

---

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین". (الهداية: ۲/ ۳۶، کتاب النكاح، شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في الشهادة: ۳/ ۳۹۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۵، رشيديه)

(۲) "المهر يتكرر بالعقد مرةً وبالوطئ أخرى .... والطلاق بعد الدخول يعقب الرجعة ويوجب كمال المهر". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب النكاح، فصل في تكرار المهر: ۱/ ۳۹۲، ۳۹۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الثالث في تكرار المهر: ۱/ ۳۲۳، رشيديه)

عاً شہادت مقبول ہے یا مردود؟ لہٰذا عنداللہ جواب بعباراتِ فقہ ارقام فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی واقعہ کا جواب مدعی ومدعیٰ علیہ وگواہان کے بیان دیکھ کر اور حسبِ ضرورت تنقیحات کر کے پہلے مفصل لکھا جا چکا ہے، اس مرتبہ جو سوالات کئے گئے ہیں صرف ان کا جواب دیا جاتا ہے:

۱...... بھائی ہونا گواہی قبول ہونے سے مانع نہیں: "شهادة الأخ لأخية وأولاده جائز .اه". فتاوی عالمگیری: ۳/٤٥ (۱)۔

۲...... یہ شہادت میں اختلاف نہیں کیونکہ چار گواہ اپنے سننے کی نفی کرتے ہیں، نفسِ قبول کی نفی نہیں کرتے، پس اگر مدعی کا بھائی اور مدعی کا بہنوئی عادل ہیں اور مدعی کیطرف سے قبول کرنے کی شہادت دیتے ہیں تو شرعاً ان کی شہادت قبول ہوگی، محض بھائی اور بہنوئی ہونے کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی (۲)۔

رہی یہ بات کہ ان کی اس شہادت سے نکاح کو منعقد قرار دیا جائے یا محض منگنی کی پختگی پر محمول کیا جائے، تو یہ موقوف ہے مدعی اور مدعی علیہ اور گواہی کے پورے بیان اور مجلس کی پوری کیفیت سامنے ہونے پر جس کو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

۳...... اگر مدعیٰ علیہ نے کسی شخص کو وکیل بنایا تھا اور وکیل یہ کہتا ہے کہ مجھے نکاح کا وکیل بنایا تھا اور میں نے عقد کر دیا ہے اور مدعی وکیل بنانے کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن عقد کا انکار کرتا ہے تو اس سے وکالت تو ثابت

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثالث فيمن لاتقبل شهادته للتهمة الخ، كتاب الشها دات: ۳/۴۷۰، رشيديه)

"أما سائر القرابات كالأخ والعم و الخال ونحوهم، فتقبل شهادة بعضهم لبعض، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹ / ۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرا لرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شها دته ومن لاتقبل: ۷ /۱۵۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الثاني في الشهادات: ۴ / ۵۹، امجد اكيڈمی لاهور، پاكستان)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

ہوجائیگی، لیکن عقد کیلئے مستقل شہادت درکار ہے (۱) اگرلڑکی بالغہ ہےتو عقد کیلئے اس کی اجازت اور رضا بھی ضروری ہے (۲) اور شرعاً وکیل ہونا بھی شہادت کے رد کا سبب نہیں، اور بلا وجہ کسی کی مخالفت کرنا اور اس کو اذیت پہونچانا، پامال کرنا سخت گناہ ہے، اس سے ہر شخص کو اجتناب لازم ہے، قال الله تعالیٰ: ﴿والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا، فقد احتملوا بهتاناً وإثماً مبيناً﴾(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ۱۸/محرم/۵۶ھ۔

نکاح میں شہادتِ فاسق کا حکم

سوال[۵۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحاملان شرع متین زادهم الله شرفاً ومجداً مُباحثۂ ذیل میں:

۱......زید کہتا ہے کہ بموجبِ کتب متداولہ نزد احناف، مثلاً: قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ، ردالمحتار، درمختار، درالمنتقی، مجمع الأنهر، فتاویٰ ہندیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، خانیہ، وغیرہ بوقتِ انعقادِ نکاح دومرد یا ایک مرد دو عورت گواہ -خواہ عادل ہوں یا فاسق- کافی ہیں۔ اور اس

---

(۱) "ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين. اعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكاح إلابشهود". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "لايجوز نكاح أحد على بالغة صحية العقل من أب أو سلطان بغيرإذنها، بكراً كانت أوثيباً، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱، رشيديه)

"ولا تجبر بكر بالغة على النكاح: أى لا ينفذ عقد الولى عليها بغير رضاها". (البحرالرائق، باب الأولياء والاكفاء: ۱۹۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۱۴/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۳) (سورة الأحزاب: ۵۸)

صورت میں فاسق کی شہادت سے نزد احناف نکاح صحیح ہے، اس لئے کہ حدیث شریف جو کہ فتح القدیر وغیرہ کتب میں مذکور ہے وہ مقیّد بقیدِ عدالت نہیں ہے۔

اور نزد احناف یہ قاعدہ اصولِ فقہ میں طے شدہ ہے کہ ''مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے'' بایں روایت "المطلق یجری علی إطلاقه" ارشادنبوی ہے:"لانکاح إلا بشهود". اس حدیث شریف میں لفظ''شہود'' بوجۂ قاعدہ مسلمہ فاسق وعادل ہر دو قسم شاہد کو شامل ہے۔

البتہ بوقتِ نزاع نزدِ قاضی بدیں طور کہ مثلاً زوج مدعیٔ نکاح ہے اور عورت منکرہ ہے، یا بالعکس گواہان انعقاد نکاح - جو کہ فاسق ہیں - صرف ان کی شہادت سے نزد قاضی یہ نکاح شرعاً ثابت نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ صریح فرمان واجب الاذعان بابت گواہ مقبول الشہادت یہ ہے: ﴿وأشهدوا ذوی عدل منكم﴾. ﴿ذوا عدل منكم﴾. ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾'' اور اس صورت میں فیصلۂ شرعیہ بموجبِ حدیث شریف "والیمین علی من أنكر" حلف پر ہے اور بصورت مذکورہ بوقتِ نزاع نزد قاضی گواہان فاسق شرعاً ہیچ ہیں۔

اور عمر یہ کہتا ہے کہ جب کہ گواہان فاسق کی شہادت سے انعقادِ نکاح صحیح ہے اور بوقتِ انعقادِ نکاح ان کی شہادت مانی جاتی ہے تو بوقتِ نزاع بھی ان کی گواہی معتبر کیوں نہیں رکھی جاتی، اس لئے کہ مقصود از گواہان انعقاد نکاح اظہار نکاح بوقتِ نزاع ہے اور جب یہ مقصود فوت ہوگیا تو گواہان مذکورہ لا طائل ثابت ہوں گے تو گویا نکاح بغیر شہود ہوا جو کہ نزدِ احناف ناجائز ہے۔

زید اس کے جواب میں علاوہ دلائلِ نقلیہ مذکورہ یہ کہتا ہے کہ گواہان فاسق لا طائل نہیں، بلکہ کارآمد ہیں، اس لئے کہ بوجہ گواہان مذکورہ مواخذۂ اخروی زنا سے بریت ہے۔ نیز مواخذۂ دنیاوی جو کہ حد ہے وہ ساقط ہے، بموجبِ حدیث شریف:"الحدود تندرأ بالشبهات".

اور اہلیتِ شہادت اور اداء اور مقبولیتِ شہادت نزد قاضی میں بڑا فرق ہے جس سے کتب فقہ مملو اور مشحون ہیں، منفی نزد قاضی مقبولیت شہادت ہے نہ اہلیت، پس محلِ نفی واثبات وسلب وایجاب علیحدہ ہے اور یہ مردودیت شہادت زجراً بوجہ فسق ہے۔ خانگی معاملات غیر نزاعی اور قضائی معاملات نزاعی میں فرق نہیں ہے۔

۲......زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی منڈوانا، یا قُبضہ سے کم رکھنا موجبِ گناہ ہے اور بوجۂ ارتکاب فعل، مذکورہ

شخص عادل قابل قبول شہادت شرعاً نہیں ہے گو کہ صوم وصلوۃ اور امور کا پابند ہو اور دیگر متہیات شرعیہ سے بھی مجتنب ہو، بموجب حدیث شریف جو کہ متفق علیہ شیخین ہے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم: "خالفوا المشرکین أو فروا اللحی أحفوا الشوارب". وفی روایته: "انهکوا الشوراب واعفوا اللّحی" متفق علیه".

اور یہ قاعدہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے، خصوصاً جب کہ وہ مقرون بالوعید ہو۔ وبروایتِ ردمختار، دربارۂ قطع لحیہ: "فلم یُبحه أحد".

اور اس روایت سے باجماع خیر القرن سلف صالحین تا خلف صالحین عدم اباحتِ قطعِ لحیہ ثابت ہے۔ اور بصورتِ قطعِ لحیہ خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے جو کہ موجبِ فسق ومخلِ عدالت شاہد ہے، اس لئے کہ اجماع فی نفسہ مستقل حجتِ شرعیہ قابلِ عمل ہے۔ اور گواہ عادل کے معنی یہ ہیں کہ "گناہ کبیرہ واصرارِ صغیرہ سے محترز ہو" اور بصورتِ مذکورہ عدمِ احتراز از گناہ مذکورہ ثابت ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ دور حاضرہ میں ڈاڑھی منڈوانا، یا ایک قبضہ سے کم رکھنا عام رواج ہے اور اس میں اکثر بلکہ قریب قریب تمام عالم مبتلا ہیں، اب اگر یہ فعل مخلِ قبولِ شہادت ہے تو گواہ ڈاڑھی دار کا ملنا زمانِ مشاہد میں قریب ناممکن عادی ہے اور اس قید کی وجہ سے شب وروز حلف کاذب فریق منکر دلیرانہ ادا کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دروازۂ حق تلفیٔ حقوق العباد بجائے بستہ ہونے کے وا ہو جائے گا، کیونکہ نہ ڈاڑھی دار گواہ موافقِ معیارِ شرعی دستیاب ہوں گے اور نہ حق رسی صحیح طریق پر ہو سکے گی۔ اس لئے یہ فعل مذکور بلحاظ ضرورت شدیدہ دور حاضر میں مخلِ عدالتِ گواہ نہیں ہے، کیونکہ بموجبِ روایتِ فقہیہ بوجہ اختلافِ زمانہ حکم بدل جاتا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے: "الحکم یختلف باختلاف الزمان"۔

علاوہ ازیں اگر یہ فعل شرعاً موجبِ فسق اور مخلِ قبولِ شہادت ہے تو نزد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فاسق صاحبِ مروت اور وجیہ کی شہادت قابلِ قبول ہے، چنانچہ روایت کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مصرح موجود ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا ایک قبضہ سے کم رکھنے والا لائق قبول شہادت نہ ہو؟

اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الیوم

أکملت لکم دینکم﴾ الآیۃ نصوصِ صریحہ اوراجماع اورسنتِ متوارثہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے یہ فعل ناجائز ثابت ہے۔

لہٰذا اب دورِ حاضرہ میں کسی طرح احکام متقررہ شرعیہ قابلِ ترمیم اور تنسیخ نہیں ہیں اور نہ ہوں گے اور تردیدروایت امام ابو یوسف بمقابلۂ نصِ صریح خود کتب فقہ ہدایہ وغیرہ سے ثابت ہے۔

اور دیگر روایت پیش کردہ احکام متقررہ منصوصہ شرعیہ پر ہرگز ہرگز حاوی نہیں ہے، اس پر "الف لام الحکم الخ" شاہدِ عدل ہیں، لہٰذا ضرورتِ دوَرِحاضرہ بمقابلۂ احکامِ متقررہ شرعاً ہیچ ہےاوررواج دین متقررہ پر ہرگز غالب نہیں ہوسکتا۔

"الإسلام یعلو ولا یعلی" صریح فرمان ہے، ہرمسلمان پراتباعِ دین لازم اورضروری ہےاوردین کو اپنی ضروریات اورخواہشات کے تابع کرنامحلِ خطرہ ہے۔ پس بموجب فرمانِ والاشان: ﴿فاسئلوا أھل الذکر﴾ الآیۃ۔ علمائے کرام سے استدعا ہے کہ مُباحثۂ زیدوعمرو پرنظرِعمیق شرعی فرما کر بالتفصیل بحوالۂ روایات معتبرہ اظہارفرمائیں کہ زیدحق پر ہے یا عمرو، تاکہ نزاع موجودہ طے ہوجائے؟ واللہ اعلم واحکم۔

المستفتی: احمداحسن ابن سیدابوالحسن، ازٹونک راجپوتانہ محلہ قافلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زیدوعمر کا مباحثہ پڑھا، عمر کا کہنا کہ ''جب شہادتِ فاسق سے انعقاد صحیح ہےتو بوقتِ نزاع بھی اس کا اعتبار ہونا چاہیے'' قیاس مع الفارق اوراصول وفروعِ فقہ وحدیث کےخلاف ہےاور بوقتِ نزاع اس شہادت کا اعتبار نہ کرنے سے اصل انعقاد میں بھی اعتبار نہ کر کے اس کو معدوم اور لاطائل سمجھ کرانعقاد بلاشہادت (جو کہ ناجائز ہے) ماننا بھی غلط ہےاورعدمِ تفقہ پرمبنی ہے، جیسا کہ اموِرذیل سے واضح ہے:

الامرالاول: شاہد کی دوحالتیں ہیں جواپنی شرائط اورآثار کےاعتبار سے بالکل متمیز ہیں: ایک حالتِ تحمل، دوسری حالتِ ادا:

"إن للشاھد حالتین: حالۃ التحمل وحالۃ الأداء، وإن من شرط الأداء الحریۃ والبلوغ والإسلام، فیشترط وجود ذلک عند الأداء، اھ" معین الحکام، ص: ۱۸۱(۱)۔

---

(۱) (معین الحکام، الفصل السابع فی ذکر البیّنات، الفصل الرابع، ص: ۷۰، مصطفی البابی الحلبی مصر) =

اس سے معلوم ہوا کہ حریت، بلوغ، اسلام سے قبل تحملِ شہادت کر کے بعد میں ادا کر دینا درست اور شرعاً معتبر ہے جیسا کہ روایت حدیث کے متعلق بھی یہی قاعدہ ہے:

"یصح التحمل قبل وجود الأهلية، فيُقبل روايةُ مَن تحمل قبل الإسلام وروى بعده، وكذا رواية مَن سمع قبل البلوغ وروى بعده، اھ". مقدمه ابن صلاح، ص: ۵۸(۱)۔

الامر الثاني: جس عارض کی وجہ سے شہادت رد کر دی جاتی ہے اس کے مرتفع ہونے سے اہلیت پیدا ہو کر شہادت قبول کر لی جائے گی، مثال کے طور پر چند جزئیات نقل کرتا ہوں:

"إذا شهد الصبي في حادثة فردّت، ثم أعادها بعد البلوغ، تُقبل. وكذا العبد إذا شهد في حادثة فردت، ثم أعادها بعد العتق، تقبل. وكذا الذمي إذا شهد على حكم فردت، ثم أعادها بعد الإسلام، تقبل. وكذا الأعمى إذا شهد فردت، ثم أعادها بعد ما أبصر، تقبل، اھ". معين الحكام، ص: ۸۱(۲)۔

الامر الثالث: فاسق میں شہادت کی اہلیت ہے، کسی عارض کی وجہ سے اس کی شہادت قبول کرنے کو منع کر دیا گیا، اگر اس میں نفی اہلیت نہ ہوتی تو اس کی شہادت نہ قبول کرنے کا حکم "نہی عاجز" کے قبیل سے ہوتا جو کہ

= "وأما الشرائط في الأصل فنوعان: نوع هو شرط تحمل الشهادة، ونوع هو شرط أداء الشهادة .... وأما البلوغ والحرية والإسلام والعدالة، فليست من شرائط التحمل، بل من شرائط الأداء، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۵۰۸، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

(۱) (علوم الحديث لابن الصلاح، النوع الرابع والعشرون: معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه، ص: ۱۲۸، دارالفكر، بيروت)

(۲) (معين الحكام، الفصل السابع في ذكر البينات، الفصل الرابع، ص. ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۷، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

شارع سے محال ہے، کما تقرر فی کتب الأصول(۱)۔ اور جو عارض "فسق" مانع عن القبول ہے وہ لازم ذات نہیں، بلکہ قابلِ انفکاک ہے "بطریق توبہ"، اسی لئے تحت حکم الحاکم داخل نہیں۔ پس اگر تحملِ شہادت تو بحالتِ فسق ہے اور ادا بعد التوبہ ہو تو شرعاً یہ تحمل بھی معتبر اور ادا بھی معتبر (۲)۔

الامر الرابع: اگر فاسق بحالتِ فسق بھی شہادت دے اور قاضی کو تحری سے اس میں صدق راجح معلوم ہو تو اس پر حکم نافذ کرنا درست ہے، کیوں کہ بسا اوقات فاسق مختلف کبائر میں مبتلا رہتا ہے، لیکن کذب سے اجتناب کرتا ہے اور اسی کی یہاں ضرورت ہے:

"وكذا ينعقد النكاح بشهادة الفاسقين عندنا، وعنده لاينعقد. وجه قول الشافعي رحمه الله تعالى أن مبنى قبول الشهادات على الصدق، ولايظهر الصدق إلا بالعدالة؛ لأن خبر من ليس بمعصوم عن الكذب يحتمل الصدق والكذب، ولايقع الترجيح إلا بالعدالة، واحتج في انعقاد النكاح هكذا في الأصل والظاهر في عدم النكاح بقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكاح إلابولي وشاهدي عدل".

ولنا عمومات قوله تعالى: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ الآية. وقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكح إلا بشهود". والفاسق شاهد بقوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ قسّم الشهود إلى مرضيّن وغير مرضيّن، فيدل على كون غير المرضيّ -وهو الفاسق-

---

(۱) "ونحن نقول: إن النهي يرادبه عدم الفعل مضافاً إلى اختيار العباد، فإن كفّ عن المنهي عنه باختياره، يثاب عليه، وإلايعاقب عليه. وإن لم يكن ثمه اختيار، سمى ذلك الكف نفياً ونسخاً، لانهياً، كما إذا لم يكن في الكوز ماء ويقال له: لاتشرب، فهذانفي. وإن قيل له ذلك بوجود الماء، سمى نهياً، فالأصل في النهي عدم الفعل بالاختيار، الخ". (نورالأنوار، باب النهي، ص: ۶۳، سعيد)

(۲) "بل من شرائط الأداء حتى لوكان وقت التحمل صبياً عاقلاً أو عبداً أو كافراً أو فاسقاً، ثم بلغ الصبي وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق، فشهدوا عند القاضي، تقبل شهادتهم". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصلٌ في شرائط الركن: ۸/۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۹۵/۷، رشيديه)

شاهداً أولأن حضرة الشهود في باب النكاح لدفع تهمة الزنا، لاللحاجة إلى شهادتهم عند الجحود والإنكار؛ لأن النكاح يشتهر بعد وقوعه، فيمكن دفع الجحود والإنكار بالشهادة بالتسامع، والتهمة تندفع بحضرة الفاسق، فنعقد النكاح بحضرتهم.

وأما قوله: الركن في الشهادة هو صدق الشاهد، فنعم، لكن الصدق لايقف على العدالةلامحالة، فإن من الفَسقة مَن لايبالى بارتكابه، هكذا فى الأصل. والظاهر أنواعاً: أنواع من الفسق ويستنكف عن الكذب والكلام فى فاسق تحرى القاضى الصدق فى الشهادة، فغلب على ظنه صدقه. ولو لم يكن كذلك، لايجوز القضاء بشهادته عندنا. وأما الحديث فقدروى عن بعض نَقَلة الحديث أنه قال: لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ومن يثبت فلا حجة له فيه". بدائع صنائع: ٦/٢٧٠(١)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی شہادت بالکلیہ ہر حال میں مردود نہیں، بلکہ بعض اوقات میں مقبول بھی ہے۔

الامر الخامس: فاسق کی شہادت مقبول نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قاضی کے ذمہ اس کی شہادت کا قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کی شہادت کو (بعد تحری) قبول کرنا صحیح بھی نہیں ہے:

"باب القبول وعدمه: أى من يجب قبول شهادته ومن لم يجب، لامن يصحّ قبولها أو لايصح، لصحة الفاسق مثلاً". درمختار۔ "أى لصحة القضاء بشهادته: أى وقد ذكره مما لايقبل". طحطاوى: ٣/٢٣٩(٢)۔

الامر السادس: بعض مشائخ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ "جوشخص نکاح میں ولی بن سکتا ہے، وہ شاہد بھی بن سکتا ہے" اورحنفیہ کے نزدیک فسق مانعِ ولایت نہیں، پس اس کی شہادت بھی درست ہے:

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ٩/٢٨، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، باب القبول وعدمه: ٣/٢٣٩، مكتبه دارالمعرفة بيروت)

(وكذا فى الدرالمختار، باب القبول وعدمه: ٥/٤٧٢، سعيد)

"ومن ذلك قول الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالىٰ: إنه لاولاية لفاسق مع قول أبي حنيفة ومالك رحمهما الله تعالىٰ: إن الفسق لا يمنع الولاية". میزان شعرانی: ۲/۱۱٦(۱)۔

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس عقد کو خود قبول کرسکتا ہے، اس کی موجودگی میں وہ عقد درست ہوتا ہے اور فاسق عقدِ نکاح کو خود قبول کرسکتا ہے، لہٰذا اس کی موجودگی .... (کافر بسببِ نص کے اس حکم میں داخل نہیں)۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کی شہادت پر بعض فقہاء کے نزدیک حکم کرنا صحیح ہے اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے اور فاسق کی شہادت پر حکم کرنا بعض صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ امرِ رابع میں گذرا، پس اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے:

"من مشايخنا من أصّل في هذا أصلاً، فقال: كل من صلح أن يكون ولياً في النكاح بولاية نفسه، يصلح شاهداً فيه، وإلافلا. وهذا الاعتبار صحيح؛ لأن الشهادة من باب الولاية؛ لأنها تنفيذ القول على الغير، والولاية هي نفاذ المشيئة. ومنهم من قال: كل مَن يملك قبول عقد نفسه، ينعقد ذلك العقد بحضوره، ومن لافلا. وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الشهادة من شرائط ركن العقد، وركنه وهو الإيجاب والقبول، ولا وجود للركن بدون القبول، فكما لا وجود للركن بدون القبول حقيقةً لاوجود له شرعاً بدون الشهادة.

وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه أصّل فيه أصلاً، وقال: كل من جاز الحكم بشهادته في قول بعض الفقهاء، ينعقد النكاح بحضوره، ومن لايجوز الحكم بشهادته عند أحد، لايجوز .... بحضوره. وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الحضور لفائدة الحكم بها عند

---

(۱) (ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۰۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"هو البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً على المذهب مالم يكن متهتكاً". (الدرالمختار، باب الولي: ۳/۵۴، سعيد)

"والفسق لايسلب الولاية على المشهور، الخ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

الأداء، فإذا جاز الحكم بها في الجملة، كان الحضور مفيداً". بدائع مختصراً: ٢/٢٥٣(١)۔

انعقادِ نکاح بشہادۃ الاعمیٰ کی دلیل یہی کلیات ہیں، بدائع: ٢/٢٥٥(٢)۔

الامر السابع: دراصل "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت "اثبات النکاح عند الجحود" نہیں کہ مقبول الشہادۃ کی شہادت ضروری اور غیر مقبول الشہادۃ کی شہادت لاطائل اور کالعدم ہے، بلکہ علت کچھ اَور ہے، کما سیجیئ۔ البتہ مقبول الشہادۃ ہونا افضل ہے، ضروری نہیں، تاکہ بوقتِ جحو دثبوت میں سہولت رہے اور شہادتِ نکاح حضور عند العقد پر موقوف بھی نہیں، کما سيجي في الأمر الثامن۔ لہٰذا انعقاد ایسے گواہ کی گواہی سے بھی ہوجائے گا جس کی شہادت قطعاً مقبول نہیں:

"وكذا كون شاهد النكاح مقبول الشهادة عليه ليس بشرط، لانعقاد النكاح بحضوره، وينعقد النكاح بحضور مَن لاتقبل شهادته عليه أصلاً، كما إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه منهما، وهذا عندنا، وعند الشافعيؒ: لاينعقد. وجه قوله أن الشهادة في باب النكاح للحاجة إلى صيانته عن الجحود والإنكار، والصيانة لاتحصل إلا بالقبول، فإذا لم يكن مقبول الشهادة لاتحصل الصيانة.

ولنا أن الإشهاد في النكاح لدفع تهمة الزنا لالصيانة العقد عن الجحود والإنكار،

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في صفات الشاهد: ٣/٣٩٥، دارالكتب العلميه بيروت)

"وفي شرح الطحاوي: كل من يصلح أن يكون ولياً في النكاح بولاية نفسه، يصلح أن يكون شاهداً في النكح، ومن لافلا. إذا ثبت هذا، نقول: ينعقد النكاح بشهادة الفاسق والأعمى، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل السادس في الشهود: ٢/١٤، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ٣/٢٤، سعيد)

(٢) "وكذا بصرُ الشاهد ليس بشرط، فينعقد النكاح بحضور الأعمى، لما ذكرنا، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ٣/٤٠٣، دارالكتب العلميه بيروت)

"إذا ثبت هذا، نقول: ينعقد النكاح بشهادة الفاسق والأعمى". (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل السادس في الشهود، كتاب النكاح: ٢/١٤، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ١/٢٦٧، رشيديه)

والتهمة تندفع بالحضور من غير قبول على أن معنى الصيانة يحصل بسبب حضورهما وإن كان لاتقبل شهادتهما؛ لأن النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما، فإذا ظهر واشتهر، تقبل الشهاة فيه بالتسامع، فتحصل الصيانة. وكذا إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه لامنها، أو ابنيها لامنه، يجوز، لِمّا قلنا.

ثم عند وقوع الحجر والإنكار ينظر: إن وقعت شهادتهما لواحد من الأبوين، لاتقبل، وإن وقعت عليه تقبل؛ لأن شهادة الابن لأبويه غير مقبولة وشهادتهما عليه مقبولة". بدائع: ۲/۲۵۵(۱)۔

الامر الثامن: اگر "اثبات النکاح عند الجحود" کو "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت ہی کہا جاوے، فائدہ اور منفعت کے درجہ میں نہ مانا جائے، تب بھی گواہانِ انعقاد کا عادل ہونا لازم نہیں، کیونکہ ثبوت عند القاضی شہودِ انعقاد کی شہادت پر موقوف نہیں، لیکن بابِ نکاح میں بطریقِ استفاضہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہوتی ہے اور اس پر ائمۂ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نفسِ شہادت کو بھی ضروری نہیں مانتے، بلکہ اعلان وتشہیر کو ضروری اور کافی سمجھتے ہیں:

"ومن ذلك قول أبي حنيفة: إنه تجوز الشهادة بالاستفاضة في خمسة أشياء: في النكاح، والدخول، والنسب، والموت، وولاية القضاء، مع قول أصحاب الشافعي رحمه الله تعالى في الأصح من مذهبه جواز ذلك في ثمانية أشياء: في النكاح، والنسب، والموت، وولاية القضاء، والملك، والعتق، والوقت، والولاء. ومع قول أحمد رحمه الله تعالى: إنه تجوز في تسعة أشياء، الثمانية المذكورة عند الشافعية، والتاسعة: الدخول، اه". ميزان: ۲/۲۰۵(۲)۔ "ومن

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۴۰۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) (ميزان الشعراني، كتاب الشهادات: ۲/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ولايشهد أحد بمالم يعاينه بالإجماع، إلا في عشرة على مافي شرح الوهبانية: منها العتق والولاء عندالثاني، والمهر على الأصح، بزازية. النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضي وأصل الوقف، الخ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۷۰، ۴۷۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۹، دار الكتب العلميه بيروت)

ذلك قول الأئمة الثلاثة: إنه لايصح النكاح إلا بشهادة مع قول مالك رحمه الله تعالىٰ إنه يصح من غير شهادة، إلا أنه يعتبر فيه الإشاعة وترك التراضي بالكتمان". ميزان: ۲/۱۱۸(۱)۔

الامر التاسع: قضاء اور دیانت میں فرق کثیر ہے، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کی بے شمار جزئیات اس کی شاہد اور اس پر متفرع ہیں، کمالایخفی علی من طالع کتب الفقة، ولا إلا من لم یرزق التفقه(۲)۔

الامر العاشر: یہ تمام گفتگو اس وقت ہے کہ زید وعمر دونوں مقلد اور حنفی ہوں اور قولِ امام کو حجت کو سمجھتے ہوں اور خود منصبِ اجتہاد کے مدعی نہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو نزاع بیکار ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ ان کے لئے کسی عالم، مفتی، مجتہد، غوث، صحابی، کا قول وفعل حجت ہے خواہ وہ نصِ قرآنی یا حدیثِ صحیح پر ہی کیوں نہ مبنی ہو، بلکہ حدیث کا ترجمہ اور روایت بالمعنیٰ کیوں نہ ہو، نہ کسی کتاب فقہ کی نقل کافی ہے بلکہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آئے گا وہ کریں گے خواہ اس کا ماخذ کچھ بھی ہو اور خواہ کسی طرح سمجھا ہو ﴿والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم﴾۔ لہٰذا ان کو اولاً مسئلۂ تقلید کا فیصلہ ضروری ہے، کیونکہ یہ اسی پر مبنی ہے: ﴿تلك عشرة كاملة﴾۔

۲...... داڑھی منڈوانا یا ایک قبضہ تک پہونچنے سے پہلے کٹانا بلاشبہ ممنوع اور ناجائز ہے، روایاتِ حدیث وفقہ اس پر صراحۃً دال ہیں، ملاعلی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

"قص اللحية كان صنيع الأعاجم، وهو اليوم كثيرٌ من أهل الشرك وعَبَدة الأوثان كالإفرنج والهنود ومَن لاخلاق لهم في الدين من الفرقة الموسومه بالقلندرية في زماننا،اه"(۳)۔

---

(۱) (ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو نوى الطلاق: أي بقوله: أنت طالق عن وثاق، لم يديّن في القضاء؛ لأنه خلاف الظاهر، إلا أن يكون مكرهاً، ويديّن فيما بينه وبين الله تعالىٰ؛ لأنه يحتمله. ولو نوى به الطلاق عن العمل، لم يديّن في القضاء ولافيما بينه وبين الله تعالىٰ .... ولو صرح فقال: أنت طالق من هذا لعمل، صدق ديانةً لاقضاءً، الخ". (فتح القدير، باب إيقاع الطلاق: ۴/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، باب إيقاع الطلاق: ۲/۳۵۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول: ۲/۹۱، رشيديه)

جس امر کے متعلق شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نصِ صریح موجود ہے اور اس پر اجماع بھی ثابت ہے، آج اس کے خلاف اعتقاد رکھنا، یا فتویٰ دینا درحقیقت اس کو منسوخ کرنا اور دعوائے نبوت کرنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اختلافِ زمان سے بعض احکام بدل جاتے ہیں، لیکن احکامِ منصوصہ کبھی نہیں بدلتے، اگر ایسے تبدیل کا حکم عام ہوجائے تو آج پابندِ صلوۃ وجماعت بھی بہت کم دستیاب ہوتے ہیں، اسی طرح غور کرکے دیکھا جائے تو شریعت کے بہت امر ونواہی اس نوع کے ملیں گے کہ جن پر عمل کرنے والے خال خال ہیں، اسی طرح کتنی سنتیں رہی ہوں گی جو مردہ ہوچکی ہیں۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ان احکام کو بسط سے بیان کیا ہے جو اختلافِ زمان سے مختلف ہوگئے ہیں (۱)۔

رہا عمرو کا یہ کہنا کہ حقیری کا دروازہ بند ہوجائے گا تو یہ عذر کوئی مقبول عذر نہیں، کتنے مقدمات ہیں جو مطابقِ شریعت طے ہوتے ہیں اور کتنے خلافِ شریعت، کوئی عدالت اور حکومت دنیا میں علی منہاج النبوۃ نہیں۔ ان حالات کے پیشِ نظر تو عمرو کے قول کے موافق بیشتر واکثر بلکہ باستثنائے بعض قلیل (کالعدم) تمام احکام کا بدل جانا کچھ غیر مناسب نہیں، لہذا دینِ اسلام کیا ہوا، جو کچھ وقت پر مناسب سمجھا وہی ہوا قطع نظر اس سے کہ شرع کا یہ حکم دائمی ہے یا وقتی ہے، پس داڑھی کا حکم تو وہی رہے گا جو کہ منصوص ہے۔

رہا شہادتِ فاسق کا مسئلہ تو اس کے متعلق پہلے جواب میں معلوم ہوچکا ہے کہ بغیر تحری کے حکم نافذ کرنا ناجائز ہے اور تحری کے بعد اگر صدق کا غلبۂ ظن ہوجائے تو حکم جائز ہے، مطلقاً اس کی شہادت کا قبول کرنا ممنوع نہیں، عادل کو اس کے مقابلہ میں یقیناً ترجیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

= (وكذا في بذل المجهور، باب السواك من الفطرة: ١/٣٣، إمداديه ملتان)

(١) "فكثيرٌ من الأحكام تختلف باختلاف الزمان، لتغير عرف أهله، أو لحدوث ضرورة، أو فساد أهل الزمان، بحيث لو بقي الحكم على ما كان عليه، أولا، لَلزم منه المشقة والضرر بالناس ولَخالف قواعد الشرعية المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد، لبقاء العالم على أتم نظام وأحسن أحكام، ولهذا ترى مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بناها على ما كان في زمنه، لعلمهم بأنه لو كان في زمنهم، لَقال بما قالوا به أخذاً من قواعد مذهبه، الخ". (رسائل ابن عابدين، =

10

بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں بعض منکر تو کیا کیا جائے؟

سوال[۵۳۲۲]: ۱......ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغ لڑکی دونوں نے چھپ کر نکاح کرلیا ہے، اب دونوں کے والدین کو خبر نہیں۔ نکاح کے ایک کاغذ پر وکیل کے دستخط اور دولہا دولہن کے دستخط اور قاضی کے دستخط ہیں، ان سبھوں کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے۔ جب نکاح کا چرچا ہوا تو بعض لوگوں کی ڈر سے ایک گواہ اور قاضی دونوں انکار کر رہے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا ہے اور انکار کرنے والوں کے دستخط بھی ہیں، دستخط کر کے بھی انکار کر رہے ہیں۔ ابھی دولہا اور دولہن اور ایک گواہ اور وکیل یہ چاروں کہہ رہے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ اب بتائیے کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اب لڑکا اور لڑکی کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں؟

۲......دولہا اور دولہن اور وکیل اور ایک گواہ یہ چاروں قرآن مجید کی حلف لینے کیلئے تیار ہیں کہ نکاح ہوا ہے، اور ایک گواہ اور قاضی دونوں دستخط کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی حلف لینے کے لئے تیار ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لہٰذا من جانب پنچایت حلف دلوا سکتے ہیں کہ نہیں؟ از روئے شرع مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور بالغ ہیں اور ایک گواہ اور وکیل کا بیان یہ ہے کہ ہمارے سامنے لڑکے سے یہ کہا گیا کہ یہ لڑکی تمہارے نکاح میں دے، اور لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا اور لڑکی بھی اسی مجلس میں موجود تھی تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہو گیا(۱)، کسی سے حلف لینے کی ضرورت نہیں، دونوں کے والدین کو اعتراض

= نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۲/۱۲۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "وعلى هذا إذا زوّج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد، إن كانت حاضرةً ،جاز وإن كانت غائبةً، لم يجز، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۷، شركة علميه ملتان)

وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الشبلي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

نہیں ہے تو اپنے اطمینان کیلئے دوبارہ ایجاب وقبول کرادیں، بات کوطول نہ دیں، انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

قاضی، گواہ، نوشہ بے شرع ہونے کے ساتھ نکاح

سوال[۵۳۲۳]: اگر قاضی، گواہ، نوشہ(۱) بےشرع ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحیح ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک عورت پر دو شخصوں کا دعوائے نکاح

سوال[۵۳۲۴]: تجمل علی اور عبدالنور نامی دوشخصوں نے ایک عورت پر زوجیت کا دعویٰ کرکے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے کے دعویٰ پر شاہد پیش کیا۔ اس عقد کی شہادت طلب کی گئی تو تجمل علی نے ایک وکیل اور ایک شاہد پیش کیا اور دوسرے شاہد نے باوجود طلب کے شہادت دینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں ایک مرتبہ پنچایت میں شہادت دے چکا ہوں، دوبارہ مقررہ حاکم کے پاس شہادت نہیں دونگا۔ عبدالنور نے ایک وکیل اور ایک شاہد اپنے بہنوئی اور شاہد اُن کے باپ کو پیش کیا اور عورت بالغہ ہے۔ لہٰذا عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میرا نکاح پہلے عبدالنور سے ہوا ہے، اس کے چندروز بعد جبراً تجمل علی کے ساتھ نکاح کردیا گیا۔

---

(۱) ''نوشہ: دولھا، نوجوان بادشاہ''۔ (فیروز اللغات، اردو، ص:۱۳۲۰، فیروزسنز، لاہور)

(۲) نکاح دراصل گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا نام ہے، لہٰذا سوال میں مذکورہ تینوں کے بےشرع ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نکاح صحیح ہوجائے گا: ''وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ''. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

''ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضي خان''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

''وجاز كونهما فاسقين أو محدودين في قذف أو أعميين، الخ''. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۱/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میرے شوہر عبدالنور مجھ کو لے آئے، لہٰذا اب تین سال سے میں اطمینان سے اپنے شوہر کے پاس ہوں اور میرے دو اولاد ہیں۔ ایک عالم نے بھی عبدالنور کے نکاح کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا، ایک مفتی نے بھی عبدالنور کا نکاح صحیح ہونے کا فتویٰ دیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

باپ کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے (۱)، البتہ اگر زوجین میں سے کوئی منکر ہو تو باپ کی شہادت اولاد کی موافقت میں قضاءً معتبر نہیں ہوتی (۲)، صورتِ مسئولہ میں کوئی منکر نہیں، لہٰذا اس نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ عبدالنور کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیو بند۔



(۱) "أمر الأب رجلاً أن يزوّج صغيرته، فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، وإلا لا". (الدرالمختار). "فاندفع ما أورده في النهاية: من أنه تكلف غير محتاج إليه، فإن الأب يصلح شاهداً". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۴، سعيد)

"قال في النهاية: هذا تكلف غير محتاج إليه في المسئلة الأولى؛ لأن الأب يصلح أن يكون شاهداً في باب النكاح، فلا حاجة إلى نقل المباشرة من المأمور إلى الآمر حكماً، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۸۴، امداديه ملتان)

(۲) قال العلامة ابن الهمام: "وأما الأخوان بأن يزوج الأب ابنته بشهادة ابنيه، فأنكر الزوج وادّعاه الأب والبنت كبيرة، أو المرأة فشهد، لاتقبل. ولوكان الزوج هو المدعي والمرأة منكرة، أو الأب، قبلت، هذا قول أبي يوسف. وعند محمد: تقبل وإن كان المدعي الأب أو المرأة أيضاً، والأصل أن كل شئ يدعيه الأب فشهادتهما فيه باطلة وإن لم يكن فيه منفعة له لشبهة الأبوة عند أبي يوسف، لثبوت منفعة نفاذ كلامه. وقال محمد: كل شئ للأب فيه منفعة حجدا وادعاء، فشهادة ابنيه فيه باطلة، وكذا كل شئ وليه ممايكون خصماً فيه كالبيع ونظائره". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۵/۵۲۸، ۵۲۹، رشيديه)

فصل في الإكراه على النكاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

مار پیٹ اور آبروریزی کے خوف سے اپنی بیٹی کا نکاح کرانا

سوال[۵۳۲۵]: میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرے فرزند غلام رسول کا مسماۃ نورانی کے ساتھ ناجائز تعلق مشہور تھا، مسماۃ نورانی کے سسر اور خاوند سدا نے مشورہ کیا کہ ایک رات نورانی کو میرے گھر روانہ کردیا جائے، میں اس وقت موجود نہ تھا۔ جب نورانی میرے فرزند کے پاس آکر بیٹھی تو فوراً محمد نور مسماۃ نورانی کا سسر بھی پہنچ گیا، محمد نور نے آکر غلام رسول اور نورانی دونوں کو پکڑا اور شور وغل مچایا، میرا فرزند تو بھاگ گیا، نورانی کو لے کر وہ گھر چلے گئے، لوگ بھی سن کر جمع ہو گئے، چرچا ہو گیا۔

صبح سویرے محمد نور اور اس کی برادری کے تمام لوگ ہتھیار ڈنڈے لیکر میرے گھر پر حملہ کردیئے اور ہم کو آکر پکڑ لیا اور شہر کا نمبردار بھی ان کے ساتھ ہو گیا تھا، تمام دن ہم کو قید رکھا اور بُرا بھلا کہتے رہے اور کہا: یا فرزند ہمارے حوالہ کرو چاہے ہم اس کو قتل کریں یا جو ہماری مرضی ہو، فرزند صاحب تو ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ پھر انہوں نے کہا: یا اپنی دختر کا محمد نور کے پوتا محمد اسلام سے نکاح کردو، یا تمہاری عورت اور دختر کو ہم جبریہ اٹھاتے ہیں اور تم اگر مقابلہ کروگے تو قتل کردیئے جاؤ گے، نمبردار نے تو ہم کو مارا بھی ہے۔ میں اکیلا تھا، گھبرایا، تب ہم نے ڈر اور پیٹ کی وجہ سے کچھ سوچے بغیر اپنی دختر معصومہ کا جس کی عمر تقریباً چار سال ہے نکاح کردیا اور میرے گواہ موجود ہیں اور یہ بات تمام لوگوں کو معلوم ہو چکی ہے۔

بیانِ گواہ حسین بخش

''میں مسجد میں بیٹھ کر اور بقبلہ رو بیٹھ کر کلمۂ ''اشھد'' کہہ کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ بخش کے گھر پر محمد نور وغیرہ تمام برادری نے بمع ہتھیار حملہ کر کے اللہ بخش کو پکڑ لیا اور تمام دن قید رکھا اور تقاضا کیا کہ یا فرزند

ہمارے حوالہ کرو، ہم اس کو قتل کرتے ہیں، وہ غلام رسول تو کہیں بھاگ گیا اور یا تو دختر کا نکاح کردو، یا پھر ہم جبر یہ لے جائیں گے''۔

بیانِ گواہ محمد بخش

''میں مسجد میں بیٹھ کر روبقبلہ بیان کرتا ہوں''............کچھ اضافہ کے ساتھ وہی بیان۔

جناب مفتی صاحب! اس معاملہ کو ایک عالم فاضلِ دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تو ان فاضل نے یہ تحریر کردیا کہ یہ نکاح محض بداور ناعاقبت اندیشی اور سوئی خیار اور ظلم بدتمیزی سے کیا گیا ہے جو باتفاقِ ائمۂ اربعہ اصلاً باطل ہے اور جس پاداش میں یہ نکاح ہوا، اس میں اللہ بخش اور معصومہ کا کیا قصور ہے، اگر ایسے نکاح درست قرار دیئے جائیں تو پھر غریب کی تو جگہ بھی دنیا میں نہیں۔ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس ظلم اور تشدد کے باوجود نکاح منعقد ہوگیا اور لازم ہوگیا: "والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدةٌ عندنا، إلا أن مايحتمل الفسخ منه كالبيع والإجارة يفسخ، و مالا يحتمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر فهو لازم، كذا في الكافي". و فتاوی عالمگیری: ۳/ ۵۹۰(۱)۔

جیسے کہ ظلم وتشدد سے مجبور ہوکر کوئی طلاق دیدے تو واقع ہوجاتی ہے۔ ناعاقبت اندیش اور سوئے خیار وہ ہوتا کہ لالچ میں کہیں غیر کفو میں نکاح کردیا جاتا، جس سے سوئے اختیار ثابت ہوکر آئندہ اس کا کیا ہوا نکاح

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإكراه، الباب الأول: ۵/ ۳۵، رشيديه)

"إذا أكره على أن يعقد عقداً من العقود، فهو على وجهين: إن كان عقداً لا يبطله الهزل مثل الطلاق والنكاح والعتاق، جاز العقد، ولا يبطل بالإكراه. وإن كان عقداً يبطله الهزل مثل البيع والشراء والإجارة وغيرها، فإنه لا يجوز، ويبطل، الخ". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإكراه: ۲/ ۱۵۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/ ۱۳۶، رشيديه)

محلِ کلام ہوتا جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں تفصیل سے بیان کیا ہے(۱)،صورتِ مسئولہ اس میں داخل نہیں۔غریب کے متعلق جواشکال نکاح پر ہے وہ ہی مسئلۂ طلاق پر بھی ہوسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۸۹/۱۰/۱۳ھ۔

نکاح بذریعۂ اکراہ

سوال[۵۳۲۶]: زید کی ایک لڑکی ہے اس کو دس آدمی مل کر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو اور اگر نہیں کرتے تو ہم تم کو ماریں گے۔اب اگر لڑکی کا باپ بخوفِ جان بکر سے اپنی لڑکی کا نکاح کردے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بلاوجہ اس طرح جبر کرنا گناہ اور ناجائز ہے،مگر نکاح اس صورت سے بھی منعقد ہوجاتا ہے:"نكاح المكره صحيح، اهـ". شامي: ۲/۳۷۳(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وفي شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه، لا يجوز عقده إجماعاً، الخ". (ردالمحتار، باب الولي: ۶۶/۳، ۶۷، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو تجوزت: ۲۱/۳، سعيد)

"والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدة عندنا، إلا أن مايحتمل الفسخ منه، كالبيع والإجارة، يفسخ. ومالا يتحمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر، فهو لازم، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإكراه، الباب الأول: ۳۵/۵، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإكراه: ۱۵۶/۲، مكتبه ميمنيه مصر، ومكتبه تاجران كتب بازار قندهار، افغانستان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۱۳۶/۸، رشيديه)

جبراً نکاح

سوال[۵۳۲۷]: ہندہ کا عقدِ نکاح بزمانۂ بلوغِ ہندہ، زید کے ساتھ اس کے والدین نے کردیا، ہندہ اس نکاح پر قطعی رضامند نہ تھی اور نہ بروقتِ ایجاب وقبول ہندہ سے اجازت نکاح لی گئی، ہندہ نے اس مقام پر بہت آہ وفغاں کر کے اظہار ناراضگی بھی کیا مگر حسبِ رواجِ ہندوستان ہندہ کی والدہ، نانی وغیرہ نے ہندہ کو چُپ کر کے دبا لیا اور کہا کہ تو بڑی بے حیا لڑکی ہے، ننگ خاندان وغیرہ کہہ کر آہ وفغاں سے روک دیا۔ علاوہ ازیں ہندہ کو اس وقت یہ علم بھی یقینی طور پر نہ تھا کہ بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف والدین وغیرہ نہیں کر سکتے ہیں، اس وجہ سے بھی ہندہ بصدرنج وملال خاموش ہوکر زید کے یہاں چلی گئی۔

ہندہ کے والدین ناخواندہ اور حکم شرع سے ناواقف تھے، اس وجہ سے ان کو ہندہ کے انکار کی اہمیت نہ ہوئی اور ہندہ کو زید کے ساتھ رخصت کردیا۔ جب ہندہ زید کے یہاں چلی گئی، حسبِ رواج ہندہ اور زید تنہا مکان میں رہے۔ چونکہ یہ نکاح ہندہ کی مرضی کے خلاف منعقد ہوا تھا اس وجہ سے زید وہندہ میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، اگر زید ہندہ کی طرف بڑھا تو ہندہ نے اس کی دست درازی کو روک دیا، غرض کہ زید وہندہ میں کوئی تعلقِ زن وشوئی کا پیدا نہ ہوا۔ اسی ردوکد میں زید نے ہندہ کو اکثر نہایت بے دردی سے یہاں تک مار پیٹ کیا کہ ہندہ کی تندرستی بھی خراب ہوگئی، مگر ہندہ نے اس کی مقاربت کو کبھی گوارہ نہ کیا۔ ہندہ بخوفِ جان اپنے میکے میں چلی آئی، زید نے ہندہ کو جبراً لیجانا چاہا مگر ہندہ خود نہیں گئی۔

زید وہندہ کے رشتہ داروں میں نہایت جھگڑے، فساد، مار پیٹ ہوئی یہاں تک کہ آپس میں مقدمہ بازی شروع ہوگئی۔ ہندہ کی طرف سے دعویٰ استقرارِ طلاق، دینِ مہر۔ زید کی طرف سے دعویٰ دخلِ زوجیت عدالت منصفی میں رجوع ہوگیا۔ ہندہ کے رشتہ داروں نے زید کو پیغام دلوایا کہ فریقین میں تنازعہ طویل ہوگیا، آرام کے ساتھ زندگی بسر ہونے کی کوئی توقع نہیں، بہتر ہے کہ تو ہندہ کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کردے، ہندہ تجھ کو ایک ہزار روپے دینِ مہر کا معاف کرتی ہے، مگر زید اس کے لئے آمادہ نہیں۔ بالآخر مقدمہ بازی ہوکر زید کا دعویٰ خارج ہوگیا اور ہندہ کا دعویٰ زید پر ڈگری ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں کیا حکم ہے؟ نکاحِ متذکرہ جائز ہوا یا نہیں؟ اور عدت ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح منعقد ہوگیا تو اس سے چھٹکارہ کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: شمشاد خان، ماموں حقیقی ہندہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے عقد کے بعد اس نکاح کو رد کر دیا تھا تو وہ رد ہو گیا تھا، اگر رد نہیں کیا بلکہ سکوت کیا اور شوہر کے گھر چلی گئی (اگر چہ خوشی سے نہ گئی ہو) اور وہاں پہونچ کر شوہر کے سامنے نکاح کو رد نہیں کیا اور اس کے بعد سختی سے تنگ آ کر مقدمہ کی نوبت آئی اور مسلمان حاکم نے شوہر کی سختیوں کی تحقیق کر کے تفریق کر دی ہے تو شرعاً یہ تفریق معتبر ہے۔ اب اس کو عدتِ طلاق تین حیض گزار کر نکاح کرنا جائز ہوگا۔

یہ سب حکم اسی وقت ہے کہ حاکم مسلمان ہو، اگر حاکم غیر مسلم ہے تو اس کی تفریق معتبر نہیں، کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے تفریق کا حکم حاصل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

بہتر یہ ہوتا کہ فیصلہ کی نقل اور مدعی اور مدعیٰ علیہ کا بیان استفسار کے ساتھ آتا، تا کہ تمام پہلوؤں پر غور کیا جا سکتا۔ سوال مجمل اور مبہم ہے جو کچھ اس سے متبادر ہوتا ہے اس کے مطابق جواب صحیح ہے، مگر احتیاط یہ ہے کہ کاغذاتِ مقدمہ مفتی صاحب کو دکھلا کر دوبارہ تحقیق کی جائے۔ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۵ھ۔

ضمیمہ:

سوال جو بجواب تنقیح مکرر آیا، چنانچہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، سائل نے حسبِ طلب مقدمہ کی مسل روانہ کی جو حسب ذیل کاغذات پر مشتمل تھی:

۱- عرضی دعویٰ: جس میں مدعیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ شوہر نے مجھے طلاق دے دی۔

۲- بیان تحریری مدعیٰ علیہ: جس میں اس نے تحریر کیا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

۳- نقلِ فیصلۂ حاکمِ مسلم: جس میں حاکم نے بوجۂ عدم پیروی وغیر حاضریٔ مدعیٰ علیہ یکطرفہ مدعیہ کا دعویٰ ڈگری کر دیا۔

۴- نقل عرضی دعویٰ خاوند برائے دخلِ زوجیت۔

۵- فیصلۂ حاکم: جس میں مدعی کے دعویٰ کو خارج کر دیا ہے اور عورت کو آزاد اور فیصلۂ حاکمِ اول کو بحال رکھا گیا ہے۔

ان کاغذات کے ملاحظہ کے بعد حسب ذیل جواب دیا گیا:

الجواب حامداً ومصلياً:

مسماۃ سروری بیگم مدعیہ ہے اور دعویٰ یہ نہیں کہ ''شوہر تنگ رکھتا ہے، لہٰذا تفریق کردی جائے'' بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ ''شوہر نے طلاق دے دی ہے''۔ اصولِ شرع کے موافق مدعیہ کے ذمہ ضروری تھا کہ اپنے دعوی کے ثبوت میں دو عادل گواہ پیش کرتی، اور گواہ موجود نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ شوہر سے قسم لی جاتی کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اگر مدعیہ گواہ پیش کردیتی، یا گواہ موجود نہ ہونے کی حالت میں مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کردیتا تب عورت کے حق میں مقدمہ فیصل کیا جاتا۔ مگر کاغذات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعیہ سے گواہ نہیں طلب کئے گئے نہ مدعیٰ علیہ سے قسم لی گئی، بلکہ مدعیٰ علیہ کے غیر حاضر ہونے کی وجہ سے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔

یہ فیصلہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، اس کا نفاذ شرعاً درست نہیں، اولاً: اس وجہ سے کہ مدعیہ سے گواہ نہیں طلب کئے گئے۔ ثانیاً: اس لئے کہ مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی گئی۔ ثالثاً: اس لئے کہ مدعیٰ علیہ کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں فیصلہ کیا گیا، جو کہ قضا علی الغائب ہے اور قضاء علی الغائب ایسی صورت میں ناجائز ہے:

"فإذا صحت الدعوىٰ، سأل المدعىٰ عليه عنها، فإن أقر أ وأنكر، فبرهن المدعى قضى عليه، وإلا حلف و طلبه". بحر(۱)۔ "ولا يقضىٰ على غائب وله: أي لا يصح بل و لا ينفذ على المفتى به، بحر. إلا بحضور نائبه. الخ". درمختار(۲)۔

دوسرا دعویٰ شوہر کا دخلِ زوجیت کے متعلق جو خارج کیا گیا ہے اس کے خارج کرنے کی بناء پر زیادہ تر مسماۃ سروری بیگم کے دعوی کی کامیابی بیان کی گئی ہے اور اس کی شرعی حیثیت اوپر معلوم ہوچکی۔ اب تمام صورت کا شرعی جواب اسی قدر ہے کہ اگر ہندہ نے بعد عقد اس نکاح کو رد کردیا تھا، تب تو رد ہوگیا، اگر رد نہیں کیا بلکہ اجازت دیدی تو جائز ہوگیا(۳)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الدعوى: ۷/۳۴۵، ۳۴۶، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، فصل في الحبس، مطلب في أمر الأمير و قضائه: ۵/۴۰۹، سعيد)

(۳) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً. فإن =

پس اگر نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہے تو اس طرح دعویٰ کرنا چاہئے کہ ''شوہر سختی کرتا ہے، اس لئے نکاح فسخ کر دیا جائے'' اور یہ دعویٰ حاکم مسلم کی عدالت میں ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

ایضاً

سوال[۵۳۲۸]: ہندہ کا نکاح جبراً اس کے بھائیوں نے زید سے کر دیا، باپ کا انتقال ہو چکا تھا، ہندہ عاقل بالغ تھی، رخصتی بھی جبراً کی گئی، اس حالت میں ایک سال ہوا، شاید دو مرتبہ اسی سال میں بیوی کی ملاقات ہوئی۔ اس طریقہ سے ہندہ زید سے ہرگز خوش نہیں اور نہ نکاح کو مانتی ہے۔ اس حالت میں ہندہ زید کی زوجہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تفریق کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے صاف صاف انکار کر دیا تھا اور پھر بھی بھائیوں نے اس کا نکاح کر دیا اور نکاح ہو جانے کی خبر سن کر ہی ہندہ نے انکار کر دیا اور اس نکاح کو نامنظور کر دیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، پھر اس کا زید کے ساتھ

= فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/۲۸۷، رشیدیه)

"و لا تجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أی الولی وهو السنة". (الدر المختار). "وإن زوجها بغیر استیمار، فقد أخطأ السنة، و توقف علی رضاها، بحر عن المحیط. الخ". (رد المحتار، باب الولی: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۴، رشیدیه)

(۱) "وأهله أهل الشهادة: أی أدائها علی المسلمین.......... و به علم أن تقلید الکافر صحیح، وإن لم یصح قضاؤه علی المسلم حال کفره، الخ". (الدر المختار، مطلب الحکم الفعلی: ۵/۳۵۴، سعید)

"فیشترط أهلیة القضاء، ولا یجوز تحکیم الکافر، الخ". (الهدایة، باب التحکیم: ۳/۱۴۳، امدادیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، باب التحکیم: ۷/۳۱۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

رخصت ہونا اور ملاقات کرنا سخت گناہ ہوا، ایسی صورت میں وہ زید کی زوجہ نہیں (۱)۔ اگر ہندہ نے نکاح ہوجانے کی خبر سن کر خاموشی اختیار کی اور پھر زید کے ساتھ رخصت ہوکر چلی گئی اور زید کو اپنے اوپر قابو دے دیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگیا (۲) اگر چہ دل میں اس سے ناخوش ہو، اب ہندہ زید کی بیوی ہے، دوسری جگہ نکاح کا اس کو اختیار نہیں جب تک زید طلاق نہ دیدے، اس کو چاہئے کہ زید کے ساتھ رہ کر اس کے حقوق ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

بیوہ کا زبردستی نکاح

سوال [۵۳۲۹]: ایک بیوہ عورت ہے، اس کے ہمراہ ایک لڑکی بھی ہے، بیوہ ہونے کے بعد تقریباً سال بھر اپنے میکے میں رہ کر گزر بسر کیا۔ بعد ازاں اس کے باپ نے ایک جگہ نکاح کی بات چیت کی، نکاح ہونے کی خبر سن کر اس کا پہلا خسر اس کے میکے میں آیا اور کہا کہ تم میرے یہاں چلو، میں اپنے دوسرے لڑکے کے ساتھ تمہارا نکاح کردوں گا، مگر وہ عورت جانے کے لئے کسی بھی طرح رضامند نہ ہوئی۔

آخر کار عورت کی لڑکی کو اس کا خسر گود میں لے کر اپنے گھر چلا گیا، لڑکی کو لینے کے لئے عورت نے

---

(۱) "لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها، بکراً کانت أو ثیباً، فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، و إن ردته بطل، کما فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/ ۲۸۷، رشیدیه)

"و لا تجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة علی البلوغ، فإن استأذنها هو: أی الولی وهو السنة". (الدرالمختار). "و إن زوجها بغیر استیمار فقد أخطأ السنة، و توقف علی رضاها، بحر عن المحیط". (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/ ۵۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/ ۱۹۴، رشیدیه)

(۲) "و لو کانت البکر قد دخل بها زوجها، ثم قالت: لم أرض، لم تصدق علی ذلک، و کان تمکینها إیاه من الدخول بها رضا، إلا إذا دخل بها و هی مکرهة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/ ۲۸۹، رشیدیه)

(و کذا فی المبسوط للسرخسی، کتاب النکاح، باب نکاح البکر: ۳/ ۷، غفاریه)

اصرار کیا مگر وہ نہ مانا، لہٰذا مجبوراً عورت لڑکی کی محبت سے اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ گھر جا کر اس کے خسر نے نکاح کی مجلس منعقد کی جب عورت سے نکاح کی منظوری لی گئی، اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میرے باپ اور بھائی کو بلوالو، چنانچہ اس کا خسر گالی گلوچ دینے لگا، عورت اٹھ کر دوسرے گھر چلی گئی، اس کے خسر نے نکاح پڑھادیا، پھر بچہ کے ساتھ کچھ دنوں تک وہ عورت اس پہلے خسر کے یہاں رہی۔

نکاح کے چھٹے مہینے اس عورت کی لڑکی پیدا ہوئی جس کی بنا پر عورت کو نکال دیا اور کہا کہ جس کے نطفہ سے ہو لے کر جاؤ، یہ تمہارا بچہ ہمارے کام کا نہیں، لہٰذا عورت نے اپنے باپ کو بلوایا اور باپ کے ہمراہ اپنے میکے میں چلی آئی اور وہاں سے ایک مسلم شخص کو بتایا کہ فلاں کے نطفے سے ہے، چنانچہ اب وہ عورت اس کے یہاں مقیم ہے۔ آیا اس عورت کا نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟ اور دوسرے شخص سے اس کو نکاح کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ یہ بھی ارشاد ہو کہ جب کہ نکاح پڑھانے والے لوگ کہتے ہیں کہ عورت نے منظور کیا تھا اور عورت ہر حال میں بیان کرتی ہے کہ میں نے نہیں منظور کیا، میں دوسری جگہ چلی گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کے بعد بھی عورت نے انکار کیا ہے تو شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوا، اور اگر نکاح کے بعد انکار نہ کیا، بلکہ اجازت دیدی خواہ دوسروں کے برا بھلا کہنے ہی سے اجازت دی ہو تو نکاح صحیح ہو گیا۔ پہلی صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے، دوسری صورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے اور عدت نہ گذر جائے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں:

قال في الفتاوى الهندية: "لا يجوز نكاح أحدٍ على بالغة صحيحة العقل من أب، أو سلطان بغير إذنها، بكراً أو كانت ثيباً، فإن فعل ذلك، فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته، جاز. وإن ردته، بطل. اهـ". هنديه: ۱/۲۸۷ (۱)۔ قال في الفتاوى الهندية: "لا يجوز

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

"(و لا تجبر بكر بالغة على النكاح): أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا، الخ".

(البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، رشيديه)

"وإن زوجها بغير استيمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها، بحر عن المحيط". =

للرجل أن يتزوج زوجة غيره. اهـ". هنديه: ۱/ ۲۸۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال [۵۳۳۰]: ایک بیوہ عورت کا نکاح زبردستی ایک نابالغ سے کردیا گیا بغیر اس کی رضامندی کے، اور اس کا نشانی، انگوٹھا بھی درج کرلیا، مگر وہ یہ کہتی رہی کہ مجھ کو ساری کو بھی نہ لگالو تب بھی اس کے یہاں نہ رہوں گی۔ پھر اسی کے مکان پر ایک سال گزر بسر کرتی رہی، کیونکہ بیوہ اسی کے بھائی کی عورت تھی یعنی جس کے ساتھ نکاح ہوا، جنھوں نے جبراً نکاح کیا تھا، انھوں نے اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کردیا جہاں وہ رضامند تھی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر نکاح کے بعد بھی اس نے انکار کردیا تھا اور وہ راضی نہ تھی تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوا تھا اور پھر جس جگہ اس کی رضامندی سے نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔

اور اگر نکاح ہوجانے پر وہ رضامند ہوگئی تھی تو نکاح صحیح اور لازم ہوگیا تھا (۲) پھر دوسری جگہ جو نکاح

= (ردالمحتار، باب الولی: ۳/ ۵۸، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(۲) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، كذا في السراج الوهاج".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/ ۲۸۷، رشیدیه)

"و لا تجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أي الولي، وهو السنة". (الدرالمختار). "وإن زوجها بغير استيمار فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها".

(ردالمحتار، باب الأولیاء: ۳/ ۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/ ۱۹۴، رشیدیه)

ہوا، وہ صحیح نہیں ہوا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ،مفتی مدرسہ ہذا،۵/۹/۵۹ھ۔

لڑکی کا جبراً نکاح

سوال[۵۴۳۱]: ۱......ایک بارہ سالہ لڑکی کو کسی ظالم نے عداوۃً زبردستی باہر جنگل سے اٹھا کر اور بلا رضامندی لڑکی کے بلا اجازت وارثین کے اس کا نکاح کردیا گیا، یہاں تک کہ اس لڑکی کے والدین و وارثین کو کچھ خبر تک بھی نہیں ہے بلکہ وہ شب وروز اس گمشدہ لڑکی کے متلاشی ہیں۔اس صورت مذکورہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یا دوسرے کسی امام کے نزدیک یا حدیث وقرآن کی رو سے یہ نکاح صحیح ودرست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک مولوی صاحب نے پانچ روپیہ کے عوض باوجود حالات معلوم ہونے کے دو گواہوں کے روبرو نکاح پڑھادیا۔ازروئے شریعت اس نکاح پڑھانے والے کی بھی کوئی گرفت ہے یا نہیں؟

اور بروقتِ نکاح جس وقت لڑکی سے اجازت طلب کی گئی تو اس نے صاف انکار کردیا کہ میں یہاں نکاح نہیں کرتی تو لوگوں نے اس لڑکی کو کاغذ پر انگوٹھا لگانے پر مجبور کیا،مگر لڑکی نے صاف انکار کردیا اور انگوٹھا بھی نہیں لگایا۔پھر اس جگہ سے لڑکی کو اٹھا کر دوسرے ضلع میں لے گئے، وہاں پر دو آدمیوں نے مارنے کی دھمکی دی اور زبردستی پکڑ کر انگوٹھا لگوایا۔اب یہ انگوٹھا نکاح ہونے کی حجت و دلیل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی اس کا جواب مفصل مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۲......وعدہ خلافی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......شرعاً یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، جس شخص نے باوجودِ علم کے یہ نکاح پڑھایا ہے وہ سخت گناہ گار ہے، لڑکی

---

(۱) اگر نکاح پر رضامند ہوگئی تو اب منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے نکاح ثانی درست نہیں ہوا:

"لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط الا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

اگر بالغہ ہوتو اس پر جبر کا حق کسی کو حاصل نہیں "لاتجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، اھ". درمختار: ۲/ ۴۸۹(۱)۔

اگر نابالغہ ہوتو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے: "الولي شرط صحة نكاح صغير، اھ". درمختار۔ "الموصوف محذوف: أي شخص صغير، الخ. فيشمل الذكر والأنثى". شامی: ۲/ ۴۸۵(۲)۔

بہکا کر لے جانے والے، زبردستی نکاح پڑھانے والے، انگوٹھا لگانے والے اور جو لوگ اس میں شریک ہوئے اور باوجود قدرت جن لوگوں نے اس حرکت سے نہیں روکا سب گنہگار ہیں، سب کے سب توبہ کریں سب کے ذمہ توبہ لازم ہے(۳) اور ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو لڑکی کو اس کے اولیاء کے پاس پہنچائیں۔

۲...... وعدہ خلافی کرنا شرعاً گناہ ہے مگر یہ کہ کوئی مانع قوی پیش آجائے یا وہ وعدہ ہی خلافِ شرع ہو، كذافي الحموي شرح الأشباه(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، جواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ رجب/ ۶۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الولي: ۳/ ۵۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/ ۳۱۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذافي النهر الفائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۲۰۲، امداديه ملتان)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الولي: ۳/ ۵۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الولي: ۲/ ۲۶، دار المعرفة بيروت)

(۳) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة بالشرع". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/ ۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يآيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/ ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) "الخلف في الوعد حرام، كذا في أضحية الذخيرة". قال العلامة الحموي: "وأما من عزم على=

بالغہ کا نکاح جبراً

سوال[۵۳۳۲]: ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر زید سے کردیا اور نکاح سے قبل لڑکی زید کے یہاں جانے سے انکار کرتی رہی اور نکاح کے بعد رخصتی کے وقت اس نے صراحت کے ساتھ کہا کہ میں زید کے ساتھ نکاح کرنا نہیں چاہتی، لیکن جب والدصاحب نے بالجبر اس کو گھر سے رخصت کرنا چاہا تو وہ صدمہ سے بے ہوش ہوگئی اور ایسی حالت میں اس کو زید کے یہاں بھیجدیا گیا۔لڑکی دینی تعلیم یافتہ اور پابندِ شرع ہے اور زید اور اس کا گھرانہ جاہل ہے، بلکہ شریعت سے استہزاء وتمسخر کا عادی ہے۔لڑکی کے تنفر کا بڑا سبب یہی ہے کہ زید کے بارے میں پہلے سے بدستور مشہور تھا کہ وہ آوارہ اور آزادطبع ہے۔

چنانچہ رخصتی کے بعد بھی لڑکی نے حتی الامکان زید کو اپنے اوپر قابو نہیں دیا حتی کہ اس کی ساس نے اس کے ہاتھ وغیرہ باندھ کر شوہر کو اس کے پاس حق زوجیت ادا کرنے کیلئے بھیجا۔زید نے لڑکی کے ساتھ جب بھی قربت کی اسی جبر وقہر کی حالت میں کی۔نکاح کو بارہ سال گذر چکے ہیں، اس دوران میں بار بار زید کے مکان سے فرار ہوکر اپنے عزیزوں کے یہاں جاتی رہی اور اب اس سے تین بچے بھی ہوگئے، مگر لڑکی کی نفرت وکراہت کا وہی عالم ہے۔اس صورت میں کیا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ ظلم وستم بارہ سال سے ہورہا ہے اور تین بچے بھی ہوچکے ہیں تو اتنی مدت تک مسئلہ کیوں دریافت نہیں کیا، حرام وحلال کی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ جب اس قسم کا نکاح کیا گیا فوراً دریافت کیا جاتا کہ یہ نکاح صحیح

= الوفاء، ثم بدأله فلم يف بهذا، لم يوجد منه صورة نفاق، كما في الإحياء من حديث طويل عند أبي داؤد والترمذي مختصراً بلفظ: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". وقيل: عليه، فيه بحث فإن أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق، فيحمل عدم الإثم في الحديث، على ما إذا منع مانع من الوفاء، الخ". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، (رقم القاعده: ۱۲)، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۸/۶۱۵، رشيديه)

ہوایانہیں، لڑکی کورخصت کرنا حلال ہے یا حرام ہے، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کرشوہرکوزبردستی اس پر مسلط کرنا جائز ہے یا معصیت ہے؟ ان سب حوادث کے بعد آج دریافت کرنا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اب شوہر سے طلاق لی جائے یا بذریعۂ شرعی کمیٹی تفریق کرائی جائے (۱)، پھر جب عدت گذر جائے تب نکاحِ ثانی کے اقدام کی گنجائش ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً اقرارِ نکاح

سوال[۵۳۳۳] : مسماۃ راحت النساء اپنی پھوپھی کے گھر گئی تھی، کچھ لوگ وہاں پہونچے اور لڑکی سے کہا کہ تمہارے والدتم کو فلاں جگہ بلاتے ہیں۔ لڑکی ان کے ساتھ چلی، راستہ میں ایک جنگل میں ان لوگوں نے لڑکی سے کہا کہ تم اقرار کرو کہ تمہارا عقد فلاں کے ہمراہ کردیا گیا، اگر تم اقرار نہیں کرتی تو ہتھیار دکھلا کر کہا کہ ختم کردیا جائے گا۔ لڑکی نے جان کے خوف سے ہاں کردی اور عقد ہوگیا۔ پھر لڑکی کسی طرح بہانہ کرکے وہاں سے بھاگ کر آگئی۔ اب وہ نکاح ہوگیا تھا یانہیں؟ لڑکی نہ پہلے راضی تھی نہ اب راضی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لڑکی پر یہ بہت بڑا ظلم ہوا، ایسا کرنے والے سب لوگ سخت گنہگار ہوئے، اس کے باوجود یہ نکاح منعقد ہوگیا (۳)۔ لڑکی صبر کرے اور منتظر رہے کہ ظالموں پر کیسا وبال آتا ہے، اگر برداشت نہیں کرسکتی تو کسی

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"ويجب لوفات الإمساك بالمعروف". (الدرالمختار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فإذابلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ (البقرة: ۲۳۲)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "طلاق وإيلاء وظها ر ورجعة ونكاح .... يشمل ما إذا أكره الزوجة أو الزوج على عقدالنكاح كما هو مقتضى إطلاقهم". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه: ۳/۲۳۶، سعيد)

"(قوله: يستحق رضاها): أي يصدر ما من شانه أن يدل على الرضاء؛ إذ حقيقة الرضاء غير =

طرح خوشامد کر کے مہر معاف کر کے طلاق لے لے(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کر لینا

سوال[۵۳۳۴]: آج کل پنجاب میں یہ مرض عام پھیل گیا ہے کہ عموماً کنواری لڑکیاں محض فساق سے خفیہ ناجائز تعلقات پیدا کر لیتی ہیں، کئی دنوں کے بعد وہ فساق ان کو والدین کے گھر سے کوئی موقع پا کر لے بھاگتے ہیں، اور کسی اَور علاقہ میں جاکے نکاح کر لیتے ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باکرہ کا نکاح بغیر اجازتِ ولی جائز ہے جس سے فساق نے ناجائز نفع اٹھانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے فساد برپا ہو رہا ہے۔

کیا آج کل انسدادِ فتنہ کے واسطے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول عدمِ جوازِ نکاح باکرہ بغیر رضائے ولی پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، اور اس پر عمل جائز نہیں جبکہ دیگر ائمہ بھی امام شافعی کے متفق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مرض کا علاج یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترک کر دیا جائے، بلکہ یہ ہے (کہ) بعد بلوغ لڑکیوں کی شادی میں اپنے رواج، یا قومی مصالح، یا ذاتی منافع کی بناء پر تاخیر نہ کی جائے، نیز شادی

= مشروط فی النکاح لصحته مع الإکراه والهزل". (ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بارسال کتاب: ۳/ ۱۲، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب النکاح: ۲/ ۱۰، دار المعرفة بیروت)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ثلث جدهن جدٌ، وهزلهن جد: النکاح والطلاق، والرجعة". (مشکوٰة المصابیح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثانی: ۲/ ۲۸۴، قدیمی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود الله، فلابأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به، فإذا فعلا ذلک، وقعت تطلیقة بائنة ولزمها المال". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الأول: ۱/ ۴۸۸، رشیدیه)

سے قبل لڑکی سے استیذان کیا جاوے تاکہ اس کی رضا وعدم رضا کا بھی اندازہ ہو جائے۔ یہ علاج مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق اور احادیث سے ثابت ہے، دیگر ائمہ بھی اسی میں متفق ہیں۔ جبکہ متفق علیہ اور مسنون طریقہ موجود ہے پھر مذہب کو چھوڑنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے(۱)۔ دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا اس مسئلہ میں درست نہیں (۲)۔

نوٹ: اگر بالغہ لڑکی غیر کفو میں اپنا نکاح خود کرے تو امام صاحبؒ کے ایک قول کے مطابق اس کا نکاح ہی درست نہیں ہوتا اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، عبداللطیف، ۲۶/۱۱/۶۲ھ۔



(۱) "وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنهما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "في التوراة مكتوب: من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنةً، ولم یزوجها فأصابت إثماً فإثم ذلك علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولي في النکاح، الفصل الثالث، ص: ۲/۱۷۲، قدیمی)

"وقال صلی الله علیه وسلم: "ولا تنكح البكر حتی تستأذن". (مشکوة المصابیح، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قدیمی)

"(قوله: وهو السنة) بأن لها فلان یخطبك أو یذكرك فسكتت، وإن زوّجها بغیر استیمار فقد أخطأ السنة، وتوقف علی رضاها". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعید)

(وانظر أیضاً البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۹، رشیدیه)

(۲) "وفي الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلی مذهب باجتهاد وبرهان، آثم، یستوجب التعزیر، فبلا اجتهاد وبرهان أولی". (الحموي شرح الأشباه، کتاب الحدود والتعزیر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن کراچی)

(وانظر أیضاً ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فیما إذا ارتحل إلی غیر مذهبه: ۴/۸۰، سعید)

(۳) "(ویفتی) في غیر الكفؤ (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۵۶، ۵۷، سعید)

(وكذا في الهدایة، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/۳۱۴، شركة علمیة)

(وكذا في ملتقی الأبحر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۴۸۸، ۴۹۰، غفاریه)

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

ایجاب وقبول کے الفاظ

سوال[۵۳۳۵]: ان لفظوں سے نکاح ہوتا ہے کہ نہیں کہ کسی نے گواہوں کے روبرو کہا: ''میں نے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح تمہارے ساتھ کیا''۔ آیا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان الفاظ سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

اشارۂ سر، یا لفظِ ''منظور'' سے قبولِ نکاح

سوال[۵۳۳۶]: ہندہ باکرہ ہے اور وہ جب گواہوں کے سامنے آئی تو استحیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ ''قبلت'' یا کسی اَور لفظ سے نہیں دیا بلکہ خاموش رہی، یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا، یا بجائے ''قبلت'' کے ''منظور ہے'' کا لفظ کہنے سے نکاح بلاتردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

امیر علی، صاحب معرفت حامد میاں مدرسہ شاہی مرادآباد۔

---

(۱) ''و ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر و ضعا للمضی؛ لأن الماضی أدل علی التحقیق، کزوجت نفسی أو بنتی أو موکلتی منک، ویقول الآخر: تزوجت، الخ''. (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/ ۹، ۱۰، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ۳/ ۳۲۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ "منظور ہے" کہنے سے منعقد ہوجائے گا:

"وينعقد بإيجاب وقبول، وضعا للمضى، و بما وضع أحدهما له والأخر للاستقبال. كزوجني، فإذا قال: زوجت أو قبلت أو بالسمع والطاعة، اه، بزازيه، اهـ. نص عبارتها: قال: زوّجي نفسكِ منه، فقالت: بالسمع والطاعة، صح، اهـ. ونقل هذا الفرع في البحر عن النوازل ونقله في موضع اخر عن الخلاصة، فافهم". درو شامي مختصراً (۱)۔

"الإشارة إنّما تعتبر إذاصارت معهودةً، وذلك في الأخرس دون المعتقل، ولأن الضرورة في الأصل لازمة و في العارضي على شرف الزوال، اهـ". مجمع الأنهر: ۲/۷۳۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۹/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

"لڑکی خدا کے واسطے دیدی" کہنے سے نکاح کا حکم

سوال[۵۳۳۷]: زید نے اپنی دختر ہندہ-جس کی عمر تقریباً چار پانچ سال کی ہے-زید نے اپنے ہوش وعقل کے ساتھ یہ الفاظ کہے۔ کہ "میں نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ خالد کے پسر کو اللہ واسطے دیدی ہے"۔ خالد نے اسی مجلس میں اپنے پسر کے لئے قبول کیا۔ آیا عند الشرع صورتِ مسئولہ میں نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ الفاظ کہ "میں نے اپنی دختر ہندہ کو خالد کے پسر کو اللہ واسطے دیدی ہے"، کنایاتِ نکاح میں سے ہیں،

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۱۰، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۴/۱۰۹، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر، مسائل شتى: ۲/۷۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اگر بہ نیتِ نکاح یہ الفاظ کہے ہیں یا کوئی دوسرا قرینہ وغیرہ نکاح پر موجود ہے اور اس مجلس کو مجلسِ عقدِ نکاح سمجھا گیا ہو اور گواہوں نے بھی یہی سمجھا ہو کہ ان الفاظ سے مقصود نکاح ہے تو شرعاً نکاح منعقد ہو گیا ورنہ نہیں:

"وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريحان، وما عداهما كناية. وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة وتمليك و صدقة وعطية و قرض و سلم واستيجار وصلح و صرف. وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة و فهم الشهود المقصود". در مختار: ۲/ ۴۱۳ (۱)۔ فقط۔

"والحاصل أن كناياته على ثلثة أنواع، ما ينعقد به إجماعاً، اهـ". زيلعي. قال الشلبي: "وذلك كالتمليك والهبة والصدقة و نحوها" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۲/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

لفظ "اجرت" سے نکاح

سوال [۵۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اور مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ ہندہ نے جو کہ عاقلہ بالغہ ثیبہ بیوہ ہے اور عمر اس کی بیس سال سے متجاوز ہے، زید نے ایک مختصر سا کام کیا، زید نے بعد انجام دہی ہندہ سے مذاقاً کہا کہ "مجھ کو اس کی اجرت چاہیے جو خاص خصوصیت رکھتی ہو" اس وقت ہندہ نے بہت خوش ہو کر کہا کہ "اس صلہ میں مجھ کو لے لیجیے، میں نے اپنے ہی کو آپ کے حوالہ کیا"۔

تب زید نے کہا کہ خوب مضبوط ہو کر کہو پھر ہندہ نے اَور بھی مستعدی اور مضبوطی سے پُر زور الفاظ میں کہا اور زید نے اس قول کو ہندہ سے بار بار کہہ کر تین چار دفعہ کہلوایا اور ہندہ نے ہر بار اقرار کیا اور زید قبول کرتا

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/ ۱۲، ۱۷، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق مع حاشية العلامة الشلبي، كتاب النكاح: ۲/ ۴۵۲، دار الكتب العلميه بيروت)

"و ما ينعقد به النكاح، فهو نوعان: صريح و كناية، فالصريح لفظ النكاح و التزويج، و ما عداهما و هو ما يفيد ملك العين في الحال كناية، كذا في النهر الفائق ناقلاً عن المبسوط، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح و ما لا ينعقد به: ۱/ ۲۷۰، رشيديه)

رہا اور یہ واقعہ تین چار عورتوں اور ایک مرد کے مواجہہ میں ہوا، پھر دوسرے دن بھی زید نے اس معاملہ کو دوبارہ تجدید وتصدیق ہندہ سے کی، چنانچہ اسی طرح ہندہ اپنی ذات کو زید کے سپرد کرتی رہی اور زید قبول کرتا رہا۔ پھر زید نے کہا کہ: اس قول سے پھر تو نہ پلٹو گی؟

ہندہ نے کہا کہ نہیں اور ہندہ نے محبت واخلاص سے اور محبت وصداقت سے کہی، اس میں کوئی بناوٹ یا مذاق کا پہلو نہ تھا، اور حقیقۃً ہندہ نے محبت واخلاص سے واقعی طور پر کہا تھا۔ تب پھر زید نے کہا کہ دیکھو اب تو رجسٹری ہوگئی، ہندہ نے اسے بھی تسلیم کرلیا۔ پس ایسی حالت میں زید اور ہندہ کا باہم عقد ومنا کحت شرعاً منعقد ہو گیا یا نہیں؟ بحوالۂ کتبِ فقہ جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

اور صورت عقد منا کحت ہو جانے کے مہر کیا قرار پائیگا، شوہر کے خاندان کا لیا جاوے گا (زید) یا زوجہ یعنی مسماۃ ہندہ کے خاندان کا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد خلیل مقیم درگاہ شریف، کچھوچھہ، ضلع فیض آباد، یوپی۔

تنقیحات

باسمہ تعالیٰ

۱- وہ مختصر سا کام کیا تھا (اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟)

۲- جس وقت ہندہ نے زید سے اس کام کیلئے کہا تھا اس وقت اجرت کا کوئی تذکرہ آیا یا نہیں؟ اگر آیا تو کیا اجرت قرار پائی؟ اگر نہیں تو کیا دونوں کے ذہن میں لینے دینے کا ارادہ تھا یا نہیں؟ یا محض تبرعاً واستحساناً کام کیا؟ اور دل میں کوئی اجرت کی نیت نہ تھی؟ مہر میں اجرت کا ذکر آیا۔

۳- ہندہ نے بعینہٖ یہی الفاظ کہے یا کچھ اَور؟ اس کے جواب میں زید نے کن الفاظ سے قبول کیا؟

۴- ہندہ نے یہ الفاظ بنیتِ نکاح کہے یا کچھ اَور؟ اس کو زید نے بنیتِ نکاح قبول کیا یا کسی اَور نیت سے؟

۵- حاضرین مرد اور عورتوں نے بھی اس کلام کو نکاح سمجھا یا کچھ اَور؟

اولاً جواب لکھا تھا لیکن تشقیقات کے باعث محلِ اشکال وتأمل تھا، اس لئے بعد میں مناسب معلوم ہوا کہ تشقیقات واغلاقات کو سائل سے حاصل کرلیا جائے تا کہ جواب صاف اور بے تردد ہو، لہٰذا امورِ مذکورہ بالا کو حل کر دیجئے، پھر ان شاء اللہ جواب واضح تحریر کر دیا جائے گا۔

از: دارالافتاء، مدرسہ مظاہر علوم۔

جواباتِ تنقیح

۱- وہ کام یہ تھا کہ ہندہ نے زید کو دوسیر کی مٹھائی دی اور کہا کہ اس کو فلاں بزرگ کے نام فاتحہ پڑھ دو، اس نے پڑھ دیا تھا۔ پس واقعۃً اجرت لینا مقصود بھی نہ تھا۔

۲- اس کام کی نہ کوئی اجرت ہوسکتی ہے، نہ کوئی تذکرہ تھا، نہ ضرورت ہی تھی، نہ لینا مقصود تھا، دونوں کے ذہن میں اجرت لینے دینے کا بالکل خیال نہ تھا، یہ کام تو تبرعاً واحساناً کیا، بعد میں محض مذاقاً اجرت کو کہا تھا، نہ اجرت ٹھہری تھی، نہ ذکر آیا تھا، نہ نیت تھی، نہ موقع ہی تھا۔ صورت یہ تھی کہ ۸/ رجب کو ملاّ نے فاتحہ دیتے ہیں، پیسہ روپیہ چراغی کے نام سے لیتے ہیں، اسی بنا پر زید نے کہا کہ ہماری چراغی ملتی چاہیے ورنہ اجرت کیسی؟ اور چراغی بھی مقصود نہ تھا نہ زید کا یہ پیشہ ہے۔

۳- ہندہ نے بعینہ وہی الفاظ کہے تھے (اور اس کا اصل منشاء یہ ہی ہے کہ میں من کل الوجوہ اپنے اوپر زید کو کلی اختیار دیتی ہوں، اس کا لب ولہجہ اور عنوانِ محبت واخلاص وہی تھا جو لکھا ہے۔ زید نے کہا کہ ''میں بسر وچشم قبول کرتا ہوں مگر مضبوط رہنا''، اس نے کہا کہ ''ہاں ہاں میں مضبوط ہوں'' اور پھر دوسرے دن رجسٹری والا مضمون پیش آیا اور ہندہ نے بھی تسلیم کیا۔

۴- ہندہ نے بنیتِ نکاح یہ الفاظ نہیں کہے مگر زید نے بنیتِ نکاح ہی قبول کیا اور خیال کیا کہ علماء سے دریافت کرکے جیسا ہوگا ویسا ہی کیا جائے گا۔

۵- حاضرین میں چند عورتیں تھیں ایک مرد بھی تھا، اس کلام کو نکاح نہیں سمجھا مگر مذاقاً یہ طنز لگایا، مگر نکاح نہ سمجھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے وہ دو قسم پر ہیں: اول صریح، دوم کنایہ۔

''اس صلہ واجرت میں آپ مجھ کو لے لیجیے'' کنایاتِ نکاح میں سے ہے صریح نہیں، اور کسی کام کی اجرت میں نکاح کردینا یعنی عورت کو اجرت قرار دینا شرعاً درست ہوتا ہے گو اس کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں:

اول: ادائے الفاظ کے وقت نکاح کی نیت ہو (ہندہ نے بہ نیتِ نکاح یہ الفاظ نہیں کہے)۔

دوم: حاضرین اور گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو (یہاں ایسا نہیں ہوا)۔

سوم: کوئی قرینہ بھی ارادۂ نکاح پر ہو (اس صورت میں یہ بھی نہیں)۔

چہارم: باقاعدہ اجارہ کیا گیا ہو اور عورت کو ایسے کام کی اجرت قرار دیا گیا ہو کہ اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہو (صورتِ مسئولہ میں یہ بھی مفقود ہے)۔ پس یہ نکاح شرعی نکاح نہیں ہوا بلکہ لغو اور بیکار ہے اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا:

"وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية. وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية، غير المقيدة بالحال، كهبة و تمليك و صدقة و عطية وقرض وسلم و استيجار و صلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة و فهم الشهود المقصود". در مختار (١)۔

"(قوله: وسلم واستيجار) و هذا إذا جعلت المرأة رأس مال السلم أو جعلت أجرةً، فينعقد إجماعاً، و قال تحت (قوله: بشرط نية أو قرينة) بعد بسط الكلام و ملخصه: إنه لا بد في كنايات النكاح من النيةمع قرينة أو تصديق القابل للموجب و فهم الشهود والمراد أوإعلامهم به". درمختار: ٢/٤١٥، ٤١٦(٢)۔

شرط کا معدوم ہونا جواب تنقیح سے واضح ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٨/ ٨/ ٥٧ھ۔

اس سوال کی تنقیح مع جواب تنقیح نقل کی گئی ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ٩/ شعبان/ ٥٧ھ۔

---

(١) (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/١٢ - ١٨، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ١/٣١٨، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ٢/٩، دارالمعرفة بيروت)

(٢) (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ٣/١٧، ١٨، سعيد) .... =

لفظ ''جان بخشی'' سے نکاح، غیر عادل لوگوں کی گواہی نکاح میں

سوال[۵۳۳۹]: احمد ابراہیم ایک لڑکی مسلمہ باکرہ مسماۃ حافظہ بی بی کو بہکا کر کسی گاؤں میں لے گیا اور اس گاؤں کے امام مسجد سے کہا کہ ہم دونوں کا نکاح پڑھا دیجئے، امام موصوف نے انکار کیا کہ میں ایسے جھگڑے کے نکاح نہیں پڑھاتا ہوں۔ چنانچہ امام صاحب کے اس انکار کی وجہ سے مذکورہ لڑکی نے دو مرد اور دو عورت کے سامنے احمد ابراہیم صوفی کو اپنے جان بخشی کر دی، مگر مہر کا ذکر اور تسمیہ اس مجلس میں نہیں ہوا۔ منجملہ ان دو مردوں کے ایک ان میں سے ناکح احمد ابراہیم کا پھوپھی زاد بھائی ہے اور دوسرا رشتہ سے سالا یا بہنوئی ہے اور مذکورہ دو عورتیں ان میں سے ایک ناکح کی پھوپھی ہوتی ہے، نیز یہ بھی فرض کر لیجیے کہ شہودِ مذکورہ غیر عدول یعنی فاسق ہی ہیں۔

اب عقد مذکورہ کی جب کہ لڑکی کے والدین کو اطلاع ہوئی تو وہ اپنی لڑکی کو گاؤں سے واپس لے آئے اور بھری مجلس میں مثلاً زید سے لڑکی مذکورہ کا نکاح پڑھا دیا۔ چنانچہ احمد ابراہیم صوفی نے مسماۃ حافظہ بی بی اور زید ناکح ثانی کے خلاف عدالت میں نالش دائر کر دی ہے(۱) تو لڑکی نے اپنے تحریری بیان میں یہ بیان دیا کہ ''نہ تو مجھے احمد ابراہیم نے کسی گاؤں میں مجھے بہکایا اور نہ ہی میں نے ذات بخشی کی'' یعنی یہ واقع ہی سراسر جھوٹ ہے اور من گھڑت ہے (چونکہ لڑکی اس وقت والدین اور زید ناکح ثانی کے قبضہ میں ہے اس وجہ سے لڑکی سے یہ بیان تحریری دلوایا) چنانچہ اب گذارش ہے کہ:

(الف): حافظہ بی بی مذکورہ کے انکار اور جحود کی بنا پر نیز قطع نظر اس سے قضائے قاضی کیلئے اس مدعی احمد ابراہیم کے ذمہ مذکورہ شہودِ نکاح پر شہادتِ عدولی کی بینہ عدول کی مزید ضرورت ہو یا نہ ہو ذات بخشی کے وقت مہر کے عدمِ ذکر اور عدمِ تسمیہ کے باوجود نیز شہودِ مذکورہ کے غیر عدول ہونے کے باوجود نفسِ عقدِ اول یعنی ذات بخشی والا عقد کنائی صحیح اور عقدِ ثانی یعنی زید کا عقد غیر صحیح ہوگا یا نہیں؟

= ''(قوله: وسلم) أطلقه، وفيه تفصيل: إن جعلت المرأة رأس مال السلم، فإنه ينعقد إجماعاً .... (قوله: واستيجار) .... فإن جعلت المرأة أجرةً، صح، الخ''. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/ ۹ ا، دار المعرفة بيروت)

(۱) ''نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاہور)

(ب): نیز احمد ابرہیم صوفی کے ذمہ آیا یہ ضروری ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے علاوۂ شہودِ نکاح کے جنہیں غیر عدول فرض کیا گیا ہے کسی اور بینہ عدول کو پیش کرے یا یہی شہود نکاح غیر عدول رشتہ مذکورہ کے ثبوتِ دعویٰ اور قضائے قاضی کیلئے کافی ہیں؟

(ج): نیز پھوپھی زاد بھائی اور حقیقی پھوپھی کا رشتہ کسی ادائے شہادت میں خواہ وہ شہادتِ نکاح ہو یا غیر نکاح ہو مدعی کے خلاف اثر انداز ہوسکتا ہے؟ نیز ادائے شہادت میں کسی قسم کا رشتہ اور قرابت قابلِ قبول نہیں؟

(د): اگر مدعی احمد ابرہیم صوفی کے ذمہ دعویٰ مذکورہ کے ثبوت کے لئے علاوہ شہودِ نکاح کے جو کہ غیر عدول ہیں کسی اور شہود نکاح کے جو کہ غیر عدول ہیں کسی اور شہود عدول کی مزید ضرورت ہو اور وہ میسر نہ آئیں تو مذکورہ عقد اول اور ثانی دیانۃً اور قضاءً کس قسم کے ہونگے؟ صحیح یا غیر صحیح؟

(ہ): اگر شہودِ نکاح میں سے ایک مرد عادل یا مستور الحال ہو تو مدعی کے ثبوتِ دعویٰ اور قضائے قاضی کے لئے اس ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: واضح ہو کہ یہ دونوں عقد کفو میں ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

(الف): کسی لڑکی کو بھگانا بڑی بے غیرتی اور کمینہ پن ہے۔ سوال میں عقدِ نکاح کے متعلق محض ''جان بخشی'' کا تذکرہ ہے، اگر محض لڑکی نے اپنی جان بخشدی اور احمد ابراہیم نے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ سکوت اختیار کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اگر باقاعدہ طرفین سے ایجاب وقبول ہوا ہے اگر چہ بجائے لفظ نکاح کے ''جان بخشی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو نکاح منعقد اور صحیح ہوگا (۱)۔ مہر کا ذکر صحتِ نکاح کے لئے ضروری نہیں بغیر ذکر و تسمیۂ مہر بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے (۲)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۶۴، رقم الحاشیہ: ۲)

(۲) "وإن تزوجها و لم يسم لها مهراً، أو تزوجها على أن لا مهر لها، فلها مهر مثلها، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۴، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے(١)، البتہ اگر مقدمہ عدالت میں پہنچے گا تو قاضی غیر عدول کی شہادت کو رد کر دیگا، اس صورت میں عقد کے صریح اور کنائی ہونے میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا صریح کو کنائی پر کوئی فوقیت نہیں ہوگی (٢)۔

(ب): عدالت میں دعویٰ پیش کرنے کے لئے شہود کا عدول ہونا ضروری ہے، غیر عدول کی شہادت کو قاضی قبول نہیں کرے گا، الّا یہ کہ صحتِ واقعہ مشہود لھا کا غلبۂ ظن حاصل ہو جائے (٣)۔

---

(١) "ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ١/٢٦٧، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٦، مكتبه شركة علمية)

(٢) "وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية. هو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة و تمليك و صدقة وعطية و قرض و سلم واستيجار و صلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة، و فهم الشهود المقصود، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/١٦-١٨، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ٢/٨-٩، دار المعرفة بيروت)

(وأيضاً النهر الفائق، كتاب النكاح: ٢/١٧٦، إمداديه ملتان)

(٣) "و منها: العدالة لقبول الشهادة على الإطلاق، فإنها لا تقبل على الإطلاق بدونها، لقوله تعالىٰ: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ والشاهد المرضيّ هو الشاهد العدل، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ٩/١٥، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلو قضى بشهادة فاسق نفذ وأثم، فتح، إلا أن يمنع منه: أي من القضاء بشهادة الفاسق الإمام، فلا ينفذ، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بشهادة فاسق نفذ) قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته، تقبل، وإلا فلا. فقال: و في الفتاوى القاعدية: هذا إذا غلب على ظنه صدقه، و هو مما يحفظ، درر، أول كتاب القضاء. و ظاهر قوله: و هو مما يحفظ اعتماده، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الشهادات: ٥/٤٦٢، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ٣/١٥٥، مكتبة شركة علمية ملتان)

(ج): یہ رشتہ مانع قبول شہادت نہیں (۱)۔

(د): اگر عدالتِ قاضی میں ثبوت نہ ہو اور قاضی کو صحتِ واقعہ کا شہادت سے غلبۂ ظن حاصل نہ ہوتو وہ عقد کو غیر معتبر مانے گا، ایسی صورت میں قاضی کو چاہیے کہ ناکح کو کہے کہ تم طلاق دے دو، احتیاط کا تقاضہ یہی ہے، اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی خود نکاح کو فسخ کردے (۲)۔

(ہ): صرف ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت پر قضاء جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۷ھ۔

---

(۱) "وأما ماعدا هؤلاء من الأقارب، فتقبل شهادة أحدهم للآخر، فتقبل شهادة الربيب، و شهادة الأخ لأخيه، و أخته، وأولادهما، و كذا الأعمام و أولاده، و الأخوال والخالات، و العمات، و تقبل شهادة الرجل لأم امرأته و أبيها و لزوج ابنته و لامرأة أبيه و لأخت امرأته". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط الشهادة الأساسية، (رقم المادة: ۱۷۰۰)، ص: ۱۰۳۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته و من لا تقبل، الفصل الثالث: ۳/۴۷۰، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) جیسا کہ حاشیہ نمبر: ۵ سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی کو ظن غالب سے اس کی صداقت پر یقین ہو شہادت کو قبول کرے گا، ورنہ نہیں اور شہادت قبول نہ کرنے کی صورت میں قاضی ان کے درمیان تفریق کرے گا: "وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود .... بل يجب على القاضي التفريق بينهما. الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، ۱۳۳، سعيد)

(۳) "و ما سوى ذلك من الحقوق، يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية و نحو ذلك، الخ". (الهداية، كتاب الشهادة: ۳/۱۵۳، ۱۵۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۳/۴۵۱، رشيديه)

(و كذا في شرح المجلة، الباب الأول في الشهادة، الفصل الأول، (رقم المادة: ۱۶۸۵)، ص: ۱۰۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

عورت کا یہ قول کہ ''میں فلاں شخص کے ساتھ رہوں گی'' نکاح نہیں

سوال[۵۳۴۰]: اگر کوئی عورت صرف دومردوں کے سامنے کہہ دے کہ میں ہمیشہ فلاں مرد کے ساتھ رہوں گی، اگر وہ مرد موجود نہ ہوتو اس طرح نکاح ہوا یا نہیں جبکہ دونوں ایک دوسرے سے نکاح کرنے پر راضی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کہنے سے خواہشِ نکاح کا اظہار رہا، لیکن نکاح منعقد نہیں ہوا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/ ۸۸ھ۔

الفاظِ نکاح کتنی بار کہے جائیں؟

سوال[۵۳۴۱]: ۱......نکاح منعقد ہونے کیلئے کتنے الفاظ کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر نکاح جائز نہ ہو؟

۲......ناکح ایجاب وقبول کے الفاظ کو صرف ایک بار کہے یا تین بار کہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......دولفظ: ایک ایجاب، دوسرا قبول ہوتو نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔کم ازکم دوگواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے(۲)۔

---

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه، ملتان)

۲......ایک بار کہنا کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

انعقادِ نکاح کے لئے نکاح کا اقرار کافی نہیں اور بعض الفاظِ نکاح

سوال[۵۳۴۲]: ہندہ اور زید کے درمیان تین چار سال سے محبت کا خط خطوط تھا اور ہندہ نے بعض خطوں میں یہ لکھا تھا کہ ''میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی''، اور بعض میں یہ کہ ''آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں'' اور اکثر خطوں میں اس نے زید کو خاوند سے تعبیر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ اظہار بھی کیا ہے کہ ''آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہو چکا ہے'' کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ جو خطوط اس نے زید کے پاس بھیجے تھے ان کو زید نے دو تین بالغ آدمیوں کے سامنے پڑھ کر اس کو تین بار آدمیوں کے سامنے قبول کر لیا ہے، یہ کہہ کر کہ ''میں اس کو اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہوں''۔

اب ہندہ کے باپ نے ان تمام باتوں کا علم ہو جانے اور ہندہ کے بہت سے خطوط ہاتھ لگ جانے کے باوجود بھی اس کو دوسری جگہ شادی میں دے دیا اور اس نے بھی خواہ اپنے والدین کے خوف سے یا دنیوی طمع کی خاطر اپنے نکاح کی اذن دے دی۔ اب صورتِ اُولیٰ میں مذہب حنفی کے مطابق نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بر تقدیر اول نکاحِ ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور اس جرم کا مرتکب کون؟ اور اس کی کیا سزا؟ مع الادلة الشریفة بینوا توجروا۔

شہر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ۔

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۸۱، ۱۸۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "و ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر وضعا للمضى كزوجت، ويقول الآخر: تزوجت، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

"و ينعقد بالإيجاب والقبول وضعا للمضى، أو وضع أحدهما للمضى والآخر لغيره مستقبلاً .... فإذا قال لها: أتزوجك بكذا، فقالت: قد قبلت يتم النكاح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح و ما لا ينعقد به: ۱/۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

الفاظ بالا: ''میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی، آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں، آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہو چکا ہے'' نکاح کے لئے ایجاب نہیں۔ پہلے اور دوسرے الفاظ سے خواہش ظاہر کی ہے، تیسرے الفاظ سے اقرار کیا ہے جو کذب ہے، انشائے عقد کے لئے کوئی لفظ نہیں، نیز خاوند سے تعبیر کرنا بھی ایجاب کے لئے کافی نہیں۔

اگر ہندہ نے یہ ہی الفاظ لکھے ہیں اور زید نے انہی کو گواہوں کے سامنے پڑھ کر قبول کیا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوا، والدین نے جو ہندہ کی اجازت سے اس کا نکاح کیا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے۔ لیکن اگر ہندہ نے کچھ ایسے الفاظ بھی لکھے ہیں جو ایجاب کے لئے کافی ہیں اور زید نے ان کو سنا کر گواہوں کے سامنے قبول کیا ہے تو وہ صحیح اور معتبر ہے اور والدین کا کیا ہوا نکاح معتبر نہیں، والبسط فی ردالمحتار: ۴۰۹/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ واعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲/ شعبان/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) ''(قوله: فتح) فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب''.

''وصورة: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إنَّ فلاناً كتب يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوجت نفسي من فلان، لاينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح، وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين، بخلاف ما إذا نفيا''. (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۱۲/۳، سعيد)

''ولا بكتابة حاضر بل غائب، بشرط إعلام الشهود، بما في الكتاب، وما لم يكن بلفظ الأمر، فيتولى الطرفين، فتح. ولا بالإقرار على المختار، خلاصة. كقوله: هي إمرأتي؛ لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت وليس بإنشاء''. (الدرالمختار). (قوله: المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد، الخ'' (ردالمحتار، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۱۲/۳، ۱۳ سعيد)

10

شربت پر پھونک مارکر ایک گھونٹ پینے سے نکاح

سوال[٥٣٤٣]: چھوٹے چھوٹے بچوں کوکلمہ پڑھ کر شربت پر پھونک مار کر پلا دینے سے نکاح ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی بات سے نکاح نہیں ہوجاتا (١)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٦/٤/٩٤ھ۔

حمائل پر ہاتھ رکھ کر اقرار سے نکاح نہیں ہوتا

سوال[٥٣٤٤]: میرا نام زہرہ خاتون ہے، والد کا نام نذیر محمد خان ہے، ساہوا گاؤں ضلع چورو کی رہنے والی ہوں، میری ایک بڑی بہن مقصودہ بانو ہے جو میری ہی طرح طلاق کے بعد تعلیم حاصل کرکے رتن گڑھ میں ملازم ہے۔ہم دونوں بہنوں کی شادی ایک ساتھ ہوئی تھی اور ١٤، ١٥/ سال کی عمر میں ہوئی تھی، ہم دونوں سسرال پہونچ گئیں، دونوں آٹھویں اوردسویں پاس تھیں۔ہم لوگ گاؤں اور پچھڑے ہوئے قصبے میں پلے ہیں، نہ ہم میں اسلامی شعور تھا اور نہ ہم مذہب کی الف ب سے واقف تھے، صرف کلمہ طیبہ آتا تھا، حلال وحرام، نکاح

= "وفي الفتاوى: رجل وامرأة أقرا بالنكاح بين يدي الشهود، و قالا بالفارسية: "ما زن وشوئيم" لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار". (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح: ٢/٤، مكتبه امجد اكيڈمى)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ٣/١٩٢، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(١) نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا، بغیر ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہیں ہوتا: "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/٩، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٥، شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ٢/٤٤٨، دار الكتب العلمية بيروت)

"سئل فيما إذا خطب زيد لابنه الصغير بنت عمرو الصغيرة، وقرأ الفاتحة ولم يجر بينهما عقد شرعي، فهل لا يكون مجرد القرأة نكاحاً؟ الجواب: نعم". (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل منثورة من أبواب النكاح: ١/٢٩، مكتبه ميمنيه مصر)

وطلاق کی اہمیت یا فرق سے ذرا بھی واقف نہیں تھے، والدین نے بہت ناز سے پیار سے پالا تھا، والد سرکاری کمپاؤنڈر رتھے، ریٹائرڈ ہونے کے بعد پریکٹس کررہے ہیں۔

غرض یہ کہ سسرال سے میری والدہ کنیز فاطمہ کا قریبی رشتہ تھا، لہٰذا گھر کی ایک دوعورتوں نے خاصا پیار دیا مگر میرا شوہر دوچار دن بعد سے ہی جھگڑے اور گالیاں پر آمادہ تھا، اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا اور اب وہ میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا، وہ سامنے رہنے والی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں (مَیں) گھر آ گئی، والدین نے میرے شوہر اور سسرال والوں کو بہت نوازا، بہت سمجھایا مگر جو جھگڑے، گالی گلوچ، مار پیٹ شروع ہوچکی تھی وہ کم نہ ہوسکی بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔

میرے ہی کمرے میں میرا شوہر محمد شفیع اپنی محبوبہ سے بھی کچھ کرتا رہا، میرا خاموش رہنا ضروری تھا، میں خاموشی پر بھی گالیاں کھاتی اور پٹتی رہی: ''طلاق دیدوں گا، طلاق دے کر ہی رہوں گا، تُو تو تیرے باپ کے گھر ہی اچھی لگتی ہے''۔

مجھے گھر روانہ کردیا گیا اور والدین نے فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر سسرال واپس کردیا، میرے شوہر نے پھر جھگڑا کیا کہ ''تو طلاق کے قابل ہے، میں تجھے دیدوں گا اور سفید چادر اوڑھا کر گھر سے ذلیل کر کے نکالوں گا''۔ ایک روز بہت جھگڑا ہوا، جب میں مقابلہ میں تھک گئی تو دو تین عورتوں نے بیچ بچاؤ کیا تو اَور غضب ہوگیا: ''نکال دو اس رانڈ کو، میں نے اسے طلاق دی، اسے دھکے دے کر نکالو''۔ میں والدین کے ہاں بھجوادی گئی، والدین نے سارا ماجرا سن کر نرس کی ٹریننگ میں ڈالدیا، اب میں ہوسٹل میں ٹریننگ کرنے لگی اور اپنے کو طلاق شدہ سمجھنے لگی۔

میرے والد کے بھائی جناب نور محمد خان کی سالی کے لڑکے جن کا نام واجد حسین خان ہے۔ یہ جے پور میں رہتے ہیں۔ ان کی خالہ نور محمد خان کی اہلیہ نے میری شادی سے پہلے ان کے پیغام میرے نام اشارۃً بھجوائے تھے، چونکہ میری شادی میری والدہ کی رشتہ داری میں ہونا طے ہوگئی تھی اس لئے خاموشی اختیار کی گئی۔ غرضیکہ واجد حسین خان مجھ سے ملنے ہوسٹل آتے رہتے تھے اور گھنٹوں باتیں ہوتی رہتی تھیں، اخلاقی طور پر ہم ایک دوسرے کے بہت ہی قریب تھے، ان کے گھر بھی آنا جانا تھا، میری ٹریننگ بھی ختم ہوچکی تھی۔

ایک دن واجد صاحب مجھے گھر لے گئے دنیاداری کی باتیں ہوتی رہیں، مجھے رات میں واجد صاحب

کے گھر میں قیام کرنا پڑا، اس رات ہم دونوں میں یہ بھی طے ہوگیا کہ ہم ایک دوسرے سے شادی کرلیں گے'' ہم دونوں نے ہی حمائل شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ ہم دونوں شادی کرلیں گے''۔ اور اسی رات ہم ایک دوسرے میں ضم ہوگئے، میرے بطن سے واجد حسین صاحب کا نطفہ قرار پایا اور ایک دو دن انہیں کے گھر رہ کر اپنے گاؤں چلی آئی۔

مجھے سروس کرنا تھی، میری سسرال کے کچھ معتبر لوگ میرے گھر آئے اور والدین سے کہا کہ لڑکا کہتا ہے کہ ''میں نے طلاق نہیں دی، لڑکی کو بھیج دو''، لہٰذا مجھے سسرال بھیج دیا گیا، وہاں جاکر میں نے اپنے کو ہر طرح محفوظ رکھا اور اس جال سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ میرا شوہر جو مجھے طلاق دے چکا تھا اب وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ شادی اس لڑکی سے کرے اور نوکری مجھ سے کرائے اور خدمت بھی میں کروں، لیکن وہ جھگڑے بھی برابر کرتا رہا اور آنگن میں بیٹھ کر کہتا ہے: ''جانِ من نوکری کرو نوکری، طلاق دے چکا تو کیا ہوا، تجھے اس گھر سے جانا ہے''۔

میری زبان تو کھل ہی چکی تھی لہٰذا ایک سوال کے چار جواب دیتی اور پٹتی، چنانچہ ایک دن بہت بڑا ہنگامہ ہوا، اگر چند عورتیں نہ بیچ بچاؤ کرتیں تو شاید مار ہی ڈالتا۔ جھگڑے اور طلاق کی اطلاع میرے والدین کو پہونچی تو میرے بڑے بھائی محمد بشیر مجھے لینے آئے، پھر جھگڑا ہوا، میرے شوہر نے کہا کہ طلاق دیدی تو کیا ہوا میں اس بدمعاش رانڈ کو نہیں بھیجوں گا۔

غرضیکہ میں اپنے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ والدین کے گھر آگئی، میرا رجحان تعلیم کی طرف ہوگیا۔ میں نے واجد صاحب کے نطفے سے ایک لڑکے کو جنم دیا، جو اس وقت گیارہ سال کا ہے۔ میں واجد حسین خان صاحب کو اپنا شوہر ۱۹۷۴ء سے تسلیم کرتی ہوں، اس طرح وہ بھی مجھے اپنی بیوی تسلیم کرتے ہیں ''ہم دونوں نے حمائل شریف پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے کو زن وشوہر تسلیم کیا ہے، لیکن نکاح کے دو بول نہیں پڑھے یا سنے''۔

۱۹۷۵ء میں میں نے لڑکے کو جنم دیا، اردو پڑھی، عربی پڑھی اور دینیات سے واقفیت حاصل کی، ان دنوں میں جے پور میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کررہی ہوں۔ بچہ میرے پاس رہتا ہے، اردو، دینیات اور انگلش کی تعلیم حاصل کررہا ہے۔ واجد ایک عدد بیوی کے شوہر اور ایک بچی کے باپ ہوچکے ہیں، اب وہ مجھے اور بچے کو

نوازنا چاہتے ہیں، وہ کثیر تعداد کو روشناس کرا چکے ہیں کہ میں ۱۹۷۴ء سے ان کی بیوی ہوں اور یہ بچہ جن کا نام انہوں نے خود ہی رکھا تھا یعنی آصف کے وہ والد ہیں یا آصف ان کا بیٹا ہے۔

لہٰذا کیا واجد حسین خان صاحب سے میرا نکاح ہو چکا ہے یا مجھے نکاح پڑھنا ہوگا؟ اگر نکاح پڑھنا ہوگا تو بچہ کی ہیئت کیا رہے گی؟ یہ بچہ تو انہیں کے نطفے سے ہے؟ مجھے میرے پہلے شوہر سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلے شوہر کے طلاق دینے کے گواہ موجود ہیں (۱) یا خود شوہر کو طلاق کا اقرار ہے اور اس اقرار کے گواہ ہیں تو طلاق ہوگئی (۲)۔ وقتِ طلاق سے تین مرتبہ ماہواری آنے پر عدت ختم ہوگئی اور دوسرے نکاح کا آپ کو حق ہوگیا (۳)۔ لیکن حمائل شریف ہاتھ میں رکھ کر دونوں کا عہد کر لینا کافی نہیں، بلکہ گواہوں کے سامنے

---

(۱) "والشرط فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال كالنكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصاية ونحو ذلك مما ليس بمال، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۳/ ۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ۳/ ۱۵۳، امداديه، ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشهادة: ۵/ ۴۶۵، سعيد)

(۲) "ان من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن مِن ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (مبسوط السرخسي: ۴/ ۱۰۹، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطلاق: ۳/ ۲۹۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/ ۴۲۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهم ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۶، رشيديه)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاؤها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/ ۳۹۲، دار الكتب العلميه بيروت)

ایجاب وقبول لازم ہے، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوتا (۱)۔ واجد حسین خان صاحب کے ساتھ جو تعلق ہوا وہ زنا کاری ہے اور زنا سے بچہ پیدا ہوا، اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوگا (۲)۔ گذشتہ زندگی سے تائب ہو کر واجد حسین صاحب سے نکاح کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔



---

(۱) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱، ۲۲ سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص أن ابن وليدة زمعة مني ...... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هو لك يا عبد بن زمعة! الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۲/ ۲۸۷، قديمي)

"قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأول: النكاح الصحيح، و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، و لا ينتفي بمجرد النفي، وإنما ينتفي باللعان، فإن كانا ممن لا لعان بينهما، لا ينتفي نسب الولد، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر، في ثبوت النسب: ۱/ ۵۳۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع والعشرون في ثبوت النسب: ۴/ ۷۸، إدارة القرآن كراچی)

فصل فی النکاح بالکتابة والهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون کے ذریعے نکاح کا بیان)

نکاح بذریعۂ خط

سوال [۵۳۴۵]: دولہا افریقہ میں اور دولہن ہندوستان میں اور نکاح پڑھانا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ خلاصہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلہن یا اس کا ولی دولہا یا اس کے ولی کو بذریعۂ خط اجازت دیدے اور اس خط کے پہنچنے پر دولہا یا اس کا ولی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرالے، مثلاً دلہن نے لکھا کہ ''میں تم کو وکیل بناتی ہوں، تم میرا نکاح اپنے سے کرلو''۔ اس پر دو گواہوں کے سامنے کہے کہ ''فلانہ بنت فلاں نے مجھے اپنی طرف سے اپنے نکاح کا وکیل بنایا ہے، میں نے اس سے اپنا نکاح کرلیا''۔ یا دلہن کے ولی (باپ) نے دولہا کے ولی (باپ) کو لکھا کہ ''میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ میری فلاں لڑکی کا نکاح تم اپنے لڑکے سے کرلو''۔ اس پر وہ گواہوں کے سامنے کہہ دے کہ ''میں نے فلاں کی لڑکی فلاں کا نکاح اپنے لڑکے فلاں سے کردیا'' بس نکاح ہوجائے گا، ایک ہی شخص کا کہنا ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغ الكتاب، أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوّجت نفسي من فلان، لا ينعقد". (ردالمحتار، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۰، كتاب النكاح، دارإحياء التراث العربي، بيروت) .... =

خط کے ذریعہ نکاح

سوال[۵۳۴۶]: فاطمہ نے لکھنؤ سے رفیق مقیم کلکتہ کے پاس رجسٹری خط بذریعہ ڈاکخانہ بھیجا جس میں تحریر کیا کہ ''بھائی رفیق صاحب میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں اس لئے میں نے اپنے کو آپ کی زوجیت میں دے دیا، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے''، پھر دستخط کردیا۔ جب رفیق کے پاس یہ خط پہونچا تو دس پانچ روز اپنے پاس خط ڈالے رہے پھر دو آدمیوں کو گواہی کے لئے بلایا کہ ''میری حقیقی پھوپھی زاد بہن مسماۃ فاطمہ بنت حبیب خان نے لکھنؤ سے میرے پاس بذریعہ ڈاک رجسٹری خط بھیجا ہے جس کا مضمون یہ ہے''۔

اس کے بعد فاطمہ کا ایجاب نامہ پڑھ کر سنایا گیا اور وہ خط بھی گواہوں کو دکھایا، پھر کہا کہ ''آپ لوگ گواہ رہیں میں نے فاطمہ کی بات منظور کرلی اور اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور اس کا نکاح اپنے سے کر لیا''۔ اب کیا اس صورت میں نکاح ہوگیا یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بارے میں دارالعلوم دیوبند سے کل فتویٰ نمبر: ۴۸۸ آیا ہے، اس کی نقل یہ ہے۔

''مذکورہ صورت میں جبکہ رفیق نے دو گواہوں کے سامنے جب فاطمہ کا خط سنا کر ان کے سامنے ہی اس نکاح کو قبول کرلیا اور فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کیا اور پھر بحیثیتِ زوج قبولِ نکاح کیا اور اس ایجاب وقبول پر دو گواہ بنالئے تو یہ نکاح صحیح ہوگا''۔ اس فتویٰ میں فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کی قید لگی ہوئی ہے، درمختار: ۲/۳۶۴، میں ہے۔ اور مولانا احمد علی سعید صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کی تالیف کردہ کتاب ''عورت اور اسلام'' ص: ۴۲ بعنوان ''خط کے ذریعہ نکاح'' بنقل عبارت فتح القدیر پر جو تحریر ہے اس میں اس وکالت کی قید مذکور نہیں ہے۔ پس صورتِ مسئولہ کا فیصلہ از خود مشکل ہوگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ رفیق کو تو یہ کچھ معلوم تھا نہیں کہ خط سنانے کے ساتھ ہی فاطمہ کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب کرنا، پھر بحیثیتِ زوج قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں، اس نے خالی الذہن کے ساتھ وکیل ہونے یا نہ ہونے کی نیت کئے بغیر عورت کے ایجاب نامہ کو سنا کر بحیثیت زوج قبول کرلیا، اس پر دو گواہ بنالئے۔ تو

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشيديه)

اب کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح ہوگیا تو فبہا، اگر صحیح نہیں ہوا تو ایسے نکاح کے بعد جو رفیق نے اپنی منکوحہ سے وطی کی ہے، پھر اس فاطمہ کو طلاقِ مغلظہ دی ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا اس نکاح و وطی وطلاق مغلظ کو کالعدم قرار دیا جائے؟ اور رفیق بلا عدت گزارے اور بلا حلالہ کے دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرسکتا ہے؟ یا فاطمہ عدتِ طلاق گذار کر اور پھر رفیق یا کسی اَور شخص کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے؟ صحیح نکاح نہ ہونے کی صورت میں رفیق اگر دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرنا چاہے تو حلالہ کی ضرورت تو نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے وطی کے بعد تین طلاق دی ہے؟

اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ جواب تشفی بخش طور پر فی الفور براہ راست عطا فرمائیں تاکہ دس روز تک مل جائے، بڑی ہی عنایت ہوگی۔ اس سے قبل قریب ہی میں ایک خط حضرت والا کی خدمت میں برائے دعاء ارسال کرچکا ہوں، امید ہے کہ فراموش نہ فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وکالت کے علاوہ دوسری صورت بھی ہوسکتی ہے اور اس سے بھی نکاح درست ہوسکتا ہے:

" ینعقد النکاح بالکتاب، کما ینعقد بالخطاب، و صورته: أن یکتب إلیها یخطبها، فإذا بلغها الکتاب، أحضرت الشهود، و قرأته علیهم، وقالت: زوجتُ نفسی منه، أو تقول: إن فلاناً کتب إلیّ یخطبنی، فاشهدوا أنی زوجتُ نفسی منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوی: زوجتُ نفسی من فلان، لا ینعقد؛ لأن سماع الشطرین شرط صحة النکاح .... قد سمعوا الشطرین بخلاف ما إذا انتفیا". شامی: ۲/۳٦٤(۱)۔

اس لئے رفیق نے فاطمہ کو جو تین طلاق دی ہیں وہ معتبر ہونگی اور بغیر حلالہ کے فاطمہ کے ساتھ رفیق کا

(۱) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب: ۳/۱۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول فی تفسیره الخ: ۱/۲٦۹، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۸، رشیدیه)

نکاح دوبارہ جائز نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۶/ ۸/ ۸۶ھ۔

نکاح بذریعۂ تحریر

سوال[۵۳۴۷]: ایک نابالغ لڑکی نے جو برادری کے اعتبار سے انصاری ہے اس نے بنا کسی جبر ودباؤ اور لالچ کے بخوشی ایک بالغ شادی شدہ لڑکے صدیقی کے پاس یہ تحریر بھیجی کہ ''میں فلاں بنت فلاں نے اپنا نفس فلاں بن فلاں کے نکاح میں اتنے مہر پر دیدیا''۔لڑکے نے لڑکی کی اس تحریر کو دو گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنائی اور کہا کہ ''یہ تحریر فلاں بنت فلاں نے اپنے نکاح کے لئے میرے پاس بھیجی ہے'' اور گواہوں کے روبرو لڑکے نے لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کرلیا۔کیا یہ نکاح صحیح درست ہوگیا؟

بعد نکاح وہمبستری لڑکی اپنے عزیز واقارب کے دباؤ یا خوف دلانے یا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوکر شوہر کی طرف سے بدظن ہوکر اپنی تحریر سے انکار کردے، یا یہ کہدے کہ یہ تحریر مجھ سے دھوکا دے کر لکھوائی ہے اور شوہر کو اپنا بھائی بھی کہدے تو کیا ایسی صورت میں نکاح میں کوئی فرق آئے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعاً یہ نکاح صحیح (اور درست) ہوگیا(۲)۔نکاح اور ہمبستری کے بعد (اس) لڑکی کا اپنی تحریر سے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: "أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث: ۲/ ۷۹۱، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/ ۱۶۳، ۱۶۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب مالم يكن بلفظ الأمر، فيتولى الطرفين" (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/ ۱۲، سعيد)

"والأصل في ذلك أن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر .... و لو قرأت =

انکار شرعاً معتبر نہیں (۱)۔شوہر کو بھائی کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

کیا پرچہ پر پہیلی لکھ کر حل کراتے وقت ''نکاح'' کا لفظ لکھنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

سوال[۵۳۴۸]: مسمی زید کی سوتیلی ماں مع اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ مکان میں رہتی ہے اوران کے تعلقات مسمی بکر کے گھرانے سے خوشگوار تھے اور بکر کا لڑکا جس کے دوستانہ مراسم زید کے سبب سے سوتیلے بھائی سے تھے۔اور کچھ دنوں تک اس کو ٹیوشن بھی پڑھایا تھا جس کی وجہ سے کثرت سے آمدورفت رہتی تھی، اوراسی سبب سے دونوں گھرانوں میں پردہ کا بھی اہتمام نہ تھا۔

چند ماہ قبل مسمی بکر کا لڑکا جب ٹیوشن پڑھا چکا تو اس نے چال چلی کہ معمہ حل کرانے کے بہانے سے ان کے گھر آکر یہ معمہ لڑکی سے حل کرانے لگا (۳)، جس میں یہ تحریر تھی: ''میں جاوید سے .... کررہی

= الكتاب على الشهود، أو قالت: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه، صح النكاح''. (خلاصة الفتاوى، الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة مع الغائب: ۲/۴۸، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الرابع عشر في النكاح بالكتاب: ۳/۵۴، إدارة القرآن كراچى)

(۱) ''جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخ''. (الدر المختار، مسائل شتى: ۵/۴۵۱، سعيد)

(۲) قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن نور الله مرقده: ''اس صورت میں نکاح قائم ہے،عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا''۔(فتاوى دار العلوم ديوبند: ۱/۲۱۱، باب الظهار)

''قال أصحابنا: لا يصح ظهار المرأة من زوجها، وهو قول مالک والثوری واللیث والشافعي''. (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۳۳، باب في ظهار المرأة من زوجها، قديمى)

(وكذا في الفتاوى الحقانيه، باب الظهار: ۴/۵۲۰، حقانيه)

(۳) ''معمہ حل کرنا: مخفی، پوشیدہ، مبہم، پہیلی، چیستان، پیچیدہ بات، الجھا ہوا مسئلہ حل کرنا''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۲۶۵، فیروز سنز، لاهور)

ہوں اور یہ .... میری مرضی سے ہو رہا ہے، اس پر کسی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ لڑکی نے کہا تم ہی حل کرلو، مگر اس نے سمجھایا کہ یہ تو معمہ ہے اس کو حل کرنے میں کیا حرج ہے؟ جو الفاظ ان دو جگہوں پر فٹ ہوں وہ ان میں لکھنا ہے۔

بہرحال! کافی غور کرنے کے بعد لڑکے نے ''نکاح'' خالی جگہوں پر لکھوا لیا اور اس کو بِنَاء بَنا کر جعلی وفرضی دستخط وکیل وگواہ بنا کر نکاح نامہ واقرار نامہ مرتب کرالیا۔ جب اس کا علم زید کو ہوا تو زید نے ہمشیرہ سے دریافت کیا کہ واقعہ کیا ہے؟ پرچہ لکھ کر دینے اور معمہ وغیرہ کا لڑکی نے اقرار کرلیا اور کہا کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے، اور نہ میرے وہم وگمان میں تھا اور نہ میں کسی قاضی کے پاس گئی اور نہ ہی وکیل سے کچھ کہا اور نہ ہی کوئی گواہ آیا اور نہ تو میں نے کاغذ پر دستخط کئے اور میں حلفیہ کہتی ہوں کہ پرچہ لکھتے وقت میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ اب اس صورت پر کیا پابندی عائد ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جعل سازی سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا، نکاح کیلئے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، یہاں تحریر لکھتے اور دستخط کرتے وقت کوئی سامنے موجود ہوتے اور برضا ورغبت لڑکی تحریر لکھتی جس سے واقعۃً نکاح کرنا مقصود ہوتا اور لڑکا بھی اس پر دستخط کردیتا اور گواہ بھی دستخط کردیتے مگر زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ ادا نہ کئے جاتے اور سب کارروائی تحریری ہوتی، اور اس مجلس میں لڑکا لڑکی گواہ سب موجود ہوتے تب بھی اس تحریر سے شرعاً نکاح منعقد نہ ہوتا۔ ردالمحتار میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ تحریر غائب کے حق میں چند شرائط کے ساتھ معتبر ہوتی ہے، حاضر کے حق میں تحریر سے نکاح نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب". "(قوله: ولا بكتابة حاضر) فلو كتب: تزوجتک، فكتبت: قبلتُ، لم ينعقد بحر. والأظهر أن يقول: فقالت: قبلت؛ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبه، تأمل. (قوله: بل غائب) الظاهر أن المراد به الغائب عن المجلس وإن كان حاضراً في البلد، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/ ۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۸، رشيديه) ....=

ٹیلیفون کے ذریعہ سے نکاح

سوال[۵۳۴۹]: ایک شخص امریکہ میں تعلیم پا رہا ہے وہ شادی کرنا چاہتا ہے، ہندوستان آنے کے لئے بہت روپیہ اور وقت خرچ ہوگا اس لئے وہ چاہتا ہے کہ بذریعۂ ٹیلیفون یا دوسرے ذریعہ سے نکاح کرے توامریکہ میں چند معتبر لوگوں کے سامنے بذریعۂ ٹیلیفون قبول کرسکتا ہے۔ کیا اس طرح نکاح درست ہوگا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوشخص امریکہ میں ہے وہاں بذریعۂ ٹیلیفون یا دیگر ذرائع (خط تار وغیرہ) سے کسی کو ہندوستان میں اپنا وکیل بنادے کہ وہ اس کی طرف سے فلاں لڑکی کے نکاح کو قبول کرلے، پھر یہاں مجلسِ نکاح منعقد کی جائے اور قاضی صاحب یا لڑکی کے والد وغیرہ جوبھی نکاح پڑھائیں وہ کہیں کہ ''میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے جوکہ امریکہ میں ہے کیا'' اور وکیل کہے کہ ''میں نے اس لڑکی کو فلاں کے نکاح میں قبول کیا''، پس اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور صحیح ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۷، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المبحث الثاني، رابعاً: انعقاد الزواج بالكتابة و الإشارة، الناطق في حال الغيبة: ۹/۶۵۳۱، رشيديه)

(۱) ''بعض ٹیلیفون سیٹ ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف ایک ہی بندہ سن سکتا ہے، باقی شرکاءِ مجلس نہیں سن سکتے، اور بعض ایسے سیٹ ہوتے ہیں جن میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ تمام شرکاءِ مجلس بات کو سن سکتے ہیں، لہٰذا جس ٹیلیفون میں یہ سہولت موجود ہوتو اس میں عقدِ نکاح درست ہوگا اور جس میں یہ سہولت میسر نہ ہو اس میں عقدِ نکاح درست نہیں ہوگا، راجع للتفصيل: (خير الفتاویٰ، كتاب النكاح، عنوان: ''فون پر ایجاب وقبول کا حکم'': ۴/۳۶۹، ۳۷۰، ملتان)

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

آنٹہ سانٹہ کا نکاح

سوال [۵۳۵۰]: زید نے اپنی بہن کی شادی بکر کے ساتھ کر دی اور بکر نے اپنی لڑکی کی شادی زید کے ساتھ کر دی، بکر کی یہ لڑکی پہلی عورت کی ہے تو کیا اس طرح شادی ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہو سکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

آنٹہ سانٹہ میں نااتفاقی ہوگئی

الاستفتاء [۵۳۵۱]: دو نکاح ہوئے آنٹہ سانٹہ میں، جس میں چند سال بعد آپس میں نااتفاقی ہوگئی اور انھوں نے اس کی لڑکی چھوڑ دی اور دوسرے نے بھی ان کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ ایک لڑکی دوبارہ راضی ہو کر اپنے خاوند کے پاس چلی گئی اور دوسرے کی دوسری جگہ پر شادی کر دی، اس لڑکی کے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "قال ابن الهمام: وإنما قيد به، ؛ لأنه لو لم يقل على أن يكون بضع كل صداقاً للأخرىٰ أو معناه، بل قال: زوّجتك بنتي على أن تزوجني بنتك، ولم يزد عليه، فقبل، جاز النكاح اتفاقاً، ولا يكون شغاراً، أو لو زاد قوله: على أن يكون بضع بنتي صداقاً لبنتك فلم يقبل الآخر بل زوجه ابنته ولم يجعل صداقاً، كان نكاح الثاني صحيحاً اتفاقاً، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الأول، ۶/۳۰۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في نكاح الشغار: ۳/۱۰۶، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب المهر: ۲/۲۴۲، امداديه ملتان)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس لڑکی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس روز گذر گئے تو اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے(۱)۔ جو لڑکی پھر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی اس نے بھی ٹھیک کیا۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں شوہروں نے اپنی اپنی بیوی کو طلاق نہ دی ہو، اگر طلاق دے دی ہو اور عدت بھی گذر گئی ہو تو پہلے شوہر کے پاس جانے کا حق نہیں رہا اور جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اگر اس کو بھی طلاق دیدی تھی اور اس کی عدتِ طلاق گزر چکی تھی تو پھر انتقالِ شوہر کے بعد کوئی عدتِ وفات لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند۔

ہمشیرۂ داماد کے نکاح کی شرط پر لڑکی کا نکاح

سوال[۵۳۵۲]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اس طریق پر کہ جس سے نکاح اپنی لڑکی کا کرتا ہے اس کی حقیقی ہمشیرہ سے خود نکاح کرنا چاہتا ہے، لڑکا مسمی عبداللہ اور لڑکی ہمشیرہ پرور دونوں کی والدہ ایک

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾. (سورة البقرة: ۲۳۲)

"وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر و عشرة أيام، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۹، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، باب العدة: ۲/ ۴۶۷، امداديه ملتان)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها . وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به: ۱/ ۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/ ۹۴، ۹۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/ ۳۹۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/ ۴۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

اور باپ دو ہیں۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

میاں جی نورالحسن امام مسجد بہاری گڑھ، سہارنپور، ۸/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی اَور مانعِ شرعی نہ ہوتو اس نکاح میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلاشبہ جائز ہے، لقوله تعالیٰ:

﴿وأحل لكم ما وراء ذٰلكم﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۲۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔



---

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ إشارة إلى ما تقدم من المحرمات: أي أحل لكم نكاح ما سواهن الخ". (روح المعاني: ۵/۴، دار الفكر بيروت)

"أي ما عدا من ذُكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضا، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی